خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
آنچل
کراچی
aanchal.com.pk
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

بہنوں کی عدالت

سلسلہ وار ناول

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتہ 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: ماہم تانیہ بٹ رابیل
عکاسی: ایم کاشف (لاہور) آرائش: سالیک بیوٹی پارلر

نئی کونپلیں

افسانہ

مکمل ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس سے جھوٹ بولے، نہ اس پر ظلم کرے اور بے شک تم میں سے ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر وہ کوئی عیب دیکھے تو اس سے دور کردے۔“ (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۳ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

تمام قارئین اور اہلِ وطن کو عید الاضحیٰ مبارک ہو

لیجیے ایک عید گئی دوسری آرہی ہے بلکہ آئی ہی سمجھیں تمام بہنوں کو عید مبارک۔ یہ عید، عید قرباں ہے ہم اللہ کی راہ میں قربانی پیش کرتے ہیں اہلِ خیر حضرات حج کی سعادت سے سرفراز کیے جاتے ہیں تمام اہلِ ایمان اپنے جوش و جذبہ ایمانی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے جس طرح قربانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں کاش ہم سب اسی طرح اسی جذبہ ایمانی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے اعمال و اقوال کی درستگی کرلیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کرلیں تو یقین جانیے ہمارے تمام مسائل چٹکیوں میں حل ہوسکتے ہیں۔ اپنی ذات کی اصلاح کی کہیں سے تو ابتداء کرنا ہی پڑے گی۔ پھر بتدریج معاشرہ اپنے آپ درست ہوجائے گا اگر ہم اپنی اصلاح کرلیں تو ہمارے حکمران اور صاحبِ اقتدار افراد بھی خود بخود درست ہوجائیں گے آئیں ہم نئے پاکستان کے لیے ایک نیا عہد کریں اپنی اصلاح کا اپنے مذہب اسلام کو اپنی ذات پر رائج کرنے کا اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ہم دنیا میں سربلند ہوکر جی سکیں گے اور اپنی آخرت کا بہتر بندوبست کرسکیں گے۔

اس ماہ کے ستارے
”جھیل کنارہ کنکر“ نازیہ کنول نازی اور ”ہاتھوں کا دیا“ نایاب جیلانی کے لازوال مکمل ناول۔
”مجھے ہے حکم اذاں“ اُم مریم ”سویرا قریب ہے“ نادیہ فاطمہ رضوی اور ”عید قرباں پہ ہم قربان یار“ سمیرا غزل صدیقی کے شاہکار ناولٹ۔
”نصیحت“ طلعت نظامی ”ہم ہی نادان تھے“ نازیہ جمال ”تم میرے ہو“ نزہت جبین ضیاء اور ”اترن“ سویرا فلک کے بہترین افسانے۔
”کھٹی میٹھی زندگی“ ثمینہ طاہر بٹ کی نئی کونپل۔

دعا گو قیصر آرا

حمد

تیرا ذکر کیسے کروں بیاں
تو مالک ہے ربّ ذوالجلال ہے
میں کیا اور میری زباں ہے کیا؟
تجھے ہر اک شے پہ کمال ہے
ہر ایک ذرہ کائنات
تیری حکمتوں کی مثال ہے
تیری رحمتوں کی نہیں حد کوئی
تو غضب کا تیرا جلال ہے
ہم کیا ہیں؟ ذرہ فقیر بس
تیری عنایتیں بے مثال ہیں
تیرا شکر اے ربّ کائنات
تیری رحمتیں میری ڈھال ہیں
ہے جبیں خطائیں تیری لاتمام
عنایتیں ربّ کی لازوال ہیں

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

نعت

اگر مصطفیٰ ربّ کو پیارا نہ ہوتا
تو عالم کا ایسا نظارا نہ ہوتا
بھٹکتا یہ مسلم بھی تاریکیوں میں
اگر مصطفیٰ کا سہارا نہ ہوتا
کبھی ظلمتوں کے نہ چھٹتے یوں بادل
کوئی بحر و بر کا کنارا نہ ہوتا
کبھی یوں گھٹائیں نہ رحمت کی چھاتیں
کبھی یوں شیطاں کا خسارہ نہ ہوتا
نہ ہوتی بلند شان اُمتِ مسلمہ
اگر مصطفیٰ جاں سے پیارا نہ ہوتا
غلامی محمد کی ہے اصل جنت
وگرنہ ہر کافر یوں ہارا نہ ہوتا
زمانے کی ٹھوکر میں ہوتے ہم نازی
اگر کملی والا ہمارا نہ ہوتا

نازیہ کنول نازی..... ہارون آباد

editor_aa@aanchal.com.pk

در جوابِ آں

مدیرہ

سیدہ حیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

اچھی حیا! جیتی رہو! محبتوں و چاہتوں سے لبریز خط کے ساتھ آپ کا پہلا شعری مجموعہ "تیرے بعد" موصول ہوا اتنی محبتوں کا تہہ دل سے شکریہ ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں اتنی اچھی کتاب لکھنے پر جس میں چاہت محبت تشنگی اداسی تمام ہی رنگ یکجا کر دیے گئے ہیں بلاشبہ یہ کتاب آپ کے دلی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ آپ کے قلم میں برکت عطا فرمائے اور آپ کو مزید قوتِ اظہار سے نوازے آمین۔

صدف جاوید قریشی...... ہری پور' ہزارہ

اچھی گڑیا' خوش رہو۔ اتنی طویل خاموشی کا قفل توڑ کے آنچل سے رشتہ استوار کرنے کی آپ کی کوشش ہمیں بہت پسند آئی آنچل کی پسندیدگی کا تہہ دل سے شکریہ آپ لوگوں کی دعائیں اور محبتیں ہی ہیں جو آنچل دن بہ دن نکھرتا جارہا ہے۔ سمیرا شریف طور کو آپ کی پسند ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں' ہمیں افسوس ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کی یاد کے حوالے سے ہم کوئی مضمون شائع نہیں کر پائیں گے۔ 8 اکتوبر کے قیامت خیز زلزلے کے حوالے سے جو آپ نے غزل لکھی ہمیں پسند آئی۔ تمام مرحومین کے لیے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

آصفہ اسلم وٹو...... ننکانہ صاحب

آصفہ ڈیئر' سدا خوش رہو۔ شکوہ شکایت سے لبریز خط ملا' اتنی ناراضی ٹھیک نہیں ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اچھی اور معیاری چیز جلد یا بدیر اپنی جگہ ضرور بناتی ہے' ناکامی کے ڈر سے انسان آگے بڑھنا نہیں چھوڑ سکتا' ہم آپ کی محنت کی قدر کرتے ہیں' رہی بات کہانیوں کی تو ضروری نہیں کہ رائٹر بنا جائے اور بھی بہت سے کام ہیں جو آپ کر سکتی ہیں' لکھنے کے لیے فی الحال آپ کو کافی محنت کی ضرورت ہے۔ آپ نے ہمارے لیے جو اشعار لکھے ہمیں پسند آئے' امید ہے آپ کی تشفی ہوگئی ہوں گی۔

الوینہ مالک...... گجرات

اچھی گڑیا! سلامت رہو۔ پہلا محبتوں بھرا خط ہمیں آپ کا مشکور کر گیا' آنچل کی محفل میں خوش آمدید' امید ہے اب آئندہ بھی آپ شرکت کرتی رہیں گی۔ نازیہ آپی کو آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

نوین' یاسمین...... گوجرہ

اچھی نوین! مسکراتی رہو۔ آپ کا پہلا خط ملا آنچل کی محفل میں خوش آمدید' آپ کے خط لکھنے کے مقصد سے بہنوں کو بھی آگاہ کر دیتے ہیں کہ وہ تبصرے میں یہ بھی لکھ دیا کریں کہ آپ نے کس کہانی سے کیا سبق حاصل کیا یا کیا تبدیلی آپ کی زندگی میں رونما ہوئی' تمام رائٹرز کو آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں' ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔

مہوش کنول...... لانڈھی

پیاری مہوش! سلامت رہو۔ آنچل کی پسندیدگی کا تہہ دل سے شکریہ آپ کی کہانی ابھی موصول نہیں ہوئی اور آنچل کے تمام سلسلوں میں شرکت کا طریقہ کار وہی ہے' جس طرح آپ نے ہمیں یہ خط بھیجا لیکن ہر سلسلے میں شرکت کے لیے الگ صفحہ کا استعمال ضروری ہے ایک ہی صفحے پر تمام نگارشات ارسال کرنے سے وہ ضائع کر دی جاتی ہیں۔

الفت اینڈ فائزہ عباسی...... چناری آزاد کشمیر

الفت اور فائزہ! خوش رہو فرحت آپا کو اللہ جنت نصیب فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ آنچل پسند کرنے کا شکریہ' آپ کی تجویز نوٹ کر لی ہے مگر پرانے ناولوں کی دوبارہ اشاعت کا سلسلہ ابھی ہمارے لیے ممکن نہیں' بہت سی نئی و پرانی بہنیں کافی طویل انتظار کر رہی ہیں اپنی کہانیوں کی اشاعت کے لیے ایسے میں جگہ کی کمی کے باعث ایسا کرنا مشکل ہے۔ آسیہ مرزا اور عفت سحر کو ہم بھی یاد کر رہے ہیں' انہیں کہہ دیتے ہیں کہ وہ جلد ہی کچھ نیا لکھیں۔

امن علی...... ساہیوال

امن ڈیئر! سلامت رہو۔ دعاؤں بھرا پہلا خط ملا' ہمیں اچھا لگا۔ امید ہے آئندہ بھی آپ حاضری لگواتی رہیں گی آپ کی کہانی موصول ہوگئی ہے باری آنے پر پڑھ کے رائے دے دیں گے' آپ نے ہمارے لیے جو شعر لکھا ہمیں پسند آیا۔

صدف سلیمان...... شور کوٹ شہر

صدف ڈیئر! سلامت رہو۔ شکوہ سے بھرپور خط ہمیں بھی اداسی سے دوچار کر گیا' گڑیا ہمیں آپ کا کوئی خط موصول نہیں ہوا تو جواب کیسے دیتے' اب یہ خط ملا ہے تو جواب دے رہے ہیں تمام رائٹرز کو آپ کی پسند پہنچا رہے ہیں اب تو شکوہ ختم نہ؟

ہما شیراز...... سرگودھا

ہما جی! ہنستی مسکراتی رہو۔ اچھی اور معیاری چیز اپنی جگہ ہمیشہ خود ہی بنا لیتی ہے' آپ کی کہانی موصول ہوگئی ہے باری آنے پر ہی پڑھ کے رائے دے پائیں گے۔ گڑیا یہ بہت غلط بات ہے کہ آپ نے اپنے پاپا سے کہہ دیا کہ ڈیڑھ دو سال بعد آپ کی کہانی چھپے گی' لکھنا اچھی بات ہے اس کے لیے محنت بہت ضروری ہے لکھنے کو انا کا مسئلہ بنانا عقلمندی نہیں' ابھی آپ محنت کریں۔ ہم 8 تاریخ تک موصول ہونے والے خطوط ہی شائع کرتے ہیں اور کہانیاں ہمیشہ رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے دفتر کے پتے پر ہی ارسال کریں۔

رابعہ رحمان...... عارف والا

رابعہ ڈیئر! خوش رہو۔ آپ کا شکایت نامہ ملا' لیجیے جواب حاضر ہے تعارف کے لیے عرض ہے کہ تعارف ہمیشہ باری آنے پر ہی شائع کیا جاتا ہے اگر دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہو تو آپ سے پہلے جن بہنوں نے تعارف بھیجے ہیں ابھی وہ بھی انتظار کر رہی ہیں اور شاعری ہم متعلقہ شعبے کو بھیج دیتے ہیں قبول و رد کا مرحلہ وہیں طے پاتا ہے' معیاری ہوتی ہے تو ضرور شائع ہوتی ہے ورنہ معذرت۔

عطیہ نواز قاضی...... گوجرانوالہ

اچھی گڑیا! جیتی رہو۔ محبتوں بھری تعریف موصول ہوئی' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی کہانی موصول ہوگئی ہے باری آنے پر پڑھ کر ہی رائے سے آگاہ کر پائیں گے۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

فائزہ! سلامت رہو آپ کو بھی عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔ گڑیا ہم کسی سے ناراض نہیں ہوتے آپ کا خط موصول ہی نہیں ہوا تو جواب کیسے دیتے؟ سمیرا شریف کو آپ کے خط ہم نے پہنچا دیے ہیں' نازیہ کا ناول "وہ جو ریگِ دشتِ فراق ہے" اور عشناء کوثر کا ناول "افسوں جاں" کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں' آپ مکتبہ القریش لاہور سے یہ حاصل کر سکتی ہیں' تعارف کے لیے فی الحال انتظار کریں۔

اقراء ارشد...... شاہ نکڈر

اچھی بہن! سلامت رہو۔ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید' ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ایسے ہی شرکت کرتی رہیں گی' گڑیا ہمیں آپ کے اشعار موصول نہیں ہوئے اچھے اور معیاری اشعار ہم جلد یا دیر سے شائع ضرور کرتے ہیں۔

اقصیٰ چوھدری...... گجرات

اقصیٰ ڈیئر! خوش رہو۔ دیوانگی و محبتوں بھرا خط ہماری آنکھیں نم کر گیا۔ ناکامی کے ڈر سے آگے بڑھنا چھوڑنا سراسر حماقت ہے آپ محنت کرتی رہیں' آنچل ضرور آپ کی حوصلہ افزائی کرے گا' کہانی موصول ہوگئی ہے جلد ہی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ غزل متعلقہ شعبے میں بھیج دی ہے معیاری ہوئی تو چھپ جائے گی۔

سیدہ کنزیٰ زین...... منڈی بہاؤالدین

کنزیٰ ڈیئر! مسکراتی رہو۔ محبت و ہمت لیے لبریز خط ہمیں خوشی سے دوچار کر گیا' یہ بہت خوب لکھا آپ نے کہ ابھی تو میں پہلی سیڑھی پر کھڑی ہوں ابھی تو منزل کی طرف میں نے قدم قدم بڑھنا ہے' کبھی گروں گی تو کبھی اٹھوں گی لیکن ایک دن ان شاء اللہ اپنی منزل پر ضرور پہنچ جاؤں گی۔ ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ آپ اسی طرح لگن سے محنت کرتی رہیں اور ان شاء اللہ ایک دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرے ایم اے انگلش میں ایڈمیشن کے

لیے بھی ڈھیروں دعائیں۔ کہانی ابھی پڑھی نہیں ہے جلد ہی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

امبرین کوثر...... تله گنگ
امبرین ڈیئر! سلامت رہو۔ گاؤں کی ترقی وخوش حالی کی جانب آپ کا بڑھایا ہوا قدم "الخدمت فاؤنڈیشن" ہمیں بے حد پسند آیا' اتنی مصروفیات میں سے آپ نے وقت نکال کے ہمیں یاد کیا اچھا لگا۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

طیبه نذیر...... شادیوال گجرات
پیاری بھانجی! سلامت رہو۔ آنچل کی پسندیدگی و پذیرائی کا شکریہ یہ ہمارا پکا وعدہ ہے کہ آپ ہمیشہ ہماری دعاؤں میں رہیں گی بھولنے کا تو سوال ہی نہیں' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

مدیحه گل...... فیصل آباد
مدیحہ ڈیئر! سدا خوش رہو۔ دس سال بعد خاموشی کا قفل توڑ کر آپ کا ہمیں مخاطب کرنا اچھا لگا' ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی' نازیہ کنول نازی کو آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

عظمیٰ فرید خان...... ڈی آئی خان
عظمیٰ ڈیئر! سدا سکھی رہو۔ شادی مبارک' عیدالاضحیٰ آپ کو بھی مبارک آپ ہم سے اسی طرح بات کرسکتی ہیں جس طرح آپ نے یہ خط لکھا ہے' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

دعا ملک...... سرگودھا
اچھی گڑیا! جگ جگ جیو۔ پہلی بار آپ کی شرکت پسند آئی خوش آمدید' لکھنے کے حوالے سے آپ کا جنون پسند آیا' تحریر موصول ہوگئی ہے باری آنے پر پڑھ کے رائے سے آگاہ کردیں گے۔

فاریه بتول...... لاله موسیٰ
اچھی گڑیا! خوش رہو۔ محبتوں وشرارتوں بھرا خط ہمیں مسکرانے پر مجبور کرگیا' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ' اچھی گڑیا آپ کی کہانی "دھوپ چھاؤں زندگی" ناولوں کے ڈھیر میں دب گئی ہے ہمارے پاس جگہ کم ہے اور کہانیاں بہت' آپ تھوڑا انتظار اور کرلیں ہم پوری کوشش کریں گے کہ جلد شائع کردیں' آپ کی تجویز نوٹ کرلی گئی ہے افسانہ موصول ہوگیا ابھی پڑھا نہیں۔

شفق راجپوت...... گوجره
اچھی گڑیا! خوش رہو۔ شاعری کی تو اس کے شعبے والے ہی جانیں ہم نے آپ کی شاعری پہنچادی ہے قبول ورد کا مرحلہ وہیں طے پاتا ہے' ہلکی پھلکی اصلاح کرکے شعبے والے شائع کردیتے ہیں آپ کا پہلے بھی کلام شائع ہوچکا ہے آپ مطالعہ وسیع کریں اور محنت۔

ام گل آرزو...... تربیلا ڈیم
آرزو ڈیئر! سلامت رہو آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ' آپ نے خود کہا کہ آپ ابھی طفل مکتب ہیں اس لیے محنت کرتی رہیے' آنچل ضرور آپ کی رہنمائی کرے گا آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں' تھوڑا انتظار کرلیں۔

بشریٰ باجوه...... اوکاڑه
بشریٰ! سلامت رہو۔ آپ کا افسانہ اس قابل تھا اس لیے ہم نے شائع کیا' ہماری کاٹ چھانٹ سے آپ کو رہنمائی ملی یہ جان کر خوشی ہوئی' ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ایسے ہی محنت سے لکھتی رہیں گی۔ اچھی اور معیاری تحریروں کے لیے ہمارے پاس ہمیشہ جگہ رہتی ہے "محبت ہار جاتی ہے" کے لیے ابھی آپ انتظار کریں۔

مدیحه کنول سرور...... چشتیاں
پیاری گڑیا! خوش رہو۔ اتنا المناک خط ہماری پلکیں نم کرگیا' عید پر آپ کے چشتیاں میں آگ لگ گئی لاکھوں کا نقصان ہوا ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور تمام قارئین سے بھی دعا کی درخواست کرتے ہیں' اللہ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

جویریه سلیم...... راولپنڈی
پیاری بہنا! سلامت رہو۔ دعاؤں بھرا خط ملا' یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ "گرتے ہیں شہہ سوار ہی" محنت کرتی رہیے' دونوں افسانے موصول ہوگئے ہیں' وقت کی کمی کے

باعث ابھی پڑھے نہیں جلد ہی رائے دے دیں گے۔

فائقه سکندر حیات...... لنگوبال' گجرات
فائقہ جی! خوش رہو۔ اتنی محبتوں کا شکریہ' سعدیہ اہل کاشف کو ہم بھی بہت یاد کررہے ہیں' نادیہ فاطمہ رضوی کو آپ کی دعائیں وتعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ماریه شیخ محمد سردار...... کراچی
پیاری گڑیا! سکھی رہو۔ دعاؤں ومحبتوں بھرا خط ہمیں خوش کرگیا "محبت کا صلہ محبت سے" کے لیے معذرت قبول کرو' ہم آپ بیتی یا سچی کہانیاں شائع نہیں کرتے اس کے علاوہ آپ کا انداز تحریر بھی کافی کمزور ہے' ابھی آپ صرف مطالعے پر توجہ دیں' فی الحال کہانی نہ لکھیں۔

ثمینه کوثر...... ڈوگه' گجرات
ثمینہ! سلامت رہو۔ شکوہ نامہ موصول ہوا جواب حاضر ہے' گڑیا ہم کسی کو نظرانداز نہیں کرتے آپ کا خط ہمیں اب موصول ہوا ہے تو پہلے جواب کیسے دیتے۔ "دہکتی شام سے پہلے" کے لیے عرض ہے کہ تھوڑا انتظار کریں' رائے سے آگاہ کردیں گے۔

قرۃ العین' صائمه عمرین...... داربن کلان
اچھی گڑیا! خوش رہو۔ شکایت بھرا خط موصول ہوا' اتنی بدگمانی اچھی نہیں آپ کی معیاری نگارشات ہم ضرور شائع کرتے ہیں یہ آپ لوگوں کی محبتیں ہی ہیں جن کی بدولت آنچل نکھرتا ہے۔ تعارف کے لیے عرض ہے کہ باری آنے پر ہی شائع ہوگا' ہمیں امید ہے کہ آپ کی تشفی ہوپائے گی۔

ام ثمامه...... جھڈو' سندھ
ڈیئر ام ثمامہ! جیتی رہو۔ آپ کی دونوں کہانیاں موصول ہوگئی ہیں' باری آنے پر پڑھ کے رائے سے آگاہ کردیں گے۔ "دوستی ایسا ناتہ" کے لیے ہم پہلے بھی معذرت کرچکے ہیں' موضوع کافی کمزور ہے" "بے خبری کا سکھ" اور "محبت سے مجبوری تک" جلد لگادیں گے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

فوزیه احسان رانا...... حاصل پور
فوزیہ احسان رانا! سلامت رہو۔ کہانیوں کے بارے میں عرض ہے کہ "حرام خور" اور "فریب" ہم نے منتخب کرلیں ہیں۔ جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہاں اس سے پہلے والی کہانی کے لیے ہماری طرف سے معذرت۔

ناقابل اشاعت کہانیاں:۔
عادت ہے تمہیں میری' مہکتے جذبے ہائے گرمی' بگ فیملی' نادان محبت' شکست کے سائے' بے زبان محبت کا اثر ہے' رسم دوستی' تیرے آنچل تلے' غم عشق' وہ بے وفا' او کھے پینڈے' تقدیر کے کھیل' شام عید' لمحے قربتوں کے' زندگی کے رنگ چاہتوں کے سنگ' مٹی کا قرض' اک خواب کی دہلیز پر' ہم زندہ قوم ہیں' کھلونا' قوس وقزح کے رنگ' بنت آدم ہوں میں' یقین اعتماد اور محبت' مشعل راہ' تیرے ملنے کے بعد' عید کا چاند' محبت ہے عید زندگی۔

مصنفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں' صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7' فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

ملکِ یوم الدین

مولف: مشتاق احمد قریشی

اللہ تعالیٰ جو مالک ہے ہر ہر چیز کا اور خالق بھی وہی ہے اُس نے جب اپنی کسی بھی مخلوق کو پیدا فرمایا تو اسی وقت اس کو ایک خاص نوعیت کی فطرت بھی عطا فرمائی اور ہر فطرت اپنے وجود میں اپنا قانونِ مکافات رکھتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ بیج تو گندم کا بوئیں اور اس سے جوار اُگے یا چاول اُگ جائیں یا کیکر کا بیج لگائیں اور درخت آم کا پیدا ہو۔ ہر چیز کی فطرت اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدیلی نہیں ہوسکتی۔ فطرتِ الٰہی نے آگ میں خاصہ رکھا ہے کہ وہ جلائے جبکہ سوزش جلن اور تپش اس کی فطرت ہے اور مکافات اس کی یہ ہوگی کہ جو شخص اپنا ہاتھ یا جو چیز بھی آگ میں ڈالے گا آگ اسے جلادے گی یہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کے مکافات سے بچ جائے کہ آگ میں ہاتھ ڈالے اور جلے نہیں ایسے ہی پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے یہ وہ مکافاتِ عمل ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کردی ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ دریا میں یا پانی میں کہیں بھی اترا جائے اور اس مکافات سے بچ جائے یعنی وہ گیلا نہ کرے۔ فطرت کائناتِ ہستی کی ہر ہر چیز اور حالت میں مکافات رکھتی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکافات نہ رکھے ہوں۔ یہی مکافات جزاوسزا سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

آگ کا کام جلانا' پانی کا کام ٹھنڈک پیدا کرنا' زہر کا کام موت' دودھ سے طاقت آتی ہے' کونین سے بخار اتر جاتا ہے' یہ ہم روزمرہ دیکھتے محسوس کرتے ہیں جب انسان ان تمام مکافات پر کسی طرح حیران اور متعجب نہیں ہوتا تو پھر اپنے اعمال کے مکافات پر متعجب کیوں ہوتا ہے۔ جب انسان گیہوں بوتا ہے تو اس کے دل میں یہ خدشہ نہیں ہوتا کہ گیہوں پیدا نہیں ہوگا' چاہے کوئی اس سے کتنا ہی کہتا رہے کہ تم نے جو گیہوں بویا ہے اس سے تو جوار پیدا ہوگی' لوگ ایسا کہنے والے کو پاگل سمجھیں گے' اس لئے کہ انسان کو فطرت کے قانونِ مکافات پر یقین راسخ ہے اور یہ بات انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی کہ فطرت گیہوں کے بدلے جوار یا کچھ اور دے گی' بلکہ انسان تو یہاں تک یقین کرتا ہے کہ اچھے گندم کے بیج سے اچھا ہی گندم پیدا ہوگا برے قسم کا نہیں یعنی جو بوؤں گے وہی اگے گا یہی قانونِ فطرت اور قانونِ قدرت ہے اس لئے اچھے اعمال کے بدلے اچھا یعنی بہشت اور برے اعمال کا بدلہ برا یعنی دوزخ ملے گی۔ یہی مالک وخالق کا اختیار وقدرت ہے کہ مالک نے جس طرح سے جس کو جسفطرت کا حکم دیا ہے وہ اسی پر اسی طرح عمل کرتا رہے گا۔

مالک الملک حکم الحاکمین اور شہنشاہِ کائنات ہست وبود نے اپنے کلام مبارک قرآنِ حکیم میں جزاوسزا

کے لئے ہی الدین کا لفظ اختیار فرمایا ہے کیونکہ مکافاتِ عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لئے اس سے موزوں کوئی اور لفظ ہو ہی نہیں سکتا۔

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے' تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران ۔۲۶)

آیتِ کریمہ میں وہ حقیقتِ الٰہی بیان کی گئی ہے جو عقیدہ وحدالوہیت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت وطاقت کا اظہار ہے اور تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اعلان ہے اس کی کامل قدرت کا اظہار ہے۔ وہی ایک اکیلا مالک الملک ہے اس کے ساتھ کسی طرح کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ قوت وطاقت والا جب جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے عطا کردیتا ہے اس کی عطا کا انحصار اس کی مرضی ومنشاء پر ہے جب چاہتا ہے جس طرح چاہتا اپنی عطا کو واپس لے لیتا ہے۔ وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے تمام اختیارات کا وہ اکیلا ہی مالک ہے جس سے جب چاہتا ہے اپنا ملک واپس لے لیتا ہے اس لئے دنیا میں کوئی بھی کسی بھی چیز کا اصلی مالک نہیں ہے کہ اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق اس میں تصرف کرے۔ انسانوں کی ہر قسم کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو عارضی ہے اور وہ بھی الٰہی شرائط کے تحت۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو ہر چیز کا مالکِ حقیقی واصلی ہے نے اپنی تمام عطا کو مشروط کردیا ہے کہ تمام تصرف اللہ کی حاکمیت' تعلیمات کے تحت حکومت وملکیت میں تصرف ہوسکے گا اور اگر عطا کرنے والے کی شرائط کے خلاف تصرف کیا تو وہ خلاف معاہدہ اور باطل ہوگا۔ کیونکہ اس دنیا کی زندگی میں ہر مسلمان اہلِ ایمان پر فرض ہے وہ ہر باطل کو رد کردے اور صرف احکامِ الٰہی اور قوانین الٰہی اور آخرت کے روز خود اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر حساب دینے پر یقین رکھے۔

دراصل اسلام سے مراد سلامتی ہے جو احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے سے وجود میں آتی ہے۔ پابندی اور اطاعت زندگی کے ہر ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت وتعلیم لینے کا نام اسلام ہے۔ آج کے مسلمان بزعم خود بس نام کے ہی مسلمان رہ گئے ہیں۔ اگر انہیں دعوت دی جائے کہ آؤ کتاب اللہ قرآن مجید کے مطابق اپنے فیصلے کرائیں اور شریعت نافذ کردیں تو وہ آنا کانی اور روگردانی کرتے ہوئے اس بات سے انکار کرتے ہیں۔ بعض صاحب حیثیت لوگ ڈھٹائی سے یہ کہتے ہوئے بھی قطعی نہیں ہچکچاتے کہ زندگی تو دنیا کا نام ہے' اور دنیا کے ساتھ دین کا کیا تعلق اللہ نے انہیں دنیا میں عیش کرنے کے لئے ہی بھیجا ہے۔ عبادت کے لئے اس کے پاس فرشتے بہت ہیں' ان کے خیال میں روزمرہ کی زندگی میں اقتصادی اجتماعی' معاشرتی روابط میں دین کو داخل کرنے' زبردستی گھسیڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایک قدم اور آگے بڑھ کر ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خاندانی زندگی میں بھی دین کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے خیالات اور سوچ وفکر رکھنے کے باوجود وہ خود کو مسلمان سمجھتے اور کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اللہ انہیں

دوزخ میں بھی ڈالے گا تو انہیں پاک صاف کرنے کے لئے ہی ڈالے گا' اور مختصر سے عرصے بعد انہیں جنت میں داخل کردے گا جس طرح سنار سونے کو آگ میں ڈال کر تپاتا ہے اور جب وہ کندن بن جاتا ہے یعنی صاف ہوجاتا ہے تو اسے آرائش وزیبائش کے لئے تیار کردیتا ہے۔ ایسے ہی اللہ انہیں پاک وصاف کرکے جنت عطا کردے گا۔ یقیناً یہ وہی رویہ ہے جیسا کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ نے اختیار کیا تھا لیکن دینِ اسلام کو اُن کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دینِ اسلام سے وہ ایسے ہی دور ہوگئے ہیں جیسے اہل کتاب دور ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے وہ جسے چاہے متقی کردے اور جسے چاہے گنہگار کردے جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کردے۔ اس کے حکم اور اس کے ارادے کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں ہے وہ ایسا مالک ہے جس پر کوئی جبر کوئی دباؤ نہیں ہے۔ اس کے فیصلوں کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے یقیناً وہی صاحب الامر ہے تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ ہر طرح سے ہر قسم کے شرک سے قطعی پاک ہے۔ اس کے اختیار اس کی بڑائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے وہ سب کچھ پورے عدل وانصاف کے ساتھ چلا رہا ہے۔ سب کام عدل کے مطابق کررہا ہے اس کی قدرت بے حد وحساب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا فرمائی اس کے لئے ایک نظامِ فطرت اور دائرۂ کار متعین کردیا ہے وہ اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے وہ کسی بھی طرح کی پابندی کا پابند نہیں ہے وہ مالک ہے محتاج نہیں وہ حاکم ہے محکوم نہیں ہے وہ خود اپنی آپ فطرت ہے وہ کسی فطرت کا پابند نہیں ہے وہ جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے کرلیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کی فطرت وخاصہ جلانا بنائی ہے لیکن جب اس نے چاہا دنیا کی شدید ترین آگ جس کے شعلے آسمانوں سے باتیں کررہے تھے جس کی تپش میلوں دور تک محسوس کی جارہی تھی وہ شدید آگ جسے نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا دینے جلاکر بھسم کردینے کے لئے لگائی تھی آگ اتنی شدید تھی کہ اس کے قریب بھی کوئی نہیں جاسکتا تھا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق کا استعمال کیا گیا تھا لیکن حکم الٰہی سے آگ اپنی فطرت کے خلاف سرد ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رواں رواں محفوظ رہا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کے مطالبے پر ایک پہاڑ سے زندہ اونٹنی برآمد فرمادی۔ فطرت کے خلاف بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا ایسی اور بہت سی مثالیں خود قرآن حکیم میں موجود ہیں کہ اشیاء نے اپنی فطرت کے خلاف اپنے مالک وخالق کے حکم کی تابعداری کی ہے اللہ جو بڑا غالب قوت والا ہر چیز سے بے پرواہ مالک ہے وہ جب جو چاہتا ہے ہوجاتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ سورۃ الزخرف میں اللہ جل شانہ کی ملکیت اور مالک ہونے کا اظہار اس طرح ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان وزمین اوران کے درمیان کی بادشاہت ہے اور قیامت کا علم بھی اُسی کے پاس ہے' اور اُسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (الزخرف۔۸۵)

آیتِ کریمہ میں اللہ جل شانہ کی حکمرانی وبادشاہت کا اعلان ہی نہیں کیا جارہا بلکہ اس کے بے پناہ علم واقتدار کا اور آخرت کا جب سب مخلوقِ الٰہی اس کی طرف لوٹائی جائے گی جب انسان زمین وآسمان کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے اس میں رائج نظاموں پر غور کرتا ہے' ان کی رفتار وآثار پر غور کرتا ہے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ ان سب میں غایت درجہ کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے' اور اس عظیم ترین نظام کائنات کے پیچھے جس بلند ترین عظیم قوت کی عظمت کو دیکھتا ہے اور اس پورے نظام پر اس کے قبضے وکنٹرول کو دیکھتا ہے' تو انسان کا ذہن صاف ہوجاتا ہے ہر قسم کے شک وشبہات دور ہوجاتے ہیں' غور وفکر کرنے والا فرد خود اپنی فطرت کے ذریعے یہ معلوم کرلیتا ہے کہ وہ عظیم اور بے مثال ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

زمین وآسمان میں صرف ایک ہی الٰہ ہے' ایک ہی معبودِ حقیقی ہے' جو قطعی لاشریک ہے' اس کا ہر کام بڑی دانائی وحکمت والا ہے جو وہ اپنے بے پناہ' بے قید علم کے مطابق کرتا ہے' آیتِ کریمہ کی ابتدا لفظ تبارک سے کی گئی ہے جس کے معنی برکتوں والا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں انسان جو تصور رکھتا ہے وہ ان سب تصورات سے بہت بلند اور عظیم ہے' وہ زمین وآسمان اوران کے درمیان کی تمام مخلوقات کا نا صرف خالق ومالک ہے بلکہ ان کی نگہداشت وپرورش کرنے والا رب بھی وہی ہے۔ اسی مالک وخالق کو علم ہے کہ قیامت کا دن اس نے کب مقرر فرمایا ہے کب قیامت برپا ہوگی' کب سب مخلوقاتِ الٰہی کو وہ اپنی قوت وقدرت سے دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا اور سب کو اپنے سامنے اپنے روبرو جمع کرے گا' وہ مالک ہے یوم الدین کا یوم حساب کا یوم حشر کا یوم میزان کا وہ ہر ہر چیز کا ایک ایک ذرے کا مالک ومختار ہے۔

اللہ جل شانہ کی شان وعظمت بے پناہ وبے حد وحساب ہے اس کی ملکیت کی نہ کوئی حد ہے نہ اس کے اختیارات کی کوئی حد ہے وہ بے پناہ قدرت وقوت غلبہ کا مالک ومختار وقادرِ مطلق ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اس کی ملکیت کے اختیارات وصفات اسمائے حسنیٰ کے ذریعے مختصراً ظاہر کئے گئے ہیں جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تمام دنیا کے درختوں کے قلم بنائے جائیں اور تمام سمندروں کی روشنائی تب بھی اللہ تعالیٰ کے ملکیت اس کے اقتدار واختیار کے بارے میں کم ہی لکھا جاسکے گا' (تشریح وتفصیل کے لئے ہماری کتاب ''اللہ جل شانہٗ'' جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر مختصر قرآنی جائزہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔)

(جاری ہے)

مشعال اسلام

ملیحہ احمد

السلام علیکم سب قارئین کو خصوصاً جن کی نظر میری ہی تحریر پر آ کر ٹھہر جائے (آہم)۔ تو جی ہم نے آج خود کو متعارف کروانے کے عظیم معرکہ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بارے میں سوچ ہی لیا' اوہو! ساتھیوں تے سجنوں پلس قارئین معزز صفحہ پلٹنے کی تیاری کیونکر کی جا رہی ہے بھئی؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم آپ کے ہیں کون؟ چلو کوئی گل نہیں یارو! ہم بتا دیتے ہیں کیونکہ ہم ٹھہرے ڈھیٹ بندے کہاں پیچھے ہٹنے والوں میں سے ہیں (آپ کو اپنے بارے میں بتا کر ہی چھوڑیں گے) تو ہم ہیں جناب مشعال اسلام ہے (خوب صورت ہے ناں میرا نام' تھینکس)۔ ہم اس دنیا پر چھانے اور اپنے ماں باپ کے سروں پر رحمت کی چھاؤں بننے 18 اکتوبر کو پاکستان کی سرزمین (گاؤں کلاچی) تشریف لائے۔ اچھا جی سب سے پہلے پسند ناپسند کے بارے میں بتاتی چلوں' پھول گلاب کا بہت پسند ہے۔ پھلوں میں آم اور آلو بخارا پسند ہے (بٹ جس آلو بخارے کو بخار نہ ہو)۔ ڈش بریانی شوق سے کھاتی ہوں' بلیک' وائٹ' پنک اور ہلکا فیروزی رنگ بہت پسند ہے۔ موسم بہار کا جنون کی حد تک پسند ہے خصوصاً بہار کے موسم میں چاندنی رات میں نہر کے کنارے دور تک چلنا بہت پسند ہے (بس یار اتنا ہی' یہ تو جان جوکھن کا کام ہے)۔ عظیم ناں سہی مگر ایک حساس دل کی مالک ہوں' اچھی خوشبوئیں اور اچھے لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں' چکن بالکل پسند نہیں ہے اور سبزیوں میں آلو پالک اور بھنڈی بہت پسند ہیں۔ دوسروں کا دکھ بہت دکھی کرتا ہے۔ خواہشات بہت کم ہیں مگر جو بھی ہیں وہ بہت پُرزور ہیں اور دعا ہے کہ وہ کبھی حسرتوں میں نہ بدلیں۔ جو میرے اپنے ہیں ان کی زندگیوں کو چودھویں کے چاند کی مانند روشن اور چمکتے دمکتے دیکھنا چاہتی ہوں بغیر کسی داغ کے۔ خصوصاً میری پیاری امی' پاپا' میرے بڑے بھائی ارسلان' میری سسٹر ثانیہ اور چھوٹے بھائی احتشام' کیونکہ میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں مگر کبھی کہہ نہیں پائی۔ آنٹی قیصر آراء سے ملنے کی شدید خواہش ہے اور میں ان کی پُرشفقت گود میں سر رکھ کر اپنے تمام دلی جذبات ان سے شیئر کرنا چاہتی ہوں اس بے درد معاشرے کی داستان سے لے کر اپنوں کی بے رخی تک اور پھر سارا غم آنسوؤں کی صورت بہا کر پُرسکون ہونا چاہتی ہوں (ویسے آپس کی بات ہے میرے درد بھرے الفاظ نے رلا دیا ناں سب کو لو جی اب آنکھوں تک ہاتھ لے جا کر کنفرم کرنے کی کیا تک بنتی ہے ویسے بھی آپ کا دل ضرور رویا ہوگا میرے لیے۔ چاہے آنکھیں نہ روئیں خوامخواہ میں اب مکرنے کی ضرورت نہیں ہے سب جانتی ہوں میں) اور ایک خواہش آزاد کشمیر کی وادیوں میں کھو جانے کی بھی ہے' اس کے علاوہ رائٹر بھی بننا چاہتی ہوں باقی جو خدا کو منظور ہماری طرف سے کوششیں جاری و ساری ہیں اور لاسٹ خواہش ہے کہ حج ادا کروں۔ خیالوں میں گم رہتی ہوں اس لیے اکثر فریج سے پانی کی بوتل نکالنے جاؤں تو خیالوں میں گم کہیں سے گھی کا ڈبہ برآمد کر لیتی ہوں پھر اس میں جھانکنے پر ہوش آتا ہے کہ میری منزل مقصود تو کوئی اور تھی ارد گرد موجود لوگوں سے پوچھنے پر (کہ میں یہاں کیا کرنے آئی تھی) ایک ہی ٹکا سا جواب ملتا ہے کام تمہیں تھا ہمیں کیسے پتا ہوگا' دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا؟ (الٹا سوال)۔ بہت جذباتی ہوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر آنسو پلکوں کی دہلیز پار کر کے گالوں تک آ جانے میں کبھی دیر نہیں لگاتے۔ تھوڑی بھولی ہوں' آج کے تیز طرار لوگوں کی چالیں سمجھنے سے قاصر ہوں' سب پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ آنچل کی دیوانی ہوں (بقول میری امی)۔ دلی جذبات چاہے وہ کسی کے لیے بھی ہوں دل میں ہی چھپا کر رکھتی ہوں کیونکہ میرے مطابق جو مجھ سے پیار کرتا ہے وہ یہ سب جان ہی لے گا۔ ارے دل سے دل کو جو راہ ہوتی ہے اور جو پیار نہیں کرتا اس کے سامنے کچھ کہنے کا مطلب ہے اپنے جذبات کی تذلیل جو مجھے کسی صورت قبول نہیں ہے' اسی لیے میری بیسٹ فرینڈ عاصمہ اسلم کہتی ہے میں جتنا تمہارا خیال رکھتی ہوں اور جتنا تم سے پیار کرتی ہوں اتنا تم نہیں کرتیں (اب یار کچھ باتیں بندہ خود سے ہی سمجھ لے تو اچھا ہے)۔ اس کے علاوہ جن کا ذکر کرنا اور جن کو اپنی فرینڈز کہنا میں قابل فخر سمجھتی ہوں وہ ہیں حنا زہرا' ثمن زہرا' وجیہہ' نادیہ' میمونہ' ماریہ' طاہرہ' فروا' خدیجہ فاطمہ' ثناء حسین' خوشنود فاطمہ وغیرہ۔ اچھا جی بہت تنگ کر لیا آپ کو اور بہت امتحان لے لیا آپ کے صبر کا (آپ کامیاب ٹھہرے)۔ صرف ایک بات اور وہ پاکستان کے لیے پلیز زیادہ سے زیادہ دعا کیا کیجیے (اور میرے لیے بھی) اللہ حافظ۔

کائنات عابد

السلام علیکم! ڈیئر قارئین اور آنچل اسٹاف' جی تو مجھے کہتے ہیں ارے کیا کہتے ہیں بھلا؟ ہاں یاد آیا جی تو میرا نام کائنات عابد ہے ماہدولت 10th کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں' 15 نومبر کی رات ہم (آہم میرا مطلب کہ میں) اس دنیا میں تشریف لائے (ہاہاہا)۔ جی تو مجھے گھر میں ہر بڑا چھوٹا بہنا کہہ کر پکارتا ہے' بھابی کبھی کبھی چندا بھی کہہ دیتی ہیں اور کبھی نام بھی لے لیتی ہیں۔ ہم تین بھائی بہن ہیں' دو بھائی اور ایک بہن۔ بہن اور ایک بھائی کی شادی ہو چکی ہے' میں سب سے چھوٹی ہوں' میری دو گولو مولوسی بھتیجیاں بھی ہیں۔ میرا ایک بھائی ایک ہی ہے جس نے فرسٹ ائیر کے پیپرز دیئے ہوئے ہیں فی الحال فارغ ہے اور مجھے ستاتا رہتا ہے (اچھی بات نہیں ہے نا یہ) میرے بھائی اپنی وائف کے ساتھ اسلام آباد میں رہتے ہیں۔ مستقبل میں میرا ارادہ سائیکالوجسٹ' رائٹر بننے کا ہے۔ رائٹر بننا تو خیر دور کی کوڑی لانا کے مترادف ہے' چلیں چھوڑیں رائٹرز میں مجھے نمرہ احمد' عمیرہ احمد' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور اور فرحت اشتیاق پسند ہیں۔ فیورٹ شخصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فیورٹ کتاب قرآن پاک ہے۔ پسندیدہ رنگ سرخ' بلیک اور پنک ہیں۔ چودھویں کا چاند بہت اچھا لگتا ہے' تنہائی میں خود سے باتیں کرتی رہتی ہوں' دوستیں بہت ہیں پھر بھی من نہیں بھرتا۔ فیورٹ ٹیچر میں مس سعدیہ اور مس رخسانہ سرفہرست ہیں۔ سمندر کنارے ننگے پاؤں واک کرنا اچھا لگتا ہے (مگر میں صرف ایک بار کراچی گئی ہوں) گھومنا پھرنا بے حد پسند ہے (مگر کہتے ہیں نا انسان جو سوچتا ہے وہ ہوتا نہیں میرے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی ہوتا ہے یعنی کوئی گھومنے پھرنے نہیں دیتا' ہے نا بُری بات)۔ مجھے پاکستان سے

بہت پیار ہے اور شدید خواہش ہے کہ اس کے لیے کچھ کروں' کھانوں میں کبھی کچھ پسند ہے' سب کچھ کھالیتی ہوں (ہے نا اچھی بات)۔ سبزیوں میں صرف اروی اور بھنڈیاں نہیں پسند باقی سب کھالیتی ہوں۔ فرینڈز میں صبا بہت اچھی دوست ہے' اس کے علاوہ ثانیہ واحد ہے جس سے میں سب فرینڈز سے زیادہ پیار کرتی ہوں' مگر ہر بات شیئر نہیں کرتی۔ باقی فرینڈز بھی بہت اچھی ہیں جیسا کہ سلوی' نایاب نور' اصغری مریم' ثمن' افصیٰ' جویریہ' آمنہ وغیرہ۔ اب بات ہوجائے خوبیوں کی تو وہ مجھ میں کم ہی ہیں' خوبیاں یہ ہیں کہ نماز اور قرآن پابندی سے پڑھتی ہوں' خوش مزاج ہوں مگر اکثر لوگ مجھے ٹوکتے ہیں کہ زیادہ نہ ہنسا نہ کرو اور میں جذباتی بہت ہوں ذرا سی بات پر رو پڑتی ہوں لوگوں کی باتیں جو تنقید پر مبنی ہوتی ہیں دل پر چھرا چلا دیتی ہیں مجھے ملکۂ جذبات کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی حالانکہ سب مجھ سے ناراض ہوجاتے ہیں پتا نہیں کیوں۔ خامیاں یہ ہیں کہ غصہ بہت آتا ہے پر کبھی کبھار ہی' زیادہ تر ٹھنڈا رہنے کی کوشش کرتی ہوں' موسم سارے ہی پسند ہیں۔ ٹی وی دیکھنے کا بالکل شوق نہیں' گانے بھی نہیں سنتی اس لیے کوئی بھی فیورٹ ایکٹر یا سنگر نہیں ہے۔ تھوڑی بہت موڈی بھی ہوں' تنہائی اور ہجوم بھی موڈ کے مطابق پسند ہے۔ اگر کوئی دوستی کرنا چاہے تو بھی شکریہ نہ چاہے تو بھی شکریہ۔ اب اس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ کبھی مذاق میں بھی کسی کا دل نہ دکھائیں اور کسی کا اعتبار نہ توڑیں۔ اس کے ساتھ ہی اجازت' اللہ حافظ اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

سمیعہ سرفراز

تمام آنچل اسٹاف اور پڑھنے' لکھنے والوں کو میری طرف سے محبت بھرا سلام۔ ارے ارے کدھر بھاگے جارہے ہیں' ابھی تو میں نے صرف سلام کیا ہے۔ مابدولت کو سمیعہ سرفراز کہتے ہیں میں آٹھ اگست کے بے حد گرم دن کو ضلع منڈی بہاؤ الدین کے ایک چھوٹے مگر خوب صورت گاؤں نیڈی راواں میں پیدا ہوئی' ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں اپنی فیملی میں سب سے بڑی ہوں' آج کل ایم اے (اردو) اور ایم اے (ایجوکیشن) کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میری چھوٹی بہن نبیلہ سرفراز شادی کے بعد ماں جیسے عظیم عہدے پر فائز ہے اس کی دو کیوٹ سی بیٹیاں ہیں۔ البرش فاطمہ اور عائشہ فاطمہ' میرا بڑا بھائی محمد قاسم بی ایس سی آنرز کررہا ہے جب کہ چھوٹا بھائی 9th میں پڑھتا ہے' اس کا نام انس سرفراز ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ سے جنون کی حد تک پیار ہے۔ میں ایک زندہ دل لڑکی ہوں' ہنسنا سب کو خوش رکھنا اور اچھی اچھی باتیں کرنا اور ڈھیر ساری دوستیں بنانا میرا مشغلہ ہے۔ میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان ہوجاتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ میری وجہ سے کوئی دکھی نہ ہو۔ مجھے غصہ بہت جلدی آتا ہے لیکن اب کافی حد تک کنٹرول کرتی ہوں' مجھے پُرخلوص اور بامروت لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ خود پسند لوگ اور بات بات پر گالی گلوچ کرنے والوں سے مجھے شدید نفرت ہے۔ میرا فیورٹ کلر وائٹ ہے' فیورٹ پرفیوم ہیوگو' نہ مجھے چاندنی رات پسند ہے اور نہ کوئی پھول۔ مجھے اپنی زندگی میں اس دن کا شدت سے انتظار ہے جب میری جاب لگے گی' ہر سویٹ ڈش میری جان ہے

میں زیادہ نخرے نہیں کرتی ہوں۔ میری بہت سی دوستیں ہیں لیکن جو میری جان ہیں ان کے بارے میں۔ ثمر چوہدری (ہر لمحے کو انجوائے کرنے والی زندہ دل لڑکی)۔ ردا زہرا (بہت حساس اور پیار کرنے والی)۔ نبیلہ سرفراز (میری خاطر کچھ بھی کرنے والی)۔ آپی ثمرین (وفاشعار اور میری بہت پیاری دوست)۔ روبینہ آپی (حسین خوب صورت دل کی مالک)۔ سمعیہ تیمور (پُرخلوص اور بامروت۔ آصفہ (یہ میری وہ دوست ہے جس کے ساتھ میں نے صرف ایک مہینہ گزارا لیکن وہ میرے دل کے ساتھ میری روح کو بھی جیت گئی' وہ جہاں بھی جائے بس خوشیاں اس کا مقدر بنیں' آمین)۔ قراقرم کا تاج محل میرا فیورٹ ناول ہے وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ میری دعا ہے کہ کوئی امیر امیر نہ رہے اور غریب غریب نہ رہے اور اللہ پاک مجبوروں کو سرفراز کرے اور مغروروں کو سرنگوں کرے آمین۔ اپنی رائے ضرور دیجیے گا اس کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں' فی امان اللہ۔

نادیہ کامران

پیاری سی اور کھٹی میٹھی بہنوں السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ یقیناً مزے میں ہوں گی اگر آپ نے مجھے نہیں پہچانا تو کوئی بات نہیں' ہم اپنا تعارف خود کروادیتے ہیں' آہاں جی مابدولت کو نادیہ کامران کہتے ہیں 21 جولائی 1991ء کی ٹھنڈی شام کو اپنے گھر کو رونق بخشی' ضلع راولپنڈی کے گاؤں سنگوٹ سیداں میں رہتی ہوں۔ چھوٹا سا گاؤں ہے سوائے بجلی کے کوئی سہولت نہیں ہے (وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے) لیکن پھر بھی اپنا گاؤں بہت اچھا لگتا ہے۔ اچھا تو کچھ اپنی بات کرتے ہیں' ہم ماشاءاللہ چھ بہن بھائی ہیں اور جناب کو بڑا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اس کے علاوہ ازدواجی زندگی بھی اللہ کے فضل وکرم سے رواں دواں ہے۔ ارے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کوئی خاتون ٹائپ ہوں' نہیں نہیں مجھ میں ایک چلبلی لڑکی کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں چار سال ہوگئے ہیں شادی کو اور ایک چھوٹی سی پیاری سی بیٹی حوریہ ہے' حور سیدہ فاطمہ جسے سب گھر میں حوریہ اور صرف میں پیار سے حوری کہتی ہوں۔ وہ مجھے بالکل تنگ نہیں کرتی جس کی وجہ سے آنچل پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے' دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے ان سب دوستوں کا نام ضرور لوں گی ورنہ وہ ناراض ہوجائیں گی۔ مریم' زاہدہ' صاعقہ' عالیہ' یاسمین' جبین' عدیلہ' شائلہ اور سدرہ میری دوستیں ہیں۔ کھانے میں سب کچھ پسند ہیں جو پکا ہو کھالیتی ہوں (خود جو پکاتی ہوں) پہننے میں شلوار قمیص پسند ہے' عورت کو یہی لباس زیب دیتا ہے' سفید رنگ بے حد پسند ہے۔ شاعری نہیں پڑھتی' رائٹرز میں نایاب جیلانی اور سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں۔ سنگرز میں جنید جمشید پسند ہے لیکن اب وہ نہیں گاتے' کرکٹ شوق سے دیکھتی ہوں' کرکٹرز میں عمر اکمل اچھے لگتے ہیں' ارے آپ اکتا تو نہیں گئے' اچھا اب اجازت دیں اللہ حافظ اور پلیز بتایئے گا ضرور کہ میرا تعارف کیسا لگا۔

بہنوں کی عدالت

سمیرا شریف طور

ادارہ

حافظ اقراء الیاس......لاہور کینٹ

س: سمیرا جی سب سے پہلے آپ کو میری طرف سے محبتوں بھرا اسلام۔ آپ نے کب سے لکھنا شروع کیا؟ اب تک آپ نے کتنے ناول لکھے ہیں؟

ج: آپ کے سوال کا جواب پچھلے تمام انٹرویو میں درج ہے ادھر سے دیکھ لیں۔

س: آپ کا ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" بہت زبردست تھا، محبتوں سے گندھی تحریر تھی، مجھے زرش اور سمعان کی جوڑی بھی کسی اور ناول میں نہیں ملی۔ سمیرا جی آپ نے یہ ناول کتنے عرصے میں لکھا؟

ج: تعریف کے لیے شکریہ! اس ناول کے بارے میں کافی کچھ ڈسکس کرچکی ہوں۔

س: آپ کا پسندیدہ رائٹر شاعر اور ناول کون سا ہے؟

ج: آپ کا جواب پچھلے جوابات میں درج ہوگا ادھر دیکھ لیں۔

س: آپ اپنی فیملی اور تعلیم کے بارے میں بتائیں؟

ج: تفصیل تعارف میں درج ہے۔

س: کون سا ناول جس نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہوا؟

ج: تفصیل گزشتہ بہنوں کے جوابات میں دیکھ لیں۔

س: آپ کا ناول ٹوٹا ہوا تارا تین قسطوں میں چمک اٹھا ہے، مجھے لالہ رخ تابندہ بی لگتی ہیں اور شاید وہی اس ناول کا ٹوٹا ہوا تارا ہیں آپ نے یہ ناول کیا سوچ کر لکھا؟

ج: ناول کی تعریف اور پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ لالہ رخ یا دیگر کرداروں کے متعلق اپنی آراء سے ضرور نوازیے گا ہاں جواب ناول مکمل ہوجانے پر دوں گی۔ قبل از وقت کچھ بھی کہنا ناممکن ہے امید ہے کہانی کا تسلسل اور تجسس برقرار رکھنے کی خاطر آپ کو میرا جواب ناگوار نہ گزرا ہوگا۔ جہاں تک بات یہ ناول کیا سوچ کر لکھنے کی بات ہے؟ تو اقراء اس کے متعلق بھی بعد میں ناول مکمل ہوجانے پر تفصیلی تعارف درج کروں گی۔

فریحہ شبیر......شاہ نکڈر

س: سمیرا آپی آپ کی پہلی تحریر کون سی تھی اور شائع ہونے پر آپ کے تاثرات کیسے تھے؟

ج: فریحہ! آپ کے اس سوال کا جواب پچھلے تمام جوابات میں مل جائے گا ادھر سے دیکھ لیں۔

س: آپ کی اپنی فیورٹ تحریر یا ایسا کردار جس میں آپ کو اپنی جھلک نظر آتی ہو؟

ج: فریحہ اس کا بھی وہی جواب ہے کہ پچھلے جوابات میں دیکھ لیں۔

س: آپی کیا آپ اپنی تحریروں کی طرح حساس طبیعت، نرم دل، احتیاط پسند پر امید دل کش ہیں؟

ج: کبھی گوجرانوالہ آنا ہوا تو آکر مل جانا، دیکھ لینا کہ میں کیسی ہوں ویسے سارے انٹرویو کو پڑھنے کے بعد جو بھی خاکہ بنے اس کو ان تمام القابات سے میچ کرنے کی کوشش کرنا اگر چند خوبیاں مل گئیں تو ٹھیک ورنہ برداشت کر لینا، خوش رہو۔

س: جب کوئی آپ کی تحریروں کی تعریف کرتا ہے، سراہتا ہے، پسند کرتا ہے تو آپ کو کیسا لگتا ہے؟

ج: یقیناً اچھا ہی لگتا ہے، اپنی تعریف کسے بری لگتی ہے، ہاں شروع شروع میں یہ سب اٹریکٹ کرتا تھا مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں عادی ہوتی جارہی ہوں تو بہت زیادہ نارمل بی ہیو کرنے لگ گئی ہوں ہاں جو رویہ اول روز سے برقرار ہے وہ یہ ہے کہ میں خود پسند نہیں بنی اور نہ ہی ان تعریفوں نے میرا دماغ خراب کیا ہے بلکہ اپنا نام سمیرا شریف طور ہونے پر میں دوسری ذمہ داریوں کا شکار ہو رہی ہوں، پہلے جو عادات میری فطرت کا حصہ تھیں اب ان کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ اگر کسی کو پتا چل گیا کہ سمیرا طور ایسی خامیوں کی مالک ہے تو کتنا برا لگے گا۔ ہر پل ہر لمحے بس خود کو چیک ہی کرتی رہتی ہوں کہ یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا۔ ایسا نہیں سوچنا ایسے ری ایکٹ نہیں کرنا بس انہی سوچوں اور رویوں میں اب وقت گزرتا ہے، جب تک خالی سمیرا طور تھی تو کوئی فکر کوئی پریشانی نہیں تھی مگر جب سے سمیرا شریف طور کا لقب ملا ہے، لگتا ہے زندگی بہت باؤنڈ ہوگئی ہے۔ بہر حال قارئین کی محبتوں اور خلوص کا کوئی مول نہیں اور نہ ہی اس قرض کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

س: آپی آپ کی تحریر "زرد موسم کے دکھ" میری فیورٹ تحریر ہے اس کا نام بہت اٹریکٹ کرتا ہے یہ نام آپ نے کیا سوچ کر رکھا تھا؟

ج: "زرد موسم کے دکھ" جب میں نے یہ تحریر لکھی تھی جب میں فرسٹ ایئر یا شاید 10th کلاس میں تھی تب اس کہانی کا نام "وہ اک اجنبی مہربان ہم سفر" تھا۔ یہ کہانی میں نے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" شروع ہونے سے پہلے آنچل میں بھیجی تھی پھر "یہ چاہتیں یہ شدتیں" شروع ہوگئی تو اس کے شائع ہونے کا وقت ہی نہ ملا اور جب یہ ناول زرش والا ختم ہوگیا اور کچھ عرصہ ماہ گزرے تو قارئین کی طرف سے لکھنے کا اصرار بڑھا تو میں نے آنچل رابطہ کیا اور طاہر بھائی سے یہ ناول "زرد موسم کے دکھ" شائع کرنے کو کہا۔ انہوں نے ناول پڑھا اور رابطہ کیا کہ ادارے والے ناول کا نام "وہ اک اجنبی مہربان ہم سفر" بدل کر "زرد موسم کے دکھ" رکھ رہے ہیں اور یہ نام انہوں نے ناول کے اختتام پر

درج شاعری کی پہلی لائن لیا ہے۔

یہ تو تھے ان تمام خطوط کے جوابات جو مجھے ادارے کی طرف سے بہنوں کے سوالات کی شکل میں ارسال کیے گئے تھے، اس کے علاوہ بہنوں نے میرے ذاتی نمبر پر بھی کئی سوالات سینڈ کیے تھے جن کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، میں کوشش کروں گی کہ سبھی کے جواب لکھوں ہاں اگر کوئی بہن رہ بھی گئی تو اس کے لیے معذرت۔

SMS کے ذریعے موصول ہونے والے سوالات

نور چوہدری......عارف والا

س: اپنا کوئی ایسا ناول جو آپ کو بہت پسند ہو؟

ج: "جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا"

س: آپ کے ناولوں میں ہیروئن کا کردار بہت مضبوط نظر آتا ہے آپ کو کس میں اپنی جھلک نظر آئی؟

ج: سارا انٹرویو پڑھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کرنا کہ میں کس کردار میں نظر آرہی ہوں۔

س: کوئی ایسا رشتہ جس سے آپ اپنا ہر دکھ سکھ شیئر کرتی ہیں؟

ج: اللہ تعالیٰ سے اس کے بعد اپنی بہنوں اور امی جی سے۔

س: پہلی ملاقات میں شخصیت میں کیا دیکھتی ہیں؟

ج: مردوں کی نگاہوں میں عورت کے لیے احترام اور عورت کی چال میں اس کے کردار کی جھلک۔

س: کوئی ایسا تحفہ جسے پاکر بہت خوشی ہوئی ہو؟

ج: سندس جبین نے ایک بار میری سالگرہ کے موقع پر مجھے قرآن پاک کا نسخہ دیا تھا جو سعودی عرب شاہ فہد پریس کی طباعت تھا اس نسخے کو پاکر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی اس کے علاوہ تسلیم کے تحفے پاکر خوشی ہوئی تھی۔

س: اگر دعا سے کوئی مل جائے تو کس کو آپ مانگیں؟

ج: میرا عقیدہ ہے کہ تقدیر لکھی جاچکی ہے، ہم اللہ سے دعا کرکے موت کو ٹال نہیں سکتے مگر عمر کی تقدیر میں چند سال بڑھا سکتے ہیں اور دعا سے ہر چیز مل جاتی ہے اور جو نہیں ملتی وہ اللہ کی مصلحت ہے اور میں یہ سوچ کر صبر کر لیتی ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میرے لیے بہتر نہ ہو، بس اللہ تعالیٰ سے اچھے نصیب کی دعا مانگتی ہوں اور دنیا و آخرت میں کامیابی مانگتی ہوں۔

س: اگر آپ کو اس ملک کی صدر بنادیا جائے تو آپ کیا حال کریں گی؟

ج: تو میں سب سے پہلے طالبان کے ساتھ مل کر پورے پاکستان میں سے کفر و شرک کے اڈے ختم کرنے کی کوشش کروں گی اور پھر ایٹمی توانائی کا جائزہ لیتے ملک میں بجلی کے بحران کو ختم کرنے کی کوشش کروں گی۔ یونیورسٹیز اور ایجوکیشن سسٹم میں میل اور فی میل کی تعلیم علیحدہ علیحدہ تعلیم و تربیت کا بندوبست کروں گی۔ امریکہ کے ساتھ تمام سفارتی تعلقات ختم کرنے ان تمام مسالک کا بائیکاٹ کروں گی جو اسلام دشمنی میں پیش پیش ہوں گے۔ یار! یہ بڑی طویل فہرست ہے اسی لیے خدا گنجے کو ناخن نہ دے کہا جاتا ہے۔ خیر میں اسلام میں عورت کی حکمرانی کی سرے سے ہی خلاف ہوں، مذاق ایک طرف مرد حاکم ہی بہترین حکمران ثابت ہوتا ہے اور اللہ ہمیں حضرت عمرؓ جیسے حاکم عطا کرے آمین۔

س: کن لمحوں میں خود کو اچھا محسوس کرتی ہوں؟

ج: جن لمحوں میں میرا دل بہت خوش ہو، بہت مطمئن اور پُرسکون ہو۔ نور چوہدری! سوالات اچھے تھے شکریہ۔ خوش رہو، اللہ حافظ۔

سحر......گوجرانوالہ

س: آپ کی اپنی فیورٹ اسٹوری جو آپ بار بار پڑھتی ہوں اور کیوں پڑھتی ہیں؟

ج: فیورٹ اسٹوری تو میری "جس دھج سے......" ہے مگر میں بار بار "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کو پڑھتی ہوں وہ بھی اس لیے کہ اس کہانی کے کرداروں اور "ٹوٹا ہوا تارا" کے کرداروں میں مماثلت نہ ہو۔

س: آپ کا کوئی ایسا نوال جس کے کردار میں آپ کو اپنا آپ محسوس ہوتا ہے؟

ج: یار! یہ سوال ہر دوسری قاری بہن نے کیا ہے، تم لوگوں کو میرا یہ انٹرویو پڑھنے کے بعد جو بھی میرا خاکہ بنے اس کو میرے کرداروں سے ملا کر دیکھ لینا کہ ان میں کس کے کردار میں سمیرا شریف طور موجود ہے۔

س: زندگی اتنی مشکل کیوں لگتی ہے؟

ج: کس کو مجھے یا آپ کو؟

س: جو دوست ہمیں عزیز ہو وہ ہی کیوں ہمیں دھوکہ دیتے ہیں؟

ج: ہوسکتا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہو، جس کو ہم دوست کہتے ہیں وہ جب دھوکہ دے تو پھر وہ دوست نہیں ہوتا اور جو دوست ہوتا ہے وہ دھوکہ نہیں دیتا۔ آپ کی امی آپ سے محبت کرتی ہیں کیا انہوں نے کبھی آپ کو دھوکہ دیا ہے، نہیں نا؟ تو سحر ڈیئر! اللہ ہمارے حق میں جو بہتر ہے اس کا زیادہ اچھی طرح علم رکھتا ہے، اسے پتا ہوتا ہے کہ یہ دوست ہمارے لیے بہتر نہیں وہ اس کے دھوکے کے ذریعے ہماری زندگی میں سے اس کو نکال دیتا ہے، ایسے لوگوں کے نقصان پہ ماتم کرنا بے وقوفی ہے اور سحر تو بہت اچھی سمجھ دار لڑکی ہے وہ بھلا ایسی بے وقوفی کیوں کرتے ہی ہیں نا؟

س: ہم پڑھنے والوں کو کوئی اچھی سی نصیحت جو ہم ہمیشہ یاد رکھیں؟

ج: زندگی کے رستے میں پتھر بہت آتے ہیں مگر وہ ہماری منزل نہیں ہوتے اور جو ہمارے منزل ہے وہ بہت دور ہے۔ کسی

پھر (نشانِ راہ) کو منزل سمجھ کر کبھی قیام مت کیجیے گا۔ ہم لڑکیاں بڑی نادان ہوتی ہیں' جھوٹی امیدوں اور جھوٹے بہلاووں میں بہت جلد آ جاتی ہیں اور پھر اپنی ذات کا سارا اعتماد ختم کر بیٹھتی ہیں۔ جو ہماری منزل ہے وہ دور ہے اس کی خبر اللہ کو ہے اور نشانِ راہ ٹھوکر لگا کر سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں اگر ایک بار ٹھوکر کھا کر جو سنبھل گیا زندگی ہمیشہ منزل کے اختتام پر اسے کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہتی ہے اور جو نشانِ منزل کو ہی منزل سمجھ بیٹھے تو زندگی اسے ٹھوکروں پر رکھ لیتی ہے۔ امید ہے نصیحت یاد بھی رکھیں گی' خوش رہیں اللہ حافظ۔

آمنہ لطیف...... لاہور

س: کبھی کسی چینل سے ڈرامہ لکھنے کی آفر ہوئی؟

ج: جی ہاں آمنہ! چند ایک چینلز سے آفر ہوئی ہیں' مگر ابھی تک میں خود بھی لکھوں یا نہ لکھوں کے درمیان معلق ہوں تو زیادہ دھیان نہیں دیا۔ خصوصاً مس تنویر جو AB پروڈکشن سے تعلق رکھتے تھے اور آج کل وہ عبداللہ کاروانی کے ساتھ ہیں انہوں نے دلچسپی ظاہر کی تھی اور میں نے بھی۔ دیکھیے اس فیلڈ میں آتی ہوں یا نہیں' ابھی قبل از وقت کچھ کہنا ممکن نہیں' ہاں میں جب نے جب بھی لکھا کسی اچھی ٹیم کے ساتھ ہی کام کروں گی۔ ابھی بہت وقت ہے میرے پاس (اگر زندہ رہی تو......) عجلت اور جلد بازی میں ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔ دیکھتی ہوں کیا کرتی ہوں۔

مہک ملک...... بورے والہ

س: یہ چاہتیں یہ شدتیں لکھتے ہوئے کیا سوچا تھا کہ اتنا زیادہ مشہور ہوگا کہ آپ کی شہرت کا باعث بن جائے گا؟

ج: مجھے اپنی ذات اور صلاحیتوں پر اعتماد تھا اور یقین بھی تھا کہ یہ بہت زیادہ ٹاپ پر جائے گا مگر اس قدر مشہور ہوگا یہ یقین نہیں تھا۔ اس معاملے میں خود کچھ بھی نہیں ہوں' اللہ کی عنایت اور آپ لوگوں کی محبتیں ہیں بس۔

س: آپ کی فیورٹ رائٹرز آنچل میں کون سی ہیں؟

ج: عفت سحر طاہر' عشنا کوثر سردار اور سب سے بڑھ کر آسیہ مرزا۔

اریبہ شاہ اینڈ فرینڈز...... بہاولپور

س: آپی! آنچل کے علاوہ آپ کس ڈائجسٹ میں لکھتی ہیں؟

ج: جس میں بھی میری تحریر آپ کو پڑھنے کو مل جائے سمجھ لیں ادھر لکھ رہی ہوں۔

س: آپ کو اپنا کون سا ناول سب سے زیادہ پسند ہے؟

ج: "جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا۔"

س: اپیا! زرش اور سمعان والا ناول میرا موسٹ فیورٹ ہے' ٹوٹا ہوا تارا بھی آپ اتنا ہی خوب صورت لکھیے گا؟

ج: فرمائش نوٹ کر لی ہے ان شاء اللہ کوشش کروں گی' ناول کی تعریف کے لیے شکریہ۔

س: آنچل میں لکھنے والی کون سی رائٹر آپ کو بہت اچھی لگتی ہیں؟

ج: آسیہ مرزا اور عفت سحر طاہر۔

س: سمیرا آپی آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟

ج: اس کا بھی جواب دیا جا چکا ہے۔

صنم ناز...... گوجرانوالہ

س: ہم ایک ہی شہر میں رہتی ہیں' کبھی آپ ملنے آئیے اور آپ کی آواز بہت ہی پیاری ہے تو میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں؟

ج: تو یہ کون سا مشکل کام ہے کسی دن ایڈریس لے کر میرے گھر آ جانا' خوب اچھی طرح دونوں مل لیں گی اور آپ کی تعریف کا شکریہ۔

س: آپ کی اپنی پسندیدہ اسٹوری کون سی ہے؟ اور آپ اتنی پیاری پیاری کہانیاں کیسے لکھ لیتی ہیں؟

ج: آپ کی محبتیں مجھ سے لکھوا لیتی ہیں ورنہ جانیے مجھے کچھ بھی لکھنا نہیں آتا اور پسندیدہ کہانی کا جواب دیا جا چکا ہے۔

س: "ٹوٹا ہوا تارا" اس کہانی میں ہم آپ کی جھلک کس کردار میں دیکھ سکتے ہیں؟

ج: میں اپنی کہانی کے ہر کردار میں موجود ہوں گی' جس میں مرضی دیکھ لیجیے گا۔

بشریٰ باجوہ...... اوکاڑہ

س: آپ دوسرے رسالوں میں کیوں نہیں لکھتیں؟

ج: تعلیمی اور جاب کی مصروفیات کی وجہ سے کہیں اور کے لیے وقت ہی نہیں ملا۔ اب فارغ ہوئی ہوں تو دیکھیے کیا کرتی ہوں' ارادہ تو یہی ہے کہ بھی رسالوں میں اب باقاعدہ لکھا کروں۔

س: کشمیر کے ٹاپک پر بھی کچھ لکھیں پلیز؟

ج: بشریٰ! ان شاء اللہ ضرور' آپ دعا کریں اللہ ہمیں حق لکھنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

س: کوئی ایسا لمحہ جس نے آپ کو بدل دیا ہو؟

ج: بہت تکلیف دہ سوال ہے اس کا جواب رہنے دو۔

س: فیملی میں اور کس کا ادب سے لگاؤ ہے؟

ج: اللہ کا شکر ہے اپنی فیملی میں ایک صرف میں ہی واقع ہوئی ہوں باقی سبھی نارمل لوگ ہیں۔ ہاں پڑھنے کی حد تک باقی بھی ادبی ہیں۔

عائشہ بلوچ...... رحیم یار خان

س: سمیرا آنچل کی خوش قسمتی ہے کہ اسے آپ جیسی رائٹر ملی' آپ اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں؟

ج: آپ کی محبت اور ذرہ نوازی ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں۔ آپ لوگوں کی محبتیں مجھ سے لکھواتی ہیں ورنہ میں تو کب کی ہمت ہار چکی تھی۔ آپ کی محبتوں نے ہی دوبارہ

آپ کو بہت مجبور کیا ہے۔

س: ڈیئر سمیرا! یوں تو آپ کا ہر ناول ہی سپر ہٹ ہوتا ہے لیکن زرش والا ناول مجھے بہت پسند ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ زرش میں مجھے اپنی اریبہ شاہ کا عکس نظر آتا ہے؟

ج: ناول پسندیدگی اور تعریف کے لیے شکریہ! زرش کے کردار میں آپ کو اگر اپنی دوست نظر آتی ہے تو یہ آپ کی محبت ہے' خوش رہیں۔

س: سمیرا آپ کے کتنے ناول کتابی شکل میں آ چکے ہیں؟

ج: "محبت دھنک رنگ اور ڈھ کر یہ چاہتیں یہ شدتیں' محبت یقین اعتماد۔ اس میں چھ ناولز ہیں "محبت یقین اعتماد' جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا' مسافر لوٹ آئے ہیں' پاگل سا میرا ڈھول' یا ہم دل ہارے ہیں' کسی پتھر کی مورت سے۔" زرد موسم کے ..." یہ بھی کتابیں القریش پبلشرز والوں کی طرف سے پبلش ہو چکی ہیں۔

س: بسترآپ اور نازیہ کنول نازی میری فیورٹ رائٹرز ہیں' "ٹوٹا ہوا تارا" وہ بھی بیسٹ جا رہا ہے اس کا اینڈ خوش گوار کیجیے گا۔

ج: عائشہ! میری اور نازیہ کی تعریف کے لیے شکریہ۔ "ٹوٹا تارا" کا تو ابھی آغاز ہوا ہے اس کا اختتام بھی ان شاء اللہ آپ کی توقعات کے مطابق ہوگا۔

حرا صدیق اینڈ ایمن صدیق...... بورا سیٹ

س: آپ کی پہلی تحریر کون سی تھی جو شائع ہوئی تھی؟

ج: "محبت یقین اعتماد۔"

س: آپ کی کہانی "جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا" کیا کتابی صورت میں شائع ہو گئی ہے؟

ج: جی ہاں القریش پبلشرز والوں نے یہ ناول شائع کیا تھا' ناول آپ کو "محبت یقین اعتماد" کے ٹائٹل والی کتاب میں مل جائے گا' کیونکہ یہ ناول اسی کتاب میں شامل ہے' یہ کتاب چھ ناولز کا مجموعہ ہے۔

شمائلہ بوٹا...... دیپالپور

س: آپ کا نام کس نے رکھا؟

ج: یاد نہیں اور نہ ہی کنفرم ہے۔ ہو سکتا ہے بڑی بہنوں نے رکھا ہو۔

س: آنچل سے آپ کا تعلق کب قائم ہوا اور پہلی تحریر کون سی تھی؟

ج: جواب دیا جا چکا ہے مکمل انٹرویو پڑھ لیں یا تعارف۔

س: آپ کی زیادہ تر کہانیاں فیملی کے اردگرد گھومتی ہیں یعنی آپ پاکستان کی ثقافت کو پیش نظر رکھ کر کہانیاں لکھتی ہیں' کیوں؟

ج: پیاری شمائلہ! اس قدر باریک بینی سے جائزہ لینے کا شکریہ چونکہ میں پاکستان میں ہی رہتی ہوں اور فی الحال میں نے صرف پاکستانی کلچر کو ہی اپنی نگاہوں سے جائزہ لیا ہے۔ بیرونی ممالک کا کلچر ضرور پڑھا ہے مگر پڑھنے اور دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس لیے میری کوشش ہوتی ہیں کہ جو کلچر خاندان میری کہانیوں میں دکھائے جائیں وہ ہمارے اردگرد جیتے جاگتے انسانوں پر مبنی ہوں' کوئی میری کہانی پڑھ کر یہ مت سوچے کہ یہ کیا ہے؟ کوئی تصوراتی یا ماورائی کہانی ہے؟ جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے کرداروں کی نفسیات مڈل درجے کے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے خاندانی ماحول اور اندرونی ثقافت بھی اسلامی رنگ ڈھنگ اور پاکستانی کلچر سے ہم آہنگ رکھنے کی کوشش کرتی ہوں کیونکہ مجھ کو پڑھنے والی قارئین کی زیادہ تر تعداد مڈل طبقۂ فکر سے تعلق رکھتی ہے تو اس تعداد میں اور ان کو اپنی سوچ کے مطابق اگر ماحول ملے تو وہ کہانی پڑھنے میں دلچسپی ظاہر کریں گی ورنہ تصوراتی کہانیوں کو الف لیلیٰ یا ماورائی کہانیاں کہہ کر ریجیکٹ کر دیں گی۔ ایک اور اہم بات پاکستان کلچر اور ہندوستان کلچر میں زمین آسمان کا فرق ہے پچھلے ماضی قریب میں دونوں قومیں اکٹھی رہ چکی ہیں مگر میں سمجھتی ہوں کہ جس طرح ہندوستانی ثقافت ہے اس کے اندر ایک ایسا طلسم ضرور ہے جو ہر دوسرے کو اپنے رنگ میں رنگ سکے۔ اسی لیے اور زیادہ موثرانہ انداز میں پاکستانی ثقافت کو اپنی کہانیوں خصوصاً اسلامی ثقافت کے مطابق دکھانے کی سچ پر کاربند ہوتی ہوں اور میری ان تمام خواتین سے التماس ہیں جو ایسے ڈرامے دیکھتی ہیں پلیز اپنے چھوٹے بچوں کے ذہنوں کو اس تباہ کار کلچر سے بچائیں یہ اغیار کی سازش ہے ہمارے مذہب اور ہمارے کلچر کے خلاف۔ صرف اسلام کی اصل روح کو مسمار کرنے کی ایک کوشش ہے۔

س: آپ کے قلم میں روز بروز اضافہ ہو اور میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور پہلی بار آپ سے کچھ پوچھنے کی جسارت کر رہی ہوں' اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو آمین۔

ج: آمین' دعاؤں کے لیے اضافہ' شمائلہ سوالات کے لیے شکریہ' آپ کے سوالات کا جواب دے دیا ہے' خوش رہیں' اللہ حافظ۔

ہادیہ اظفر بخاری...... ننکانہ صاحب

اعتذار

سمیرا سے فیر احمد ناسازی طبیعت کی وجہ سے اس بار "بھیگی پلکوں پر" نہ لکھ سکیں ہے۔ اس لیے اس ماہ اُن کا ناول شامل اشاعت نہیں ہے اور آپ سب سے ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ ناول پڑھ سکیں گی۔

س: کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ ٹوٹ کر بکھری ہوں؟
ج: ہادیہ! یہ سوال رہنے دو جواب لے کر کیا کرو گی؟
س: اور جب بھی ایسا ہوا تو لگا کہ اب جی نہیں پاؤں گی تو تب کس نے سہارا دیا؟
ج: اللہ تعالیٰ کی ذات نے پھر میرے گھر والوں کی محبت نے، قارئین کی محبتوں اور خلوص نے اور سب سے بڑھ کر آنچل کی محبتوں اور ہما انور جی کے خط نے ان کی دوستی نے ان کی دعاؤں اور مشوروں نے اور میں نے ابھی کے لیے پھر لکھنا شروع کیا تھا۔
س: محبت انسان کو مضبوط بناتی ہے لیکن یکطرفہ محبت توڑ کیوں دیتی ہے؟
ج: ہادیہ اس کے جواب کے لیے بھی معذرت کیونکہ ابھی تک یک طرفہ محبت کا تجربہ نہیں ہوا۔ رائٹر ضرور ہوں اور اگر رائٹر کی نگاہ سے دیکھوں تو اس کا جواب میری تحریروں میں سے بھی مل جائے گا۔ ہادیہ! بہت مشکل سوال ہے اور مجھ جیسے نالائق انسان کو اس کا جواب بھلا کیونکر آ سکتا ہے معذرت۔
س: جب انسان کچھ کہنا چاہے لیکن لب ساتھ نہ دیں، کچھ بولنا چاہے مگر الفاظ کھو جائیں تو تب انسان کو کیا کرنا چاہیے؟
ج: یار ہادیہ! تمہارے سوال بہت مشکل ہے جب ایسی کیفیت ہو تو میرا خیال ہے انسان کو بالکل چپ رہنا چاہیے تاوقتیکہ اس کے اندر کا انسان اس قابل ہو جائے کہ اس کے اندر کے جذبات خود بخود لفظوں کی صورت لبوں پر آشکار ہو جائیں۔ آرام اور صبر سے اچھے وقت کا انتظار کرتے ہوئے اچھے وقت پر دل کا بوجھ ہلکا کر لینا چاہیے۔ ویسے ہادیہ ایک سوال میں بھی کر سکتی ہوں کہ نہیں۔ اگر کسی ایسی کوئی کیفیت ہو تو اس کیفیت کا کیا نام دیتے ہیں؟ ایس ایم ایس کے ذریعے جواب ضرور دینا، میں انتظار کروں گی۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

س: سمیرا جی آپ کیسی ہیں؟
ج: بہن تمہاری دعاؤں سے ٹھیک ٹھاک ہوں۔
س: آپ نے کبھی محبت کی؟
ج: ہائے...... یہ کیسا سوال ہے؟
س: زندگی آپ کی نظر میں کیا ہے؟
ج: ایک آزمائش، قدرت کا انمول تحفہ مگر وہ تحفہ جس کی حقیقت پانی میں بلبلے کی سی ہے۔ وہ آزمائش جس کی باز پرس اور حشر ہوگی ایک سرائے جہاں قیام عارضی ہے اور زادِ راہ کے لیے بہت تھوڑے نیک اعمال ہیں۔

لاڈو ملک...... دیپالپور

س: ''زرد موسم کے دکھ'' ایک فرضی داستان تھی یا حقیقت پر مبنی؟
ج: تمہیں کیا لگتا ہے؟
س: آپ کی پسندیدہ رائٹر کون ہے؟
ج: وہ جو سب سے اچھا لکھے اور جس کا لکھا ہر لفظ مجھے پسند آ جائے۔ آپ اس لسٹ میں کسی کو بھی کاؤنٹ کر سکتی ہیں، پرانی سے پرانی رائٹر سے لے کر نئی سے نئی رائٹر تک سب کو۔
س: آپ کی پسندیدہ کہانی؟
ج: جواب دیا جا چکا ہے ادھر سے دیکھ لیں۔
س: نئی آنے والی مصنفات کے لیے کوئی نصیحت؟
ج: پچھلے جوابات میں کئی جگہ لکھ چکی ہوں ادھر دیکھ لیں۔

عفت قریشی...... نامعلوم

س: سمیرا جی! آپ نے کبھی محبت کی ہے اگر کی تو کیا وہ ملا؟
ج: یہ عجیب سا سوال ہے مجھے اس کا جواب نہیں آتا اور وہ محبت ہی کیا جس میں ملنے کی آرزو ہو ویسے یہی کہوں گی کہ ہائے عفت! یہ کیسا سوال ہے؟''
س: غصے کا اظہار کیسے کرتی ہیں؟
ج: عفت! قارئین سے جوتے پڑوانے والا سوال کر ڈالا تم نے تو......؟ میں غصے کی بہت تیز اور عجیب سی ہوں۔ مجھے جب غصہ آتا ہے تو خوب بول بال کر نکالوں گی اور جس پر آتا ہے اس پر جب تک جوابی کارروائی کر نہ لوں سکون نہیں ملتا۔ ہاں اکثر جو بھی چیز ہاتھ میں ہوگی دور سے جدھر دل کیا پھینک دوں گی اب میری بلا سے وہ ٹوٹے یا جڑے۔ ہاں اب آ کر میں اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہوں اکثر بہت ناقابلِ برداشت باتوں کو بھی چپ چاپ سننے کی کوشش کرتی ہوں اور جس پر غصہ ہو اس پر خاموشی اختیار کرتی ہوں۔ ہاں گھریلو ذمہ داریوں میں پڑ کر لگتا ہے کہ بہت کچھ سہنا اور برداشت کرنا پڑتا ہے سو ذمہ داریاں پھر امی ہر وقت ہی سمجھاتی رہتی ہیں کہ ''کوئی کچھ بھی کہہ لیں تم نے جواب نہیں دینا، برداشت کرو، جہاں تک ہو سکے غصے پر کنٹرول کرو آگے چل کر زندگی میں مسائل ایسے ایسے بھی ہوں گے کہ اگر آج تم نے سیکھا نہیں تو کل کو نقصان اٹھاؤ گی۔'' اور ماں کبھی غلط نہیں کہتی بس یہی سوچ کر میں اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرتی ہوں بس میں میری یہ غصے والی عادت ہے بھی ہے۔
س: میرے لیے کوئی نصیحت؟
ج: ماں باپ اور بہن بھائی کے علاوہ کبھی کسی پر اعتماد مت کرو، دوستی بہت خوب صورت رشتہ ہے مگر ماں باپ سے بڑھ کر نہیں، کبھی دوستوں کے لیے ماں باپ کا دل مت دکھانا۔

ابھی آرزوؤں کے صحرا ہیں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریضِ محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے

عزیز قارئین!
آداب و تسلیمات!
جھیل کنارہ کنکر کی آخری قسط پیش خدمت ہے۔ اب تک اس ناول کی پسندیدگی کا گراف حوصلہ افزا رہا۔ منطقی انجام پر آپ کی حتمی رائے کا انتظار رہے گا۔ میں جانتی ہوں ڈائجسٹ پڑھنے والی بہت سی بہنیں رومانوی تحریروں کو زیادہ پسند کرتی ہیں مگر جس ماحول اور معاشرے میں ہماری عصر جدید کی رائٹرز سانس لے رہی ہیں وہاں حقیقت سے نگاہیں چرا کر خوابوں کی دنیا کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔
میں ایک محبِ وطن رائٹر ہوں اور میرا قلم میری تلوار ہے۔ میرا پاکستان میرا جنون ہے اسی لیے آج اس کی تباہ حالی مجھے خون کے آنسو رلاتی ہے بالکل ویسے جیسے ادارہ آنچل کے سرپرست انکل مشتاق احمد قریشی کے الفاظ حب الوطنی کی چاشنی میں ڈوبے خون کے آنسو رلاتے ہیں۔
قارئین! ڈیگال فرانس کا ایک عظیم لیڈر قرار دیا جاتا ہے۔ فرانسیسی قوم اس کا وہی احترام کرتی ہے جو ترک "طیب اردگان" اور امریکی ابراہم لنکن کا کرتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کلی طور پر ایک تباہ حال ملک تھا۔ اس کی معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ داخلی بدامنی نے ہر بستی ہر شہر میں سر اٹھایا ہوا تھا۔ جبکہ بے روزگاری فرانس کا سب سے بڑا مسئلہ بن چکی تھی۔ فرانسیسی کشکول میں ڈالے گئے سکوں سے ملک چلا رہے تھے۔ ایسے میں فرانس یورپ کی پچھلی نشستوں پر براجمان کند ذہن بچے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی پس منظر میں "ڈیگال" نے فرانس کی قیادت سنبھالی۔ اس کا سب سے پہلا کام فرانس سے باہر اپنے سارے اثاثے ملک میں منتقل کرنا تھا۔ اس نے افریقا میں اپنی ساری جائیدادیں بیچ دیں مراکش میں اپنے ریستوران فروخت کردیے۔ "طنجہ" میں واقع اپنے ہوٹلوں کی چین اونے پونے داموں بیچ دی۔ حاصل ہونے والا سارا روپیہ اس نے ملک میں خرچ کردیا۔ اس نے کہا میرا جینا مرنا سب فرانس کے ساتھ ہے اگر یہ ڈوبتا ہے تو میں بھی ڈوبوں گا اگر ترقی کرتا ہے تو میں بھی بچ جاؤں گا۔ اس نے فرانس کے تمام رئیسوں اور شریک اقتدار کو قائل کیا کہ وہ بیرون ممالک سے اپنا سارا سرمایہ فرانس لائیں ملک کی سرد ہوتی رگوں میں یہ سرمایہ خون بن کر دوڑنے لگا۔ فرانس کی ترقی میں یہ وہ پہلا پتھر تھا جو ڈیگال نے رکھا تھا۔ اس نے جان توڑ محنت اور ریاضت کو اپنا شعار بنا لیا اس کی زندگی سادگی اور درویشی کی علامت بن گئی۔ اس نے ترقی کے نقشے اور منصوبے بنائے اور ان میں حقیقت کے رنگ بھر کر ملک کے طول و عرض سے غربت کا خاتمہ کر دیا۔
داخلی شورشوں کے دروازے فرانس پر بند کر دیے گئے۔ ہر فرانسیسی مالا مال ہوگیا۔ جبکہ ملک دوسرے ملکوں کو امداد دینے کے قابل ہوگیا یہی وجہ تھی کہ جب اس کا انتقال ہوا تو فرانسیسی قوم نے یوں ماتم کیا جیسے ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو سارا فرانس یتیم ہوگیا ہو۔
آج پاکستان بھی اسی ڈگر سے گزر رہا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ہماری قسمت میں کوئی ڈیگال نہیں ہے۔ آئندہ سالوں میں بھی جانے ہوگا یا نہیں۔ مگر ایک حسرت اور خواہش ضرور ہے کہ کاش اس باصلاحیت ہنرمند غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل قوم کو کوئی دوسرا قائداعظم کوئی دوسرا ڈیگال نصیب ہو جائے، آمین۔ جو عوام کو کڑوی گولیاں کھلا کھلا کر ان کی کمر توڑنے کی بجائے انہیں پرسکون اور خوشحال زندگی دے سکے۔ لاکھوں شہیدوں کی ان سیکڑوں بے مثال شہادتوں اور قربانیوں کا کیا فائدہ اگر قیادتیں دانشمندانہ فیصلہ نہ کریں۔ اس وقت پاکستان بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ جن میں غربت اور بدامنی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔
اپنی اس تحریر کے ذریعے میں خادم اعلیٰ پنجاب سے درخواست کرتی ہوں کہ خدارا تھانہ کچہری کے نظام کو بہتر بنائیں کیونکہ اس نظام کی بربادی نے قوم کے نوجوانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ آپ کی سیاسی مجبوریاں اپنی جگہ مگر پلیز بے جا تشدد اور جھوٹی ایف آئی آر کے سلسلے کا قلع قمع کر کے ایسے پولیس افسران کے خلاف سخت ایکشن لیں جو اپنے فرض اور پیشے سے مخلص نہیں کیونکہ ریاست کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے اگر ایسا نظام تشکیل پا گیا تو مجھے یقین ہے کہ کوئی ماں کا لعل بے گناہ پھانسی نہیں چڑھے گا نہ ہی قیمتی جانیں جھوٹے پولیس مقابلوں کی نذر ہوں گی اور ان شاء اللہ اس سے دہشت گردی کے خاتمے میں بھی خاطر خواہ مدد ملے گی۔
اس کے بعد میں صدر اوباما سے درخواست کرتی ہوں کہ خدارا ڈرون حملے روک دیں۔ مجھے نہیں پتا کہ ان حملوں میں طالبان مرتے ہیں یا نہیں۔ مگر عام معصوم پاکستانی شہری بہت مر رہے ہیں اور جو معصوم بے گناہ لوگ مر رہے ہیں اس سے امریکا کے دشمنوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نفرت کا گراف بھی بڑھ رہا ہے۔
اوباما صاحب ایک صدر کی حیثیت سے آپ پر ملک اور اپنے لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے آپ امریکا کی سرحدوں کو مضبوط کریں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ جو ممالک معاشی دہشت گردی میں ملوث ہیں تو ان کی معاشی حالت سدھارنے میں ان کا ساتھ دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ دہشت گردی جیسا لفظ کسی کو یاد بھی نہیں رہے گا۔ مجھ سمیت تمام مسلمان کسی بھی مذہب اور ملک کے خلاف نہیں آخر میں؛
سدرہ صدیق بڑگواہ سے آپ کی محبتیں مجھ پر قرض ہیں۔ آپ فیس بک پر جب چاہیں مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔ ڈیئر شہنی خان دانیہ امتیاز آنچل روز فروا طاہر میرب فاطمہ جھیل کنارہ کنکر کے لیے آپ سب کی انمول محبتوں کا بے حد شکریہ۔ آخر میں بہاولپور کے ڈاکٹر رانا طارق محمود صاحب آپ کو انسانی فرشتہ کہوں تو غلط نہ ہوگا آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی غریبوں کی زندگی کا وجود قائم ہے۔ انسانیت کے لیے آپ کی مسیحائی اور غیر معمولی خدمات کے لیے میرا قلم آپ کو سلام پیش کرتا ہے۔
اپنی محبتوں اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

فی امان اللہ

❁........❁........❁

اے محبت تیری قسمت کہ تجھے مفت ملے
ہم سے منفرد جو کمالات کیا کرتے تھے
خشک مٹی کو بھی عمارات کیا کرتے تھے
اے محبت یہ تیرا بخت کہ بن مول ملے
ہم سے انمول جو ہیروں میں تلا کرتے تھے
ہم جو لوگوں سے سوالات کیا کرتے تھے
ہم جو سو باتوں کی اک بات کیا کرتے تھے
تیری تحویل میں آنے سے ذرا پہلے تک
ہم بھی اس شہر میں عزت سے رہا کرتے تھے
ہم بگڑتے تو کئی کام بنا کرتے تھے
اور اب تیری سخاوت کے گھنے سائے میں
خلقت شہر کو ہم زندہ تماشا ٹھہرے
جتنے الزام تھے مقسوم ہمارا ٹھہرے
اے محبت ذرا انداز بدل لے اپنا
تجھ کو آئندہ بھی عشاق کا خون پینا ہے
ہم تو مر جائیں گے تجھ کو مگر جینا ہے
اے محبت......

"ثانیہ عباس......!"
ٹریکٹر سے اترتے ہی اس کی نظر ثانیہ عباس پر پڑی تھی۔ جو ہلکی ہلکی پھوار میں بھیگتی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھٹک گیا۔ رات کے اس پہر بھلا وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟
کاٹن کا ٹراؤزر جو اس وقت اس نے زیب تن کر رکھا تھا ہلکی ہلکی پھوار میں بھیگ کر اس کے وجود سے چپک گیا تھا۔ زائر کو سمجھ نہ آئی کہ یہ اس کا الوژن ہے یا حقیقت؟ بارش کسی بھی لمحے تیز ہو سکتی تھی۔ وہ جیسے ٹرانس کی کیفیت میں چلتا عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔ ثانیہ کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کے ٹوٹے ہوئے ناخن سے خون رس رس کر بند ہو گیا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ کیا نہیں تھا اس وقت اس کی آنکھوں میں؟ ثانیہ چاہنے کے باوجود اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا پائی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔
"اتنی رات گئے اتنے خراب موسم میں تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"
"یہی سوال میں بھی پوچھ سکتی ہوں تم سے۔" تیز بارش اور سرد ہواؤں کے سبب اس نے دونوں بازو سینے پر لپیٹ رکھے تھے۔ زائر اس کے لہجے کی ترشی محسوس کر کے لب بھینچ گیا۔
"میں مرد ہوں، صبح سے رات تک مختلف کاموں کے لیے سو جگہ جانا پڑتا ہے مجھے تمہارا اس وقت گھر سے باہر کوئی کام نہیں ہے۔"
"سو واٹ میں کسی کی پابند نہیں ہوں۔ میرا جب جہاں دل چاہے گا میں جاؤں گی۔"
"وہ تو میں جانتا ہوں جو عورت بھرپور محبت کے باوجود اپنے شوہر کو دھوکا دے کر اس کی زندگی سے نکل سکتی ہے اس کے لیے

"یوں خراب موسم میں رات کے وقت گھر سے نکلنا کیا مشکل ہے۔"

"جسٹ شٹ اپ۔"

زائر ملک کے طنز اس کی کنپٹیاں سلگا دی تھیں۔ تبھی وہ دھاڑی تھی مگر زائر نے اثر نہیں لیا۔

"تمہارے یوں چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ مگر پھر بھی ایک وقت آئے گا جب تمہیں چادر اور چار دیواری کی حرمت کا احساس ہوگا۔ تم نہیں جانتیں مسلمان عورت پر اللہ رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ اس کے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔ عورت کی زندگی سے اگر ان دو چیزوں کو نکال دیا جائے تو وہ عورت نہیں رہتی تماشا بن جاتی ہے۔"

"بکواس بند کرو زائر ملک تم جیسے گھٹیا اور کمینے شخص کے منہ سے یہ باتیں بالکل اچھی نہیں لگ رہیں تم جانتے ہو جو کچھ تم نے میری زندگی کے ساتھ کیا ہے۔ تمہی وہ شخص ہو جس نے مجھ سے میری شخصیت کا وقار چھین کر مجھے تماشہ بننے پر مجبور کیا صرف تمہاری وجہ سے آج میں زندگی کی اس سیڑھی پر کھڑی ہوں کہ نہ جی سکتی ہوں نہ مر سکتی ہوں۔" وہ روہانسی ہوئی تھی۔ زائر کا دل دکھ کی شدت سے بھر گیا۔

"بہر حال مجھے تم سے نہ کوئی حساب کتاب کرنا ہے نہ شکوہ گلہ میں صرف اتنی گزارش کروں گی کہ خدارا میرے بچوں کو مجھ سے ملنے دو وہ بہترین تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں میں نہیں چاہتی تمہارا گنوار پن اور فضول کی ضد میرے ساتھ ساتھ میرے بچوں کی زندگی بھی برباد کردے۔ وہ یہاں کے اجڈ ماحول کے عادی نہیں ہیں انہیں اپنے جیسا جنگلی جانور مت بناؤ پلیز۔"

"تم بھول رہی ہو ثانیہ عباس کہ تم بھی اسی شخص کی اولاد ہو جسے یہاں کی مٹی نے پروان چڑھایا تھا۔"

"جانتی ہوں اسی لیے میری ماں نے اس شخص کو میری پیدائش کے بعد یہاں سے کوچ کرجانے پر مجبور کردیا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو یقیناً آج میں بھی تمہاری طرح گنوار یہیں پل بڑھ کر گاؤں کی کسی دیوار پر اپلے تھوپ رہی ہوتی۔" اس کے لہجے میں گاؤں کے قدرتی ماحول کے لیے اتنی نفرت تھی کہ وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

"میرے بچے یہاں کے ماحول میں بہت خوش ہیں ثانیہ عباس۔ جہاں تک ان کی تعلیم و تربیت کی بات ہے تو اس کے لیے تمہیں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ سوہنے کی مہربانی سے ان کے باپ میں اتنا دم ہے کہ وہ تم سے زیادہ مہنگے اداروں میں ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرسکتا ہے۔"

"ہونہہ...... خوب واقف ہوں میں آپ کی ہمت اور دولت سے۔ جو شخص اپنے بچپن کی منگ اور محبت کو پانے کے لیے دوسروں کے گھروں میں ڈاکے ڈالنے دن رات کولہو کے بیل کی طرح کھیتوں میں پسینہ بہا کر بھی اپنا ٹھکانہ تک نہ بدل سکے وہ میرے بچوں کو کیا دے سکتا ہے سوائے ناکام حسرتوں کے۔"

"وہ میرے بھی بچے ہیں۔ تمہیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرورت ہے۔" ایک دم سے وہ چلائی تھی۔

"ماں ہوں میں ان کی میرا بھی ان پر اتنا ہی حق بنتا ہے جتنا کہ تمہارا۔"

"ماں......؟" ثانیہ کے طنز نے اس کے دل پر نشتر کا کام کیا تھا۔

"وہ ماں جو بنا کسی قصور کے ان ننھے فرشتوں کی پیدائش سے پہلے ہی انہیں اپنی کوکھ سے گرانے چلی تھی۔ وہ ماں جس نے صرف اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے ان معصوم پھولوں کو ان کے باپ سے دور کردیا۔ وہ ماں جو صرف اپنے نفس کی بھوک کے لیے ساری حدود وقیود بھلا کر ایک قطعی غیر محرم مرد کے ساتھ زندگی کے شب و روز گزارتے ہوئے اپنی پاکیزگی اور نسوانیت پر سوالیہ نشان لگا رہی ہے۔ اس ماں کے حق کی بات کررہی ہو تم؟"

نشتر لگانے میں اس شخص کا بھی کوئی ثانی نہیں تھا۔ ثانیہ عباس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ بولی تو اس کا لہجہ بھاری ہورہا تھا۔

"اس فکر میں گھلنا چھوڑ دو زائر ملک کہ میں کیا ہوں کیسی ہوں بس اتنا یاد رکھو کہ میں جیسی بھی ہوں تمہارے بچوں کی حقیقی ماں ہوں اور یہ سچائی تم چاہو بھی تو بدل نہیں سکتے؟"

"جانتا ہوں میں اسی بات کا دکھ ہے مجھے۔ بہر حال میرے بچے میرے گھر میں بہت خوش ہیں گاؤں کی زندگی میں ان کے لیے جو مزہ اور تھرل ہے وہ شاید تمہارے اے سی روم اور قیمتی کارپٹ سے سجے محل میں نہیں ہے اس لیے میں چاہ کر بھی انہیں تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ ہاں تم چاہو تو کسی بھی وقت ان سے مل سکتی ہو روکوں گا نہیں۔" وہ شخص مکمل بے حس ہوچکا تھا۔ ثانیہ نے رخ پھیر لیا۔

بارش کے سرد قطروں کے ساتھ اس وقت جو آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے وہ جیسے آگ تھے۔

بارش کی تیزی کے ساتھ ہی بجلی بھی زور و شور سے چمکنا اور بادل گرجنا شروع ہوگئے تھے۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ میرے خیال میں اب تمہیں یہ ایڈونچر ترک کرکے گھر چلنا چاہیے۔"

"چلی جاؤں گی تمہیں میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرورت کیوں نہیں ہے صرف تمہارے ختم کرلینے سے ہمارا تعلق کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔" وہ بہت نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ثانیہ کا غصہ پھر عود آیا۔

"کس تعلق کی بات کررہے ہیں آپ...... ہوں...... کیا ہے ہمارے بیچ؟"

"کیا نہیں ہے ہمارے بیچ؟" گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنے مضبوط ہاتھ ثانیہ عباس کے کندھوں پر جما دیے۔

"تم کیا سمجھتی ہو مجھ سے اور میرے ماحول سے جان چھڑانے کے لیے تم نے ساری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ جبکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ایسا نہیں ہے پھر بھی ہمارا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ میں تم سے اور تمہاری ذات سے دستبردار ہوجاؤں گا کبھی نہیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور ثانیہ کی آنکھیں اس کے انکشاف پر جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"کیا کہا تم نے...... میں نے ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا کہ تم نے مجھے طلاق دے دی؟"

"ہاں......!"

"جسٹ شٹ اپ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے گھٹیا انسان ثابت ہوسکتے ہو طلاق کے وہ پیپرز جو تم نے مجھے بھجوائے تھے وہ میں نے سائن نہیں کیے تھے تم نے کیے تھے۔" بایاں ہاتھ پوری قوت سے اس کے سینے پر مارتے ہوئے وہ دھاڑی تھی۔

"تم نے بے آسرا کیا میرے بچوں کو باپ کے ہوتے ہوئے محرومیوں کے ساتھ جینے پر تم نے مجبور کیا۔ کتنی کوشش کی تھی میں نے اور میری مما نے اس تعلق کو بچانے کے لیے مگر کوئی کوشش بار آور ثابت نہ ہوسکی جس طرح اپنی مرضی سے زبردستی تم نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا اسی طرح اپنی مرضی سے چپ چاپ نکال بھی دیا۔" بھرائے لہجے کے ساتھ کہتی وہ اب رو رہی تھی۔ زائر ملک شاکڈ انداز میں یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ میں نے کوئی پیپرز نہیں بھجوائے تھے طلاق کے۔"

"بکواس تم کررہے ہو صرف تمہاری وجہ سے تمہارے دیے ہوئے دکھ کی وجہ سے میری ماں مرگئی۔ تم بھول سکتے ہو مگر میں وہ لمحات کبھی نہیں بھول سکتی جب دیار غیر میں دو ننھے بیمار بچوں کے ساتھ میں قطعی سرد ماحول میں اکیلی انہیں لے کر بیٹھی تھی اور وہاں کوئی مجھے تسلی دینے والا نہیں تھا۔"

"ثانیہ میں سچ کہہ رہا ہوں میرا یقین کیوں نہیں کررہی تم؟" اب وہ روہانسا ہوچلا تھا ثانیہ نے بھیگی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"بس کرو زائر ملک مت اتنے گناہ اپنے سر لو کہ بخشش مشکل ہوجائے۔ میری ماں اس طلاق کی گواہ تھی جو تم نے مجھے دی۔ اشعر بھی گواہ ہے اور خود تمہاری ماں بھی نہیں یقین آتا تو جاکر پوچھ لو اپنی ماں سے۔"

جتنی بے خوفی اور اعتماد سے وہ کہہ رہی تھی زائر برف ہوکر رہ گیا تھا۔ مگر وہ بنا اس کی طرف دیکھے برستی بارش میں آگے بڑھ گئی تھی۔ زائر سن سا کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہا۔

❀......❀......❀

چاند سیڑھیوں سے گر گیا تھا اور اس کی بائیں ٹانگ پر چوٹ آئی تھی۔ تب سے وہ مما مما چلا رہا تھا۔ زائر نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کے قابو بھی نہیں آرہا تھا۔ گڑیا الگ پریشان ہوگئی تھی۔

سائرہ گرم دودھ لے کر آئی تو اس نے ہاتھ مار کر وہ اسی پر گرا دیا تبھی "سی" کی آواز کے ساتھ اس نے ایک تھپڑ اسے جڑ دیا تھا۔ زائر ہکا بکا رہ گیا۔

"کم بخت منحوس مارے میں کوئی ملازمہ ہوں جو ہر وقت ان کے ناز اٹھاتی رہوں اتنے ہی نازوں پلے ہیں تو رہیں شہر میں اپنی ماں کے پاس یہاں میری جان عذاب میں ڈالنے کیوں آگئے ہیں۔" وہ جھنجلائی تھی۔ زائر کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بیٹے کو تھپڑ مارنے کی؟" تن کر سائرہ کے سامنے کھڑا وہ پہاڑ ہی تو لگ رہا تھا وہ بھی غصے میں آگئی۔

"اپنے بیٹے کا تھپڑ نظر آگیا میرا جلا ہوا بازو اور پاؤں دکھائی نہیں دے رہا۔"

"وہ بچہ ہے تکلیف ملی ہے تم اس کا مقابلہ کروگی؟"

"میں نے تکلیف نہیں دی ہے اسے جو تمہارے یہ بچے تگنی کا ناچ نچا کر رکھیں مجھے سارا دن جیسے میں انہیں سنبھالتی ہوں مجھے ہی پتا ہے۔ تمہیں تو ان کی ماں کا سوگ منانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو سائرہ میں اپنے بچوں کے لیے ایسا رویہ برداشت نہیں کرسکتا۔"

"برداشت نہیں کرسکتے تو جاکر شہر چھوڑ آؤ ان کو واپس پہلے ہی ان کی ماں کی وجہ سے کم اذیت میں نہیں ہوں میں جو تم نے

انہیں بھی لاکر میرے سر پر بٹھادیا ہے۔“

”چٹاخ۔“

ابھی وہ بات پوری بھی نہ کرپائی تھی کہ زائر کے بھرپور طمانچے نے اس کا دماغ چکرا کر رکھ دیا۔

”اتنی ہی تنگ اور عاجز ہو میرے بچوں سے تو کرو شادی اور دفع ہوجاؤ یہاں سے۔ میں نے کوئی ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا تمہیں ساری عمر بٹھا کر کھلانے کا۔ یہ گھر میرا اور میرے بچوں کا ہے۔ یہ جب تک چاہیں گے یہاں رہیں گے دیکھتا ہوں کون نکالتا ہے انہیں یہاں سے۔“ اماں جو قریب ہی بیٹھی تھیں۔ اس کے چہرے سے امڈتا جلال دیکھ کر سہم گئیں۔ بڑے دنوں کے بعد سائرہ نے بھی اپنے رنگ دکھائے تھے۔ صرف ایک لمحے کی صورت حال نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ زائر گھر سے نکل چکا تھا۔ سائرہ بھی تیزی سے امڈتے آنسوؤں کے ساتھ رسوئی میں چھپ گئی تھی وہ روتے ہوئے چاند کو گود میں لیے بہت کچھ سوچ گئیں۔ ابھی کل رات گھر واپسی پر انہوں نے زائر کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ صبح جب وہ فجر کی نماز ادا کررہی تھیں تو وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ ان کے قریب آکر مصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

”اماں۔“ جونہی انہوں نے دعا مکمل کی اس نے پکار لیا۔ جواب میں وہ اس کا چہرہ دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئی تھیں۔

”ماں صدقے جائے کیا ہوا؟“

”اماں کیا میں نے آپ کے سامنے ثانیہ کو طلاق دی تھی؟“ وہ رو رہا تھا۔ وہ دہل گئیں۔

”اللہ رحم کرے ایسا تجھ سے کس نے کہا؟“

”جس نے بھی کہا ہو تو بتانا اماں کیا میں نے کسی بھی طریقے سے اسے خود سے علیحدہ کیا؟“ سرخ بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ جس طرح وہ روتے ہوئے پوچھ رہا تھا ان کا کلیجہ منہ کو آگیا۔

”نہیں بالکل نہیں۔“

”تو پھر وہ کیوں کہتی ہے کہ آپ اس طلاق کی گواہ ہیں جو میں نے اسے دی تھی۔“ ایک دم سے وہ بلکا تھا۔ ماں بیٹے کا ایسا حال دیکھ کر اندر سے کٹ گئی۔

”میں نہیں جانتی ضرور وہ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوگئی ہے۔ خدا گواہ ہے میری اس سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔“ اماں کا چہرہ اور ان کا لہجہ ان کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ زائر نے سختی سے آنکھیں بند کرلیں۔

”وہ ایسا کیوں کررہی ہے میرے ساتھ اماں میں نہیں جی سکتا اس کے بغیر۔“

ان کا وہ شیر بیٹا جو کبڈی اور کشتی میں گاؤں کے دس لڑکوں کو بھی ایک ساتھ چند لمحوں میں زمین چٹا دیتا تھا۔ وہ ان کے سامنے بے بسی کی تصویر بنا رو رہا تھا اور وہ بھی ایک عورت کے لیے انہیں لگا جیسے ان کا دل اپنے بیٹے کے دکھ پر غم کی شدت سے پھٹ جائے گا۔

”کہاں ملی وہ تجھے؟“ اگلے ہی پل انہوں نے پوچھا تھا۔

مگر زائر نے ان کا سوال نہیں سنا۔ نم آنکھوں کے ساتھ وہ اٹھا تھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ سارا دن وہ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہیں اور اب یہ نیا تماشا ہوگیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا وہ اب سائرہ کو رخصت کرنے میں زیادہ دیر نہیں کریں گی۔

❀......❀......❀

ثانیہ جب سے زائر سے مل کر شہر واپس آئی تھی بے حد اداس رہنے لگی تھی۔ پہلے والی بے چینی اور نفرت کی جگہ یاسیت نے لے لی تھی۔ گو اچھی طرح دل کا غبار نکال کر وہ ہلکی پھلکی ہوگئی تھی مگر کوئی چیز تھی جو اسے خوش رہنے نہیں دے رہی تھی۔ اشعر نے شادی کی تیاری مکمل کرلی تھی۔ لوگوں اور قریبی دوستوں میں کارڈز بھی بٹ گئے تھے۔ ہنی مون کی ٹکٹس بھی فائنل ہوگئی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا اشعر سے شادی کے بعد وہ دوبارہ کبھی پاکستان کا رخ نہیں کرے گی۔

اشعر بہت خوش تھا۔ یا شاید اسے ہی ایسا محسوس ہورہا تھا۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔ اس رات ان کی مہندی کی تقریب تھی۔ ثانیہ نے پارلر سے مہندی لگوائی تھی اور خوب رنگ آیا تھا۔ اشعر آنے والے مہمانوں کو خود ہی سنبھال رہا تھا۔ وہ اسٹیج پر سر جھکائے بیٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں پڑی ایگجمنٹ رنگ سے کھیلتی رہی۔ مہندی کی تقریب بہت شاندار ہوئی تھی۔

تھکن سے چور وہ اشعر کو مہمانوں کے درمیان چھوڑ کر سر درد کا بہانہ کرتی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اچانک کسی نسوانی قہقہے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ حلق میں جیسے پیاس کی شدت سے کانٹے اگ آئے تھے۔ بوجھل سر کو سنبھالتی وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”بہت بڑے کھلاڑی ہو تم اشعر حسین ورنہ سچ میں میں بہت ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا تم سچ مچ ثانیہ میں دلچسپی لینے لگے ہو اور شاید اب کبھی لوٹ کر انگلینڈ کا رخ نہ کرو مگر مجھے کیا پتا تھا تم یہاں میرے اور بچوں کے لیے اتنی خوب صورت بساط بچھائے بیٹھے ہو۔“ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور باہر لاؤنج سے روشنی کی ہلکی سی

لکیر ادھ کھلے دروازے سے اندر آرہی تھی۔ ثانیہ کی نظر بے ساختہ سامنے لگے وال کلاک پر پڑی۔ رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ بھلا اس وقت وہاں کوئی عورت کیا کررہی تھی؟ تبھی اشعر کی آواز آئی تھی۔

”تم کیا سمجھتی ہو اشعر حسین نے دنیا نہیں دیکھی۔“

”دیکھی ہے مگر ثانیہ عباس کوئی عام لڑکی نہیں ہے اسے دھوکا دینا اتنا آسان نہیں، پتا نہیں کیسے تم نے اس کی آدھی سے زیادہ جائیداد ہتھیالی اور اب اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں نکاح کے جعلی پیپرز اگر کسی کو پتا چل گیا تو؟“

”پاگل ہو تم اور کچھ نہیں، جب طلاق کے جعلی پیپرز کا پتا نہیں چلا تو نکاح کے جعلی پیپرز کا کیسے پتا چل سکتا ہے۔ جبکہ قاضی اور فرینڈز بھی میرے ساتھ ہوں، پتا ہے آنٹی پر جب فالج کا اٹیک ہوا تھا تو وہ بار بار میری طرف عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں یوں جیسے کہہ رہی ہوں کہ میں ثانیہ کو سب کچھ سچ سچ بتادوں، مگر میں کوئی پاگل ہوں جو اسے سب کچھ سچ سچ بتادیتا۔ جس طرح اس نے مجھے ٹھکرا کر میری توہین کی تھی میں وہ بے عزتی کبھی نہیں بھول سکتا۔ اسی لیے اب ثانیہ عباس کا جو نقصان میرے ہاتھوں ہوگا وہ اس کی خود ذمہ دار ہوگی۔“

”ہوں، ویسے کتنی عجیب بات ہے کہ اب تک اس کے شوہر نے اسے سچائی نہیں بتائی۔“

”کیسے بتا سکتا ہے۔ ثانیہ تو اس کی شکل دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتی۔“

”گڈ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے اب آگے کیا پلان کرنا ہے۔“

”پلان تو کیا ہوا ہے کل فرضی نکاح کے بعد میں اسے ہنی مون کے بہانے ابروڈ لے کر جارہا ہوں وہاں ایک تاجر سے بات کی ہے میں نے ثانیہ کو بھی ملوایا ہے اور اسے ثانیہ بہت پسند بھی آئی ہے ساڑھے تین کروڑ میں سودا طے ہوا ہے۔ سودے کے بعد پاکستان اطلاع بھجوادوں گا کہ ثانیہ کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی یہاں کون ہے ایسا جو اتنی دور اس کی شکل دیکھنے جائے گا۔ یوں اس کی موت کی خبر پھیلا کر اس کی باقی ماندہ جائیداد پر بھی میرا قبضہ ہوجائے گا۔ کہو کیسا لگا پروگرام؟“ اشعر حسین تفاخر سے پوچھ رہا تھا اور نسوانی قہقہے نے ایک مرتبہ پھر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی ثانیہ کو لگا جیسے اس کے سارے بدن پر چیونٹیاں چڑھ آئی ہوں اور اب اسے کاٹ کاٹ کر کھا رہی ہوں۔ یہ کیسی حقیقت تھی جس میں اس کی بربادی کے ذمہ دار خود اس کے اپنے تھے وہ اپنے جن سے ان کا خون کا رشتہ تھا۔

دنیا میں ماں سے زیادہ انسان کا اپنا اور کوئی نہیں ہوتا مگر...... اسے تکلیف پہنچا کر برباد کرنے والی اس کی اپنی ماں ہی تھی۔

اسے لگا جیسے اس کا وجود بلاسٹ ہوکر ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو تیزی سے گھومتے سر کو بمشکل دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

❀......❀......❀

اگلی صبح اشعر اس کے کمرے میں آیا تو وہ جاگ رہی تھی۔ وہ بے تکلفی سے بیڈ پر اس کے قریب ہی ٹک گیا۔

”اٹھ گئی میری پری؟“ وہ بے حد مسرور تھا۔ ثانیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

”ہوں۔“

”طبیعت تو ٹھیک ہے نا، رات بھی جلدی سوگئی تھیں؟“

”ہوں ٹھیک ہے۔“

”گڈ“ چلو جلدی سے اٹھ کر تیار ہوجاؤ پارلر بھی جانا ہے۔“

”نہیں...... میں پہلے اپنے بچوں سے ملنے جاؤں گی۔“

”او کم آن ثانیہ، بچے یہیں آجائیں گے ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”جانتی ہوں، مگر مجھے اپنے بچوں سے ملنا ہے، پلیز۔“

”تم بے کار کی ضد کررہی ہو ثانیہ۔ تم جانتی ہو اس وقت اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تمہیں نہیں ہے مجھے ہے۔“ پہلی بار سرخ آنکھیں اٹھاتے ہوئے وہ چلائی تھی۔ اشعر حیران سا دیکھتا رہ گیا تھا۔

”ہوا کیا ہے تمہیں؟“

”کچھ نہیں ہوا بس مجھے بچوں سے ملنا ہے میں جارہی ہوں۔“

”سوری، نکاح سے پہلے تم کہیں نہیں جاسکتیں۔“ ایک لمحے میں اس نے اپنا روپ بدلا تھا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔

”تم مجھے پابند نہیں کرسکتے اشعر حسین۔“

”کرچکا ہوں۔“ اس کے دہاڑنے کا اثر لیے بغیر وہ خباثت سے مسکرایا تھا۔

”اتنا پاگل نہیں ہوں میں جتنا تم نے مجھے سمجھ لیا ہے بچوں سے ملنے کے بہانے تم وہاں جاؤ گی اور آگے وہ ہوگا تمہارا سابقہ شوہر زائر ملک...... کہاں واپس آنے دے گا وہ تمہیں۔“

”تم بھول رہے ہو اشعر حسین کہ تم سے شادی کا فیصلہ میرا اپنا ہے۔ کسی نے مجبور نہیں کیا تھا مجھے جواب بھاگ جاؤں گی مجھے زائر ملک سے بدلہ لینا ہے تم سے شادی کے بعد میں دوبارہ کبھی

پاکستان نہیں آؤں گی۔ اسی لیے آخری بار اپنے بچوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ تمہیں اعتبار نہیں ہے تو چلو ساتھ۔" اس کا لہجہ اتنا پختہ تھا کہ وہ ڈگمگا گیا۔

"ایسی بات نہیں ہے ثانیہ بس میں تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں۔"

"مت ڈرو میں بیس پچیس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گی۔"

"سچ کہہ رہی ہونا؟"

"ہوں۔" اشعر حسین جیسے بندے کے ساتھ ساتھ رہتے رہتے وہ بھی کھلاڑی بن گئی تھی۔ وہ اطمینان سے ہنس دیا۔

"شکریہ۔ میں نکاح کا بندوبست کرتا ہوں تم جلدی سے واپس آجانا۔"

"ٹھیک ہے۔" متورم نگاہیں جھکا کر اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اور اپنا پرس اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

"یہ کیا کیا اشعر تمہیں اس وقت اسے یوں جانے نہیں دینا چاہیے تھا۔" ثانیہ کے گھر سے نکلتے ہی اشعر کی بیوی اس کے مقابل آگئی تھی۔

"کیوں؟"

"زائر ملک کو اگر اس کی تم سے شادی کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گا۔"

"پتا ہے مجھے تم کیا سمجھتی ہو میں یہاں دونوں آنکھیں بند کرکے بیٹھا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب کی بچی زائر فی الحال گاؤں میں نہیں ہے۔ اسلام آباد گیا ہوا ہے اپنے کسی ضروری کام سے جب تک وہ واپس لوٹے گا چڑیاں کھیت چگ کر اڑ چکی ہوں گی اور پھر عین ٹائم پر میں کسی بھی طرح سے ثانیہ کو ناراض کرکے اپنے لیے کوئی مشکل کھڑی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر اسے ذرا سا بھی مجھ پر شک ہوگیا تو وہ مجھے مزہ چکھانے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کرے گی۔"

اشعر کے لہجے میں ذہانت چھلک رہی تھی۔ اس کی بیوی کو بے ساختہ قائل ہونا پڑا۔ کتنی آسانی سے اس نے ثانیہ کا ہمدرد بن کر اسے بے وقوف بنالیا تھا بیوی کو طلاق دینے کا جھوٹ بول کر اس کی جھوٹی ہمدردیاں بھی حاصل کرلی تھیں۔ وہ خوش تھا کہ ثانیہ کو تاحال اس کی سازشوں کی خبر نہیں ہوسکی تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

عین وقت پر قدرت نے ثانیہ عباس کی آنکھوں پر پڑے دبیز پردے ہٹا دیے تھے اور اب کئی سیاہ راتوں کے بعد ایک روشن اجلی صبح اس کی منتظر تھی۔

❁......❁......❁

اس وقت وہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش میں شام ڈھلے ہوٹل سے وہ اپنے دوست کامران سے ملنے کے لیے اس کی رہائش گاہ پر آیا تھا۔ جب اسے ثانیہ عباس کی شادی کی اطلاع ملی۔ کامران اشعر حسین کے قریبی جاننے والوں میں سے تھا۔ تبھی اس وقت جب وہ اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کامران نے اس سے کہا تھا۔

"یار...... مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔ آخر زندگی کے اتنے اہم معاملات پر یہ عورتیں عقل سے کام کیوں نہیں لیتیں؟"

"کیوں کیا ہوا؟" ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر بیٹھا چائے کی چسکی لیتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"ہونا کیا ہے میرے پارٹنر اشعر حسین کو تو جانتے ہو تم ایک نمبر کا عیاش اور کمینہ بندہ ہے۔ مجھ سے اس کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اب اس کی جو گرل فرینڈ ہے ثانیہ عباس وہ پوری طرح سے اس کے فریب میں آئی ہوئی ہے۔ اس شخص کی وجہ سے اس نے اپنے شوہر سے طلاق لی۔ دو پھول جیسے معصوم بچوں کو چھوڑا اور اب یہ اشعر اسی کی آدھی سے زیادہ جائیداد ہتھیا کر اس سے شادی رچانے جارہا ہے جبکہ پہلی بیوی کو بھی اس نے طلاق نہیں دی۔ میرا دل تو بہت کڑھ رہا ہے یقیناً شادی کے بعد یہ ثانیہ عباس کو بہت ذلیل کرنے والا ہے۔" کامران کہہ رہا تھا مگر زائر کے بدن سے تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم ثانیہ عباس اور اشعر حسین کی شادی؟"

"ہاں یار ابھی کل ہی انویٹیشن آیا ہے مجھے۔ آج مہندی کی تقریب ہے مگر میں نہیں جاسکا۔ میرے بیٹے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے ایک لحاظ سے یہ ٹھیک ہی ہو رہا ہے کیونکہ ثانیہ اب تک بنا نکاح کے ایک ہی چھت تلے اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ تم خود سوچو اشعر جیسے عیاش بندے نے کیا کیا نہیں کیا ہوگا اس کے ساتھ۔" اس وقت کامران کے منہ سے نکلنے والے وہ الفاظ سانپ بچھو بن کر اس کے وجود سے لپٹ گئے تھے۔ مارے اشتعال کے اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا تھا۔

یہ کیا ہو رہا تھا؟

ثانیہ عباس اس کے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی تھی؟

اپنی سنگدلی اور بے وفائی...... کیا وہ اس حد تک بھی جاسکتی تھی کہ ان کے تعلق کا کوئی وجود ہی باقی نہ رہتا؟ وہ جرم جو اس سے سرزد ہی نہیں ہوا تھا اس جرم کے لیے وہ اسے اتنی بڑی سزا کیسے دے سکتی تھی؟

یکلخت لڑکھڑانے والے غصے کے ساتھ اسے ثانیہ عباس کی ذات سے بے حد نفرت محسوس ہوئی تھی۔ وہ اٹھا تھا اور پھر کامران کے روکنے کے باوجود طوفان بنا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

❁......❁......❁

ٹک...... ٹک

فجر کی اذان ہوئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ وہ ابھی فجر کی نماز پڑھ کر کچن میں جانے کا ارادہ کر رہی تھی مگر دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کا ارادہ منسوخ کردیا تھا۔ تین دن ہوئے تھے زائر گھر نہیں آیا تھا نہ ہی خیر خبر کی کوئی اطلاع دی تھی۔ تبھی اس کے لیے پریشان تھے۔ اس وقت بھی اس کا دل دھڑکا تھا اور وہ تیزی سے دروازے کی طرف آئی تھی۔

"کون......؟"

کنڈی گراتے ہوئے اس نے پوچھ لیا تھا۔ مگر اگلے ہی پل ثانیہ عباس کو اپنے مقابل کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"تم......!"

"ہوں مجھے اماں اور زائر سے ملنا ہے۔" محلوں میں پلنے والی وہ شہزادی اس وقت کسی فقیر سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ سائرہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے بعد میں آنا۔" تنک کر کہنے کے ساتھ ہی اس نے دروازہ ثانیہ عباس کے منہ پر بند کردیا تھا۔ ثانیہ کٹ کر رہ گئی۔

"میری بات سنیں پلیز۔" اگلے ہی پل درد کی انتہا پر کھڑے ہوئے اس نے پھر دروازہ پیٹا تھا۔ جواب میں سائرہ نے کھٹ سے دونوں پٹ وا کردیے۔

"کیا ہے؟ کیوں صبح صبح چین سکون حرام کرنے چلی آئی ہو کہہ جو دیا ہے کہ زائر گھر پر نہیں ہے پرسوں آیا تھا بچوں کو لے کر شہر چلا گیا۔ اب جان چھوڑو میری وہ لڑکی اس کی سوچ سے زیادہ بدتمیز اور منہ پھٹ تھی۔ ثانیہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"میں اس سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں پلیز۔"

"میں نے ٹھیکہ نہیں لیا ہوا تم دونوں کو ملانے کا ویسے بھی وہ تمہاری شکل دیکھنے کو تیار نہیں ہے میری اور اس کی شادی ہو رہی ہے چند روز بعد۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنا یہ خوب صورت چہرہ لے کر جہاں سے آئی ہو وہیں واپس لوٹ جاؤ مہربانی ہوگی۔"

"سائرہ کون ہے دروازے پر؟" ثانیہ ابھی جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ زائر کی ماں سائرہ کی تیز آواز پر چونک کر دروازے کی طرف چلی آئی۔ سائرہ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی مگر وہ اس سے پہلے ہی اس کے سر پر پہنچ گئی تھیں۔

"ثانیہ پتر...... تو یہاں؟" ان کا پوچھنا تھا اور ثانیہ کے آنسوؤں میں مزید شدت آگئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ اماں کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

"سب خیریت تو ہے نا زائر کہاں ہے؟" وہ پریشانی سے اس کے پیچھے دیکھ رہی تھیں۔ سائرہ کے چہرے کی سرخی بڑھ گئی۔

"پتا نہیں میں انہی سے ملنے یہاں آئی ہوں۔" گھٹی گھٹی سسکیوں کے درمیان اس نے بتایا تھا اماں متفکر سی اسے اندر لے آئیں۔

"آؤ اندر آجاؤ زائر گھر پر نہیں ہے۔" سائرہ کی نسبت ان کے لہجے میں اپنائیت اور مٹھاس تھی۔ سائرہ نے ان کے پیچھے زور سے دروازہ بند کرکے اپنا غصہ نکالا۔ اماں ثانیہ کو اپنے کمرے میں لے آئی تھیں۔

"ہاں اب بتا کیا چل رہا ہے تیرے اور زائر کے بیچ۔ کیوں اس کا امتحان لے رہی ہے تو ثانیہ۔ کتنے سال ہوگئے ہیں میرے بیٹے کے لبوں سے مسکراہٹ روٹھ گئی ہے۔ بہت رویا ہے وہ تیرے لیے کیوں کر رہی ہے تو اس کے ساتھ ایسا؟" ثانیہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے بے حد آزردہ تھیں۔ وہ ملول سی نظریں جھکا گئی۔

"میں بھی اس کے لیے بہت روئی ہوں اماں میرا خدا جانتا ہے بہت بے سکون رہی ہوں میں اس سے دور رہ کر مگر سارا قصور میرا نہیں تھا میرے اور زائر کے بیچ بہت بڑی غلط فہمی کی دیوار حائل ہوگئی تھی۔" وہ رو رہی تھی اور پھر بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے گزرے پانچ سال کا احوال ان کے گوش گزار کردیا تھا۔ اماں اپنا دل تھام کر رہ گئیں۔ جبکہ سائرہ جو بظاہر ناشتے کی تیاری کر رہی تھی مگر اس کے اندر غم و غصے کے ابال اٹھ رہے تھے۔ ثانیہ عباس کے ہوتے ہوئے وہ اپنی منزل کبھی نہیں پاسکتی تھی۔ لہٰذا اس وقت اگر اس کے دماغ میں کوئی خیال تھا تو صرف ثانیہ عباس کو راستے سے ہٹانے کا جو اس کے خوابوں کی دنیا درہم برہم کرنے کے لیے پھر سے اس کی اور زائر کی زندگی میں آگھسی تھی۔

❁......❁......❁

دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔

ثانیہ اپنی ساری روداد اماں کے سپرد کرنے کے بعد اب آسودہ سی ان کے کندھے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ خونی رشتوں سے فریب کے بعد اسے ان رشتوں کی قدر و اہمیت کا پتا چلا تھا جو سونے کی طرح خالص تھے۔ جنہیں اس کی ذات اور اسٹیٹس سے کوئی لالچ نہیں تھا۔ اللہ رب العزت کی پاک ذات کے بعد جو اس کی عزت کی حفاظت کرنا جانتے تھے۔ ایک ہفتہ قبل اشعر حسین کو چکر دے کر وہ سیدھی حویلی چلی آئی تھی اور پھر بنا کچھ بتائے دادی ماں کے گلے لگ کر اتنا روئی تھی کہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ پورے تین دن لگے تھے اسے خود کو سنبھالنے میں اس دوران اشعر نے اس سے بات کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کو بھی تیار نہیں تھی۔ چوتھے روز جو سب سے پہلا کام اس نے کیا وہ اشعر حسین پر فراڈ کی ایف آئی آر درج کروانے کا تھا۔ اشعر حسین جو راتوں رات باہر بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا پھنس کر رہ گیا۔ محبت کے نام پر کسی کے اعتبار کا خون کرنے کی سزا تو ملتی ہی تھی اسے تاہم اس نے اپنی ساکھ خراب ہونے کے ڈر سے اس سے معافی مانگ کر اس کی تمام جائیداد واپس اس کے نام کروادی تھی۔ اس کام سے فراغت کے بعد دادی ماں کی نصیحت اور ڈھارس بندھانے پر اس نے زائر کے گاؤں کا رخ کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے معاف کرے گا یا نہیں مگر وہ ایک بار اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی ضرور مانگ لینا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

بارش ہو رہی تھی!

پچھلے کئی دنوں کے شدید حبس کے بعد اس روز بارش ہوئی تھی۔ پورے پندرہ دن ہوگئے تھے زائر نے گاؤں کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ تو جیسے گاؤں آنے والا راستہ ہی بھول بیٹھا تھا ثانیہ روز اس کا انتظار کرتی اور روز اس کی آس ٹوٹ جاتی۔ زائر کے ماں باپ کی خدمت کو اس نے اپنا نصب العین بنالیا تھا مگر دل کو چین نہیں تھا۔

سائرہ ہر وقت منہ پھلائے پھرتی تھی۔ آج کل اس نے گاؤں کے نائی کے بیٹے کے ساتھ دعا سلام کر رکھی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس دعا سلام کے پیچھے اس کا کیا مقصد کارفرما تھا۔ ثانیہ کے آنے کے بعد اس نے گھر کے کام کاج سے بھی ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ سارا سارا دن گھر کی چھت پر بیٹھی وہ جانے کیا کیا پلان بناتی رہتی تھی۔

پورے پندرہ دن کے بعد اس روز زائر نے گھر کا رخ کیا تھا۔ ثانیہ اس وقت کپڑے دھونے میں مصروف تھی ساتھ ہی اس نے تندور جلا رکھا تھا۔ سائرہ گھر پر نہیں تھی لہٰذا وہ اکیلی ہی بھاگ بھاگ کر سب کچھ سمیٹ رہی تھی جب وہ ادھ کھلے دروازے سے گھر کے اندر چلا آیا۔

"اماں...... دروازہ کیوں کھلا ہے کتنی بار کہا ہے دروازہ کھلا مت چھوڑا کریں مگر آپ کو......!" قدرے خفگی سے کہتا وہ ابھی دو قدم ہی اٹھا پایا تھا کہ سامنے کپڑے سمیٹتی ثانیہ عباس کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ منہ کے لفظ بھی منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"تم یہاں؟" ثانیہ کی آنکھیں اسے دیکھتے ہی آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔ فقط چند روز میں ہی کتنا بدل گیا تھا وہ چہرے کا سارا حسن اور جاذبیت جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں نے اس کے اندر کا حال اس پر خوب واضح کر دیا تھا۔ وہ شخص واقعی محبت کرنا جانتا تھا۔ ثانیہ نے ہاتھ میں پکڑے کپڑے دوبارہ تار پر ڈال دیے۔

"سائرہ......!" اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی اس نے فوراً دہاڑ کر سائرہ کو آواز دے ڈالی تھی۔ مگر وہ گھر پر ہوتی تو جواب دیتی۔ تبھی راستے میں پڑی کپڑوں کی بالٹی کو ٹھوکر مارتے ہوئے وہ اماں کے کمرے کی طرف بڑھ آیا تھا۔

"اماں......!"

"ماں صدقے جائے کیوں چلا رہا ہے۔" وہ ابا کو کپڑے تبدیل کروا رہی تھیں تبھی اس کے دہاڑنے پر فوراً لپکتے ہوئے باہر آگئیں۔

"کہاں تھا اتنے دن نہ خیر نہ خبر حال بھی فقیروں جیسا بنا رکھا ہے۔"

"میرے حال کو چھوڑیں۔ سائرہ کہاں ہے؟" اس کے چہرے پر سرخی تھی۔ اماں گھبرا گئیں۔

"یہیں محلے میں کسی کے گھر گئی ہوگی بات کیا ہے؟"

"بلا کر لائیں اسے الو کی پٹھی کو نہ اپنی عزت کا خیال ہے نہ کسی اور کی۔" شدید غصے میں بنا ثانیہ کی ذات کو کوئی اہمیت دیے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ثانیہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد سائرہ گھر آئی تو وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

"کہاں تھیں تم؟" اس کی آنکھوں میں تیرتی غصے کی سرخی نے سائرہ کو بھی پریشان کر دیا تھا۔

"کیوں؟ ایسے کیوں پوچھ رہا ہے تو؟"

"جو پوچھا ہے اس کا جواب دے زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ایک مرتبہ پھر وہ دہاڑا تھا۔ سائرہ کا دل زور

سے دھڑک اٹھا۔

"اللہ دتا نائی کے گھر تھی۔ اس کی بیٹی نے بلایا تھا۔"

"چٹاخ۔" اس کے کہنے کی دیر تھی کہ زائر کے تھپڑ نے اسے چکرا کر رکھ دیا۔

"تم کیا سمجھتی ہو اگر میں گاؤں میں نہیں ہوں تو مجھے تمہارے کرتوتوں کی کوئی خبر نہیں۔" وہ چلا رہا تھا ثانیہ سہم کر رہ گئی۔ جبکہ سائرہ کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ وہ اسے تھپڑ بھی مار سکتا ہے۔ تبھی وہ حیران کھڑی اماں کی طرف مڑا تھا۔

"میں نے کہا تھا آپ سے اس کی شادی فائنل کر دیں مگر آپ کو مفت میں فارغ بیٹھ کر کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ نہیں رکھوالی کر سکتیں تو کیوں رکھا اسے گھر میں؟" اب وہ اپنی ماں کی خبر لے رہا تھا۔

"ہوا کیا ہے زائر کیوں اتنا ہنگامہ کر رہا ہے تو۔"

"ہنگامہ......؟ میرا بس چلے تو میں گولی مار دوں جو ایک مرتبہ پھر میری عزت کا جنازہ نکالنے پر تلی ہوئی ہے اور آپ بھی دیکھ لیجیے گا اس بار ابا کے بعد یہ مجھے چارپائی پر ڈالے گی۔" اس کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ اماں نے اپنا کلیجہ تھام لیا۔

"ہائے اللہ نہ کرے ایسے کیوں کہہ رہا ہے تو۔"

"پاگل ہو گیا ہوں اس لیے۔" تنک کر کہتا وہ فوری گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ ثانیہ بے آس و نامراد کھڑی رہ گئی تھی۔

وہ بے نیاز سا جیسے گھر آیا تھا ویسے ہی نکل گیا۔ یوں جیسے اسے ثانیہ کے آنے نہ آنے سے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ سائرہ اسے نفرت سے گھورتی کچن میں جا گھسی تھی۔ وہ گم صم سی وہیں کھڑی رہی۔

❁......❁......❁
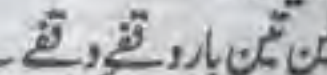
ساون شروع ہو گیا تھا۔

دن میں دو دو تین تین بار وقفے وقفے سے بارشیں ہو رہی تھیں۔ اس روز رات میں ثانیہ کی آنکھ کھلی تو زائر اسی کمرے میں اس سے کچھ فاصلے پر سو رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب آیا تھا اماں آج کل سائرہ کی شادی کے لیے خاصی سرگرم تھیں۔ وہ سارا سارا دن پاگلوں کی طرح زائر کا انتظار کرتی رہتی مگر وہ جیسے ادھر آنا ہی بھول چکا تھا۔

ایک سزا تقدیر نے اسے دی تھی اور ایک سزا اب زائر ملک اسے دے رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھلنا شروع ہوگئی۔ زائر نے بچے شہر میں ہوسٹل میں چھوڑ دیے تھے تاکہ ان کی تعلیم کا حرج نہ ہو۔ باہر صحن میں پھر بارش ہو رہی تھی۔

ثانیہ خاموشی سے اٹھی اور زائر کی چارپائی کے قریب چلی آئی۔ کروٹ کے بل لیٹا وہ بے خبر سو رہا تھا جب اس نے خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کے پیروں پر رکھ دیے وہ جاگ گیا تھا اور پھر فوراً سے پیشتر اس نے اپنے پاؤں اوپر سمیٹ لیے تھے۔

"زائر پلیز مجھے معاف کر دو پلیز۔"

"کس بات کے لیے؟" اس کے لہجے میں اب بھی کاٹ تھی۔ ثانیہ کے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی۔

"تم جانتے ہو میں تم سے کس بات کی معافی مانگ رہی ہوں۔"

"مت مانگو کیوں کہ مجھے تمہاری معافی کی ضرورت نہیں ہے۔" تنک کر کہتا وہ فوراً کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ ثانیہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"زائر میں بہت شرمندہ ہوں میری بات سن لو پلیز پھر جو چاہے سزا دے دینا میں اف بھی نہیں کروں گی۔"

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی کیونکہ جس ثانیہ عباس کو میں نے اپنی عزت بنایا تھا وہ تم نہیں ہو۔" وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا تبھی ثانیہ اس کی آنکھوں سے ٹوٹے آنسوؤں کو نہیں دیکھ سکی تھی۔

"زائر پلیز میں نے تمہاری عزت کے ساتھ کوئی سودا نہیں کیا ہے۔"

"اچھا پانچ سال دیار غیر میں ایک قطعی غیر محرم شخص کے ساتھ شب و روز گزار کر اس کے ساتھ شادی کی پلاننگ کر کے تم سمجھتی ہو تم نے میری عزت کا سودا نہیں کیا۔" اس بار وہ اس کی طرف پلٹا تھا اور ثانیہ اس کی آنکھوں سے ٹوٹتے آنسو دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

"میں قصور وار تھا نا تمہاری نظر میں! میں نے دھوکا دیا تھا نا تمہیں تو تمہیں مجھ سے لڑنا چاہیے تھا سارا حساب کتاب کلیئر کرنا چاہیے تھا فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا۔" قطعی جنونی انداز میں اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے وہ جذباتی ہوا تھا۔ ثانیہ کے لبوں کو جیسے قفل لگ گیا تھا۔ وہ پلٹا تھا اور پھر کمرے میں جا کر اس نے اندر سے چٹخنی لگا لی تھی۔ ثانیہ فجر تک وہیں صحن میں بیٹھی بھیگتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

شہر میں زائر کا بنگلہ تکمیل پا گیا تھا لہٰذا آج کل وہ شہر آیا ہوا تھا۔ بنگلے کی ملکیت اس نے ثانیہ عباس کے نام کر دی تھی۔

اس روز موسم بہت اچھا تھا۔ ثانیہ چھت پر بیٹھی مسلسل زائر کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ جب سائرہ اس کے لیے دودھ کا گلاس لے کر وہیں چلی آئی۔ شام میں دودھ دوھنا اور پھر سب گھر والوں کو تقسیم کرنا اسی کی ذمہ داری تھی۔ ثانیہ نے قدموں کی چاپ پر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ لو دودھ خالہ نیچے بلا رہی ہیں تمہیں۔" اس کے دیکھنے تک وہ قریب آچکی تھی۔ ثانیہ نے رخ پھیر لیا۔

"نہیں..... آج دل نہیں چاہ رہا۔"

"دل نہیں چاہ رہا تھا تو سر شام ہی منع کردیتیں۔ اب اس میں چینی مکس ہوگئی ہے کہاں سنبھال کر رکھوں' بتاؤ؟" وہ فوراً ہی بے حد تلخ ہوگئی تھی۔ ثانیہ نے جھگڑے سے بچنے کے لیے گلاس تھام لیا۔

"ٹھیک ہے میں پی لوں گی۔ اماں سے کہو ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' گلاس لے آنا ساتھ۔" اکھڑ لہجے میں کہتی وہ واپس پلٹ گئی تھی ثانیہ کتنی ہی دیر گلاس تھامے وہیں بیٹھی رہی۔ اسی دوران اس نے تین چار گھونٹ دودھ کے بھرے تھے۔ وہ ابھی سیڑھیوں پر تھی کہ اس کا سر چکرانا شروع ہوگیا۔ دودھ کا آدھا بھرا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

سامنے کا منظر بھی دھندلانے لگا۔ مزید سیڑھیاں کراس کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہ رہا تھا۔ عین اسی لمحے کرم داد نے دروازے پر دستک دی تھی جبکہ اماں جو کمرے میں بیٹھی ابھی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔ دھڑام سے کچھ گرنے کی آواز پر فوراً باہر کی طرف لپکی ثانیہ درد سے بے حال اپنا پیٹ پکڑے سیڑھیوں پر گری پڑی تھی۔ ان کے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

زائر اس وقت شاپنگ کررہا تھا جب اسے کرم داد کا فون گیا۔ وہ اماں کے ساتھ ثانیہ کی حالت غیر ہونے پر اسے شہر لے کر آرہا تھا۔ زائر ہکا بکا رہ گیا۔ ابھی کل ہی تو وہ گھر سے آیا تھا تب تک وہ ٹھیک تھی۔ پھر ایک ہی دن میں ایسا کیا ہوگیا تھا؟

بچے اس کے ساتھ تھے اس نے فوراً انہیں ہوسٹل واپس چھوڑا اور بائیک مطلوبہ اسپتال کی طرف دوڑادی جس وقت کرم داد اماں اور ثانیہ کے ساتھ اسپتال پہنچا اس کا رنگ خطرناک حد تک زرد پڑ چکا تھا۔ راستے میں دوبار قے بھی ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود اسے دیکھ کر زائر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ ایمرجنسی وارڈ میں فوری ایڈمٹ کرنے کے باوجود ڈاکٹرز کچھ بھی کہنے سے قاصر تھے۔ فوراً سے پیشتر اس کا معدہ واش کیا گیا تھا مگر

اب بھی اس کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ زائر کو لگا جیسے کسی نے اس کے بدن سے جان کھینچ لی ہو لاکھ بے وفائیوں اور عداوتوں کے باوجود وہ لڑکی اس کی زندگی تھی اور اب تو اماں کی زبانی اس کی ساری کہانی سن کر وہ اس کی طرف سے اپنا دل بھی کسی حد تک صاف کر چکا تھا۔ پھر ایک دم سے اچانک یہ کیا ہوگیا تھا؟

ثانیہ کی رپورٹ آچکی تھی زائر فوراً ڈاکٹر کی طرف لپکا۔

"ڈاکٹر صاحب اب کیسی حالت ہے ثانیہ کی؟"

"ابھی بے ہوش ہے جب تک وہ ہوش میں نہیں آجاتیں ان کے بارے میں کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔"

"لیکن ہوا کیا ہے ابھی کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔"

"جی ہاں' کل تک ٹھیک تھا مگر ابھی کچھ گھنٹے قبل انہیں زہر دیا گیا ہے اسی کی وجہ سے ان کی حالت خطرناک صورت حال سے دوچار ہے۔ آپ دعا کریں انہیں جلد از جلد ہوش آجائے۔ نہیں تو کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔" خالص پیشہ وارانہ انداز میں ڈاکٹر نے کہا تھا اور پھر آگے بڑھ گیا تھا۔ زائر بت بنا جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔ قریب کھڑی اماں اور کرم داد بھی ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"میں ابھی آتا ہوں اماں آپ پلیز ثانیہ کا خیال رکھیے گا۔" اگلے ہی پل کچھ سوچتے ہوئے اس نے اماں سے کہا اور پھر کرم داد کے پکارنے کے باوجود تیزی سے وہاں سے نکل آیا۔ تقریباً چالیس منٹ کے بعد جس وقت وہ گھر پہنچا سائرہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔ اس کے لبوں پر اس لمحے ایک عجیب سی پر سکون مسکراہٹ تھی۔ زائر کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ارے تم یہاں کیا کررہے ہو۔ ثانیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ماسی اسے لے کر شہر گئی ہے بتایا نہیں تمہیں کسی نے؟"

"چٹاخ۔" ابھی وہ بات پوری بھی نہ کرسکی تھی کہ زائر کے زور دار تھپڑ نے اس کے چودہ طبق روشن کردیے۔

"کیوں زہر دیا تم نے ثانیہ کو بولو؟" وہ اس کے دراز بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے دھاڑ رہا تھا۔ سائرہ بلبلا کر رہ گئی۔

"بال چھوڑو میرے۔"

"چٹاخ۔" بجائے بال چھوڑنے کے اس نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کردیا تھا۔

"کیا سمجھتی ہو تم' میں مرنے دوں گا اسے آسانی سے...... اسے...... جو میری زندگی ہے میرے بچوں کی ماں ہے...... تمہیں کیوں نہ ماردوں میں اس کے بدلے میں تاکہ سارا قصہ ہی پاک ہوجائے۔" قہر کی علامت بنا وہ نہایت نفرت آمیز لہجے

میں کہہ رہا تھا۔ سائرہ کی جان پر آبنی۔

"چھوڑو مجھے۔"

"مار کر چھوڑوں گا اتنی آسانی سے چھوڑ دیا تو باولائے کتے کی طرح پھر کسی کو کاٹ کر مار ڈالو گی تم۔" قطعی جنونی انداز میں اب وہ اس کا گلا دبا رہا تھا۔ سائرہ کے ہاتھ پیر سرد پڑ گئے۔ وہ تو سمجھی تھی ثانیہ کو راستے سے ہٹا کر وہ زائر کو پالے گی مگر یہ زائر...... تو اس کا زائر رہا ہی نہیں تھا۔ یہ تو صرف ثانیہ عباس کا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ضد کی پکی تھی مگر...... اس کی تقدیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

ایک لمحہ لگا تھا اسے شکست تسلیم کرنے میں اور اس نے چپ چاپ خود کو زائر ملک کے سپرد کردیا۔ محبت کی حویلی جو صرف اس کی ملکیت تھی اس نے خود اسے غیر آباد کر کے وہاں کسی اور کو بسنے کا موقع دیا تھا تو پھر اب گلہ کس سے کرتی؟ زائر نے اس کی حالت بگڑنے پر اسے حقارت سے پرے پھینک دیا تھا۔

"یاد رکھنا سائرہ افضل اگر میری ثانی کو کچھ ہوا تو اس سے پہلے خود اپنے ہاتھوں سے تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا اور یہ محض دھمکی نہ سمجھنا۔" جتنی حقارت اس کے لہجے میں تھی اس سے کہیں زیادہ حقارت اس کی آنکھوں میں تھی۔ سائرہ افضل نے پہلی بار خود کو مٹی ہوتے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

ثانیہ عباس کو ہوش آگیا تھا۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس کے دونوں بچے دائیں بائیں اس کے پاس بیٹھے تھے۔ جبکہ زائر عجیب دیوانوں سے حال میں دونوں بازو سینے پر باندھے قریب کھڑا اسے دیکھے جارہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے زبردستی اماں کو کرم داد کے ساتھ گاؤں واپس بھیجا تھا۔ کیونکہ وہاں سائرہ کے ساتھ ساتھ اس کا بوڑھا بیمار باپ تھا جسے دیکھ بھال کی ضرورت تھی۔

چاند کی نظر اس کی کھلی آنکھوں پر پڑی تو اس نے فوراً جھک کر اس کا گال چوم لیا۔

"اٹھیے نا مما' پاپا کہتے ہیں اچھے بچے اتنی دیر تک نہیں سوتے۔" اس کی نصیحت پر گڑیا نے بھی جھک کر ماں کا گال چوما تھا۔

"جی مما اور آپ کو پتا ہے پاپا کب سے رو رہے ہیں۔ کھانا بھی نہیں کھایا انہوں نے۔" گڑیا کو باپ کی فکر تھی ثانیہ نے اس کی اطلاع پر نظر اوپر کی تو زائر اس کے سرہانے کھڑا اسی کو دیکھ رہا تھا۔ خوب صورت آنکھوں کے گوشوں میں چھلکتی نمی اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ اس نے آہستہ سے پلکیں موند لیں۔

"ثانیہ۔" اگلے ہی پل وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے پکار رہا تھا۔ ثانیہ کی بند پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر گالوں پر پھسل آئے۔

"ایم سوری' پلیز۔" اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ ذرا سا جھکا تھا۔ اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔

"سوری کس لیے؟" مدت کے بعد اس کی قربت پر وہ قدرے کنفیوژ ہوئی تھی جب وہ بولا۔

"ہر اس تکلیف کے لیے جو میری وجہ سے تم نے برداشت کی۔"

"نہیں' میں آپ کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گی۔"

"کیوں؟" وہ قدرے مزید جھک گیا تھا۔ ثانیہ بچوں کی موجودگی کی وجہ سے گھبرا گئی۔

"بعد میں بتاؤں گی۔" اور اس کی گھبراہٹ پر وہ ہنسا تھا۔

تین روز کے بعد اسپتال سے ڈسچارج کروا کر وہ اسے شہر والے بنگلے میں لے آیا تھا۔ ثانیہ گاڑی سے اتری تو حیران رہ گئی۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟"

"سرپرائز......!" وہ مسکرا رہا تھا۔

"مطلب؟" وہ الجھی تھی۔ تبھی زائر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں گاؤں کے ماحول سے الجھن ہوتی ہے نا' اسی لیے میں نے شہر میں یہ گھر تمہارے لیے بنایا ہے تاکہ تمہیں اور بچوں کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔" بظاہر دیہات کے ماحول میں پرورش پانے والا وہ شخص اپنے قد میں کتنا بڑا تھا۔ یہ ثانیہ عباس نے اس وقت جانا تھا۔ بچے ان کے ساتھ نہیں تھے تبھی وہ پلٹی تھی اور اس نے پورے استحقاق سے اس کا گال چوم لیا تھا۔

"غلط...... مجھے کبھی بھی گاؤں کے ماحول سے الجھن نہیں رہی۔ بس آپ سے الگ ہونے کے بعد دانستہ میں اس ماحول سے بھاگ گئی تھی کیونکہ میرا دل میرے قابو میں نہیں تھا۔ کوئی آتش فشاں سا تھا جو ہر لمحہ میرے اندر پھٹنے کو تیار رہتا تھا۔ اسی آتش فشاں کے زیر اثر میں نے صرف آپ کو دکھانے کے لیے اشعر حسین سے شادی رچانا چاہی تھی۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے زائر میں نے کتنا کرب جھیلا ہے' جس روز مما نے بتایا کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اس روز میں اتنا روئی کہ اسپتال کے در و دیوار بھی ہل کر رہ گئے تھے میرا بس نہ چلتا تھا کہ میں آپ کی جان لے لیتی۔ خیر مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ اسی دس مرلے کے خوب صورت کشادہ گھر میں جہاں ہر چیز خالص ملتی ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں اس ماحول کو ترس کر رہ گئی ہوں میں' یہ محل نیا ہے

سی یہ اسٹائلش کچن باتھ ان کی خوب صورتی اس گھر کی کچی چار دیواری رسوئی اور غسل خانے کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ اس گھر میں میرا زائر رہتا ہے۔ جس کے دل پر میری حکمرانی ہے۔ جس کے جذبے جس کے خواب صرف میری ملکیت ہیں اور میں نے بہت دیر سے یہ جانا ہے زائر اس دنیا میں وہی عورت معتبر ہے جسے ایک خالص احساسات والا مرد سچا پیار کرتا ہے۔" عورت کا اظہار محبت کتنا خوب صورت ہوتا ہے یہ زائر نے اس روز جانا تھا۔ تبھی ایک دلفریب سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھولیا۔

"پاگل لڑکی پہلے یہ اظہار نہیں کرسکتی تھیں خوامخواہ اتنا خرچہ کروادیا۔"

"ہاہاہا۔" وہ ہنسی تھی اور زائر کو لگا جیسے کائنات میں رنگ ہی رنگ بکھر گئے ہوں۔ اماں نے بتایا تھا ان کی گاؤں واپسی سے قبل ہی سائرہ گھر چھوڑ کر کہیں نکل گئی۔ شاید اس میں ثانیہ اور زائر کا دوبارہ سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

زائر نے سنا تھا اور گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

اگلی صبح ثانیہ کی خواہش پر وہ اسے لے کر گاؤں کے لیے نکل آیا۔ ہلکی ہلکی برسات میں ثانیہ کے ساتھ نے اس کے اندر خوشیوں کے پھول کھلا دیے تھے۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس نے ابھی تک صاف کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب وہ گنگنایا۔

"دو پتر چناراں دے
ساڈا دکھ سن کے روندے پتھر پہاڑاں دے"

عادت سے مجبور ڈرائیو کرتے ہوئے وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تبھی ثانیہ نے اس کے مضبوط کندھے پر ہلکا سا مکا رسید کیا۔

"اب بھی ہاہا..."

وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ ثانیہ نے اپنے دونوں بازو اس کے بازو میں ڈال کر اپنا سر اس کے مضبوط کندھے پر ٹکا دیا تھا۔ بے شک ہجر کی لمبی مسافت کے بعد محبت کے سایہ دار درخت تلے آرام کرنا اس کا حق تھا۔

❁......❁......❁

حورعین کئی روز کے بعد آج ہی آفس آئی تھی۔

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ مگر آفس آنا بھی بے حد ضروری تھا۔ بہت سی اہم میٹنگز تھیں جن میں اس کی شرکت بے حد ضروری تھی۔ وہ ابھی ایک میٹنگ سے فارغ ہوکر دوسری میٹنگ کے لیے تیاری کررہی تھی۔ جب اس کی سیکریٹری نے اسے عمیر نامی وزیٹر کا بتادیا۔ سیکریٹری کی اطلاع پر اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"ٹھیک ہے آنے دیں۔" بنا میٹنگ کو کوئی اہمیت دیے اس نے فوری حکم جاری کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں عمیر ہمدانی اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیسے ہو عمیر؟"

"آپ کو کیسا نظر آرہا ہوں۔" اس کے خلوص پر ایک تلخ مسکراہٹ عمیر ہمدانی کے لبوں پر بکھری تھی۔ وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہو مگر......!"

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں نہ ہی میرے لیے آپ اتنی اہمیت رکھتی ہیں کہ آپ سے ناراض ہوا جائے۔" بنا اس کی پوری بات سنے بے حد تلخ لہجے میں اس نے کہا تھا۔ حورعین حیران سی اسے دیکھتی رہی۔

"میں یہاں اس وقت آپ سے کوئی گلہ شکوہ کرنے نہیں آیا ہوں۔ صرف اتنا بتانے آیا ہوں کہ چھکو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ انسانوں کے مکروفریب کو سمجھ سکے۔ سارا گھر اس کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ مگر اس کی حالت بہتر نہیں ہورہی۔ وہ صرف آپ کو پکار رہا ہے۔ انسانیت کے ناتے اگر اپنی مصروفیات ترک کرکے تھوڑا سا ٹائم اسے دے سکیں تو ہم سب آپ کے بے حد شکر گزار ہوں گے کیونکہ زیبی میں ہم سب کی جان ہے۔ جتنا وقت آپ اسے دیں گی ہم آپ کو آپ کے اس قیمتی وقت کی پے منٹ کریں گے۔ یہ لیں بینک چیک جتنی رقم چاہیں آپ اپنی مرضی سے بھر سکتی ہیں۔" ترش لہجے میں کہنے کے ساتھ ہی اس نے جیب سے چیک نکال کر حورعین کے سامنے رکھ دیا تھا حورعین کو لگا جیسے اس نے اس کے چہرے پر جم کر طمانچہ رسید کیا ہو۔ اہانت کے شدید احساس نے اس کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیا تھا۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔

"کہاں ہے زیبی؟"

"اسپتال۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی چلتی ہوں۔" فوری فیصلہ کرتے ہوئے اس نے انٹرکام پر اپنی سیکریٹری کو چند ضروری ہدایات دی تھیں پھر عمیر کے ساتھ آفس سے نکل آئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جس وقت عمیر کی ہمراہی میں اس نے زبیر کے کمرے میں قدم رکھا وہاں سمیر نمیر عذیر بھی موجود تھے۔ عذیر اس کے اوپر جھکا اس کا بخار چیک کررہا تھا جب قدموں کی آہٹ پر اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا اور پھر حورعین پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔ سمیر اور نمیر کے چہروں پر ایک پل میں جیسے رونق آئی تھی۔ سبھی پریشان تھے مگر عذیر کی آنکھوں کے گوشوں کی ہلکی سی نمی نے اسے بے چین کردیا تھا۔

حیران حیران سی نگاہیں حورعین کے چہرے سے ہوکر عمیر کی طرف اٹھی تھیں۔ مگر وہ فوری نظریں چرا گیا تھا۔ حورعین قدرے نروس ہوتی فوراً زبیر کے بستر کی طرف بڑھ آئی۔

کتنے دن ہوگئے تھے اسے اس ننھے سے وجود کو مس کرتے ہوئے کتنی راتیں تڑپ کر جاگتے ہوئے گزاری تھیں مگر......اس کے دل کا حال سوائے خدا کے اور کون جانتا تھا۔ اگلے ہی پل زبیر کے بیڈ پر اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے وہ بے ساختہ رو پڑی تھی۔ عذیر نے تنفر سے منہ پھیر لیا۔ دادی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا سمیر اور نمیر گھر کے لیے نکل گئے تھے۔ عذیر عمیر کو زبیر کا خیال رکھنے کی تلقین کرتا خود بھی وہاں سے نکل آیا۔

رات تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا ٹائم تھا جب اس کی دوبارہ اسپتال واپسی ہوئی تھی۔ زبیر کے کمرے میں حورعین بالکل کسی ماں کی طرح اسے اپنی گرم آغوش میں لیے بیڈ پر بیٹھی سوگئی تھی۔ زبیر کے چہرے پر اگر زردی اور نقاہت تھی تو ویسی ہی زردی اور نقاہت حورعین عبدالسمیع کے چہرے پر بھی تھی۔ فقط چند ہی دنوں میں اس کی آنکھوں کے تلے بھی حلقے پڑ گئے تھے۔ اس کے گھر سے دور رہ کر وہ لڑکی بھی کب خوش رہ پائی تھی۔

عذیر زبیر کی دوائیاں چیک کرنے کے دوران کتنی ہی دیر بے مقصد سا اسے دیکھے گیا۔ بے شک وہ لڑکی حسن اور جاذبیت میں اپنی مثال آپ تھی۔ جانے یہ بہترین ٹریٹمنٹ کا اثر تھا یا حورعین کی آغوش کے لمس کا اثر تھا کہ اگلے ہی روز صبح صبح زبیر کا بخار ٹوٹ گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ عذیر جو بیڈ سے ملحقہ کرسی پر ہی بیٹھا بیٹھا سوگیا تھا زبیر کی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی جو حورعین کی گود میں لیٹا تھا اور حورعین اس کے چہرے پر جھکی اسے پیار کررہی تھی۔ اتنا مکمل اور خوب صورت منظر تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔

"زیبی کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے۔ میں یہاں اس کے پاس ہوں آپ گھر جاکر آرام کرلیں پلیز۔" کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا تھا۔ حورعین نے چونک کر اسے دیکھا پھر نظریں جھکالیں۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں آپ چاہیں تو گھر جاسکتے ہیں۔"

"مگر میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"میں تکلیف میں نہیں ہوں یو ڈونٹ وری۔" اسی کے لہجے میں اسے جواب دینے کے بعد وہ پھر سے زبیر کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ جو اسے اپنے پاس پاکر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ عذیر لب بھینچتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے نمیر یا عمیر میں سے کوئی بھی آجائے گا پھر چلی جایئے گا آپ۔" وہ اسے حکم دے رہا تھا مگر حورعین نے سنی ان سنی کا مظاہرہ کرکے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عذیر باہر گاڑی میں آکر بیٹھا تو بے حد تھکن محسوس ہورہی تھی۔

اگر وہ اور اس کے گھر والے حورعین عبدالسمیع کے بغیر خوش نہیں تھے تو شاید وہ بھی ان کے بغیر خوش نہیں تھی تو پھر......اس نے انہیں چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟

اتنی ساری محبتوں کو ٹھکرا کر بے رخی سے چلے جانے کی کوئی وجہ تو تھی مگر کیا؟ وہ چاہتی تو ساری زندگی سکون و عافیت کے ساتھ ان کے ساتھ رہ سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا کیوں؟

کیا واقعی دولت وہ وجہ تھی جس کے باعث وہ انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی؟

وہ یقین کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں اس کا دل یہ تاویل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ دولت پر مر مٹنے والی لڑکی نہیں تھی۔ تو پھر اس نے یہ سب کیوں کیا تھا۔ جتنا وہ سوچتا جاتا تھا الجھتا جاتا تھا۔ تقریباً چالیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ گھر پہنچا تو عمیر ناشتا لے کر اسپتال کے لیے نکل چکا تھا۔ جبکہ نمیر دادی اماں کے پاس بیٹھا ان کو سوپ پلا رہا تھا۔ وہ سیدھا وہیں چلا آیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے دادو؟"

"ٹھیک ہوں۔" حورعین کے جانے کے بعد وہ بہت چپ ہوکر رہ گئی تھیں۔ بیمار بھی رہنے لگی تھیں۔ عذیر نمیر کو دوا کھلانے کی ہدایت کرتا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سارا بدن تھکن سے ٹوٹ رہا تھا۔ تبھی پہلے اس نے ٹھنڈے پانی سے شاور لیا پھر کچن میں چلا آیا۔ اپنے لیے ایک کپ گرما گرم چائے بنائی اور بستر میں گھس گیا۔ سنڈے کی چھٹی کے باعث آفس جانے کی پریشانی بھی نہیں تھی۔

دوپہر کو تقریباً ایک بجے اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تو سمیر اور نمیر کا زبردست جھگڑا ہورہا تھا۔ سمیر کی چھٹیاں ختم ہورہی تھیں اسے جاب پر واپس جانا تھا۔ وہ اسی کی تیاری میں تھا مگر نمیر کا کہنا تھا کہ

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لہٰذا عمیر اس کا ہاتھ بٹا کر جائے۔ کچن ڈھیروں گندے برتنوں سے اٹا پڑا تھا۔ کیونکہ پچھلے تین چار روز سے انہوں نے برتن دھونے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی یہی حال کپڑوں اور گھر کی صفائی کا بھی تھا۔

اس سے پہلے کہ ان کا جھگڑا مار پیٹ کی شکل اختیار کرتا عذیر نے بستر چھوڑ دیا۔ سمیر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتا گھر سے نکل چکا تھا۔ عذیر نے عمیر کو بھی کچن سے نکال دیا۔ واقعی حورعین عبدالسمیع نے ان کی عادتیں بہت بگاڑ دی تھیں۔

شرٹ کے بازو فولڈ کر کے سب سے پہلے اس نے گندے برتنوں کا ڈھیر صاف کیا۔ پھر کپڑوں کی طرف آ گیا۔ سمیر، نمیر اور عمیر سمیت اس کا بھی ایک جوڑا ایسا نہیں رہا تھا جسے پہن کر وہ آفس جا سکتا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ لوگ اپنے کپڑے دھوبی سے دھلوا رہے تھے مگر کب تک؟

پیٹ میں بھوک لگی تھی کیونکہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اس نے سوائے ایک کپ چائے کے دوسری کوئی چیز حلق میں نہیں اتاری تھی۔ تاہم بھوک کو پس پشت ڈال کر اس نے مشین لگائی اور اکیلا ہی میلے کپڑوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرتا رہا، شام چار بجے اس کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

عمیر اسپتال سے آیا تو آٹا گوندھ چکا تھا اور اب سالن بنانے کے لیے پیاز کاٹ رہا تھا۔ پینٹ کے پائنچے کافی اوپر تک بھیگے ہوئے تھے جب کہ اسے زکام بھی ہو رہا تھا، عمیر نے آتے ہی روٹی بنائی، دادی ماں کو کھچڑی بنا کر دی اور عذیر کے دھلے ہوئے کپڑوں کو پریس کرنے بیٹھ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک کھانا تیار ہوا تو دونوں بھائی ڈائننگ ٹیبل پر آ گئے نمیر کی آنکھ بھی کھل چکی تھی۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا پھر عذیر کھانا نکال کر خود اسپتال کے لیے نکل آیا اور عمیر کو آرام کی تلقین کی۔

سمیر گھر واپس آیا تو عمیر سو رہا تھا جب کہ نمیر دادی ماں کو دوا کھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک نظر ان دونوں پر ڈال کر کچن میں چلا آیا، بھوک کا احساس خوب زوروں پر تھا مگر ہاٹ پاٹ میں صرف ایک ہی روٹی بچی ہوئی پڑی تھی وہ بھی جلی ہوئی۔ اسے غصہ تو بہت آیا مگر پھر صبر شکر کر کے وہی روٹی پیٹ میں اتار لی وہاں کون سی ماں یا بیوی تھی جو نیند سے اٹھ کر تازہ روٹی بنا کر دیتی جب کہ باہر سے کھانا کھانے کی ان بھائیوں میں کسی کو بھی عادت نہیں تھی۔

عذیر کھانا لے کر اسپتال پہنچا تو حورعین زبیر کے بیڈ پر اس کے پہلو میں ہی مزے سے سو رہی تھی۔

فضا میں خنکی کافی بڑھ گئی تھی، زبیر گرم کمبل میں دبکا سو رہا تھا مگر حورعین کے پاس سوائے دوپٹے کے اور کوئی چیز نہیں تھی تبھی کھلی کھڑکی سے اندر آتے ہوا کے سرد جھونکوں نے اسے خاصا کپکپا رکھا تھا۔ عذیر نے آگے بڑھ کر کھانا بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے پچھلے چوبیس گھنٹوں سے وہ لڑکی اپنی ہر مصروفیت کو پس پشت ڈالے وہاں زبیر کے ساتھ تھی اور اس دورانیے میں ایک مرتبہ بھی اس نے گھر جا کر آرام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ اسے یک ٹک دیکھتا رہا تھا پھر اچانک ہی آگے بڑھ کر اس نے اپنا گرم کوٹ اس کے اوپر ڈال دیا۔ اگلے روز اس نے آفس سے چھٹی کی تھی۔

دادو کا چیک اپ کروانے کے ساتھ ساتھ اسے بازار سے گھر کے لیے سودا سلف بھی لانا تھا کہ یہ اسی کی ذمہ داری تھی۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر اس نے گھر کی صفائی شروع کر دی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ لوگ پل پل حورعین کو یاد رکھیں اور آپس میں لڑتے رہیں شام تک تھکن سے چور وہ اپنے کمرے میں آیا تو جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا، پتا نہیں حورعین یہ سب کام اتنی آسانی سے کیسے کر لیتی تھی۔ شاور لے کر اپنے لیے چائے بنانے کے بعد وہ بستر پر آیا تو نظر نیلے کور والی اس خوب صورت ڈائری پر جا پڑی جو آج صفائی کے دوران اسی کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی تبھی وہ اسے گود میں لے کر بیٹھ گیا۔ حورعین عبدالسمیع کی اب تک گزری ہوئی زندگی کے تمام لمحات لفظوں میں قید ہو کر اس کے سامنے تھے اب تک جو جو صعوبتیں اس نے برداشت کی تھیں ابوغریب جیل میں جس طرح سے اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی گئیں ایاد عبدالہادی نے جس طرح اس کا ساتھ دیا سب درج تھا۔ از حد اذیت کی گرفت میں اس نے لکھا تھا۔

"میں نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے ایسی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں گی، وطن سے محبت کی اتنی کڑی قیمت چکانی پڑے گی، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ زمانہ طالب علمی میں جب بھی کہیں کوئی ملی نغمہ سنتی میری رگوں میں پاکستانی خون جوش مارنے لگتا تھا، میرا دل چاہتا تھا میں پاکستان کی طرف اٹھنے والی ہر میلی نگاہ کو پاؤں تلے کچل کر پھینک دوں، کوئی نہیں سمجھ سکتا پاکستان میرے لیے کیا ہے اس وقت تو ویسے بھی میرا جنون تھا پاکستان مگر اس جنون کی بہت کڑی قیمت چکائی ہے میں نے اور اب...... اپنی عزت کی دولت لٹانے کے بعد جانے کیوں میرے حوصلے دم توڑ گئے ہیں اس ملک کی عوام کی قیمت میں گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر مرنا لکھ دیا گیا ہے بھیس بدل بدل کر مختلف مداریوں کے اشاروں پر ناچنا لکھ دیا گیا ہے یہ فرانس نہیں ہے جسے کوئی ڈیگال آ کر سنوار دے۔ یہاں کوئی تاریخ رقم نہیں ہو سکتی، بندھے ہوئے مقروض ذہنوں کے مالک یہ لوگ کوئی انقلاب نہیں لا سکتے، اتحاد ایمان اور یقین کا سکہ یہاں چلنے والا نہیں ہے۔ اس پاک وطن کا یہی مستقبل ہے کہ یہاں تاریکیاں چھائی رہیں زلزلے آتے رہیں ڈیموں کے بند ٹوٹ ٹوٹ کر لاکھوں پاکستانی شہریوں کو لقمہ اجل بناتے رہیں، مختلف فرقوں اور مسلکوں کی آگ جلا کر انہیں راکھ کرتی رہے، یہاں ان کے اپنے نہیں غیر حکومت کریں، جیل کی اونچی چار دیواروں میں انمول ہیرے چپ کی بکل مارے خاک کے سپرد ہوتے رہیں، یہاں کوئی نظام کبھی تبدیل نہیں ہوگا بس مجھ جیسے دیوانے منٹو کے مرکزی کردار منگو کی طرح تبدیلی کی حسرت لیے جل جل کر ختم ہوتے رہیں گے۔ بہر حال میں جانتی ہوں آج کے بعد آپ میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے پھر بھی میرا دل کٹ رہا ہے، جانے کیوں اس گھر کے در و دیوار سے عجیب سی انسیت ہو گئی ہے۔ میں جانتی ہوں جو کچھ میرے ساتھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ بہت اچھے ہیں، بہت شفاف کردار کے مالک آپ کی ہم سفر بھی ایسی ہی کوئی شفاف لڑکی ہونی چاہیے مجھ جیسی داغ دار لڑکی آپ کے قابل نہیں ہے۔ ہو سکے تو مجھے میری ناکردہ خطاؤں کے لیے معاف کر دیجیے گا احسان مند ہوں گی۔" ایک ایک لفظ عذیر ہمدانی پر سوچ کے نئے در وا کرتے ہوئے گزر رہا تھا۔

تھکے تھکے سے انداز میں گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے آہستہ سے پلکیں موندیں۔ تو یہ وجہ تھی، جس کے سبب اس لڑکی نے اس کا گھر چھوڑا تھا؟ الجھن کو سرا مل گیا تھا مگر اندر ایک اور جنگ چھڑ گئی تھی کیا اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ ایک داغ دار لڑکی کو اپنی ہم سفر کے طور پر ہمیشہ کے لیے قبول کرتا؟ شاید نہیں......

❁......❁......❁

بارش ہو رہی تھی۔

وہ بیرونی دروازہ اچھی طرح بند کرنے کے بعد لاؤنج میں آ بیٹھی، بہت دنوں کے بعد آج پھر آسمان بارش کے سرد قطروں کی صورت اپنی قیمتی متاع لٹا رہا تھا۔ گرما گرم کافی کا مگ ہاتھ میں لیے وہ دونوں پاؤں صوفے پر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ فضا میں ٹھنڈک کا احساس تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا، وقت نے کتنا اکیلا کر دیا تھا اسے؟

حورعین عبدالسمیع جو کبھی محفلوں کی جان ہوا کرتی تھی، آج تنہائی کی گود میں کیسے مٹی کی مورت بن کر رہ گئی تھی؟ کتنا بدل دیا تھا وقت نے اسے؟

ثانیہ عباس اور ہانیہ صفدر سے اس کا رابطہ بھی کب کا ختم ہو چکا تھا، بھری دنیا میں کہیں کوئی بھی تو نہیں تھا جسے وہ اپنا کہہ سکتی۔ قبرستان گئے بھی کتنے دن ہو گئے تھے، جب سے وہ اسپتال سے واپس آئی تھی اداسی اور بے چینی مزید بڑھ گئی تھی، دو ماہ ہونے کو آئے تھے مگر وہاں سے دوبارہ کسی نے اس کے ساتھ رابطہ نہیں کیا تھا۔

حورعین نے سوچ لیا تھا وہ پاکستان میں نہیں رہے گی اسی لیے آج کل وہ اپنا بزنس وائنڈ اپ کرنے کا سوچ رہی تھی۔ رات کی تاریکی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی مگر نیند کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

کافی کا کپ خالی کر کے وہ ابھی کچن میں رکھنے جا رہی تھی جب دروازہ پر دستک نے اسے چونکا دیا، بھلا اتنی رات کو کون آ سکتا ہے؟ پریشان سی وہ دروازے تک آئی تھی۔

"کون......؟"

"دروازہ کھولیں بھائی میں ہوں سمیر۔"

"سمیر......" زیر لب دہراتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا تھا، سامنے وہ بارش میں بھیگا کھڑا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام خیریت....؟"

"نہیں بھابی خیریت نہیں ہے، دادو کو فالج کا اٹیک ہوا ہے ہم سے سنبھالی نہیں جا رہیں، عذیر بھائی ملک سے باہر ہیں میں خود بھی کل ہی گھر واپس آیا ہوں اگر آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہو تو پلیز ابھی میرے ساتھ چلیے، سب بہت پریشان ہیں۔" پریشانی اس کے لہجے سے ٹپک رہی تھی، وہ گڑبڑا گئی۔

"اس وقت؟ اچھا آپ اندر آئیں۔"

"نہیں بھابی! اتنا ٹائم نہیں ہے، دادو ابھی اسپتال میں ہی ہیں، پلیز۔"

"اچھا میں چلتی ہوں۔" اسے سوچنے سمجھنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا اور وہ سمیر کے ساتھ چل پڑی تھی دادو کو واقعی فالج کا اٹیک ہوا تھا مگر اس وقت ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ حورعین نے رات بھر ان کا ایسے ہی خیال رکھا جیسے بیٹیاں ماؤں کا رکھتی ہیں۔

صبح اس نے نمیر کو گھر بھیج دیا تو نمیر ناشتہ لے کر آ گیا' تقریباً تین روز کے بعد دادو کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اس بار وہ بھی ان کے ساتھ ہی گھر آ گئی تھی' عذیر کو تاحال کسی بات کی خبر نہیں تھی' حورعین نے دیکھا گھر کا پہلے سے بھی بدتر حال ہوا پڑا تھا۔

دادو کے سونے کے بعد وہ ان کے کمرے سے باہر آئی تو زبیر اسکول اور عمیر یونیورسٹی جا چکا تھا۔ نمیر کا جاب کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا لہٰذا ناشتہ بنا کر دو گھنٹے کے بعد وہ بھی گھر سے نکل چکا تھا۔ سمیر البتہ گھر پر تھا اور اپنے کمرے میں پڑا سو رہا تھا۔ حورعین کچن میں آئی تو اس کا حال دیکھ کر اس کا دل متلا اٹھا' برتنوں اور چولہے کا حال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بھی بنا ناشتہ کیے وہ کچن کی صفائی میں جت گئی تھی' ایک کامیاب بزنس مین لڑکی' کتنی سلیقہ مند تھی کاش کوئی جان پاتا۔ اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں کچن چمک اٹھا تھا' تبھی اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنا کر چائے پینے کے بعد وہ عذیر کے کمرے کی طرف آ گئی' جس کا حال کچن سے بھی بدتر تھا' بیڈ کی چادر جانے کتنے دنوں سے نہیں بدلی گئی تھی۔ عذیر کے استعمال شدہ کپڑوں کا ڈھیر وارڈ روب سے اُلڈ کر باہر آ رہا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزیں الٹ پلٹ تھیں' قالین بھی نہایت گندا ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کافی دنوں سے وہاں کسی نے صفائی کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ سمیر اور نمیر وغیرہ کے کمروں کا حال بھی عذیر سے کچھ مختلف نہیں تھا تبھی سب سے پہلے اس نے مشین لگائی تھی پھر جھاڑن پکڑ کر ایک ایک کمرے کو خوب صاف کیا' عمیر جب تک کالج سے آیا وہ سارا گھر صاف کرنے کے کپڑے بھی دھو چکی تھی اور اب کچن میں کھڑی ان سب کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔ وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" کچن میں داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا تھا جواب میں حورعین نے گردن موڑ کر ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد دوبارہ توجہ آٹے پر مبذول کر دی جسے وہ گوندھ رہی تھی۔

"وہی جو بشار الاسد شام میں اور مصری فوج مصر میں کر رہی ہے۔"

"مگر یہ آپ کا کام نہیں ہے جو احسان ہم آپ سے لے چکے ہیں وہی کافی ہے۔"

"کوئی بات نہیں جہاں اتنے احسان ہو گئے وہاں ایک اور سہی۔"

"مگر کیوں؟"

"بس...... مجھے عادت ہے احسان کرنے کی۔"

"مگر میں آپ سے مزید کوئی احسان نہیں لینا چاہتا' باوجود اس کے کہ میں آپ کی ڈائری پڑھ چکا ہوں۔" وہ قریب آیا تھا' حورعین ٹھٹک گئی۔

"وہ ڈائری تمہارے لیے نہیں تھی۔"

"جانتا ہوں میں پڑھنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر اتفاقیہ ہاتھ لگ گئی تو رہ بھی نہیں سکا' آپ کیا سمجھتی ہیں وطن کی محبت میں اگر آپ نے انسانیت کے دشمنوں کے ہاتھوں اپنی عزت گنوا دی تو آپ ہمارے لیے محترم نہیں رہیں؟"

"عمیر میں......"

"بس حورعین آپی پلیز...... اپنی صفائی میں مزید ایک لفظ بھی مت کہیے گا پلیز۔" وہ دکھی ہوا تھا حورعین نے لب بھینچ لیے۔

"آپ اس گھر میں صرف عذیر بھیا کی بیوی نہیں ہیں' ہماری بہن بھی ہیں وہ بہن جس کے کردار پر کوئی اور فخر کرے نہ کرے مگر میں فخر کرتا ہوں۔ عذیر بھیا اگر آپ کے ساتھ زندگی بسر نہیں بھی کرتے تب بھی آپ ہماری بہن ہیں اور رہیں گی۔ چاہے ایک دمڑی بھی نہ ہو آپ کے پاس۔" وہ جذباتی ہوا تھا' حورعین کی آنکھیں پل میں آنسوؤں سے بھر آئیں' آگے بڑھ کر اس نے فوراً عمیر کو گلے لگا لیا تھا۔

اگلے کئی دنوں تک وہ عمیر کے ساتھ اس کے اصرار پر قبرستان جاتی رہی تھی پھر مصروفیات کے پیش نظر رفتہ رفتہ اس معمول میں کمی آ گئی' زبیر اب اس کا ایک لمحے کے لیے بھی اعتبار نہیں کرتا تھا۔ صبح اسکول بھی روز وعدہ لے کر جاتا کہ وہ اس کے آنے تک کہیں جائے گی نہیں' حورعین کے لیے اب ان محبتوں کے بغیر رہنا بہت مشکل ہو رہا تھا مگر وہ خود کو زبردستی کسی کی زندگی پر مسلط نہیں کر سکتی تھی۔

دادو اس سے بہت خوش تھیں انہیں یقین تھا کہ ضرور وزیر نے حورعین سے کسی جھگڑے کے پیش نظر ان سے اس کے بارے سب جھوٹ کہا تھا' سمیر نمیر اور عمیر کی زندگیاں بھی سکون میں آ گئی تھیں۔ حورعین آفس کا ایک چکر لگانے کے باوجود گھر کے کسی کام میں کوتاہی نہیں کرتی تھی' نمیر کو بھی اس نے اپنے ہی آفس میں زبردستی جاب دے رہی تھی جس پر وہ بے حد خوش تھا۔ سمیر اپنی آفس کولیگ پر دل ہار بیٹا تھا مگر دادو سے شیئر کرتے ہوئے شرم محسوس کر رہا تھا' کافی سوچنے کے بعد اس نے اپنا مسئلہ حورعین کے سامنے رکھ دیا تھا' جس نے ایک ہی ملاقات میں لڑکی اوکے کر کے اس کی منگنی بھی کروا دی تھی۔

عذیر کو ایک ایک پل کی خبر تھی مگر دانستہ وہ گھر سے دور دیار غیر میں انجان بنا بیٹھا تھا۔ کتنے ماہ ہو گئے تھے اسے خود سے لڑتے ہوئے مگر وہ ابھی تک حورعین کے بارے کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ گھر کال کرنے کے دوران بھی وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا اب تک جتنے دن بھی اس نے گھر سے باہر بسر کیے تھے ان دنوں میں بہت سی لڑکیوں کو پرکھا اور خود سے قریب کیا تھا' ابتداء میں لگتا جیسے اسے ملنے والی لڑکی ہی اس کی منزل ہے مگر جیسے جیسے کچھ وقت گزرتا اسے اس لڑکی میں خامیاں نظر آنے لگتیں اور وہ اکتا کر اسے چھوڑ دیا۔ دن' عشروں' ہفتے' مہینوں اور مہینے سالوں میں ڈھلتے گئے تھے مگر وہ واپسی کا فیصلہ نہ کر سکا' اسی دوران دادو اس کے بچوں کو گود میں جھلانے کی حسرت دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گئیں تو اسے مجبوراً پاکستان آنا پڑا۔

دادو کی موت پر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے گھر میں حورعین کا کردار دیکھا تھا' غم کی شدت سے نڈھال ہونے کے باوجود وہ جیسے اپنا فرض ادا کر رہی تھی' ہر مہمان کو سنبھال رہی تھی وہ حیران رہ گیا۔

دادو کے چالیسویں کے بعد سمیر نے بیرون ملک جانے کا پروگرام بنا لیا' تاہم اس کے سسرال والوں کی خواہش تھی کہ وہ شادی کر کے جائے۔ دادو کے بعد گھر کا ماحول ویسے ہی بہت افسردہ ہو رہا تھا تبھی عذیر نے سمیر کی خوشی کے لیے یہ فریضہ ادا کرنے کی ٹھان لی۔ ساتھ ہی اس کی یہ سوچ بھی تھی کہ سمیر کی دلہن کے گھر آ جانے کے بعد اسے اور اس کے گھر والوں کو حورعین کی زیادہ ضرورت نہیں رہے گی یوں وہ اس کے بارے میں آسانی سے فیصلہ کر لے گا تبھی چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق سمیر کی دلہن رخصت ہو کر ان کے گھر آ گئی۔

حورعین نے اس موقع پر بھی ان کا پورا پورا ساتھ دیا تھا' اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود وہ شادی کی شاپنگ سے لے کر دلہن کی رخصتی تک اس گھر کا حصہ بنی رہی تھی۔ عذیر سمیت کسی کو بھی کسی چیز کی فکر نہیں تھی' تمام فنکشنز کے لیے جسے جو چیز مطلوب ہوتی وہ اسی سے آ کر مانگتا اور حورعین سب کو فوری وہ چیز مہیا کر دیتی۔

اس روز سمیر کا ولیمہ تھا' رات دیر تک جاگ کر وہ ان سب کے کپڑے پریس کرتی رہی تھی' ڈھیر سارے مہمانوں کو اکیلے سنبھالنا بھی اس کی ہمت تھی۔ رات تک وہ تھکن سے چور ہو گئی' عذیر باہر کے معاملات نپٹا رہا تھا' سمیر نے زبردستی اسے کندھوں سے تھام کر عذیر کے کمرے میں بھیج دیا تا کہ وہ تھوڑی دیر آرام کر سکے' نمیر اور عمیر کے کمروں سمیت دادو کے کمرے پر بھی مہمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ تبھی مجبوراً وہ عذیر کے کمرے میں آ گئی تھی اور بیڈ پر گرتے ہی گہری نیند کی دلدل میں اترتی چلی گئی۔

رات تقریباً دو بجے کا ٹائم تھا جب عذیر سارے کام نپٹا کر تھکا ہارا اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ لاک کر کے بستر پر ڈھے گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حورعین بھی وہیں سو رہی ہو گی۔ وہ تو جب اس نے کمبل سیٹ کرنا چاہا تو حورعین پر نظر پڑی جو اسی کی طرح تھکن سے بے حال بنا کپڑے تبدیل کیے ایک طرف سمٹ کر سو رہی تھی۔ مٹا مٹا سا میک اپ اس کے پُرنور چہرے پر چاندنیاں بکھیر رہا تھا۔ عذیر کا دل زور سے دھڑک اٹھا' پہلی مرتبہ وہ اس کے اس قدر قریب سو رہی تھی اور یہ قرب اس وقت اس کے اندر جیسے اک حشر بپا کر رہا تھا' بنا کمبل کے شدید سردی میں سمٹ کر سوئی وہ ہولے ہولے کپکپا رہی تھی جب کہ کمبل اس کے نیچے دبا تھا۔

عذیر کچھ دیر یک ٹک اسے دیکھتا رہا پھر خود بھی کمبل کے بغیر سیدھا لیٹ گیا' حورعین کا بازو اس کے کندھے کے ساتھ ٹچ ہو رہا تھا۔ وہ بے خود سا ہو کر اس پر جھک گیا' نہایت آہستگی سے اس نے اس کے کانوں سے ایئر رنگز اتارے تھے پھر گلے میں پہنے گولڈ کے سیٹ پر ہاتھ رکھ دیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سیٹ اتارتا حورعین نے کروٹ بدل لی' اب اس کا پُرنور چہرہ اسی کی طرف تھا سرخ لپ اسٹک سے سجے یاقوتی لب اس کی برداشت ختم کر رہے تھے جانے یہ کیسا طلسم تھا کہ وہ اس کی ساری ہسٹری بھول گیا' یاد رہا تو محض اتنا کہ وہ اس کی بیوی ہے تبھی بے خود ہوتے ہوئے اس نے کھینچ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ حورعین اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر فوراً بیدار ہوئی تھی' نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اسے عذیر کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا تبھی خود کو اس آہنی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے چیخنا چاہا تھا مگر اس سے پہلے ہی عذیر نے اپنا ہاتھ مضبوطی سے اس کے لبوں پر جما دیا۔

"دشش......"

شدید سردی کے باوجود اس کی پیشانی اور چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ بھونچکا ہی تو رہ گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہتی' عذیر اس کے چہرے پر جھک چکا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر اس لمحے اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی' تھکن سے ٹوٹے ہوئے چور جسم پر عذیر ہمدانی اپنی تھکن انڈیل رہا تھا اور وہ بے بس سی بس اس کی پیاس بجھائے جا رہی

تھی۔ گرم سانسوں کا طوفان جیسے سب کچھ بہا کر لے گیا تھا۔

اگلی صبح جب وہ بیدار ہوا تو حورعین کمرے میں نہیں تھی مگر وہ بے حد فریش تھا۔ تمہارا غیر دانستہ طور پر جو کچھ اس سے سرزد ہوا اس نے اس کا اضطراب مزید بڑھا دیا تھا۔ کمرے سے نکلا تو پتا چلا کہ حورعین کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا وہ علی الصبح وہاں سے چلی گئی تھی' عمیر کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا۔ زبیر اور نمیر بھی سو رہے تھے' صرف عمیر تھا جو کچن میں کام کر رہا تھا اور اسی نے اسے حورعین کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ گہری سانس فضا کے سپرد کرتا ٹیرس پر چلا آیا مگر ایک بے چینی سی تھی جو اس کے اندر بہت دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

❀……❀……❀

دو ماہ ہو گئے تھے اسے دوبارہ فرانس آئے' گھروں کی بے کلی تھی کہ دل و جان سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔ نمیر کی شادی کے تیسرے دن وہ فرانس آ گیا تھا کیونکہ اس میں حورعین عبدالسمیع سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اب زیادہ دن تک اسے اپنے ساتھ باندھ کر نہیں رکھے گا گھر سنبھالنے کے لیے گھر میں ایک اور عورت آ گئی تھی' وہ اب مزید اسے اپنا پابند نہیں رکھ سکتا تھا۔

طلاق کے کاغذات سب تیار ہو گئے تھے' اس شام وہ جیم کر کے آیا تو پاکستان سے عمیر کا خط اس کا منتظر تھا' رات کھانے کے بعد بیڈ پر آ کر اس نے وہ خط کھولا تھا۔

لکھا تھا۔

''میں جانتا ہوں آپ یقیناً میرا خط دیکھ کر حیران ہوں گے مگر بات ہی کچھ ایسی تھی کہ خط لکھنا ضروری ہو گیا ہے' حورعین آپی ایبروڈ جا رہی ہیں' ان کا خیال ہے کہ اب ہمارے گھر کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔ نمیر بھیا کی وائف نے کوشش کی ہے ان کی جگہ لینے کی مگر میں آپ کو بتا رہا ہوں عذیر بھائی! اس گھر میں حورعین آپی کی جگہ کبھی کوئی نہیں لے سکتا۔ میں مانتا ہوں وہ آپ کو قابل قبول نہیں' بہتر سے بہترین لڑکی مل سکتی ہے آپ کو مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ بہتر سے بہترین لڑکی آپ کے گھر کے لیے بھی اتنی ہی بہترین ثابت ہو' حورعین آپی ہر لحاظ سے بہت اچھی ہیں پلیز بھیا انہیں اس گناہ کی سزا مت دیجیے جو ان سے سرزد ہی نہیں ہوا۔ میری ایک بات یاد رکھیے گا عذیر بھائی آپ کو لڑکیاں بہت مل جائیں گی مگر ڈھونڈنے سے بھی دوسری حورعین عبدالسمیع نہیں ملے گی اس سے پہلے کہ وہ چلی جائیں پلیز انہیں روک لیں' پلیز مخلص آپ کا بھائی عمیر۔'' خط کیا تھا

سوچ کا ایک نیا در تھا' عذیر ساکت سا بیٹھا رہ گیا تھا۔ بے شک فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

❀……❀……❀

حورعین کی ٹکٹ کنفرم ہو گئی تھی۔

رات زبیر کو سلاتے ہوئے بہت دیر تک وہ روتی رہی تھی' گھر میں کوئی بھی اس کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلی کو نہیں جان پایا تھا مگر کچھ روز قبل ہی اپنے تفصیلی چیک اپ کے بعد اس نے جانا تھا کہ عذیر ہمدانی کی ذات کے ساتھ اس کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا تھا تاہم وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں کسی کو بھی اس بات کا پتا لگے تبھی اس نے فوری پاکستان سے فرار کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ پاکستان میں رہتے ہوئے اس گھر سے دور رہنا اور ان سے کوئی خبر چھپانا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

رات ننھے زبیر کو سلانے کے بعد اس نے اپنی پیکنگ کی تھی۔ نمیر کی بیوی نے سارا گھر سنبھال لیا تھا اور یہ بات اس کے اطمینان کے لیے کافی تھی' نمیر نے زبیر کو بورڈنگ بھجوانے کی تیاری بھی مکمل کر لی تھی۔ نمیر جاب میں مصروف ہو گیا تھا مگر عمیر بہت اداس تھا۔ مصر اور شام میں انسانی بربریت کا دکھ ہی کافی تھا کہ اس پر حورعین نے بھی دیارِ غیر میں جا کر بسنے کی خبر سنا دی تھی تاہم وہ ڈائریکٹ اسے روکنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد زبیر کو اسکول روانہ کر کے وہ عمیر کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''عمیر۔''

''جی آپی۔'' وہ جو مطالعے میں مصروف تھا فوراً چونکا تھا۔

''ناشتا نہیں کیا تم نے؟''

''بس دل نہیں چاہ رہا۔'' کتاب بند کر کے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا' تبھی وہ پاس بیٹھ گئی۔

''یہ تو اچھی بات نہیں ہے' میں جانتی ہوں تم شام اور مصر کے حالات پر پریشان ہو مگر صرف تم پریشان نہیں ہو عمیر! ہر صاحب فکر مسلمان' جس کے دل میں ذرا سی بھی انسانیت اور نرمی ہے وہ پریشان ہے مگر اس پریشانی کا یہ حل نہیں ہے کہ انسان کھانا پینا چھوڑ دے' اللہ رب العزت نے ہر انسان کو عمر کی نقدی دے کر دنیا کے بازار میں اعمال کی خریداری کے لیے بھیجا ہے' جب جس روز یہ نقدی ختم ہو جائے گی ہر انسان اپنے کندھے پر اپنے اعمال کی گٹھری لاد کر راہِ عدم کا مسافر ہو جائے گا۔ روزِ محشر یہ گٹھری جب کھلے گی تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے عمیر جو انسان کا حال ہوگا۔ لذتوں اور غفلتوں کا خمار اترنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی پھر تم دیکھنا وہاں ان کا حشر کیا ہوگا۔ دنیا کا قالین تو بس سمٹا ہی چاہتا ہے' ہم گمراہ نہیں ہیں جو یہ بات اپنے دل و دماغ میں بٹھا لیں کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہو سکتی' نہ ہی اس غلط فہمی کو سر پر سوار کر سکتے ہیں کہ ایک بار دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دوبارہ کوئی جنم ہوگا' ہماری موت سعادت کی موت ہے عمیر! تم ذرا ان لوگوں کا سوچو' ان کا کیا بنے گا؟'' اس کا انداز ڈھارس بندھانے والا تھا' عمیر کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

''ہم دوبارہ جنم کی امید پر کوئی غفلت افورڈ نہیں کر سکتے میرے بھائی نہ ہی اپنے فرض سے کوتاہی برت سکتے ہیں کیونکہ روزِ محشر جب اعمال کی گٹھری کھلے گی تو ہر شخص یہ چاہے گا اس کی گٹھری میں بخشش کا سامان ہو مگر اس وقت یہ سامان کہاں سے آئے گا؟ دنیا کی کھیتی میں جانفشانی سے جتنی محنت کریں گے آخرت میں اتنی ہی اچھی فصل کاٹنے کو ملے گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اس بے سروپا بدامنی کا کوئی مقصد بھی تو ہو۔''

''مقصد ہے ناں' پچھلے گیارہ سالوں میں جو جنگ عالمی طاقتوں کی طرف سے لڑی جا رہی ہے اس کا مقصد کوئی دہشت گردی' کوئی طالبان نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مقصد اور ہدف صرف اور صرف انسانیت کا قتل اور اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی قوت پاکستان کا ایٹم بم ہے' جس کو ہتھیانے کے لیے واشنگٹن سے لے کر جنیوا اور لندن سے لے کر برسلز تک تمام کفریہ طاقتیں سر جوڑے بیٹھیں ہمہ وقت گہری سازشوں میں مصروف ہیں۔ پتا ہے ناں کسی بھی ملک کا ایٹم بم اس کی پہچان' اس کے مضبوط و مستحکم دفاع کا سگنل اور اسٹریٹجی مہارت کی علامت سمجھا جاتا ہے' ساری دنیا حیران ہے کہ جو ملک ایک معیاری سیل تک نہیں بنا سکتا اس نے ایٹم بم کیسے بنا لیا۔ ہم نہیں جانتے عمیر کہ ایٹم بم کی آڑ میں ہم پر کون سی قیامت مسلط کی جا رہی ہے۔ آج دنیا کی پہلی اسلامی ایٹمی قوت عالم کفر کے نرغے میں ہے۔ پوری قوم نیٹو افواج کے بھاری بوٹوں تلے روندی جا رہی ہے' بم دھماکوں نے ساری پاکستانی قوم کا سکون غارت کر چھوڑا ہے' سوات سے کراچی تک ایک ہی بساط بچھی ہے موت کی بساط' ایک قطعی پرائی جنگ میں اب تک ہزاروں بے گناہ پاکستانی شہریوں کے ساتھ' افواج پاکستان کے سیکڑوں جوان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں' ذرا سوچو عمیر! کیا امریکہ کے کسی اور اتحادی ملک میں یہ واقعات اور حادثات پیش آئے؟ اگر نہیں تو پاکستان میں ہی ایسا کیوں' کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک جنگ جو ہماری ہے ہی نہیں' ہم وہی جنگ خود اپنے شہریوں کی لاشوں پر' کسی اسامہ بن لادن کسی بیت اللہ محسود کسی ملا عمر کے خلاف نہیں بلکہ خود اپنے ہی خلاف لڑ رہے ہیں' یہ جنگ ہمیں اس ڈگر پر لے آئی ہے جہاں صرف اندھیرے ہی اندھیرے ہیں وہ پاکستان جو عالم اسلام کا قلعہ اور مسلمانوں کی امیدوں کا واحد مرکز ہے وہ پاکستان جو معدنی وسائل اور افرادی قوت سے مالا مال ہے۔ دنیا میں واحد ایٹمی قوت ہے جو بیک وقت امریکہ' اسرائیل اور بھارت سے ٹکر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی پاکستان کو یہ فرعونی قوتیں ناکام ریاست ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہیں تاکہ کل یہ ہمارے کہوٹہ پلانٹ کو خدانخواستہ نشانہ بنا کر یو این او کے ذریعے ہمارا ایٹم بم اٹھا لیں اور جواب میں نہایت آسانی سے یہ کہہ سکیں کہ پاکستان ایک غیر محفوظ اور ناکام ریاست ہے یوں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر الحمدللہ ہمارا ایٹم بم محفوظ ہاتھوں میں ہے آپی! کسی کی مجال نہیں کہ میلی نظر بھی ڈال سکے اس پر۔''

''ہوں' صحیح کہہ رہے ہو مگر ذرا سوچو ابھی چند روز پہلے صرف ایک معمولی شخص نے جس طرح دارالحکومت میں ہماری سیکورٹی کا پول کھول کر رکھ دیا' اس کے بعد کیا ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے؟ تم دیکھو عمیر! بالکل اچانک سے امریکی افواج ہمارے دارالحکومت کے قریب دھاوا بول دیتی ہے' ہمارا ریڈیو سسٹم اس حد تک خراب ہے کہ ہمیں اپنے قلب میں اسامہ بن لادن کی موجودگی کا پتا ہی نہیں چلتا مگر امریکیوں کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور وہ ہماری آنکھوں کے سامنے آپریشن کر کے اپنا ہدف حاصل کر لیتی ہے' کیا اس کے بعد بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم محفوظ ہیں؟ یہ کافر لوگ تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ وطن عزیز میں انتشار پھیلا کر یہاں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کی جائے اور اسے غیر مستحکم قرار دے کر اسے ایٹم بم سے محروم کر دیں' اس ایٹم بم سے جس کے لیے ہم نے اقتصادی فاقے کیے' سامراج کی معاشی بدمعاشیاں برداشت کیں جس کے لیے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ کی مستقل شہریت اور اپنی بیٹیوں کا شاندار مستقبل پس پشت ڈال کر لاکھوں ڈالرز کی تنخواہ کو ٹھوکر مار کر یہیں کے ہو رہے جس کے لیے ذوالفقار علی بھٹو جیسے کہنہ مشق' مدبر لیڈر جنون کی حد تک دیوانہ وار سرگرم رہے' بے نظیر بھٹو جیسی زیرک لیڈر یورپی یونین کے سامنے ڈٹی رہیں' عصر حاضر کے بادشاہ میاں محمد نواز شریف کسی طور کلنٹن

کے دباؤ میں نہیں آئے اور تو اور جنرل ضیاء جیسے لیڈر نے بھی دوٹوک انداز میں امریکیوں کو یہ کہہ کر خاموش کروادیا کہ Topic Is Out Of Discassion وہی ایٹم بم اب ان عالمی قوتوں کی آنکھ میں کنکر بن کر چبھ رہا ہے ساری جنگ اسی کی ہے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا ڈرامہ جس میں پانچ ہزار افراد کی ہلاکتوں کی اطلاع ملی اس جنگ کا بنیادی پوائنٹ تھا یہ لوگ سازشوں کے تحت تمام مسلم ممالک کو غیر مستحکم کرنے کے بعد فائنل راؤنڈ پاکستان میں کھیلنا چاہتے ہیں عمیر کیونکہ یہ بساط حقیقت میں بچھائی ہی پاکستان کے لیے گئی ہے۔'' بولتے بولتے حورعین کا گلا خشک ہوگیا تھا' عمیر نے اسے گلاس میں پانی انڈیل دیا۔

''میں نے سنا تھا آپی ایٹم بم ایک نہایت مہلک' ضرر رساں اور خطرناک ہتھیار ہے۔ 68 سال پہلے 1945ء میں جنگ عظیم دوئم کے دوران امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ناگاساکی اور ہیروشیما پر جو نیوکلیئر بم برسائے تھے اس کے نتیجے میں آج تک وہاں کی زمین بنجر اور فضا آلودہ ہے۔ وہاں پیدا ہونے والے بچے آج بھی لولے لنگڑے اور معذور پیدا ہورہے ہیں' دنیا بھر میں آج جو ملک بھی اس ٹیکنالوجی سے مالا مال ہے' ساری دنیا اسے عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے کسی کی جرأت نہیں کہ اس کی پالیسی کے خلاف ہلکی سی گستاخانہ نگاہ بھی ڈال لے ان کے کسی شہری کے خلاف ایکشن لے لے تو پوری عالمی برادری سیخ پا ہوجاتی ہے جب ہم اللہ پاک کی نصرت اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے عظیم انسان کی بدولت اس ٹیکنالوجی کے مالک بنے تو میرا دل خوشی سے پھٹ رہا تھا۔ منٹو کے مرکزی کردار منگو کوچوان کی طرح ہزاروں پاکستانیوں کی آنکھوں میں جانے کیسے کیسے خواب آبسے تھے اک جوش تھا کہ اب ہم بھی سر اٹھا کر چل سکیں گے اک ولولہ تھا کہ اب ہم بھی سینہ تان کر عزت وآبرو کے ساتھ جئیں گے خود مختاری' خود کفالت اور خود انحصاری کے قابل ہوجائیں گے مگر افسوس صد افسوس آپی کہ ایسا کچھ نہ ہوسکا۔ ایٹمی قوت ہوتے ہوئے بھی آج ہم ذلیل و خوار ہیں' کل ہندو بنیا ہمیں دھمکاتا تھا اور آج تیسری دنیا کا ایک نقاب پوش مسخرہ بات بات پر ہمیں جانے کیسی کیسی دھمکیاں دیتا ہے۔''

''یہ تو ہونا ہی تھا عمیر! تم نے وہ کہانی نہیں سنی کہ افغانستان کے ایک دیہات میں چوری ڈکیتی بہت ہوتی تھی تو وہاں ایک کسان نے سوچا کہ اس کے پاس اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لیے ایک بندوق ہونی چاہیے چنانچہ اس نے اپنا تمام مال ومتاع ڈھور ڈنگر سب بیچ کر ایک بندوق خرید لی' رات میں چور آئے تو کسان کی بیوی نے کسان کو جگایا اور بتایا کہ گھر میں چور گھس آئے ہیں تب کسان نے سوچا کہ اس کی سب سے قیمتی چیز تو اس کی بندوق ہی ہے لہٰذا اسے چھپایا جائے یہ سوچ کر دونوں میاں بیوی نے بندوق کو بستر کے نیچے چھپایا اور اس کے اوپر لیٹ گئے' صبح اٹھے تو بہت خوش ہوئے کہ انہوں نے بندوق بچالی جو ان کی سب سے قیمتی متاع تھی' گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا پتا چلا کہ رات کسان کے گھر چور آئے تھے اور اس نے اپنی بندوق چھپالی تو سب اس پر بہت ہنسے' انہوں نے کسان سے کہا کہ ایسی بندوق خریدنے کا کیا فائدہ جس کی حفاظت بھی تمہیں خود کرنی پڑے' بات کسان کی سمجھ میں آگئی اور وہ بے حد شرمندہ ہوا' ہمارا ایٹم بم بھی کسان کی وہی بندوق ہے عمیر! جو بجائے اس کے کہ ہماری حفاظت کرے الٹا ہم خود اس کی حفاظت کررہے ہیں۔'' لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے وہ عمیر کو کہہ رہی تھی' عمیر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''خیر...... اس موضوع پر جتنا بھی خون جلالیں کم ہے میری ہالینڈ کے لیے ٹکٹ کنفرم ہوگئی ہے اگلے ہفتے فلائٹ ہے' صبح عمیر زبیر کو ہوسٹل چھوڑ آئے گا تو میں ساتھ ہی چلی جاؤں گی' بہت سے معاملات کو ہینڈل کرنا ہے ابھی' مجھے خوشی ہے کہ عمیر کی بیگم نے میری جگہ لے لی ہے۔''

''نہیں آپی اس گھر میں آپ کی جگہ بھی کوئی نہیں لے سکتا' میں بہت مس کروں گا آپ کو۔'' اچانک اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی ہلکی ہلکی چھلکی تھی' حورعین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''مس تو میں بھی تمہیں بہت کروں گی عمیر' کیونکہ تم راہ حق کے مسافر ہو' تم جیسے نوجوانوں کی اس ملک کو بہت ضرورت ہے۔''

''اور آپ جیسی شخصیات کی بھی بہت ضرورت ہے اس ملک کو' مجھے حقیقتاً آپ پر بہت فخر ہے آپی! میں ہمیشہ آپ سے اپنے احساسات وجذبات شیئر کرکے خود ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہوں۔'' نم آنکھوں کے ساتھ وہ مسکرایا تھا جواب میں حورعین بھی اس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھ کر دھیمے سے مسکرادی۔

❀......❀......❀

جس شام وہ ہمدانی ہاؤس سے رخصت ہوئی اسی رات اس گھر کے مکینوں نے سمیر کی بیوی لائبہ کا نیا روپ دیکھا تھا۔ حورعین کی موجودگی میں بڑھ چڑھ کر ہر کام کرنے والی لائبہ بیگم

اس کے گھر سے رخصت ہوتے ہی خرابی طبیعت کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں قید ہوگئی تھی نئی نئی شادی تھی لہٰذا عمیر اس کا موڈ فریش کرنے کے لیے اسے باہر ڈنر کروانے لے گیا۔ اگلی صبح بھی دیر تک ان لوگوں کے بیڈ روم کا دروازہ بند رہا' عمیر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ حورعین کے اس گھر سے چلے جانے کو اس نے بہت دل پر لیا تھا' شاید اسی ٹینشن اور غم کی وجہ سے اسے بخار نے آلیا تھا۔ اس میں ناشتا بنانے کی ہمت نہیں تھی' نمیر بھی بنا ناشتے کے آفس کے لیے نکل گیا تھا' کل رات کا کھانا بھی اسی نے بنایا تھا' اگلے دو روز تک یہی معمول رہا تو عمیر نے عذیر کو شکایت لگادی' لائبہ نے گھر کا کام یوں ترک کردیا تھا جیسے اسے منع ہوگیا ہو۔ صبح ناشتے کے بعد وہ اپنی کسی نہ کسی دوست کو بلا لیتی اور دن بھر کمرا بند کر کے اسی کے ساتھ گپ شپ لگاتی رہتی یا ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتی' سمیر نے جاب جوائن کرلی تھی چونکہ اس کا ٹرانسفر دوسرے شہر ہوگیا تھا۔ لہٰذا وہ ہفتے کی رات گھر آتا اور اتوار کی رات پھر واپس چلا جاتا۔ اس روز بھی ہفتہ تھا جب عذیر نے اسے کال کر کے لائبہ کا بتایا۔ سفر سے تھکا ہارا وہ گھر آیا تو لائبہ کمرہ بند کیے حسب عادت سورہی تھی جب کہ عمیر نے طبیعت کی خرابی کے باوجود مشین لگا رکھی تھی۔

سمیر نے کمرے میں جا کر لائبہ کا کمبل کھینچا اور اسے ڈانٹا تو وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

”آتے ہی کان بھر دیے بھائیوں نے؟“

”جسٹ شٹ اپ۔“

”یو شٹ اپ...... میں اس گھر میں تمہاری بیوی بن کر آئی ہوں' نوکرانی بن کر نہیں۔“ نمیر نے ابھی ابھی آفس سے واپسی پر لاؤنج میں قدم رکھا تھا جب لائبہ کے چنگھاڑتے لہجے نے سمیر اور عمیر کے ساتھ ساتھ اسے بھی حیران کردیا۔

”گھر کا کام کرنے سے کوئی نوکر نہیں بن جاتا۔“

”تو کون سا کام نہیں کیا میں شادی کے ابتدائی دنوں میں کولہو کے بیل کی طرح کام کیا ہے میں نے اچھا بھلا سارے بھائی اپنا کام کرتے تھے اب کیا ہوگیا؟ مائنڈ اٹ سمیر! میں تمہاری بیوی ہوں تمہارے بھائیوں کی خدمت مجھ پر فرض نہیں ہے نہ ہی کوئی مجھے حورعین بھابی جیسا سمجھنے کی کوشش کرے' اکلوتی بیٹی ہوں اپنے ماں باپ کی میں نے تو کبھی اپنے گھر میں ہل کر پانی بھی نہیں پیا۔“

”نہیں پیا تھا تو شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی' رہتیں اپنے ماں باپ کے گھر۔“

”رہ رہی تھی مگر یہ تم ہی تھے جس سے اپنے جذبات سنبھالے نہیں جارہے تھے۔“

قطعی گستاخانہ لہجے میں اس نے اتنی کھلی بات سمیر کے منہ پر دے ماری تھی کہ وہ بے ساختہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہوگیا۔ نمیر اور عمیر بھی ایک دوسرے سے نظریں چرا گئے تھے۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد نمیر کپڑے تبدیل کر کے کچن میں آگیا اور یہی لائبہ چاہتی تھی جبھی سکون سے اونچی آواز میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔ اس کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ سمیر سے دور نہیں رہ سکتی تھی جب کہ سمیر کسی طور اسے اپنے ساتھ لے جانے کو تیار نہیں تھا' اس کی یہی خواہش تھی کہ وہ حورعین کی طرح اس کا گھر سنبھالے اور اسی بات پر اس کا سمیر سے جھگڑا ہوا تھا جس کی سمیر نے مطلق پروا نہیں کی تھی۔ اس کے بعد ہی اس نے گھر کے کاموں سے ہاتھ کھینچا تھا مگر اب بھی بات بنتی نظر نہیں آرہی تھی جبھی اس کی دوست نے اسے ایک اور نئی راہ دکھائی تھی۔

سمیر سنڈے کی چھٹی ٹینشن میں گزار کر پیر کو واپس آیا تو حورعین کا فون آگیا' پرسوں رات اس کی فلائٹ تھی لہٰذا اس نے ان سب کو اپنے گھر پرائیویٹ کیا تھا' نمیر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا آفس سے واپسی کے بعد وہ کمرا بند کر کے سو گیا تو لائبہ عمیر کے ساتھ حورعین کے پاس چلی آئی۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ہی سر چکرانے کا بہانہ کر کے وہ وہاں سے اٹھ آئی' عمیر نے ساتھ آنا چاہا تو اس نے سہولت سے منع کردیا۔ جلدی جلدی گھر آکر اس نے نمیر کے کمرے کا لاک کھولا جس کی چابی اس کے پاس تھی' اندر وہ بے خبر اپنے بیڈ پر پڑا سو رہا تھا جبھی اس نے گاڑی سے شراب کی بوتل نکالی اور اپنی فرینڈ کی ہدایت کے عین مطابق ایک گلاس بھر کر باہر پودوں میں گرادیا پھر آدھا گلاس بھر کر نمیر کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور شراب کی بوتل بھی ساتھ ہی رکھ دی۔ پانچ منٹ کے بعد اس کی مخروطی انگلیاں سمیر کا نمبر پریس کررہی تھیں جو ابھی تھک ہار کر آفس سے اپنے فلیٹ پر واپس آیا تھا۔

”ہیلو۔“ تیسری ہی بیل پر اس نے کال ریسیو کرلی تھی ادھر صوفے پر اطمینان سے بیٹھی لائبہ نے دھواں دھار رونا شروع کردیا۔

”سمیر آپ کہاں ہیں پلیز جلدی سے گھر واپس آجیے۔“

”کیوں خیریت؟ کیا ہوا ہے؟“

”خیریت نہیں ہے نمیر نے شراب پی رکھی ہے اس کا دماغ کام نہیں کررہا میں ابھی حورعین بھابی کے گھر سے واپس آئی تو اس نے میرے ساتھ بدتمیزی شروع کردی' بڑی مشکل سے میں اپنی عزت بچا کر اپنے کمرے میں خود کو لاک کرنے میں کامیاب ہوئی ہوں۔ سمیر میں یہاں اب ایک پل بھی نہیں رہ سکتی' ابھی اپنے پاپا کو فون کر کے بلا رہی ہوں میں۔“ اس کی ایکٹنگ اتنی زبردست تھی کہ سمیر کو اس پر ذرا سا بھی شبہ نہیں ہوا' اپنے بھائیوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود وہ اس کے فریب میں آگیا تھا۔

”نہیں پاپا کو فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں آرہا ہوں۔“ اس نے کہا تھا اور لائبہ نے فوراً کال ڈس کنکٹ کردی تھی تقریباً ایک گھنٹے کے بعد عمیر گھر آیا تو وہ بال بگاڑے' اپنی شرٹ بازوؤں سے پھاڑے لاؤنج میں دونوں پاؤں صوفے پر رکھے رو رہی تھی جب کہ اس کا دوپٹہ اندر نمیر کے بیڈ پر پڑا تھا اور اس کی شرٹ بھی نیچے زمین پر پڑی تھی' وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔

”بھابی...... کیا ہوا؟“

مگر وہ بنا اس کی طرف دیکھے روئے جارہی تھی' تھوڑی ہی دیر میں سمیر بھی گھر پہنچ گیا تھا پریشانی اس کی شکل سے ہی ظاہر ہورہی تھی۔ لائبہ کو روتے دیکھ کر وہ تیزی سے نمیر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا اور کمرے کا حال دیکھ کر غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے اس نے نمیر کو گریبان سے پکڑ کر نیند سے جگادیا۔

”گھٹیا' ذلیل' کمینے انسان...... شرم نہیں آئی تمہیں اپنے ہی گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے؟“ جگانے کے ساتھ ہی اس نے اسے دو تھپڑ بھی رسید کردیے تھے' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

”کیوں کیا ہوا ہے؟“ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی جب کہ سر درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا' جبھی وہ چنگھاڑا۔

”زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے گھٹیا ثابت ہوگے۔“ مارے اشتعال کے اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا' نمیر کا سر گھوم گیا۔

”بس...... زیادہ چنگھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے تمہیں مجھ پر یوں ہاتھ اٹھانے کی ضرورت پیش آئے۔“

”ضرورت کے بچے جو حرکت تم نے کی ہے میرا دل چاہ رہا ہے میں تمہاری جان لے لوں۔“ نمیر نے پہلی بار اسے یوں آپے سے باہر ہوتے دیکھا تھا۔ جبھی اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی شراب کی بوتل اور لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی روتی ہوئی لائبہ پر پڑی تھی جس کا دوپٹہ اسی کے بیڈ پر پڑا لرز رہا تھا وہ حیران ہی تو رہ گیا ایک پل میں اسے ساری کہانی سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ حیران تھا اس کا کمرا تو لاکڈ تھا پھر یہاں شراب کی بوتل اور لائبہ کا دوپٹہ کیسے آگیا تھا؟

”نے لو جان' مگر میں اپنی مری ہوئی ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے نہ تمہاری بیوی کو ہاتھ لگایا ہے نہ شراب کی بوتل کو یہ سارا کھیل تمہاری اپنی بیوی کا رچایا ہوا ہے' میرا کمرا لاک تھا اور میں سلیپنگ پلز لے کر سو رہا تھا۔“

”بکواس بند کرو۔“

”بکواس نہیں کررہا ہوں میں' بکواس وہ ہے جو تمہاری بیوی کررہی ہے میرا خدا جانتا ہے میں نے کبھی حورعین آپی اور اس لڑکی کو اپنی سگی بہنوں سے کم نہیں سمجھا اور میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ اپنی سگی بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالوں گا۔“ اس کے لہجے کی مضبوطی اس کی سچائی کی دلیل تھی' سمیر نے رخ پھیر کر لائبہ کی طرف دیکھا وہ فوراً نظر چرا گئی' اگلے ہی روز بات حورعین اور عذیر کے علم میں بھی آگئی تھی۔ اپنی اپنی جگہ پر دونوں شاکڈ رہ گئے تھے' حورعین ساری مصروفیات پس پشت ڈال کر وہاں آئی تھی' جہاں نمیر نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی مگر عمیر کی مداخلت نے اسے بچالیا تھا۔

لائبہ بے حد شرمندہ تھی جب کہ نمیر تو کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہا تھا' حورعین کتنی ہی دیر نمیر کے پاس بیٹھی اس کی ڈھارس بندھاتی رہی۔

❁......❁......❁

تُو اگر سن نہیں سکتا تو مجھے غور سے دیکھ
بات ایسی ہے کہ دہرائی نہیں جائے گی

حورعین کی فلائٹ کا ٹائم قریب آپہنچا تھا۔ نمیر اور عمیر دونوں اسے سی آف کرنے آئے تھے جب کہ سمیر کل رات ہی لائبہ کو ساتھ لے کر اپنی ڈیوٹی پر واپس چلا گیا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار میں گاڑی سے اتر کر ان دونوں کو پیار کرنے کے بعد وہ ائیرپورٹ کی عمارت کی طرف بڑھی تو اس کے قدم من من کے ہورہے تھے جب کہ نمیر اور عمیر دونوں کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

کتنا مشکل تھا اس ملک' اسی شہر اور ان لوگوں سے دور رہنا جواب اس کی پہچان بن چکے تھے مگر وہ پلٹ کر دیکھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی اگر اس نے ایک بار بھی پلٹ کر انہیں دیکھ لیا تو یہاں سے کبھی نہیں جا سکے گی۔ ہلکی ہلکی پھوار نے اس کے کپڑے خاصے بھگو دیے تھے جبھی کسی نے اسے پکارا تھا۔

”حورعین......“ اور وہ جو تیزی سے عمارت کی طرف بڑھ رہی تھی ٹھٹک کر رک گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا مگر وہ اب بھی پلٹ کر نہ دیکھ سکی جبھی وہ

قریب آیا تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟" اس بار حورعین نے نظریں اٹھائی تھیں کیونکہ وہ اس کے مقابل ہی تو کھڑا تھا۔

"لیور پول۔"

"اتنی ساری محبتوں کو چھوڑ کر؟"

"نہیں چھوڑ کر نہیں ساتھ لے کر۔"

"کیوں جانا ضروری ہے؟"

"ہوں۔"

"او کے مگر سامان کہاں ہے؟" اور اس بار وہ چونکی تھی اسے خبر ہی نہ ہوسکی تھی کہ اس نے گاڑی سے اپنا سامان تو نکالا ہی نہیں تھا۔ بچھڑ جانے کی یہ کیسی اذیت تھی کہ بنا سامان کے وہ پیدل ہی آگے بڑھتی جارہی تھی ایک دم سے پلٹ کر اس نے پیچھے دیکھا مگر اب وہاں نمیر اور عمیر کی گاڑی نہیں کھڑی تھی۔

"او...... مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ سامان نکالنا ہے۔"

"چچ چچ چچ اب تو پھر بنا سامان کے ہی جانا پڑے گا۔" وہ اس کی پریشانی سے لطف اٹھا رہا تھا' حورعین نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر قدم آگے بڑھا دیئے۔ فلائٹ کے لیے اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی اس کے قدموں کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

"بات سنو۔" ایک مرتبہ پھر اس کی صدا نے اس کے قدم باندھ دیئے تھے وہ ٹھٹک گئی۔

"جی۔"

"میری امانت تو واپس کرتی جاؤ۔"

"واٹ؟" عذیر کی جگر جگر کرتی نگاہوں کو دیکھتے ہوئے وہ الجھ ہی تو گئی تھی۔

"کیسی امانت؟"

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا' حورعین گھبرا گئی۔

"نہیں۔" اس کا کہنا تھا کہ اسی لمحے ہلکی ہلکی بوندا باندی نے اچانک تیز بارش کا روپ دھار لیا۔

"شیور......؟" ایک نظر اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب ہوا تھا۔ حورعین جیسے اس کی نظر کے طلسم میں بندھ کر رہ گئی لوگ بارش کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے مگر وہ ساکت کھڑی عذیر کی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی جو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھامے کھڑا اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حورعین ان نگاہوں کی گرفت سے اپنی نظریں چھڑانے کی ہمت ہی نہ کرسکی یہاں تک کہ بارش نے ان دونوں کو پور پور بھگو دیا۔ تبھی عذیر ذرا سا اس کی طرف جھکا تھا اور اس نے اپنے لب اس کی دہکتی پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔

"تمہیں پتا ہے تم میرا دل ساتھ لے کر جارہی تھیں۔" بے حد گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کے کان کی طرف جھکا تھا۔ حورعین کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی تاہم اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے ضرور پھسلے تھے۔

"اب نہیں حورعین' بہت لٹا دیا ان انمول موتیوں کو اب اور نہیں۔" فوراً سے پیشتر اپنے ہاتھوں سے اس نے اس کے آنسو صاف کیے تھے' حورعین ضبط کے سارے ہتھیار گراتی اس کے سینے سے لگی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ عذیر نے نرمی سے اپنے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیئے۔ بارش اور تیز ہوگئی تھی مگر دونوں کو ہی جیسے اس کی پروا نہیں تھی بہت دیر کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ پبلک پلیس پر کھڑے ہیں تبھی حورعین کسمسا کر اس کی گرفت سے نکلی تھی جس پر عذیر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

اگلے تیس منٹ کے بعد عذیر نے گاڑی ہمدانی ہاؤس کے سامنے پارک کی تھی' حورعین گاڑی سے نکلی تو بھیگے کپڑوں میں اس کے جسم کا ایک ایک حصہ نمایاں ہو رہا تھا تبھی عذیر نے شرارتی نگاہوں سے ایک نظر اس کے بھیگے سراپا پر ڈالنے کے بعد اپنا کوٹ اتار کر اسے پہنا دیا پھر دایاں ہاتھ اس کے شانوں کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ گھر کے اندر لے آیا۔

صد شکر کہ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا مگر نمیر کے کمرے سے اس کے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں ضرور آ رہی تھیں۔

"میں بتا تا رہا ہوں عمیر! میں نے آج کے بعد پوچھا نہیں لگانا' صبح ناشتا بھی تم نے بنایا کرنا ہے روز آفس سے لیٹ ہو جاتا ہوں' یہی حالات رہے ناں تو جلد ہی آفس والوں نے جاب سے فارغ کر دینا ہے' بھول جاؤ اب حورعین آپی والی عیش! وہ تو کوئی پری تھیں جو راستہ بھول کر بس تھوڑے دن کے لیے ہی ہماری دنیا میں آ گئی تھیں۔"

"اور کیا ساری عادتیں ہی خراب کر دیں ہماری' کاش عذیر بھائی انہیں روک لیتے مگر وہ کیوں روکیں گے انہیں تو ہر کام وقت پر ریڈی مل جاتا ہے۔ میں بتا رہا ہوں نمیر! میرا بائیکاٹ ہے عذیر بھائی سے زبیر بھی وہاں ہوسٹل میں سیٹ نہیں ہو رہا' جب بھی فون کر کے رونے لگ جاتا ہے میرا تو دل کٹ رہا ہے۔ کسی کی مجال تھی کہ حورعین آپی کے ہوتے ہوئے کوئی ہم پر ایسا گھٹیا الزام لگاتا جو لائبہ بھابی نے لگایا' میں نے سوچ لیا ہے اب جب بھی عذیر بھائی آئے ہم نے ان کا کام نہیں کرنا۔" نمیر کے کمرے سے اٹھتی آوازوں پر عذیر نے حورعین کی طرف دیکھا تھا اور وہ قطعی بے ساختگی میں کھلکھلا کر اپنے پیچھے بیرونی دروازہ بند کر گئی تھی' بے شک وہ گھر ایک جنت تھا اور حورعین عبدالسمیع اپنے پیارے رب کی خاص رحمت سے اس جنت میں اپنا مقام پا گئی تھی۔

❁......❁......❁

ذرا دیکھو تو دروازے پر دستک کون دیتا ہے؟\
محبت ہو تو کہہ دینا یہاں اب ہم نہیں رہتے

بارش خوب زور و شور سے ہو رہی تھی۔ ہانیہ کافی کا بڑا سا مگ ہاتھ میں لیے ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی' ایسا ہی ایک برستا بھیگتا موسم اس کے اندر بھی تو ٹھہر گیا تھا۔ نہال حسن نے کہا تھا۔

"ترسو گی ہانیہ ڈیئر! نہال حسن کے ساتھ بھی بارشوں کے حسن کو محسوس کرنے کے لیے ترسو گی۔" اور وہ واقعی ترس گئی تھی۔

کتنا عرصہ ہوگیا تھا اسے بارشوں میں بھیگے ہوئے سرد قطروں کے لمس کو اپنی ہتھیلیوں پر محسوس کیے ہوئے۔ بارشیں واقعی کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتیں۔

کھڑکیوں کے شیشوں پر\
رینگتے ہوئے قطرے\
یوں پھسلتے ہیں جیسے\
میرے اور بادل کے درمیان کوئی ہے\
جو میرے اور بادل کے راز کو سمجھتا ہے\
جب گھٹائیں چھائیں تو صرف وہ نہیں روتیں\
آنکھیں بھی برستی ہیں' کھڑکیاں بھی روتی ہیں

کتنا وقت ہوگیا تھا اسے نہال حسن کے لیے روتے ہوئے اب تو آنکھوں کے آنسو بھی پتھر ہوگئے تھے مگر وہ تاحال اسے بھولنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی' کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی بات کے حوالے میں وہ اسے یاد آ ہی جاتا تھا' کبھی بارشوں کو دیکھ کر کبھی دیوار پر کسی چھپکلی کو دیکھ کر کبھی کچن میں کوئی کاکروچ دیکھ کر اور کبھی اپنے بیٹے کی صورت تصور میں لا کر جو ہو بہو نہال کی کاپی تھا۔

بے شک وہ ایک آئیڈیل انسان تھا اور اس کی رفاقت ہانیہ صفدر کی زندگی پر گہری چھاپ چھوڑ گئی تھی' اپنی محبت اور شخصیت کے لحاظ سے وہ کسی افسانوی ہیرو سے کم نہیں تھا مگر کتنی عجیب بات تھی کہ پھر بھی وہ اسے کبھی ویسے نہیں چاہ سکی تھی جیسے میکال حسن کو چاہا تھا۔

بارش کی تیزی میں مزید شدت آ گئی تھی۔ ہانیہ نے کھڑکی کے پردے برابر کر دیئے جانے کیوں اب بارشوں میں اس کا دل جیسے گھٹنے لگتا تھا۔ نہال حسن کے بعد زندگی کی جھیل پر جیسے کائی لگ گئی تھی' اندر کے برف موسموں نے اسے ٹھٹھرا کر رکھ دیا تھا۔ بہت اکیلی پڑ گئی تھی وہ زندگی کے دکھوں کے سامنے' پچھلے تین سال سے صرف ایک لفظ داشتہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا' میکال حسن کے لبوں سے نکلا یہ لفظ اس کی قبر بن گیا تھا جس میں وہ روز دفن ہوتی تھی۔

جاذب اور ہادیہ روز اسکائپ پر اس سے بات کرتے تھے' ہادیہ نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا اور وہ انہی میں بے حد مصروف ہو کر رہ گئی تھی' حسن صاحب اور ان کی بیگم کا فون بھی آ جاتا تھا کبھی کبھار مگر اسے اب کسی کے یاد کرنے نہ کرنے سے فرق ہی کہاں پڑتا تھا' فارحہ کی بیٹی اس کا بہت خیال رکھتی تھی' صفدر صاحب کی دوسری بیگم بھی اسی کے ساتھ رہتی تھیں۔ اس کے باوجود گزرے ہوئے ماہ و سال میں جس طرح سے دل پر پتھر رکھ کر اس نے اپنے بیٹے کو بھلایا تھا اس کے لیے صبر کیا تھا صرف وہی جانتی تھی۔

اور اب جب اسے صبر آنے لگا تھا تو وہ پھر اس کے سامنے آ گیا تھا اور اس کے اندر کی ماں تا اس کی معصوم شکایات سن کر جیسے تڑپ اٹھی تھی' کسی کروٹ قرار نہیں تھا نہ کچھ کھانے کو دل چاہ رہا تھا نہ پینے کو' کام کاج میں اس کی دلچسپی بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی اس ایک رشتے کے سوا کائنات میں اب اس کا اور رہ بھی کیا گیا تھا؟

❁......❁......❁

ہانیہ صفدر جب سے اس کے گھر سے ہو کر گئی تھی میکال حسن کو کسی کروٹ قرار نہیں آ رہا تھا۔ سنان علی آج بھی اس کا انتظار کرتے کرتے بھوکا ہی سو گیا تھا۔ حفیظ بابا بھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے کوارٹر میں گئے تھے تبھی آفس سے واپسی پر پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کے بعد وہ صوفے پر ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔ اگلے ہی پل اس نے فل آواز میں ٹی وی کھول لیا مگر اس کی توجہ ٹی وی اسکرین پر نہیں تھی' نظر کی اسکرین پر اگر کوئی سین جھلملا رہا تھا تو وہ ہانیہ صفدر کا تھا جسے آج شام میں اس نے مارکیٹ میں شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

پچھلے چھ ماہ کے بعد ہانیہ صفدر سے یہ اس کا دوسرا ٹکراؤ تھا' اسے تو شاید خبر بھی نہیں تھی مگر وہ اب بھی اس کے شب و روز پر بہت گہری نظر رکھے ہوئے تھے' نہال کی موت کو تین سال ہو گئے تھے اور ان تین سالوں میں وہ ایک بار بھی اس کے خواب

میں نہیں آیا تھا۔

میکال حسن کو اب ڈیپریشن کے دورے پڑنے لگے تھے روز رات میں مسلسل نیند کی دوائی کھا کھا کر اس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔ اب تو گولیاں بھی اپنا اثر کھو بیٹھی تھیں اس کے بیڈ کی دونوں سائیڈوں پر ہانیہ اور نہال کی تصویریں لگی تھیں اور اس کا بیٹا روزان تصویروں سے ڈھیروں باتیں کر کے سوتا تھا۔ پچھلے تین سالوں میں اس نے کتنی کوشش کی تھی ہانیہ صفدر کو اپنے دل و دماغ سے نکالنے کی مگر وہ لڑکی جیسے کسی آسیب کی طرح اس کی روح سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔

گزرے ہوئے تین سالوں میں اگر وہ بدلی تھی تو وہ بھی بہت بدل گیا تھا تین سال سے اس کی زندگی میں کسی لڑکی کا کوئی گزر نہیں رہا تھا۔ مختلف محفلوں' تقریبات میں جانا بھی چھوڑ دیا تھا اس نے اس کی زندگی صرف اپنے بیٹے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی' روز آفس سے واپسی کے بعد وہ اسے کہیں نہ کہیں گھمانے پھرانے لے جاتا تھا' گھر واپسی کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ کھلاتا پھر حفیظ بابا کے سپرد کر کے اپنے کمرے میں چلا آتا' کبھی کبھی مصروفیات زیادہ بڑھ جاتیں تو وہ بالکل ہی اس کے لیے ترس کر رہ جاتا تھا۔

گزرے پچھلے تین سالوں میں اگر اس نے مکمل توجہ اور تن دہی سے کام کیا تھا تو وہ صرف بزنس کی اسٹیبلشمنٹ تھی جسے اس نے بنا کسی کی مدد کے اپنی قابلیت اور شبانہ روز محنت سے بام عروج تک پہنچایا تھا اور یہ اسی محنت کا صلہ تھا کہ آج بزنس کی دنیا میں اس کا ایک نام تھا لوگ اس سے محض چند لمحوں کی ملاقات کے لیے ترستے تھے مگر اسے اب لوگوں میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔

پچھلے ہفتے اس نے ایک نئی کمپنی کا چارج سنبھالا تھا جس میں ہانیہ صفدر پانچ سال کے کنٹریکٹ پر کام کر رہی تھی مگر اسے خبر نہیں تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

ٹیلی وژن اب بھی فل آواز میں چل رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں رات کے تین بجا رہی تھیں' وہ اٹھا اور اس نے فریج سے شیمپین کی بوتل نکال لی' بزنس میں محنت کے ساتھ وہ آج کل شراب کا استعمال بھی بہت شدت سے کرنے لگا تھا' حفیظ بابا دیکھتے تھے اور دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔

اذیت حد سے بڑھنے لگے تو انسان گھبرا کر کسی نہ کسی پناہ گناہ کی تلاش کرتا ہے' کوئی روحانیت کے رستے پر چل پڑتا ہے تو کوئی شیطانیت کے' اس نے بھی دوسرے رستے کا انتخاب کیا تھا۔

اگلے تین منٹ میں پوری بوتل ختم کرنے کے بعد اس نے کچن سے چھری اٹھا لی تھی' چند لمحے وہ اپنی خوب صورت کلائیوں کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے بازوؤں سمیت جسم کے مختلف حصوں پر چھوٹے چھوٹے کٹ لگانے شروع کر دیئے تھے' ہر کٹ کے ساتھ ملنے والی اذیت اس کے اندر لگی آگ پر جیسے پھوار کا کام کر رہی تھی جو ظلم اس نے اپنی زندگی اور دل کے ساتھ کیا تھا اس کی سزا شاید اس سے بہتر کوئی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

جز بھی ایک پھول ہے
بس فرق صرف اتنا ہے
کہ اسے نمائش سے نفرت ہے

پچھلے کئی دنوں سے ہانیہ صفدر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا وہ آفس نہیں جا پا رہی تھی' تقریباً ایک ہفتے کے بعد اس روز وہ آفس آئی تو اسے سب سے پہلی جو خبر ملی وہ کمپنی کے ایم ڈی کے تبدیل ہونے کی تھی۔

خبر کیا تھی پریشانی کا بم تھا جو عین اس کے سر پر پھٹا تھا' جانے نیا ایم ڈی کس طبیعت اور مزاج کا شخص تھا۔ اس کمپنی میں ذہین اور محنتی لوگوں کی کمی نہیں تھی اس کے باوجود کمپنی کے سابقہ ایم ڈی افتخار راؤ صاحب اس کا خصوصی خیال رکھتے تھے اور خاصی رعایت بھی دیتے تھے۔ سارا دن وہ یہی سوچ سوچ کر کڑھتی رہی تھی کہ جانے اب کیا ہوگا؟

دوپہر میں لنچ کے بعد افتخار راؤ صاحب نے اسے اپنے آفس میں طلب کیا تھا' جیسے ہی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی ان کی سیٹ پر میکال حسن کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گئی' قدم جیسے دہلیز پر ہی چپک گئے تھے تبھی افتخار صاحب کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔

"ارے مس ہانیہ! پلیز آئیں ناں' رک کیوں گئیں؟" افتخار صاحب بھی اس کے قریب ہی کھڑے تھے' ہانیہ بمشکل خود کو سنبھالتی آگے بڑھ آئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"

"جی ٹھیک ہوں۔"

"گڈ' یہ میکال صاحب ہیں میکال گروپ آف انڈسٹریز کے مالک! میرے بہت اچھے دوستوں میں شمار ہوتا ہے ان کا' اس ہفتے سے انہوں نے اس کمپنی کا چارج سنبھال لیا ہے۔"

"کیوں؟" افتخار صاحب کو اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی تبھی ذرا سا چونک کر مسکرائے تھے۔

"میں اصل میں ابروڈ جا رہا ہوں مس ہانیہ! میرے بیٹے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ وہاں بالکل اکیلا ہے پھر یہاں بہت نقصان بھی ہو رہا ہے میکال صاحب کے ففٹی پرسنٹ شیئرز تو تھے ہی اب مکمل چارج ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آپ ان کو مجھ سے بڑھ کر اچھا پائیں گی۔"

"ایسا تو تب ہوگا سر جب میں یہاں مزید کام کروں گی' میں آج ابھی اسی وقت اس جاب سے ریزائن کرتی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" افتخار صاحب پر حیرتوں کے پہاڑ گر پڑے تھے جبکہ میکال ٹکٹکی باندھے بس اسے دیکھے جا رہا تھا' ہانیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"کیوں کی وضاحت نہیں دے سکتی سر مگر یہ حقیقت ہے اس لفظ ابروڈ نے ہم مشرقی لوگوں سے ہمارے بہت سے انمول رشتے چھینے ہیں بہت ہی انمول۔"

"مگر مس ہانیہ آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں' دیکھیں میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں مگر آپ کا یہ فیصلہ درست نہیں ہے اس کمپنی کے ساتھ آپ نے پانچ سال کا کنٹریکٹ کیا ہے' ابھی وہ پانچ سال پورے نہیں ہوئے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں سر مگر اس کے باوجود مجھے اس شخص کے ساتھ ایک پل کے لیے بھی کام نہیں کرنا' ایم ریئلی ویری سوری۔"

"اوکے پلیز کول ڈاؤن' میں نہیں جانتا مسٹر میکال کے بارے میں آپ کن تحفظات کا شکار ہیں مگر میں آپ سے درخواست کروں گا پلیز ابھی جذبات میں آ کر کوئی حتمی فیصلہ مت کریں' چند دن ریسٹ کریں پھر اچھی طرح سوچ سمجھ کر جو فیصلہ آپ کرنا چاہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" ہانیہ کی آنکھوں سے نکلتی غصے اور نفرت کی چنگاریوں نے جہاں میکال کے چہرے پر سرخی پھیلائی تھی وہیں افتخار صاحب بھی بوکھلا کر رہ گئے تھے تبھی وہ پلٹی تھی اور تیزی سے ان کے آفس سے نکلتی چلی گئی تھی۔

باہر موسم سرد تھا مگر وہ بنا سرد ہواؤں کی پروا کیے پیدل ہی چلتی رہی' آنسو تھے کہ قطار در قطار بہتے ہی چلے جا رہے تھے' کیا ضروری تھا کہ وہ شخص اب یوں بار بار اس کا ضبط آزمانے کو اس کے سامنے آتا؟

آج کل اس کے گھریلو حالات بھی ٹھیک نہیں چل رہے تھے پچھلے دنوں بیماری پر بہت پیسہ لگا تھا اس کا' گھر کا راشن بھی ختم ہو رہا تھا۔ اوپر سے نمی (اس کی بیٹی جو فارحہ نے اسے گود دی تھی) کا ٹرپ شمالی علاقہ جات کو جا رہا تھا اور وہ ساتھ جانے کے لیے بضد تھی' مگر ہانیہ کے اکاؤنٹ میں صرف چند ہزار رہ گئے تھے جن میں ابھی اسے سردیوں کے لیے کپڑے بھی خریدنے تھے۔ پہلے جاذب اسے ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم آن لائن کروا دیا تھا مگر بعد میں جب اس کے کاروباری حالات اچھے نہ رہے تو ہانیہ نے خود ہی اسے منع کر دیا۔

زندگی تا حال اسے مشکلات اور مسائل کی چکی میں پیسے جا رہی تھی' مگر وہ بھی کہ کسی صورت ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

جس وقت وہ گھر پہنچی سارے گھر پر ایک عجیب سی خاموشی کا راج تھا۔ زکیہ بیگم کچن میں کھانا بنا رہی تھیں' وہ بیگ سائیڈ پر رکھتی لاؤنج میں صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ نمی فارحہ کی طرف گئی ہوئی تھی' زکیہ بیگم اس کی آہٹ پر فوراً کچن سے نکل آئیں۔

"آج جلدی گھر آ گئیں ہانیہ! خیریت؟"

"جی خیریت ہی ہے' بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر آ گئی' آپ کیا بنا رہی ہیں۔"

"آلو کی بھجیا بنا رہی ہیں' نمی فرمائش کر رہی تھی۔"

"اچھا' مگر وہ ہے کہاں' دکھائی نہیں دے رہی۔"

"فارحہ کی طرف گئی ہے کئی روز سے بلا رہی تھی۔"

"چلیں اچھی بات ہے میں تھوڑی دیر سونا چاہوں گی' وہ آئے تو پلیز اسے کھانا کھلا دیجیے گا۔" الجھن بھرے انداز میں بال سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی' زکیہ بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں' اس رات ایک مرتبہ پھر وہ نہیں سو سکی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

میکال بہت دنوں کے بعد اس روز کلب آیا تھا۔ ہر طرف وہی رنگینیاں تھیں' جو اس ماحول کا حصہ تھیں مگر اس کے اندر جیسے آگ لگی تھی ہانیہ صفدر کی آنکھوں سے نکلتی نفرت کی چنگاریوں نے اس کا سارا وجود جلا کر راکھ کر ڈالا تھا' اس کا توہین آمیز لہجہ اس کی رگوں میں خون ابال رہا تھا' کس درجہ حقارت سے ایک تھرڈ پرسن کے سامنے اس نے اس کی عزت اتار کر رکھ دی تھی جتنا وہ سوچتا جاتا تھا اتنا ہی اس کا دماغ پھٹتا جاتا تھا۔ کافی دیر ڈرنک سے شغف کرنے کے بعد بھی دماغ کی کھولن کم نہ ہوئی تو وہ بار سائیڈ کی طرف چلا آیا تبھی رحیم صاحب کلب میں داخل ہوئے تھے۔

"ارے میکال! ابھی کہاں ہو آج کل' نہ دعا نہ سلام۔ کلب بھی نہیں آ رہے ہو' ٹھیک تو تھے ناں؟" وہ بیئر پی رہا تھا یقیناً کوئی فرسٹریشن تھی۔

"جی میں ٹھیک ہوں، بس کچھ مصروفیات بڑھ گئی تھیں آپ سنائیں آپا ٹھیک ہیں؟"

"ہوں اسے کیا ہونا ہے، تمہیں بہت یاد کررہی تھی۔"

"میں بھی آپ دونوں کو بہت مس کررہا تھا ایک دو روز میں چکر لگاؤں گا۔" دو گلاس خالی کرنے کے بعد وہ اب وہ تیسرے کا آرڈر دے رہا تھا جب رحیم صاحب نے منع کردیا۔

"آج کے لیے بس اتنا کافی ہے تمہاری آپا فش بریانی بنارہی ہیں آج چلو مل کر کھاتے ہیں۔"

"نہیں آج نہیں، پھر کبھی سہی پلیز۔"

"پھر کبھی کس نے دیکھا ہے یار! بس چلو ابھی۔" زبردستی اس کے شانوں کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے وہ اسے وہاں سے نکال لائے تھے۔ تقریباً پچیس منٹ کے بعد وہ دونوں گھر پہنچے تو مسز رحیم کچن میں مصروف تھیں۔ رحیم صاحب کے ساتھ میکال کو دیکھ کر فوراً لاؤنج میں چلی آئی تھیں۔

"ارے میکال! کتنے دنوں کے بعد شکل دکھائی ہے سب خیریت تو تھی ناں؟"

"جی آپا خیریت ہی تھی آپ سنائیں کیسی ہیں؟"

"میں تو ٹھیک ہوں، تمہیں بہت یاد کررہی تھی، رحیم صاحب بھی صرف تمہارے لیے کلب جاتے ہیں روز۔"

"ایم سوری، میں اصل میں بزنس ٹور پر تھا اسی لیے چکر نہ لگا سکا۔"

"چلو کوئی بات نہیں، یہ بتاؤ ہانیہ سے بات ہوئی؟" گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتے ہوئے وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ میکال کے اندر پھر بھونچال اٹھ گیا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟ مجھے پرسوں ملی تھی مارکیٹ میں، بہت اداس لگ رہی تھی، اصل میں آج کل اس کے گھریلو حالات ٹھیک نہیں ہیں، اپنے بیٹے کے لیے بھی بہت بے چین ہے، تم کیوں پریشان کررہے ہو اسے۔"

"میں نے کیا پریشان کیا ہے، جو آسائشات میں اپنے بیٹے کو فراہم کرسکتا ہوں وہ نہیں کرسکتی پھر میں کیوں اسے اس کے حوالے کروں۔"

"وہ ماں ہے اس کی اپنا پیٹ کاٹ کر بھی اس کی خواہشات پوری کرنی پڑی تو کرے گی، تم اکیلے نہیں لائے اسے دنیا میں پھر جس طرح سے تم نے اس پر ظلم کیا ہے، اس کا دل دکھایا ہے، بے گناہ اس کے کردار کو نشانہ بنا کر کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کیا، اس کے بعد تم اسے نفرت کے قابل سمجھتے ہو؟"

"وہ سمجھتی ہے میں نہیں سمجھتا اور میں نے کسی اور کو زندگی میں شامل کیا تو کیا اس نے نہیں کیا؟ اس نے بھی تو نہال سے شادی رچالی۔"

"اس کی اور تمہاری شادی میں بہت فرق ہے، تم نے اپنے لیے کسی اور سے شادی کی مگر اس نے اپنے لیے نہیں کی، اس نے نہال کی خوشی بلکہ اس کی زندگی کے لیے اس سے شادی کی وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ مر رہا تھا اور وہ مر گیا۔" مسز رحیم کی آنکھیں پل میں نم ہوگئی تھیں، میکال کے لبوں کو چپ لگ گئی۔

"بجائے اس کے کہ تم اس کے زخموں کا تدارک کرتے تم نے اسے اور زخم دے دیئے، لوگوں کی باتوں میں آ کر دو کوڑی کا کردیا اسے آج وہ کتنی تنہا ہو کر رہ گئی ہے۔"

"آپا! سارا قصور صرف میرا تو نہیں تھا، یہ ٹھیک ہے کہ مجھ سے دھوکا کیا گیا مگر وہ چاہتی تو اس غلط فہمی کو ختم کرسکتی تھی، پھر کیوں نہیں کی اس نے؟"

"موقع دیا تھا تم نے اسے غلط فہمی ختم کرنے کا؟ کیا نہیں کیا تم نے اس کے ساتھ، کبھی پوچھو تنہائی میں اپنے ضمیر سے۔"

"پوچھا ہے اور بہت شرمندہ بھی ہوں مگر وہ مجھے ازالے کا کوئی موقع نہیں دے رہی ہے، ابھی چند روز پہلے بھی اس نے آفس میں میری اتنی بے عزتی کی ہے۔"

"تو تم نے بھی تو اسے بارہا ذلیل کیا ہے، وہ بھی اپنے گھر والوں کے سامنے بقول تمہارے کیا کیا نہیں کیا تم نے اس کے ساتھ؟" مسز رحیم آج اس کی فل کلاس لینے پر تلی ہوئی تھیں۔ میکال کی آنکھیں ایکدم سے بھیگ گئیں۔

"وہ برداشت کرسکتی ہے آپا! میں نہیں کرسکتا۔"

"نہیں کرسکتے تو بھول جاؤ اسے، کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ بھی نہیں کرسکتا آپا! پلیز آپ اس سے کہیں ناں مجھے معاف کردے پلیز۔" دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے اپنی آنکھوں کے کنارے دباتا وہ صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس نیچے زمین پر آ بیٹھا تھا۔ مسز رحیم نے اذیت سے منہ پھیر لیا۔

"بہت مشکل ہے میکال! جتنے فاصلے تمہارے اور ہانیہ کے بیچ حائل ہوچکے ہیں انہیں سمیٹنا اب کسی تھرڈ پرسن کے لیے بہت مشکل ہے، بہتر ہوگا اگر تم خود اس سلسلے میں ہانیہ سے بات کرو۔"

"میں نہیں کرسکتا آپا! بہت دیر ہوچکی ہے اب میں تھک چکا ہوں بہت گھٹن فیل ہورہی ہے۔" نشے سے سرخ آنکھوں

کے کنارے دباتا فوراً ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تبھی رحیم صاحب بولے تھے۔

"کھانا کھا کر جاؤ میکال! تمہیں فش بریانی پسند ہے تاں۔"

"نہیں آج نہیں پھر کبھی صحیح ابھی بس سوؤں گا جا کر، اللہ حافظ۔" نشہ اس کے اعصاب پر اثر کررہا تھا لہٰذا بہت روکنے کے باوجود وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀

ایک ہفتہ شدید خواری کے باوجود بلآخر اسے کسی اچھی کمپنی میں جاب نہ مل سکی تو مجبوراً اس نے ایک معمولی سی کمپنی میں بہت کم پیسوں والی نوکری قبول کرلی۔ ڈیوٹی آورز بھی زیادہ تھے مگر وہ خوش تھی کیونکہ میکال حسن کا سامنا کرنے سے ہزار درجے بہتر تھا کہ وہ بھوک سے مرجاتی، مسز صفدر بھی خاموش تھیں کیونکہ وہ ہانیہ کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس روز جب وہ آفس کے لیے تیار ہورہی تھی اچانک اس کا بیٹا دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"مما......" اور وہ جو گیلے دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی کچن سے باہر آرہی تھی ایک دم سے ٹھٹک گئی۔

"علی تم یہاں؟"

"جی مما! ابھی پاپا چھوڑ کر گئے ہیں، کہہ رہے تھے اب میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔"

"واٹ؟" بچہ جتنا پُر جوش ہورہا تھا وہ اتنی ہی حیران رہ گئی تھی بھلا میکال حسن اتنا اچھا کیسے ہوسکتا تھا؟ تبھی لپک کر اپنے بیٹے کو خود سے لپٹاتے ہوئے رو پڑی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سارا دن اپنے بیٹے کے ساتھ گزارے مگر ایک اجنبی جگہ پر جاب کے آغاز میں ہی وہ کوئی بد مزگی نہیں چاہتی تھی تبھی کچھ دیر رک کر اپنے بیٹے کو ڈھیر سارا پیار کرنے کے بعد وہ آفس کے لیے نکل آئی تھی مگر تقدیر کی سیاہی نے ابھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا جیسے وہ آفس میں داخل ہوئی اسے منیجر صاحب کی طرف سے بلاوا آ گیا۔

"اسلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام اتنا کم دیکھا ہے آپ نے؟"

"سوری سر وہ اصل میں......"

"دیکھیں مس ہانیہ! یہ کمپنی کوئی بہت بڑی کمپنی نہیں ہے یہاں کام کرنے والے سارے ورکرز غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، بہت معذرت یہاں آپ جیسے نوابی لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"سر میری بات سنیں پلیز میں......"

"دروازہ اُدھر ہے پلیز......"

اس درجہ اہانت...... ہانیہ سے اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا دشوار ہوگیا، کتنی بے رحمی سے بنا اس کی وضاحت سنے اسے باہر کا راستہ دکھا دیا گیا تھا، ایک مرتبہ پھر لمبی مسافت تھی اور اس کے زخمی پاؤں......

❀......❀......❀

گھر کا بچا کھچا راشن تیزی سے ختم ہوتا جارہا تھا، تبھی زکیہ بیگم نے ہانیہ کو بتائے بغیر اپنے وہ کڑے فروخت کردیئے تھے جو صفدر صاحب نے انہیں شادی کی پہلی رات گفٹ کیے تھے۔ ہانیہ کے استفسار پر اس نے بتایا تھا کہ جاذب کے حالات پہلے سے بہتر ہوگئے ہیں لہٰذا اس نے خود ہی انہیں رقم بھجوادی۔ ہانیہ کے لیے یہ خبر بے حد خوشی کی خبر تھی اگلی جاب کے لیے اسے کچھ وقت مل گیا تھا تبھی ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے اس نے فوراً وضو کیا اور سجدے میں گرگئی۔

اس روز اس نے بہت سا وقت اپنے بیٹے کے ساتھ گزارا تھا، رات دیر تک وہ اسے مختلف جگہوں پر گھماتی پھراتی رہی تھی، رات میں کہانی سناتے ہوئے جب وہ اس کے بال سہلا رہی تھی اچانک اس نے پوچھا تھا۔

"مما کیا آپ پاپا سے ناراض ہیں؟"

"نن...... نہیں تو...... کیوں؟" اچانک وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی تھی۔

"پاپا روز رات میں آپ کی اور نہال چاچو کی تصویر سے باتیں کرتے ہیں اور روتے رہتے ہیں، کبھی کبھی تو بہت ڈرنک بھی کرتے ہیں اور سگریٹ بھی پیتے ہیں، مجھے ان کے منہ سے بہت بُری بدبو آتی ہے۔"

غنودگی کے عالم میں وہ اسے بتا رہا تھا، ہانیہ کا دل شدت سے دھڑک اٹھا، اس کا بیٹا سو چکا تھا مگر اس رات ایک مرتبہ پھر وہ بہت دیر تک جاگ کر روتی رہی تھی۔ اگلے روز زکیہ بیگم اس کے بیٹے کو چپس بنا کر دے رہی تھیں، جب وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے لاؤنج میں آ بیٹھی۔

ابھی اس نے ٹی وی آن کیا تھا کہ ایک دم سے وہ سامنے آ گیا، کوئی ٹاک شو تھا جس میں اسے خصوصی طور پر انوائٹ کیا گیا تھا۔ ہانیہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا مگر اس کی آنکھیں بجھ کر رہ گئی تھیں۔ فارحہ نے بتایا تھا کہ لڑکیاں مرتی تھیں اس پر ایک لڑکی نے تو

آفس میں اسے خودکشی کی دھمکی بھی دے دی تھی، مگر وہ کسی پر نگاہ غلط ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ عجیب بے نیازی اور بے حسی کا خول چڑھا لیا تھا اس نے فارحہ کے ہی بقول وہ اپنے والٹ میں ہر وقت اس کی تصویر رکھتا تھا، جب بھی زیادہ بے چینی ہوتی، وہ ڈرائیونگ کے دوران بھی گاڑی روک کر ایک نظر اسے دیکھتا اور پُرسکون ہو جاتا۔

ساری باتیں اپنی جگہ پر ٹھیک تھیں مگر صرف ایک لفظ داشتہ اسے جینے نہیں دے رہا تھا، وہ مر سکتی تھی مگر میکال حسن کو اس کی بے وفائی کے لیے معاف کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁
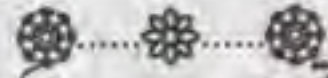
شام ڈھل رہی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل کسی بھی پل برسنے کو تیار دکھائی دے رہے تھے۔ میکال حسن نے تھکی تھکی سی نظر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور نگاہیں پھر سے عائشہ برہان کے خوب صورت چہرے پر ٹکا دیں، جو آسمان کی طرح اپنی آنکھوں کے گھیرے سیاہ بادل لیے کسی گزرے ہوئے طوفان کی مانند خاموش بیٹھی تھی۔

"تو یہ طے ہے میکال کہ تمہاری زندگی میں ہانیہ صفدر کے علاوہ اب کوئی اور لڑکی کبھی نہیں آ سکتی؟"

"ہوں۔"

"تو پھر جھک کر منا کیوں نہیں لیتے اسے؟"

"وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے عائشہ! بدگمان ہے بدگمانیاں بھی ایسی ہیں کہ میں چاہتے ہوئے بھی اس کا دل صاف نہیں کر سکتا، مگر میں اس کے بغیر خوش بھی نہیں ہوں، میری سانسیں اس کی سانسوں میں الجھی ہیں، کچھ سمجھ نہیں آیا مجھے کہ میں نے اس سے انتقام لیا ہے یا خود سے۔"

"میں اس سے بات کروں گی۔"

"نہیں تم اس سے مت ملنا پلیز پتا نہیں وہ اس بات کو بھی کس رنگ میں لے۔"

"میکال! تم اتنا ڈرتے ہو اس سے؟"

"ہوں، جن سے محبت کی جاتی ہے ان سے ڈر ہی لگتا ہے، ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا ڈر......"

"کیا وہ بھی اتنا ہی پیار کرتی ہے تم سے؟"

"پتا نہیں یار! ایبروڈ میں بھی سکون نہیں ہے اب تو، مجھے لگتا تھا عائشہ تمہارے بعد میری زندگی میں بھی کوئی لڑکی نہیں آئے گی مگر میں غلط تھا، ہانیہ صفدر کو کھونے کے بعد لگتا ہے جیسے تمہیں کھو دینے کا درد کوئی درد ہی نہیں تھا۔" کتنے سکون سے وہ کہہ رہا تھا، عائشہ ٹھٹک گئی پھر آہستہ سے رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"ہوں، وقت بدل جائے تو ہر چیز بدل جاتی ہے میکال پھر چاہے وہ احساسات اور جذبات ہی کیوں نہ ہوں، محبت تو ویسے بھی بہتی ندی اور چلتی ٹرین کا نام ہے۔ جس کا ہر پڑاؤ خوب صورت ہوتا ہے۔ بہر حال میں چلتی ہوں اب اریج اور بچے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" ایک نظر ہاتھ پر بندھی ریسٹ واچ پر ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی جب میکال نے کہا۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ پلیز ابھی تو آئی ہو۔"

"نہیں میکال! گھر بتا کر نہیں آئی اریج پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

بیگ اٹھا کر ایک آخری تفصیلی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہ پلٹ گئی تھی، میکال بے کل سا اسے دیکھے گیا، ابھی دو روز پہلے ہی وہ پاکستان آئی تھی اور آتے ہی اس نے میکال کو فون کر دیا تھا، اس کا خیال تھا شاید اب بھی وہ اس کے غم میں نڈھال ہوگا مگر ایسا نہیں تھا محبت کی وہ حویلی، جہاں سے اس کے حالات اور تقدیر نے اسے دربدر کیا تھا اب اس کی ملکیت نہیں رہی تھی تاہم اریج اس کے حق میں بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا، قدرت نے دو پیارے پیارے بیٹے بھی دیئے تھے، کسی چیز کی کمی نہیں مگر بس دل کا ایک کونا کہیں خالی تھا تاہم آج اس وقت اسے لگا وہاں اس کونے میں بھی میکال حسن کی جگہ اریج احمر نے قبضہ کر لیا ہو۔ ملال کے بادل چھٹ گئے تھے اور اب عائشہ برہان کی زندگی میں سکون ہی سکون تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

اس روز اپنے بیٹے کی ضد و فرمائش پر وہ اسے مارکیٹ لائی تھی۔ اس کے صرف پانچ ہزار روپے تھے، جن میں ابھی اسے گھر کے لیے بھی کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں مگر اس کا بیٹا جن چیزوں کی فرمائش کر رہا تھا ان کی قیمت پانچ ہزار سے اوپر شروع ہو رہی تھی، وہ پریشان ہو کر ہی تو رہ گئی تھی، زندگی کبھی ایسے کسی دوراہے پر بھی لائے گی اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے بیٹے کو بہلا رہی تھی اور وہ ناراض ہو رہا تھا، جب میکال اچانک اس کے سامنے چلا آیا۔ ہلکی ہلکی بڑھی شیو اور رف سے ٹراؤزر میں اس کی پرسنالٹی غضب کی تھی، بھی ایک نظر پریشان حال ہانیہ صفدر پر ڈالتے ہوئے وہ پنجوں کے بل اس کے بیٹے کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے پرنس! کیوں تنگ کر رہے ہو مما کو؟"

"پاپا مجھے وہ اسپائڈرمین لینا ہے۔" باپ کو دیکھتے ہی

کے چہرے پر بہار آ گئی تھی۔ ہانیہ عجیب مجرمانہ انداز میں سر جھکائے کھڑی رہی۔

"ٹھیک ہے لے لیتے ہیں چلو۔" فوراً اپنے بیٹے کی انگلی تھام کر وہ آگے بڑھ گیا تھا جب کہ ہانیہ شکستہ قدموں کو گھسیٹتی شاپ سے باہر نکل آئی آنسو تھے کہ ابل ابل کر آنکھوں سے باہر آنے کو بے چین ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اس کے مقابل تھا۔

"میں مانتا ہوں ہانیہ کہ چھنکو پر تمہارا حق زیادہ ہے مگر اکیلی ماں کبھی بھی بچوں کو وہ سب نہیں دے سکتی جو ایک باپ دے سکتا ہے۔" اپنے بیٹے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے قدرے ناصحانہ انداز میں اس نے کہا تھا اور پھر ذرا سا رخ پھیرتے ہوئے بولا۔

"چھنکو میرے لیے دوسرا نہال حسن ہے اسی لیے میں چاہتا ہوں اس کی زندگی میں کوئی کمی نہ رہے تم مانند مت کرنا پلیز یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔"

وہ کتنا بدل گیا تھا مگر ہانیہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا چھنکو کا ہاتھ تھام کر وہ پلٹی تھی اور ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑا ہی رہی تھی جب ایک دم سے بارش شروع ہوگئی میکال ابھی بھی وہیں کھڑا تھا۔

"مما...... میرا اسپائڈر مین۔"

چھنکو کو فوراً اپنے اسپائڈر مین کی فکر لاحق ہوئی تھی تبھی منہ بسور کر اس نے ہانیہ کی طرف دیکھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر فوراً میکال کی طرف بھاگ گیا پھر اس کی شاندار گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے اپنا اسپائڈر مین گاڑی کے اندر رکھ دیا۔ ساون کی بارشوں نے سارے شہر کو وقت پڑ ڈالا ہوا تھا ہانیہ پریشان ہوگئی کیونکہ دور دور تک کسی ٹیکسی کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

"مما! پاپا کی گاڑی میں آ جائیں پلیز۔" چھنکو تیز بارش میں بھیگتے ہوئے اس کے قریب آیا تھا اور اب اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھینچ رہا تھا جب اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

"آپ کو جانا ہے تو آپ جاؤ علی! مجھے نہیں جانا۔"

"کیوں؟ رات تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ پاپا سے ناراض نہیں ہیں پھر..."

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں آپ جاؤ کیونکہ جو چیزیں آپ کے پاپا لے کر دے سکتے ہیں وہ میں نہیں خرید سکتی۔" کہتے ہوئے وہ جذباتی ہوگئی تھی چھوٹا سا بچہ جیسے سہم گیا۔ آنکھیں بھی فوراً آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

"سوری مما! مجھے اسپائڈر مین نہیں چاہیے۔"

ہانیہ کا دل اس کے آنسوؤں پر تڑپ اٹھا تھا لپک کر فوراً اس نے اسے گود میں اٹھا لیا بارش مزید تیز ہوگئی تھی میکال نے ایک نظر اوپر برستے آسمان کی طرف دیکھا پھر تیزی سے ہانیہ کے قریب چلا آیا۔

"بارش تیز ہو رہی ہے ابھی تھوڑی دیر میں یہاں کوئی بھی نظر نہیں آئے گا میں تمہاری بات نہیں کروں گا مگر چھنکو بارش میں بھیگ کر اکثر بیمار پڑ جاتا ہے لہٰذا اس وقت میں ایسا کوئی رسک نہیں لوں گا۔" چھنکو کو اس کی گود سے لیتے ہوئے اس نے ہانیہ کا بازو تھام کر اسے بھی ساتھ ہی کھینچ لیا تھا وہ انکار کرنا چاہتی تھی مگر میکال نے اسے کوئی موقع ہی نہیں دیا کچھ بولنے کا تقریباً بیس منٹ کی تیز ڈرائیو کے بعد اس نے اس کے گھر کے سامنے گاڑی بریک کی تھی۔

"چھنکو ضدی بچہ ہے اور ابھی چھوٹا ہے اس لیے مجبوریوں کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتا یہ اس کے اکاؤنٹ کا اے ٹی ایم کارڈ ہے آئندہ جب بھی ضرورت پڑے پلیز اسے استعمال کر لینا۔" والٹ سے اے ٹی ایم کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا جب ہانیہ چھنکو کا ہاتھ تھام کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔

"بہت شکریہ میں اپنے بیٹے کی ہر خواہش خود پوری کر سکتی ہوں بس ابھی میرے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔"

قدرے ترش لہجے میں کہتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی میکال حیران سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ اگلے چند دن اس کے بے حد اذیت میں گزر رہے تھے تبھی اسے کمال کی کال آ گئی وہ اسے انگلینڈ بلا رہا تھا کیونکہ حسن صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی نہال کی موت کے بعد وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ میکال جانا نہیں چاہتا تھا مگر چلا گیا تھا اور ہانیہ صفدر کے پاس سے ہمیشہ کے لیے فرار کا بس یہی ایک موقع تھا فارحہ کی بیٹی اسے واپس کر کے وہ زکیہ بیگم اور چھنکو کے ساتھ وہ شہر ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

چار سال ہو گئے تھے اسے کراچی چھوڑے ہوئے اور ان چار سالوں میں اس نے کسی بھی اپنے سے رابطہ نہیں کیا تھا گزرے ہوئے چار سالوں میں اپنے بیٹے کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے کیا کیا نہیں کیا تھا اس نے تین تین جگہوں پر جاب کی اس کے باوجود فاقے، پریشانیاں، ہر چیز برداشت کی تھی اس نے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ آج ایک سرکاری اسپتال کے سستے سے کمرے کے بیڈ پر پڑی ہوش و حواس سے بے گانہ تھی اور اس کا بچہ جواب دس سال کا ہو چکا تھا اس کے سرہانے کھڑا رو رہا تھا جب کہ زکیہ بیگم خود بیماری کے باوجود اس کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

ہانیہ کا ایک گردہ قطعی ناکارہ ہو چکا تھا اسے آپریشن کی ضرورت تھی اور آپریشن کے لیے پیسوں کی جو زکیہ بیگم کے پاس نہیں تھے۔ زندگی کے مسائل اور تقدیر کی بے رحمی سے لڑتے لڑتے وہ لڑکی بالآخر ہار گئی تھی۔

❁......❁......❁

ایک لمبے عرصے کے بعد میکال ان دنوں ملتان آیا تھا۔ اس کا بزنس ملکوں تک پھیل چکا تھا ایک دنیا اس کی پرستار تھی مگر وہ اب زندگی جی نہیں رہا تھا گھسیٹ رہا تھا۔ چار سال ہو گئے تھے اس نے ہانیہ صفدر اور اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا اس نے ان دونوں کو مگر جانے وہ دنیا کے کس گوشے میں جا چھپی تھی۔ پچھلے چار سال میں کوئی رات ایسی نہیں تھی جب وہ رو کر نہ سویا ہو۔

اگر اسے خبر ہوتی کہ ایک چھوٹی سی مہربانی پر ہانیہ اتنا بڑا قدم اٹھا لے گی تو وہ کبھی اس روز مارکیٹ میں اس کے سامنے نہ آتا کم از کم شہر کی فضاؤں میں اس کی سانسوں کی خوشبو تو آتی رہتی۔ کتنا ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا وہ پچھلے سال میں، جانے کتنے ایسے ادارے تھے جن کو ہر ماہ وہ کروڑوں کی امداد دیتا تھا، وجہ صرف یہ تھی کہ وہاں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے کفالت پا رہے تھے اور اسے ہر بچے میں اپنا بچہ نظر آتا تھا۔

اس وقت وہ اپنے دوست کے ساتھ سائٹ پر آیا تھا جب اس نے کمپنی کے ایک افسر کو ایک چھوٹے سے بچے پر برستے ہوئے دیکھا۔

"تمہاری عمر نہیں کام کرنے کی جاؤ یہاں سے نہ جانے کہاں کہاں سے آ جاتے ہیں اٹھ کر۔"

"نہیں مجھے کام کرنا ہے میری مما کو پیسوں کی ضرورت ہے۔" بچے کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی، میکال کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھ گئے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے افسر سے پوچھا۔

"کچھ نہیں سر اس بچے کو دیکھیں دس سال عمر ہے اور مزدوری کرنے چلا آیا۔"

افسر اسے بتا رہا تھا تبھی بچے نے اس کی طرف دیکھا تھا اور میکال کو لگا جیسے اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو اس کا لخت جگر جو اربوں کی جائیداد کا مالک تھا، وہاں چند پیسوں کے لیے مزدوری کرنے چلا آیا تھا۔ ٹوٹی ہوئی ہمت کے ساتھ پنجوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو کندھوں سے تھاما تھا اور پھر اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا ارد گرد کھڑے لوگ یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

"مما کہاں ہیں؟" کچھ دیر کے بعد سر اٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب اس کے بیٹے نے بتایا۔

"اسپتال میں...... نانو کہتی ہیں جب تک پیسے نہیں ہوں گے مما ٹھیک نہیں ہوں گی اسی لیے میں چوری چوری یہاں آ کر کام کر رہا تھا، مجھے مما کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا پاپا۔" پھول سا چہرہ کملایا ہوا تھا، میکال کا دل کٹ کر رہ گیا، کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے وہ اسے بے تحاشا چومتا چلا گیا تھا۔

"مما ٹھیک ہو جائیں گی، آپ چلو میرے ساتھ۔" فوراً آنسو پونچھتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا تھا پھر بنا کسی کو کچھ بتائے کسی کی پروا کیے وہ اسے گاڑی تک لایا اور اگلے ہی پل وہاں سے رخصت بھی ہو گیا۔

❁......❁......❁

جس وقت اس نے سرکاری اسپتال کے کوریڈور میں قدم رکھا ہانیہ کو گردے واش کرنے کے بعد اس کے بیڈ پر لٹایا جا رہا تھا، بڑے سے ہال کمرے کی مٹیالی سی روشنی میں وہاں تقریباً کوئی چالیس پچاس بستر تھے جہاں بھانت بھانت کے لوگ اپنے اپنے مریضوں کے ساتھ سرکاری امداد کے رحم و کرم پر علاج کروا رہے تھے۔ وہ کمرے میں آیا تو ہانیہ کو بستر پر لٹا دیا گیا تھا مگر جو تکلیف وہ جھیل رہی تھی اسی تکلیف کے زیر اثر اس کا جسم بستر سے دو دو فٹ اوپر اچھل رہا تھا، میکال کے قدموں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی تھی۔ جونہی اس نے کمرے میں قدم رکھا اس کا بیٹا بھاگ کر ہانیہ کے قریب چلا گیا۔

"مما...... دیکھیں پاپا آئے ہیں۔" وہ جوش سے بتا رہا تھا مگر وہ ہوش میں کہاں تھی جو اس کی پکار سنتی تاہم زکیہ بیگم نے ضرور حیرانی سے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"میکال...... تم یہاں؟"

"جی آنٹی! دنیا اتنی بھی بڑی نہیں ہے کہ یہاں کسی ایک شخص کو زندگی بھر تلاش ہی نہ کیا جا سکے۔" اس کی آنکھوں کے گوشوں میں چمکتی نمی نے انہیں شرمندگی سے سر جھکانے پر مجبور کر دیا بھلا ہانیہ صفدر کے کسی معاملے میں وہ کچھ کہنے کی مجاز کہاں

تھیں۔ تبھی وہ قریب آیا تھا چند سیکنڈ پہلے لگنے والے نشہ آور انجکشن کے زیر اثر وہ اب غنودگی میں جارہی تھی' میکال کی ہمت چند قدم آگے بڑھ کر جواب دے گئی' بے حد لاغر وجود کے ساتھ حالات کی ستم ظریفی کی مکمل تصویر بنی وہ اس کے سامنے تھی' زرد چہرہ آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے حلقے' بدرنگ بکھرے بال' جسم پر بے حد پرانے کپڑے' بیڈ کے نیچے پڑی اس کی بے حد معمولی چپل چیخ چیخ کر واضح کررہی تھی وہ کن بدتر حالات کا شکار رہی ہوگی۔

چہرے کا گلابی پن بھی سورج کی تپش اور کڑی مشقت کے اثرات نے بدل کر سانولے رنگ میں ڈھال دیا تھا وہ تڑپ کر ہی تو رہ گیا۔ جسم میں اتنی سی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ ایک قدم پر ہی اٹھا سکتا مگر پھر بھی وہ پلٹا تھا اور ڈیوٹی پر موجود انتظامیہ سے بات کرنے کے بعد وہ اس کے بستر کے قریب آیا اور جھک کر اس کے لاغر وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"میں اسے گاڑی میں لٹاتا ہوں آنٹی! آپ پلیز سارا سامان سمیٹ کر جلدی باہر آجائیں۔" پلٹ کر زکیہ بیگم کو کہتے ہوئے وہ فوراً کمرے سے نکل گیا تھا' اسی رات شہر کے بہترین اسپتال میں اس کا آپریٹ ہوگیا' صد شکر کہ اس کے صرف ایک گردے کو نقصان پہنچا تھا دوسرا بالکل محفوظ تھا ورنہ میکال نے اسے اپنا ایک گردہ دینے کی مکمل تیاری کرلی تھی آپریشن سے ایک گھنٹے کے بعد اسے وی آئی روم میں شفٹ کردیا گیا۔

وہی اس کی شخصیت تھی وہی تکلیف تھی مگر کاغذ کے چند ٹکڑوں نے فقط ایک رات میں ہی اس کی حیثیت بدل کر رکھ دی تھی۔ زکیہ بیگم اس کا شکریہ ادا کرتے نہ تھک رہی تھیں اور وہ اپنے حقیقی معبود کا' جس کی رحیم وکریم ذات نے خاص رحمت سے چار سال کی خواری کے بعد بالآخر اسے ہانیہ صفدر اور اپنے بیٹے سے ملادیا تھا۔

جس وقت ہانیہ کی آنکھ کھلی کمرے میں بے حد خاموشی اور سکون تھا۔ زکیہ بیگم اور سنان وہاں نہیں تھے تاہم میکال اس کے بیڈ کے قریب دھرے صوفے پر بیٹھا ضرور سوگیا تھا۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اس کے چہرے پر کھنڈی زردی صاف دیکھی جاسکتی تھی' وہ ٹھٹک گئی۔ جس شخص کے سائے سے بچنے کے لیے وہ پچھلے چار سال سے بھٹک رہی تھی بالآخر وہ شخص اس تک پہنچ گیا تھا۔ ہانیہ نے بے ساختہ پلکیں موند لیں' پلکوں کی باڑ سے ایک آنسو ٹوٹ کر بائیں گال پر پھسل آیا تھا' اسے لگا وہ اس شخص کے عکس سے کبھی دور نہیں بھاگ سکے گی تبھی میکال حسن کی آنکھ کھلی تھی' ہانیہ صفدر کو اپنی طرف دیکھتے پاکر وہ فوراً اس قریب آیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے ہانیہ؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا مگر ہانیہ جواب دینے کی بجائے پھر سے پلکیں موند لیں تبھی وہ بیڈ پر کے پہلو میں ٹک گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں ہانیہ! تم مجھ سے بہت نفرت کرتی ہو مگر نہیں جانتی کہ میں تم سے بھی زیادہ خود سے نفرت کرتا ہوں نفرت کہ شاید تم اس کا اندازہ بھی نہ کرسکو اسی لیے میں نے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا جسے کاٹ کر جلایا نہ ہو واقعی محبت نہال نے تم سے کی تم اسی کی حق دار تھیں مگر پھر بھی یہ سچ ہانیہ! میں تمہیں کھو کر ایک سانس بھی نہیں لے سکتا' پچھلے میں جس اذیت میں گزارے ہیں تم اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں' ساری دنیا کو ترک کردیا ہے میں نے' میرے بس نہیں ہے کہ میں گزرے ہوئے وقت کے گھوڑے کی لگامیں کرا سے واپس لاسکوں' جو ظلم میں نے تمہارے اور نہال ساتھ کیا اس کا ازالہ کرسکوں مگر میں تم سے درخواست کرسکتا ہوں ہانیہ! میرے ضبط اور ہمت کا مزید امتحان مت لو میرے لیے کبھی چھنکو کے لیے ہی سہی پلیز مجھے معاف کردو پلیز۔" ایک سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ بچوں کی طرح رو پڑا تھا ہانیہ کے اندر بھونچال اٹھ گیا۔

"کرچکی ہوں معاف' میرا بیٹا کہاں ہے؟" اس کے میں اب بھی کوئی لچک نہیں تھی' میکال نے خود کو سنبھال لیا۔

"سورہا ہے' تمہیں پتا ہے تمہاری جان بچانے کے لیے مزدوری کررہا تھا۔"

"کیا......؟" وہ شاکڈ رہ گئی تھی تبھی زکیہ بیگم وہاں چلی آئیں تو میکال اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میکال حسن سے آپ نے رابطہ کرکے اسے بلایا تھا؟" کے جاتے ہی اس نے زکیہ بیگم سے تفتیش شروع کردی۔

"نہیں سگی ماں ہوتی تو شاید بلالیتی مگر مجھ سوتیلی ماں کو اختیار کہاں تھا کہ تمہارے کسی بھی معاملے میں اپنی مرضی کروں' وہ تو سنان علی کے ساتھ آیا تھا میں تو خود اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔" وہ طنزاً انہیں کہہ رہی تھیں مگر پھر بھی شرمندہ ہوکر رہ گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تمہارا دل میری طرف سے کبھی صاف نہیں ہوگا مگر تم یہ نہیں جانتی کہ میری کن مجبوریوں نے مجھے صاحب سے دوسری شادی پر مجبور کیا بالکل ویسے ہی جیسے

نہیں جانتیں کہ میکال نے کن وجوہات اور احساسات کی بناپر علیزے نامی اس ماڈل سے شادی کی' تم بہت احمق اور خود پسند لڑکی ہو ہانیہ! تمہیں اپنے جذبات' حق اور درد کے سامنے کسی اور کا درد کبھی نظر نہیں آیا۔"

پہلی بار وہ اس کے سامنے یوں کھل کر بول رہی تھیں' ہانیہ حیران سی یک ٹک انہیں دیکھے گئی مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے ساری زندگی صرف انہی رشتوں سے محبت کی اور امید وابستہ رکھی جن کو تم نے قابل اعتبار جانا مگر زندگی کوئی دو سطری کہانی نہیں ہے جس کا منطقی انجام کوئی انسان لکھ کر ہاتھ جھاڑ لے' بہت تلخ حقیقتیں ہیں زندگی کی اور اس سے بھی زیادہ روپ' یہاں ہر انسان ایک ہی طرز کی محبت نہیں کرتا۔ میں اپنی بات نہیں کروں گی مگر تمہاری زندگی کی بات ضرور کروں گی' تم نے نہال حسن کی محبت کو سمجھا مگر میکال کی محبت کو نہیں کیونکہ دونوں کی محبت کا انداز اور روپ بہت مختلف تھا میں اگر تمہاری سگی ماں ہوتی تو کبھی میکال حسن سے تمہاری علیحدگی نہ ہونے دیتی اور اب جب وہ دوسرا نہال بننے جارہا ہے تو کبھی تم کو اس سے یوں بدگمان نہ رہنے دیتی مگر افسوس اسی بات کا ہے کہ میں تمہاری سگی ماں نہیں ہوں۔" اب ان کے لہجے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ ان سے کوئی استفسار کرتی' وہ فوراً اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں' ہانیہ کا دماغ جیسے سن ہوگیا' یہ کیسے چابک تھے لفظوں کے جو وہ اس کے منہ پر مار کر چلی گئی تھیں۔

بے شک گزرے ہوئے وقت میں جب سگا بھائی اور بھابی بھی اس سے بے نیاز ہوچکے تھے انہوں نے سگی ماؤں سے بڑھ کر اس کا ساتھ نبھایا تھا' پچھلے چار سال میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت نہیں کی تھی انہوں نے اس کے لیے مگر کبھی زبان پر ایک حرف تک نہیں لائی تھیں' انہوں نے کبھی اس کے کسی فیصلے میں مداخلت نہیں کی تھی نہ ہی اسے اس کی انا کے قلعے میں اکیلا مرنے کے لیے چھوڑا تھا' حالانکہ وہ چاہتیں تو صفدر صاحب کی رحلت کے بعد بھی وہیں رہ سکتی تھیں جاذب کے ساتھ' مگر وہ نہیں رہی تھیں' انگلینڈ جیسے ملک کے ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر صرف اس کے لیے پاکستان چلی آئی تھیں مگر ہانیہ نے کبھی ان نزاکتوں اور قربانیوں کو سمجھا ہی نہیں تھا' واقعی وہ بے حد خود پسند ثابت ہوئی تھی' اسے یک لخت خود سے شرمندگی محسوس ہوئی اور اب ایک نئی الجھن مزید سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

میکال حسن' نہال بننے جارہا تھا؟ زکیہ بیگم ان کے اس جملے کے پیچھے کیا تھا؟ سوچ سوچ کر شریانیں تھک گئیں تو اس نے آنکھیں بند کرلیں تقریباً ایک ہفتے کے بعد نہال انہیں واپس کراچی لے آیا تھا۔ ہانیہ ہوش میں نہیں تھی ورنہ شاید کبھی وہاں "حسن پیلس" نہ آتی' حفیظ بابا کو جیسے ہی خبر ہوئی مارے خوشی کے ان کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے وہ اس گھر کے دیرینہ ملازمین میں سے تھے اور وہاں کے ایک ایک فرد کے ساتھ ان کا محبت کا رشتہ تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب ہانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ اسپتال کی بجائے گھر میں تھی اور حسن کمرے میں تھی اس کے بیڈ کی سائیڈ پر دونوں اطراف میں اس کی اور نہال حسن کی تصویر رکھی ہوئی تھی' نیند میں ڈوبی آنکھیں ایک دم سے مکمل کھل گئیں۔ سارے کمرے کی دیواروں پر سوائے اس کی تصویروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یہ وہ کہاں آگئی تھی؟ جانے خواب تھا یا حقیقت؟ اس کا دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا جب کہ حلق میں پیاس کی شدت سے جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ وہ اٹھی تھی اور ادھ کھلے دروازے سے باہر نکل آئی' ساتھ والے کمرے میں جو کبھی حسن صاحب کا کمرا ہوا کرتا تھا زکیہ بیگم اور اس کا بیٹا گہری نیند میں سورہے تھے' باہر لاؤنج میں مکمل اندھیرا تھا اس نے لائٹ جلائی اور کچن میں آکر پورے دو گلاس پانی غٹاغٹ پی گئی کچن کے قریب ہی نہال کا کمرا تھا جو اب مقفل تھا جب کہ سیڑھیوں کے دہانے کے بائیں طرف اس کا الگ کمرا تھا' جس میں سے کسی کے درد سے کراہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

ہانیہ کچن سے نکل کر کمرے میں آنے کی بجائے سیڑھیوں کی طرف بڑھ آئی تھی اس کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا' تاہم فل لائٹ وہاں بھی آن نہیں تھی' ادھ کھلے دروازے کو آہستہ سے دھکیلتے ہوئے جونہی وہ اندر داخل ہوئی ٹھٹک کر رہ گئی' نظر کے سامنے ہی فرش پر بیٹھا میکال بلیڈ سے اپنا جسم چیر رہا تھا اور پھر بہتے خون پر نمک چھڑک کر اپنا درد ضبط کرنے کی کوشش میں اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتا۔ قریب ہی شراب کی خالی بوتل پڑی رل رہی تھی وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی' زکیہ بیگم نے صحیح کہا تھا نہال اور میکال دونوں کی محبت کے انداز میں بہت فرق تھا مگر دونوں نے ہی اسے بہت چاہا تھا وہ بھول گئی کہ اس نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا' اسے کیا کیا کہا تھا یاد رہا تو صرف اتنا کہ اس کے دل نے بھی اس شخص کو بہت شدت سے چاہا تھا اب نہال کے بعد وہ اسے

اچھا......وہ وضاحت ہے کہ اتنا ٹھنڈا پانی کیوں ڈالا ہے؟" تکیہ بانہوں میں دبائے وہ بیڈ پر اٹھ بیٹھا تھا۔ ہانیہ مسکراتے ہوئے وارڈ روب کی طرف چلی آئی۔

"جذبات ٹھنڈے کرنے کے لیے۔"

"وہ نہیں ہو سکتے۔" فوراً بیڈ سے اترتے ہوئے وہ اس کے پیچھے آیا اور اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"کم از کم تمہارے لیے تو کبھی نہیں ہو سکتے۔" اب وہ اسے تنگ کر رہا تھا عین اسی ٹائم اس کا بیٹا بیگ اٹھائے کمرے کی دہلیز پر چلا آیا۔

"پاپا مجھے اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔"

"اوسوری علی! وہ میں آپ کی مما کو نیکلس پہنا رہا تھا۔" بیٹے کی آمد پر فوراً اسے چھوڑتے ہوئے وہ بوکھلایا تو ہانیہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"فکر نہ کرو ابھی اسے چھوڑ کر واپسی پر خبر لیتا ہوں تمہاری۔" آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کرتا وہ چھٹکو کے پیچھے ہی کمرے سے نکل چکا تھا جواب میں ہانیہ نے منہ بسور کر اسے مزید چڑایا اس کی منزل یہی تھی جتنی بھی کٹھن مسافت طے کر لیتی اسے لوٹ کر یہیں آنا تھا۔ جازب اور ہادیہ نے زکیہ بیگم کو اپنے پاس بلا لیا تھا ایک ماہ پہلے میکال حسن سے اس کی شادی کے بعد وہ ہانیہ کے اصرار پر بھی وہاں نہیں رکی تھیں تاہم ہانیہ نے ان کے لیے اپنی محبت کا اظہار ضرور کر دیا تھا۔

باہر میکال کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آ رہی تھی اس نے وارڈ روب کھول کر وہاں رکھی نہال حسن کی تصویر نکالی وہ مسکرا رہا تھا۔ یوں جیسے ہانیہ صفدر کی زندگی کی خوشیوں کے لیے اس کی دعائیں مستجاب ہو گئی ہوں ہانیہ نے نہایت پیار سے اس کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کھڑکی کے اس پار دیکھا جہاں کئی روز کی بارشوں کے بعد بالآخر چمکیلی دھوپ نکل آئی تھی۔

بارشیں واقعی کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتیں تاہم اس کی زندگی میں اب بارشوں کے موسموں کی جگہ سنہری دھوپ نے لے لی تھی، تبھی نہال کی تصویر وارڈ روب میں رکھتے ہوئے وہ کمرے سے نکل آئی تبھی میکال نے واپس آ کر آفس کے لیے تیاری کرنی تھی پھر ایئر پورٹ جانا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہر روز کی طرح آج بھی اسے دیر ہو بے شک ہجر کی لمبی مسافت کے بعد اس نے رشتوں کے حسن اور ان کی اہمیت کو محسوس کرنا سیکھ لیا تھا۔

کی جان اس کی محبت نے لے لی تھی اور اب ایک یہ شخص تھا جس کی جان اس کی نفرت لے رہی تھی محبت کے سوکھے چشمے ایک دم سے پھوٹے تھے اور وہ لپک کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"چھوڑو میکال! یہ کیا کر رہے ہو؟" اس کے ہاتھ سے بلیڈ چھینتے ہوئے وہ چلائی تھی وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم......" اس وقت اسے اپنا بھی ہوش نہیں تھا مگر وہ اس کی حیرانی کی پروا کیے بغیر فوراً کمرے سے نکل آئی تھی۔ شدت سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ بلیڈ پھینک کر اس نے فرسٹ ایڈ باکس تلاش کیا اور دوبارہ اسی کمرے میں چلی آئی میکال اب بھی دیوار سے ٹیک لگائے اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا جب اس نے سختی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے اس کے زخموں کو صاف کرنے کے بعد وہاں کریم لگا دی تبھی میکال نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

ایک مدت کے بعد اس کے درد نے ہانیہ کے دل میں چٹکی کاٹی تھی تبھی وہ اس کے مضبوط کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"بس کرو میکال! بہت سزا کاٹ لی ہم نے محبت کی اور محبت میں بدگمانیوں کی اب اور نہیں۔" موتی اس کی آنکھوں سے بھی ٹوٹ کر بکھر رہے تھے تبھی میکال نے اسے کندھوں سے پکڑ کر خود سے لگایا اور پھر ڈھیر سارا رو دیا۔ ایک مدت کے بعد بالآخر عشق کی عدالت نے اس کا جرم بے وفائی معاف کر کے اسے اذیت کی قید سے رہا کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

بہت دنوں کی بارش کے بعد اس روز خاصی چمکیلی دھوپ نکلی تھی۔

ہانیہ پردے سمیٹنے کے بعد بیڈ کی طرف چلی آئی جہاں میکال تکیہ بانہوں میں لیے الٹا لیٹا اسی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے فریج سے ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل نکالی اور آرام سے اس پر انڈیل دی وہ ہڑبڑا کر گہری نیند سے بیدار ہوا تھا ہانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آٹھ بج چکے ہیں جناب! اٹھ جائیں، آپ کے صاحب زادے اسکول کے لیے تیار ہو چکے ہیں اور پاپا کی کال بھی آ چکی ہے دو بار دس بجے کی فلائٹ سے وہ اور مما پاکستان پہنچ رہے ہیں۔"

مغرور	ہی	سہی	وہ	اچھا	بہت لگا
وہ	اجنبی	تو	تھا	مگر	اپنا بہت لگا
روٹھا	ہوا	تھا	ہنس	تو پڑا	مجھے دیکھ کر
مجھ	کو	اس	قدر	بھی	دلاسا بہت لگا

اس وقت تقریب پورے عروج پر تھی اسٹیج پر دلہا دلہن کو بہت سے لوگ گھیرے ہوئے تھے۔ مدھم سریلا میوزک ماحول کو اور زیادہ خوش گوار بنا رہا تھا۔ محفل کافی دلچسپ نگاہوں سے اِدھر اُدھر لوگوں کو خوش گپیوں میں مصروف دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ اس شخص پر جا ٹھہری جو آج کل اکثر اسے خوابوں میں آ کر ڈرایا کرتا تھا اس کے حواسوں پر چھایا رہتا تھا کسی آسیب کی مانند۔ اس کا چہرہ یکدم پیلا پڑ گیا خوف و دہشت کے مارے حلق میں کانٹے اُگ آئے۔ وہ جلدی سے اپنا پرس سنبھالتی کرسی سے اٹھی وہ لمحے کے ہزارویں حصے سے بھی زیادہ تیزی سے اس منظر سے غائب ہونا چاہتی تھی۔ وہ سرعت سے چلتی ہوئی شادی لان کے نسبتاً ویران گوشے میں آ گئی اور گہری گہری سانسیں لے کر خود کو کمپوز کرنے لگی۔

"اوہ خدا کا شکر ہے اس شخص کی نظر مجھ پر نہیں پڑی ورنہ وہ مجھے ضرور پہچان لیتا اور پھر......" خود سے بولتے

بولتے منحل ایک جھرجھری لے کر خود ہی خاموش ہوگئی اور اپنا پرس کھول کر اس میں سے ٹشو پیپر نکال کر اپنے ماتھے کا پسینہ صاف کرنے لگی کہ اچانک ہی ایک آہنی ہاتھ نے انتہائی سختی سے اس کا بازو دبوچا اور اس کو پوری طرح اپنی جانب گھما ڈالا جب کہ منحل کا سانس مقابل کو دیکھ کر اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ حیرت واستعجاب اور دہشت سے اس کا منہ پوری طرح کھل گیا۔ جس شخص سے بچ کر وہ یہاں تنہا گوشے میں آئی تھی وہی شخص بڑی گہری اور چبھتی نگاہیں اس کے اوپر گاڑھے محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے منحل کے ہاتھ سے پرس چھوٹ کر زمین بوس ہوگیا۔

"آ...... آپ کون ہیں؟ اور یہ کیا حرکت ہے؟ چھوڑیئے مجھے۔" انتہائی دقتوں سے منحل نے خود کو سنبھال کر کہا اور اس شخص کی فولادی گرفت سے کافی ناگواری سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"آپ تو مجھے اچھی طرح جانتی ہیں پھر اس احمقانہ سوال کا کیا مقصد ہے؟" انتہائی کاٹ دار لہجے میں طنزیہ بولتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس نے اس کا بازو چھوڑا تھا۔

"مم...... میں آپ کو کیوں جاننے لگی آپ کیا کسی فلم کے مشہور ہیرو ہیں یا پھر کوئی ٹی وی اینکر۔" منحل بھرپور طور پر انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے رکھائی سے بولی تو اس شخص نے پُراسرار مسکراہٹ لیے اسے کافی گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"فلمی ہیرو نہ سہی مگر حقیقی زندگی میں ولن ضرور ہوں، ہے ناں؟" یہ سن کر منحل کا چہرہ چند ثانیے کے لیے فق ہوگیا جب کہ سامنے والا اب کافی دلچسپ نگاہوں سے منحل کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو سی گرین کڑھائی کے سوٹ میں خوف زدہ ہیرنی کی مانند لگ رہی تھی۔

"ہٹیے میرے راستے سے، مجھے جانا ہے۔" وہ اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔ منحل کو لگا کہ اگر وہ چند منٹ اور یہاں رکی تو خوف سے بے ہوش ہوجائے گی۔

"بات سنو لڑکی! یہ ایکٹنگ تم کسی اور کے سامنے کرنا، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے اچھی طرح پہچان گئی ہو اگر اس واقعہ کے بارے میں کسی کو کچھ بھی بتایا تو تمہارے ساتھ کیا کچھ ہوسکتا ہے، یہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" وہ شخص منحل کو بُری طرح وارن کرتے ہوئے اس کے عقب سے نکلتا چلا گیا۔ جب کہ اس پل منحل کو اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی جہاں اس کی فیملی اس کا انتظار کررہی تھی، چہرے پر اب تک خوف نمایاں تھا۔

☆☆☆......

"منحل اتنی دیر سے کہاں گم ہو تم۔ میں تم سے اتنی دیر سے باتیں کیے جارہی ہوں اور تم سامنے آنکھیں پھاڑے نجانے کیا دیکھ رہی ہو؟" شازمہ اس کی دوست نے منحل کو بُری طرح لتاڑا تو یکدم منحل جیسے ہوش میں آئی۔

"ہاں...... کیا ہوا؟ میں نے کچھ نہیں دیکھا، میں سچ کہہ رہی ہوں۔" منحل غائب دماغی سے بولی تو شازمہ اپنی ناراضی بھول کر پریشان سی ہوکر اسے دیکھنے لگی۔

"منحل تم ٹھیک تو ہو، کیا نہیں دیکھا تم نے......"

"ہیں کیا......؟ کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں؟" شازمہ کے استفسار پر منحل کھسیانی ہوکر جلدی سے بولی پھر تیزی سے مزید گویا ہوئی۔

"وہ دراصل کل رات ابا کے دوست کی بیٹی کی شادی میں ابا اور میں کافی لیٹ ہوگئے تھے لہٰذا میری نیند پوری نہیں ہوئی بس ایسے ذہن بوجھل ہورہا ہے۔"

"تو تم آج کی چھٹی کرلیتیں ناں کیمپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔" شازمہ منحل کی وضاحت پر مطمئن ہوکر بولی۔

"اب تو آگئی ناں چلو کینٹین چلتے ہیں چائے کی بہت طلب ہورہی ہے۔" منحل سر جھٹک کر بولی کل رات سے اب تک وہ شخص اس کے حواس پر جونک کی طرح چمٹا ہوا تھا۔

"ہاں چلو، میں نے بھی ناشتا نہیں کیا۔" شازمہ لان کی بینچ سے اٹھتے ہوئے بولی تو منحل بھی کتابیں سنبھالتی کھڑی ہوگئی۔

❁......❁......❁

"خالہ جانی! آج کل کے لڑکوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، چوری ڈکیتی تو ان کا محبوب مشغلہ ہوگیا ہے۔ صورت جتنی بھولی نظر آتی ہے اندر سے اتنے ہی خطرناک ہوتے ہیں اب آپ رخشندہ آنٹی کے جیٹھ کے بیٹے کو ہی دیکھ لیجیے۔" ہادیہ نے حسب معمول بے تکی ہانکنا شروع کردی تھی۔

"ہادیہ! خدا کے واسطے اپنی یہ کہانیاں بند کرو کیوں خوامخواہ خوف پھیلا رہی ہو۔" لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی منحل ٹی وی پر اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھنے کی کوشش کررہی تھی مگر کان ہادیہ اور امی کی باتوں پر لگے ہوئے تھے اپنے اندر کی گھبراہٹ و اضطراب سے پریشان ہوکر ہادیہ پر تقریباً چلا پڑی۔

"تو تمہیں اچانک کیا ہوگیا اچھا بھلا تم تو ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔" ہادیہ آنکھیں گھما کر تھوڑا متعجب ہوکر بولی۔

"ہادیہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے واقعی آج کل بہت خراب زمانہ ہوگیا ہے ارے تم نے کل ٹی وی پر قاتلوں کی شکلوں کو نہیں دیکھا تھا، کیسے معصوم اور سیدھے لگ رہے تھے۔" امی پاندان سے چھالیہ نکالتے ہوئے بولیں تو منحل کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے ہادیہ ایک بار پھر زور و شور سے امی سے باتوں میں لگ گئی تو منحل خاموشی سے وہاں سے نکل آئی۔

❁......❁......❁

یہ بہت پرانی بات نہیں تھی محض دس دن تو گزرے تھے کیمپس سے واپسی پر وہ اپنی بے پروائی کی بدولت غلط بس میں چڑھ گئی تھی انجان راستوں اور علاقوں کو دیکھ کر منحل کی جان گویا ہوا ہونے لگی تھی جب ہی اپنے ساتھ بیٹھی عورت سے اس نے پوچھا تو اس پر انکشاف ہوا کہ غلط روٹ کی بس میں بیٹھنے سے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اپنی بے خبری و مدہوشی پر اس نے خود کو خوب لعنت ملامت کی اور اللہ کا نام لے کر بس سے اتر گئی اور رکشے کی تلاش میں تیزی سے قدم آگے بڑھانے لگی وہ جلد سے جلد اس غیر آباد اور غیر مانوس علاقے سے نکل جانا چاہتی تھی، چلتے چلتے وہ کافی دور نکل آئی تھی مگر رکشہ ٹیکسی حتیٰ کے بس نام کی چیز بھی دور تک اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ابھی وہ چل ہی رہی تھی کہ اچانک دو لڑکے ایک بائیک پر انتہائی تیزی سے اس کے پاس سے گزرے اور پھر چند لمحوں بعد ایک سفید ٹویوٹا کرولا بھی زن سے منحل کے قریب سے گزری اور محض چند سیکنڈ کے اندر اندر انتہائی دلدوز منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ سفید ٹویوٹا پر ان دونوں لڑکوں نے اندھادھند گولیاں برسانا شروع کردی تھیں جواباً کار سوار نے انتہائی مہارت سے بائیک کے پہیے کو نشانہ بنایا اور دوسرے ہی پل بائیک سوار لہرا کر زمین پر آن گرے کار سوار تیزی سے نیچے اترا اور بڑی سرعت سے اپنا پورا پسٹل دونوں لڑکوں پر خالی کردیا۔ منحل کی چیخ بے ساختہ تھی اس قاتل نے کافی چونک کر منحل کو دیکھا جو منہ پر ہاتھ رکھے دہشت سے پھٹی نگاہوں سے بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ میں ملبوس اس قاتل کو دیکھ رہی تھی۔ جان اس دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہے اس بات کا ادراک ہوتے ہی اور قاتل کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر منحل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سرپٹ دوڑنا شروع کردیا کچھ دور جانے کے بعد خوش نصیبی سے آخر اسے ایک رکشہ نظر آ ہی گیا تھا اور وہ غڑاپ سے اس میں سوار ہوگئی رکشہ ڈرائیور اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ یقیناً اس لڑکی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے لہٰذا اس سے ایڈریس وغیرہ پوچھ کر باحفاظت اسے گھر پہنچا دیا۔

منحل نے گھر آ کر امی ابو کو اتنی بڑی بات سے محض اس لیے لاعلم رکھا کہ دونوں خوف زدہ ہوکر اس کی پڑھائی چھڑوا کر گھر بٹھا دیں گے اور اپنی خالہ زاد سہیلی ہادیہ کو اس لیے نہیں بتایا کہ وہ پیٹ کی بہت ہلکی تھی اور وہ

سب کے سامنے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ دیتی اور رہی شازمہ تو وہ خود اتنی ڈرپوک تھی کہ منحل کے پیچھے پڑ جاتی کہ وہ کیمپس نہ آیا کرے شکر تھا کہ اس شخص نے منحل کا پیچھا نہیں کیا تھا مگر کل رات ابا کے دوست کی بیٹی کی شادی میں اسے دیکھ کر وہ بے تحاشا ڈسٹرب ہوگئی تھی۔

''کاش میں ابا کے ساتھ کل جاتی ہی نہ۔'' منحل نے انتہائی پچھتاوؤں میں گھر کر خود سے کہا تھا۔

❀......❀......❀
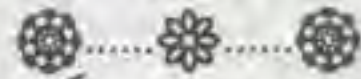
وہ بے حد گہری نیند میں تھا جب کسی نے انتہائی بے دردی سے اس کے اوپر سے چادر ہٹائی اور سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ ڈالا۔

''ابے آلو کے پٹھے! تو آ گیا۔ میں آج تین دن بعد سویا تھا کمینے سکون سے مجھے سونے تو دیتا۔'' نیند میں ڈوبی گمبھیر آواز میں ریان بمشکل بولا تھا جواباً احد کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''تو میری جان کیوں ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے تجھے تین تین دن تک جاگنا پڑتا ہے۔'' فریش آواز میں بولتا احد کھڑکیوں سے پردے کھسکاتا ہوا بولا۔

''اوئے یار پلیز پردے مت ہٹا۔'' سورج کی تیز روشنی سے بے زار ہو کر ریان نے بے ساختہ اپنا بازو آنکھوں پر دھرا تھا۔

''مسٹر ریان حیدر خان! آپ کل دوپہر سے مسلسل سو رہے ہیں یعنی دوسرا دن نکل آیا ہے اور اس وقت دن کے تین بج رہے ہیں۔'' احد کی بات پر ریان انتہائی چونک کر سیدھا ہوا۔

''او مائی گاڈ! میں پچھلے 14 گھنٹوں سے سو رہا ہوں جب کہ میں تو صرف تین گھنٹے کی نیند لینے کی غرض سے لیٹا تھا۔'' ریان گھبرا کر اپنا موبائل فون چیک کرتے ہوئے بولا پھر اگلے ہی پل مطمئن ہو کر احد کو دیکھا' کوئی ضروری کال' میسج اس وقت موبائل فون پر موجود نہیں تھا۔

''اچھا اب یہ بستر کی جان چھوڑو اور شا فٹ نیچے ڈائننگ ٹیبل پر آ جاؤ۔'' یہ کہتے ہو دروازے کی جانب قدم بڑھائے تو ریان بھی ہوئے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

❀......❀......❀
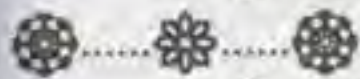
وہ سر اویس کی انتہائی بور کلاس لے کر اپنی بمشکل رو کتے ہوئے جونہی باہر نکلی سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر بُری طرح چونکی۔ انت سے اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی کتابوں کو سب کی سب زمین پر گر پڑتیں۔ بلیو جینز ٹائٹ کیمل کلر کی ٹی شرٹ پر سیاہ گلاسز لگائے وہ لڑکیوں کی توجہ باآسانی حاصل کر چکا تھا۔

''یا اللہ یہ شخص تو میری جان لے کر چھوڑے خود سے بولی پھر اسے بھرپور طور پر نظر انداز کاریڈور کی جانب آ گئی۔ منحل کی توقع کے عین وہ شخص اس کے پیچھے آن پہنچا تھا۔

''آپ کو چھ فٹ دو انچ کا یہ لمبا چوڑا نہیں آیا یا پھر آج بھی نہیں پہچانا۔'' عقب سے کھنکتی آواز ابھری تو منحل بُری طرح کلس کر جانب پلٹی۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ کیوں میرے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں' میں آپ کو یقین دلاتی ہو سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں پہنچے گا۔'' وہ زچ پنک اور بلیو کلر کے کنٹراسٹ کے سوٹ میں الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''خیر خطرناک تو آپ کافی ہیں۔'' وہ بیٹھے باندھتے ہوئے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ معنی خیزی سے بولا تو منحل بے تحاشا چڑ گئی۔

''اچھا میں خطرناک ہوں اور آپ کا خود کے میں کیا خیال ہے؟''

''گویا اس کا مطلب ہے کہ آپ میرے میں کافی جانتی ہیں۔'' وہ یکدم تیوری چڑھا کر

"نہ.....نہیں دیکھئے....." منحل بولتے بولتے رکی پھر ادھر اُدھر اسٹوڈنٹس پر نگاہ ڈال کر گویا ہوئی۔

"آپ ذرا میرے ساتھ آئیے۔" منحل اس شخص کو لائبریری کے پچھلے حصے کی طرف لے آئی' جہاں نسبتاً اکا دُکا اسٹوڈنٹس تھے۔

"دیکھئے میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی بلکہ میں نے ابھی تک کسی کو کچھ نہیں بتایا یہاں تک کہ اپنی امی ابا کو بھی لاعلم رکھا ہے' آپ میری طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیں۔" منحل اسے یقین دلانے کی غرض سے ٹھوس لہجے میں بولی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں آپ جیسی نازک لڑکی سے خوف زدہ ہو کر یہاں ہوں' مس منحل ابراہیم! ریان حیدر خان کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"مگر مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے۔" منحل کے لبوں سے بے ساختہ نکلا پھر تھوڑا خفیف ہو کر بولی۔

"جب آپ کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں تو پھر میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں کیوں آ گئے؟"

"کافی خوش فہمی ہے آپ کو میں تو اپنے دوست کے ہمراہ آپ کے چیئر پرسن سے ملنے آیا تھا۔" وہ شانِ بے نیازی سے بولا تو منحل خوامخواہ کھسیانی ہو گئی۔

"چلئے اچھا ہوا میری خوش فہمی دور ہو گئی' امید ہے آئندہ ہماری ملاقات کبھی نہیں ہو گی۔" منحل سنجیدگی سے بولی تو ریان نے اپنے موبائل فون پر آتی احد کی کال کاٹی جو مسلسل اسے کال کر رہا تھا اور وہ ڈس کنکٹ کر رہا تھا۔

"یہ بات آپ نہیں میں ڈیسائیڈ کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلتا بنا جب کہ منحل اس کی بات کا مطلب سمجھ کر انتہائی تلملا کر پیر پٹخ کے رہ گئی۔

❁.....❁.....❁

احد نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی جو تقریباً ایک گھنٹے بعد آیا تھا۔

"یہ تو اچانک کہاں چلا گیا تھا؟" احد نے گاڑی چلاتے ہوئے موڑ سہولت سے کاٹتے ہوئے استفسار کیا تو یکدم ذہن کے پردے پر منحل کا سراپا چلا آیا' چیئر پرسن کے روم کی کھڑکی سے اس نے منحل کو کلاس کے اندر جاتے دیکھا تو وہاں سے ایکسکیوز کر کے باہر چلا گیا اور تقریباً پون گھنٹہ ان موصوفہ کا انتظار کیا۔ منحل کو یہاں اچانک دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت ہوئی تھی اس لڑکی کو وہ آج تیسری بار دیکھ رہا تھا مگر اس کے نام سے ناواقف تھا وہ تو منحل نے خود ہی نام جاننے کا موقع فراہم کر دیا تھا اس کے ہاتھ میں موجود اسائنمنٹ کا رخ اتفاق سے ریان کی جانب تھا جسے وہ کتابوں کے ساتھ اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھی۔

"ابے کہاں گم ہو گیا تو؟" احد کی آواز پر وہ جیسے حال میں لوٹا۔

"کہیں نہیں گم ہوا تو ذرا دھیان سے گاڑی چلا اور اسپیڈ بڑھا مجھے دیر ہو رہی ہے۔" ریان ذہن جھٹک کر رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں اب تجھے دیر ہونے کا خیال آ رہا ہے۔" احد منہ بنا کر بولا تو ریان بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

❁.....❁.....❁

منحل کے سمسٹر بالکل نزدیک آ گئے تھے وہ سب کچھ بھول بھال کر پڑھائی میں مگن ہو گئی تھی خدا خدا کر کے سمسٹرز ختم ہوئے تو ہادیہ کی منگنی کا شوشہ چھوٹ گیا اس کی پھپھو نے اپنے ہونہار اور قابل انجینئر بیٹے عاطف کے لیے ہادیہ کا انتخاب کیا تھا جب کہ ہادیہ کے ساتھ تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا والی کہانی ہو گئی تھی وہ اپنے پھپھی زاد عاطف کو نجانے کب سے دل میں بسائے بیٹھی تھی۔ منحل کچھ دن ہادیہ کے گھر رہنے آ گئی تھی اور ہادیہ بی بی خود ہی اپنی شادی کے گیت گائے جا رہی تھیں۔

"اُف ہادیہ! میں نے تم سے زیادہ بے حیا دلہن آج تک نہیں دیکھی۔" منحل اسے لتاڑتے ہوئے بولی تو ہادیہ نے برا مانے بغیر کافی ڈھٹائی سے ہنس کر کہا۔

"اچھا نہیں دیکھی تو اب دیکھ لو۔"

"واقعی ہادیہ! تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" وہ انتہائی چڑ کر بولی کہ اسی پل اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔ منحل نے اسکرین پر اجنبی نمبر دیکھا تو کچھ سوچ کر یس کا بٹن دبا ڈالا۔

"ہیلو۔" اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ہیلو کے جواب میں کس کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائے گی۔

"کیسی ہیں منحل آپ؟ آپ کے پیپرز کیسے ہوئے؟ میں نے کہا تھا نا کہ میں خود ڈیسائیڈ کروں گا۔" وہ یوں استفسار کر رہا تھا جیسے بہت پرانی شناسائی ہو۔

"آپ....." وہ فقط اتنا ہی بول سکی' وہ شدید صدمے میں تھی کہ آخر کس طرح اسے اس کا نمبر مل گیا اس نے دزدیدہ نگاہوں سے آئینہ کے سامنے بیٹھی ہادیہ کو دیکھا جو اپنے چہرہ پر فیس ماسک لگا رہی تھی پھر اس نے تیزی سے موبائل بند کر کے سوئچ آف کر دیا اسے یقین واثق تھا کہ ریان دوبارہ ضرور اسے کال کرے گا۔

❁.....❁.....❁

احد جب سے انہیں اپنا رشتہ ہونے کی خبر بمع مٹھائی دے کر گیا تھا امی اور ثوبیہ ریان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھیں۔

"بس اب میں مزید کچھ اور نہیں سنوں گی' تمہیں اب شادی کرنی ہی ہو گی۔" امی اٹل لہجے میں قدرے ناراضی سے بولیں تو ریان اس پل سچ مچ پریشان سا ہو گیا۔

"امی پلیز تھوڑا صبر رکھیے میں شادی سے کب انکار کر رہا ہوں مگر فی الحال ابھی میں کافی مصروف ہوں۔"

"لو بھلا اور سنو اس لڑکے کی..... ارے تم ساری زندگی مصروف رہو گے تو کیا خدانخواستہ یوں ہی کنوارے بیٹھے رہو گے۔" امی ریان کی بات پر تلملا کر بولیں تو اسی دم اس کا موبائل فون گنگنا اٹھا' ریان نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو فوراً الرٹ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر فون سننے چلا گیا۔

"اس لڑکے کی حرکتوں سے میں عاجز آ گئی ہوں ہر پل اس کی طرف سے ایک ڈر سا لگا رہتا ہے۔" امی ریان کو یوں اٹھتا دیکھ کر متفکر لہجے میں بولیں تو ثوبیہ امی کی قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں امی! اللہ تعالیٰ بھائی کی حفاظت کرے گا اور پھر آپ کی دعائیں بھی تو ان کے ساتھ ہیں۔"

"ریان! میری عمر بھر کی کمائی ہے اللہ کرے اسے میری بھی حیات لگ جائے۔" وہ رنجور لہجے میں بولیں تو ثوبیہ بے چین سی ہو گئی۔

"افوہ! امی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ' اچھا یہ بتائیے بانو آنٹی کی بھانجی ثمرین بھائی کے لیے کیسی رہے گی؟" ثوبیہ ان کا دھیان دوسری جانب موڑتے ہوئے بولی امی اپنے پسندیدہ موضوع پر بڑی دلچسپی سے ثوبیہ سے باتیں کرنے لگیں تھیں۔

❁.....❁.....❁

ہادیہ کی منگنی بخیر و عافیت انجام پائی تو وہ بھی اپنے گھر آ گئی' دو دن بعد اس کی کلاسز بھی شروع ہونے والی تھیں ابھی وہ اپنے گھر آئی ہی تھی کہ اس کے پیچھے ایک معقول رشتہ بھی چلا آیا۔ ہادیہ کے منگیتر عاطف کے دوست اور اس کی ماں بہنوں نے منحل کو ہادیہ کی منگنی میں پسند کر لیا تھا۔ امی ابا نے سوچنے کا کچھ وقت مانگا تھا جب کہ منحل کو اس رشتے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی' رات تقریباً دس بجے وہ وہ نیٹ پر مختلف سائٹس کا وزٹ کر رہی تھی کہ اچانک اس کا موبائل بج اٹھا اس نے کمپیوٹر اسکرین پر سے نظریں ہٹائے بغیر ہی فون آن کر کے کان سے لگایا تو مقابل کی آواز سن کر اس کے دل کی دھڑکن وحشت زدہ سی ہو گئی۔

"خبردار اگر تم نے فون بند کرنے کی کوشش کی تو ابھی اور اسی وقت میں تمہارے گھر آ جاؤں گا۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا تو منحل کا موبائل پکڑا ہاتھ کپکپا سا گیا۔

"آخر آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے کیوں بھوت بن کر میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟" وہ روہانسی ہو کر بولی تو جواباً اس کا دلکش قہقہہ منحل کی سماعت سے ٹکرایا۔

"اچھا مگر اس بھوت کے پیچھے تو کافی لڑکیاں پڑی ہوئی ہیں۔"

"تو پھر انہی لڑکیوں میں سے کسی کو فون کیجیے میرا سر کیوں کھا رہے ہیں۔" وہ ریان کی بات پر تلملا کر بولی جب کہ ریان ہنستا چلا گیا' منحل نے کان پر سے موبائل ہٹا کر اسے گھورا اور کال ڈس کنکٹ کر کے حسب معمول موبائل سوئچ آف کر دیا اور اطمینان سے کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہوگئی۔

❁……❁……❁

اگلے دن اتوار تھا منحل ذرا دیر میں بیدار ہوئی ناشتے سے فارغ ہو کر وہ چائے کا کپ تھام کر اخبار لے کر لاؤنج کے صوفے پر دراز ہوگئی۔

"یا اللہ یہ میرے ملک میں کیا ہو رہا ہے' نجانے کس کی بُری نظر لگ گئی ہے۔" وہ اخبار کی مختلف شہ سرخیوں پر نگاہیں ڈالتے ہوئے انتہائی دلگرفتی سے خود سے سرگوشی میں بولی۔ پورا اخبار انتہائی دل سوز اور دہشت ناک خبروں سے بھرا ہوا تھا کچھ دیر پڑھ کر اس نے اخبار ایک جانب لپیٹ کر رکھ دیا اخبار پڑھنے سے اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔

"ارے منحل! تم یہاں اتنی خاموش سی کیوں بیٹھی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" امی لاؤنج میں داخل ہوئیں تو اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر فکر مندی سے گویا ہوئیں جواباً منحل ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"امی ہمارے ملک کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔" بولتے بولتے منحل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ امی بھی یہ سن کر اداس سی ہوگئیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا! ہمارے ملک کے دشمن اس چمن کو اجاڑنے کے در پے ہیں۔ اس گلستان میں آگ و خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔"

"یا اللہ میرے اس چمن کو صدا قائم و دائم اور سر سبز شاداب رکھنا اور اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔" منحل بے ساختہ ہاتھ پھیلائے ہوئے دعا کرتے ہوئے بولی تو امی نے بھی صدق دل سے آمین کہا تھا۔

❁……❁……❁

اس دن موسم صبح سے ہی خاصا ابر آلود تھا منحل کا آج کیمپس آنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اسے لائبریری سے ایشو کی ہوئی کتاب ہر صورت میں واپس کرنی تھی۔ شازمہ کی کال آئی تھی وہ آج کیمپس نہیں آ رہی تھی وہ کیمپس پہنچی تو ہلکی ہلکی پھوار شروع ہو چکی تھی' منحل بوندوں سے بچتی بچاتی لائبریری پہنچی اور کتاب واپس کر کے دوسری کتابیں ایشو کروا کر وہ نوٹس بنانے میں مگن ہوگئی تقریباً دو گھنٹے بعد اسے تھکن کا احساس ہوا تو اس نے سر اٹھا کر جوں ہی اپنے اطراف میں دیکھا تو تھوڑا چونک اٹھی اس وقت لائبریری تقریباً خالی تھی۔ اکا دُکا اسٹوڈنٹس کے علاوہ کوئی نہیں تھا حالانکہ اس ٹائم لائبریری کافی بھری ہوئی ہوتی تھی ابھی وہ مزید کچھ سوچتی کہ اچانک چار پانچ لڑکے گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"آپ لوگ پلیز فوراً اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک نامور سیاسی کارکن کا قتل ہو گیا ہے۔" ایک لڑکے کے منہ سے یہ جملہ سن کر منحل انتہائی حواس باختہ ہوگئی اور بے تحاشا گھبرا کر اٹھی اور جلدی جلدی اپنی چیزوں کو سمیٹ کر باہر کی جانب دوڑی' پورے کیمپس میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی کچھ اسٹوڈنٹس کا کہنا تھا کہ اس وقت کیمپس سے باہر جانا ٹھیک نہیں ہوگا جب کہ بعض کا خیال تھا کہ حالات مزید بگڑ سکتے ہیں لہٰذا فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہیے' منحل نے بھی فوراً نکلنے کا فیصلہ کیا مگر کیمپس کے باہر نکلی تو اس کو اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی محسوس ہوئی' مشتعل افراد جلاؤ گھیراؤ اور پتھراؤ کر رہے تھے جب کہ کچھ نامعلوم افراد اپنے چہروں کو کپڑے سے ڈھانپے اندھا

دھند ہوائی فائرنگ میں مصروف تھے۔ لوگوں کی چیخ و پکار اور ایمبولینس کے سائرن کی آوازیں گویا ایک قیامت کا عالم تھا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گرنے ہی لگی تھی کہ ایک مضبوط ہاتھ نے اسے سرعت سے تھاما تھا' اس کے ڈیپارٹمنٹ کا ایک اسٹوڈنٹ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"احد آپ……" منحل فقط اتنا ہی بولی کہ معاً ایک سلگتا ہوا شعلہ اس کے بازو کے اندر انتہائی بے دردی سے پیوست ہو گیا ایک سسکی اس کے لبوں سے برآمد ہوئی اور دوسرے ہی پل وہ احد کے بازوؤں میں جھول گئی۔

❁……❁……❁

ایس ایس پی ریان حیدر خان ڈاکٹر سے ضروری معلومات لے رہا تھا۔

"مریضہ کو ہوش کب تک آئے گا؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"انسپکٹر صاحب گولی بازو کا گوشت پھاڑتی ہوئی باہر نکل گئی ہے' مریضہ کی حالت خطرے سے باہر ہے مگر فی الحال ہمیں ان کو انڈر ابزرویشن رکھنا ہوگا۔" ڈاکٹر تفصیل بتاتے ہوئے بولا تو ریان کسی سوچ میں گم ہو گیا' منحل کے امی ابا اس پل بے حد پریشان اور ہراساں تھے احد چونکہ منحل کا سینئر تھا لہٰذا منحل سے اس کی اچھی خاصی سلام علیک تھی اس دن وہ بھی کسی کام سے کیمپس آیا تھا باہر نکلا تو منحل کو حواس باختہ دیکھ کر اس کی جانب دوڑا مگر نجانے کہاں سے ایک سنسناتی گولی آ کر منحل کے بازو میں پیوست ہو گئی احد فوراً اسے اسپتال لے کر آیا تھا اور راستے میں ریان کو بھی فون کر ڈالا تاکہ منحل کا کیس لینے میں اسپتال والے کوئی دشواری کھڑی نہ کریں پھر منحل کے موبائل فون سے اس کے گھر اطلاع دی۔ منحل کو یہاں آئے آٹھ گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے مگر ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا تھا۔

"ریان تم چاہو تو جا سکتے ہو میرے خیال میں تمہیں منحل کا بیان لینے کی ضرورت تو نہیں ہے۔" احد کی آواز پر ریان اپنے دھیان سے چونکا تھا پھر رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کچھ سوچ کر بولا۔

"ٹھیک ہے مریضہ کو ہوش آ جائے تو مجھے خبر کر دینا۔" وہ لہجے کو سرسری بنا کر بولا اور اسپتال سے چلا آیا مگر اس کا سارا دھیان منحل کی جانب تھا۔

❁……❁……❁

ہادیہ تقریباً دو گھنٹے سے اس کا دماغ کھائے جا رہی تھی اور وہ مجبوراً اس کی باتیں سن رہی تھی کیوں کہ اسپتال کے بستر سے اٹھ کر بھاگنا فی الحال اس کے بس میں نہیں تھا۔

"شکر ہے منحل تم بچ گئیں ورنہ اگر شہید ہو جاتیں تو میری شادی تو کینسل ہو جاتی نا۔ ویسے تمہیں ٹارزن بننے کا مشورہ کس نے دیا تھا' آرام سے کیمپس میں ہی رہتیں اتنے بُرے حالات میں باہر کیوں نکل آئی تھیں۔" ہادیہ آخر میں اسے لتاڑتے ہوئے بولی تو منحل پوری طرح سے بے زار ہوگئی۔

"خدا کے واسطے ہادیہ میں گولی سے نہیں مگر تمہاری باتوں سے ضرور شہید ہو جاؤں گی اب پلیز تھوڑا اپنی زبان کو آرام دو۔" منحل چڑ کر بولی تو اسی پل امی نماز پڑھ کر کمرے میں داخل ہوئیں اور اس کے پاس آ کر کچھ پڑھتے ہوئے چہرے پر پھونکنے لگیں' امی کا تھکا تھکا چہرہ دیکھ کر منحل کو ان پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

"امی پلیز آپ گھر جا کر کچھ دیر آرام کر لیں' آپ کل سے یہاں موجود ہیں ابھی تھوڑی دیر میں ابا بھی آ جائیں گے اور ہادیہ بھی تو یہاں ہے۔"

"نہیں بچے! میرا دل گھر میں بہت گھبرائے گا' تم مجھے گھر بھیجنے پر اصرار مت کرو۔" وہ منحل کی بات پر قطعیت سے بولیں تو منحل مجبوراً خاموش ہوگئی اسی پل دروازے پر دستک ہوئی اور جو شخصیت کمرے میں داخل ہوئی اسے دیکھ کر منحل پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ پولیس کے فل یونیفارم میں ملبوس ریان اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"آیئے انسپکٹر صاحب!" امی ریان کو دیکھ کر فوراً بولیں، ہادیہ بھی مؤدبانہ انداز میں ایک جانب کھڑی ہوگئی۔

"محترمہ ہم یہاں صرف فارملیٹی پوری کرنے آئے ہیں، امید ہے آپ تعاون کریں گی۔" وہ براہ راست منخل کی نگاہوں میں دیکھتا ہوا اجنبی انداز میں بولا تو وہ اسے حیرانی سے ٹکر ٹکر دیکھنے گئی، مگر اس کی کیفیت میں پھر بھی فرق نہیں آیا۔

"لو پلیز دوؤں کی سردار مانا کہ انسپکٹر بہت ڈیشنگ اور اسمارٹ ہے مگر خود پر ذرا قابو رکھو۔" ہادیہ اس کی حالت دیکھ کر کان میں گھس کر بڑبڑائی تو یکدم منخل کو جیسے ہوش آیا۔

"جی...... جی کیا؟" وہ ہونقوں کی طرح بولی تو ہادیہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔

"منخل یہ تمہارا بیان لینے آئے ہیں؟" ہادیہ لفظوں کو چبا چبا کر بولی جب کہ ریان بڑی بے پروائی سے کھڑا رہا پھر اپنے ساتھ آئے بندے سے مخاطب ہو کر بولا۔

"کرم داد! میڈم کا بیان لو اور ان کے دستخط بھی۔" منخل نے تین چار سوالوں کے جواب دیئے اور پیپر پر دستخط کر کے کرم داد کی جانب بڑھا دیئے۔ ریان ان سے اجازت لے کر چلتا بنا جب کہ منخل کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ریان کے پیچھے بھاگ کر اس کے بال نوچ ڈالے، اس کا گلا دبا دے کتنے عرصہ سے اس نے منخل کو ذہنی اذیت میں رکھا تھا۔

"میں تمہیں جان سے ماردوں گی ریان! تم بہت بڑے دھوکے باز ہو، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ آنکھیں موندھ کر خود سے بولی اس پل اسے اس شخص پر بے تحاشا طیش آیا تھا۔

❁......❁......❁

منخل تیزی سے روبصحت تھی، اسپتال سے گھر آ کر وہ مکمل آرام کر رہی تھی مگر اب مسلسل لیٹے لیٹے وہ تنگ آ گئی تھی لہٰذا ماحول تبدیل کرنے کی غرض سے وہ اپنے گھر کے اندر بنے چھوٹے سے باغیچے میں آ گئی تھی پھول، پیڑ اور پودے اسے بے حد پسند تھے یہاں آ کر وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی آس پاس سے بکروں اور گائے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں عید قرباں بالکل نزدیک تھی۔ ابا آفس میں جبکہ امی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں پھولوں کو دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی ذہنی رو بھٹکی تھی وہ نا چاہتے ہوئے بھی ریان کے متعلق سوچنے لگی، پہلی ملاقات سے آخری ملاقات تک تمام واقعات جزئیات سمیت اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

"ریان نے مجھے اتنا تنگ کیوں کیا وہ کوئی عامیانہ ٹائپ کا لڑکا تو نہیں بلکہ ایک بردبار پولیس آفیسر ہے تو پھر میرے ساتھ ٹین ایج لڑکے جیسی حرکتیں کرنے کا کیا مقصد؟" وہ خود سے بولی تھی اسے اسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا مگر ریان کا کوئی فون نہیں آیا تھا وہ لاشعوری طور پر اس کے فون کی منتظر تھی مگر اس نے تو جیسے پلٹ کر کوئی خبر ہی نہیں لی تھی۔

"اونہہ! اچھا ہے نہ کرے فون میری بلا سے۔" وہ چڑ کر بولی پھر سر جھٹک کر پودوں کی جانب متوجہ ہوگئی۔

❁......❁......❁

ابھی تھوڑی دیر پہلے شازمہ اس سے مل کر گئی تھی آج صبح ہی ابا قربانی کے لیے بکرے بھی لے آئے تھے جنہوں نے "میں میں" کر کے سارا دن شور مچا رکھا تھا منخل کچھ تھکن سی محسوس کر کے جونہی کمرے میں داخل ہوئی۔ بیڈ پر موجود موبائل فون پر اس کی نظر پڑی اس نے لپک کر فون اٹھایا تو جانا پہچانا نمبر دیکھ کر اس کے دل میں ارتعاش سا پیدا ہوا سرعت سے یس کا بٹن دبا کر اس نے کان سے لگایا تھا۔

"جی کہیے؟"

"ارے یہ کیا نہ سلام نہ دعا، اچانک سوال۔" ریان کی شوخ و فریش آواز نے گویا اس کے اندر آگ سی بھر دی۔

"آپ ہوتے کون ہیں جس سے میں سلام دعا کروں؟" وہ انگارے چباتے ہوئے بولی۔

"کم از کم قاتل تو نہیں ہوں۔" وہ ہنس کر بولا تو منخل کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

"کیا آپ جیسے ذمہ دار پولیس آفیسر کو یہ زیب دیتا ہے کہ ایک لڑکی کو خوف و دہشت میں مبتلا رکھ کر اسے وقت بے وقت فون کال کر کے فضول باتیں کریں۔"

"منخل میرا ارادہ تمہیں ہراساں کرنے کا نہیں تھا مگر......" اس نے وضاحت دینی چاہی اور وہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"مجھے آپ سے کوئی وضاحت نہیں چاہیے مسٹر ریان! اب براہ مہربانی مجھے دوبارہ کال کرنے کا سوچیئے گا بھی نہیں۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی تو دوسری جانب یکدم خاموشی چھا گئی۔

"آئی ایم ریئلی ویری سوری منخل! میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔" وہ ندامت سے بولا۔

"اوکے میں نے آپ کو معاف کر دیا اب آپ بھی مجھے معاف کیجیے۔" یہ کہہ کر وہ جونہی لائن ڈس کنکٹ کرنے لگی ریان کی لجاجت بھری آواز ابھری۔

"پلیز منخل میں تم سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ تمہیں کبھی نہیں ستاؤں گا۔" منخل نے انتہائی حیرت سے اپنے موبائل کو دیکھا تھا۔

"آئندہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی ریان صاحب! خدا حافظ۔" یہ کہہ کر وہ جونہی رکی، ریان کی سخت و گمبھیر آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ایک منٹ منخل! یہ بات تم اچھی طرح اپنے دل و دماغ میں بٹھا لو کہ تم میری پہلی اور آخری آرزو ہو اور میں تم سے کسی قیمت پر بھی دست بردار نہیں ہوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے لائن ڈس کنکٹ کر دی جب کہ کچھ ثانیے منخل ریان کی بات سن کر ساکت سی کھڑی رہ گئی جب ہوش آیا اور ریان کی کہی بات کا مفہوم سمجھ میں آیا تو نجانے کیوں اس کے اندر تک گلاب کھل اٹھے، دل خوشی سے جھوم اٹھا لبوں پر دل آویز مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

❁......❁......❁

امی نے عاطف کے دوست کے رشتے کی بابت اس سے پوچھا وہ لوگ ایک بار پھر سوالی بن کر آئے تھے مگر منخل نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا امی کو انکار کر دیا تھا وہ محض اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ منخل ان کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی انہوں نے کبھی بھی اپنے فیصلے اس کے اوپر مسلط نہیں کیے تھے وہ خود بہت سمجھدار، سعادت مند اور نیک فطرت لڑکی تھی۔ کبھی والدین کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا، امی نے اس سے زور زبردستی کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ان لوگوں کو انکار کر دیا۔

کل صبح عید الاضحیٰ تھی منخل بکروں کی خوب خاطر مدارت کر رہی تھی کیوں کہ صبح انہیں ذبح ہو جانا تھا امی کے کہنے پر وہ نہا کر کچن کی جانب چلی آئی اسے کل کے لیے کچھ خصوصی تیاری کرنی تھی کہ اسی پل دروازے کی بیل بجی وہ کچن میں ہی تھی کہ اسے لاؤنج میں بہت سارے لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی۔

"یہ اس وقت کون آ گیا؟" وہ متعجب ہو کر خود سے بولی۔

"آپ لوگ اندر آیئے نا۔" امی کی پرجوش آواز پر وہ باہر نکل آئی اور جونہی آنے والوں پر نگاہ پڑی وہ بری طرح گڑبڑا گئی ان لوگوں میں وہ سب سے نمایاں تھا جو فان کلر کے کلف لگے شلوار کرتے میں بہت منفرد لگ رہا تھا۔

"بھائی کیا یہ منخل ہیں؟" ایک نوعمر کیوٹ سی لڑکی اشتیاق آمیز لہجے میں اسے دیکھ کر بولی تو منخل بے حد سٹپٹا گئی۔

"تم تو بڑے گھنے نکلے ریان میاں! تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گا۔" احد کی آواز منخل کے کانوں سے ٹکرائی تو بے ساختہ اس نے سر اٹھا کر ان لوگوں کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر ریان کے ساتھ آئی خاتون جو غالباً اس کی ماں تھیں انہیں سلام کر ڈالا، جواباً انہوں نے اسے

ڈھیروں دعائیں دے کر خوب پیار کیا۔ امی سب کو ڈائننگ روم میں لے گئیں تو وہ دوبارہ کچن کی طرف چلی آئی جب کہ کچھ ہی دیر میں احد اور ثوبیہ بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔

"ریان میرا بچپن کا بڑا کمینہ فرینڈ ہے اور آج مجھے معلوم ہوا کہ وہ بہت گھنا بھی ہے۔" احد ہنستے ہوئے منحل کو بتا رہا تھا جب کہ منحل محض مسکرا کر رہ گئی۔

"احد بھائی شاید بھائی کو منحل باجی جیسی لڑکی کا انتظار تھا اسی لیے وہ شادی سے انکار کر رہے تھے۔" ثوبیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تم یہاں کیوں آگئے بھئی منحل پزل ہو جائے گی۔" ریان کو آتا دیکھ کر احد شوخی سے بولا۔

"یہ اور پزل...... ارے یہ تو بڑوں بڑوں کو پزل کر دیتی ہیں خود کیا پزل ہوں گی؟" ریان نے ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کے جدید سوٹ میں ملبوس نم بالوں میں دو تین چوٹی کے بل ڈالے، منحل کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو منحل تلملا کر رہ گئی۔ البتہ چہرے پر آئی سرخی اس کی اندرونی تلملاہٹ کو ریان کے سامنے عیاں کر گئی وہ زیر لب مسکرا کر رہ گیا۔

"تم یہاں کس خوشی میں وارد ہو گئے؟" احد اسے شرمندہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"میرے بھائی میں ایک مشرقی لڑکا ہوں اور اس وقت اندر میرے رشتے کی بات ہو رہی ہے تم دونوں جاؤ نا اندر، منحل کے امی ابا کو میرے لیے راضی کرو۔" وہ شرمندہ ہوئے بغیر مزے سے بولا تو دونوں تیزی سے وہاں سے پلٹے تھے۔

"اچھا میں نے کب آپ کو پزل کیا بلکہ الٹا آپ نے مجھے ایک عرصہ تک بے وقوف بنائے رکھا؟" احد کے جانے کے بعد وہ چڑ کر اس کی جانب رخ پھیرتے ہوئے بولی تو ریان سینے پر دونوں بازو فولڈ کر کے اسے شوخ نگاہوں سے دیکھنے لگا جس پر وہ مزید چڑ گئی۔

"آپ کو گھورنے کے علاوہ بھی کوئی اور کام ہے؟"

ریان اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دیا۔

"یہ تمہارا قصور تھا کہ تم مجھے اس دن قاتل سمجھ بیٹھیں حالانکہ میں سادہ لباس میں ایک اطلاع کے مطابق خفیہ طور پر آن ڈیوٹی تھا اور وہ دونوں لڑکے کافی عرصے سے پولیس کو مختلف کیسز میں مطلوب تھے۔"

"مجھے ان لڑکوں کا بائیو ڈیٹا آپ سے نہیں جاننا...... آپ میری غلط فہمی بھی تو دور کر سکتے تھے۔" وہ تنک کر بولی۔

"بالکل کر سکتا تھا مگر تمہیں خود سے خوف زدہ دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا۔" منحل کو خونخوار تیوروں سے خود کو گھورتا دیکھ کر ریان نے فوراً اپنی زبان کو بریک لگایا پھر چلتا ہوا اس کے نزدیک آ کر سنجیدگی سے بولا۔

"منحل اپنے ملک کے غداروں کو دیکھ کر میرا خون کھول اٹھتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے پسٹل کی چھ کی چھ گولیاں ان کے سینوں میں داغ دوں جو میرے ارض وطن میں انتشار و فساد برپا کر رہے ہیں۔" وہ حب الوطنی کے جذبے میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا تو منحل بھی سر اثبات میں ہلا کر گویا ہوئی۔

"ان شاء اللہ میرے ملک میں ایسی بھی عید آئے گی جب کوئی خونریزی نہیں ہوگی ہر طرف امن و سکون اور محبت ہی محبت ہوگی۔"

"ہاں منحل اندھیرا چاہے کتنا ہی گمبھیر اور سیاہ کیوں نہ ہو اسے روشنی کے آگے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑتے ہیں ہمارے وطن میں بھی سویرا آئے گا اور یہ سویرا بالکل قریب ہے۔" وہ تیقین آمیز لہجے میں بولا تو منحل نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا اس کے اندر کہیں اطمینان سا اتر گیا تھا۔

عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

عجب پہیلی ہے یہ ہاتھ کی لکیروں میں
سفر لکھے ہیں مگر راستہ نہیں لکھا
خیال و خواب کے منظر رقم سب ہی نے کیے
جو چشم دید تھا وہ واقعہ نہیں لکھا

اس کا خاندان مشہور و معروف خاندانی وقار کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ دو عظیم ترین المیوں کا شکار تھا حادثے اور کنجوسی! آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ حادثہ اور کنجوسی کا اصل مفہوم کیا ہے؟ اور ان کا ایک ساتھ ذکر کیوں تو پہلے کنجوسی کے بارے میں وضاحت کرنا ضروری ہے۔ حادثوں کا ذکر بعد میں کیا جائے گا مگر ایک بات پر اس کا یقین پختہ ہو چکا تھا کہ کنجوسی حد سے سوا ہو تو خسارے لاتی ہے اور حادثوں میں زندگی کے بڑے بڑے اسباق پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اگر اس کی بیوی ذرا سے کچھ زیادہ کنجوس تھی تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ اس کے اپنے خاندان میں بڑے بڑے عظیم کنجوس موجود تھے۔ ابا، چچا، چچی اور ان کے اکلوتے لخت جگر کاشی کی صورت میں۔ شادی سے پہلے وہ بڑے بڑے خطرناک دعوے کرتا تھا کہ اگر اس کی بیوی کنجوس ہوئی تو وہ اسے کھڑے کھڑے طلاق دے دے گا یا پھر شادی نہیں کرے گا۔ دراصل کنجوسوں سے اس کی نفرت کا نہ کوئی حساب تھا نہ کوئی شمار مگر یہ دعوے بہت بودے ثابت ہوئے تھے۔ جس طرح اس کے خاندان پر کنجوسی ختم تھی اسی طرح اس کا خاندان حادثات کا شکار بھی رہتا تھا جیسا کہ اس کا اکلوتا راج دلارا کزن کاشی اکثر اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر گھر آ جاتا اور اس کی والدہ ماجدہ ہفتے کے چھ دن مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا رہتی تھیں ایسی ہی کسی صورت حال میں دادی ضرور چاچی کو مشورہ دیتیں۔

"ملکانی! خیرات نکالا کرتا کہ بچے کی بلائیں ٹل جایا کریں۔" کاشی کو اکثر ٹوٹ پھوٹ کا شکار دیکھ کر دادی چاچی کو نصیحت کرنا نہ بھولتی تھیں مگر وہ چاچی ہی کیا جو روپے پیسے کو ہوا لگنے دیں' ان کے پاس صرف ایک ہی ٹھوس دلیل ہوتی تھی کہ کاشی کے ابو باہر بہت کچھ دے دلا کر آتے ہیں تب دادی ٹھنڈی آہ بھر لیا کرتیں۔

"ارے وہ تو کاروبار کی خیر و برکت کے لیے باہر والی خیرات ہوتی ہے گھر کی بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لیے گھر سے بھی خیرات نکالا کر۔" دادی انہیں بے ساختہ ٹوکا کرتیں اور وہ چاچی ہی کیا جو دادی کی بات پر کان دھر لیتیں اور ٹھیک چاچی والا اسٹائل ہی اس کی بیوی کے پاس آل ریڈی موجود تھا۔

اس کی بیوی کے سانچے میں ایک مرتبہ پھر چاچی مجسم آ کھڑی ہوئی تھیں' ویسی ہی کھینچ تان کر خرچ کرنے والی وہ جتنا کنجوسوں سے خار کھاتا تھا اتنے ہی کنجوس مختلف رشتوں کی صورت میں اس کے ارد گرد تھے اور ان کنجوسوں کو سنبھلنے کے لیے کسی خاص قسم کے حادثے یا ٹھوکر کی ضرورت نہیں تھی خصوصاً اس کی بیوی جو ایک سال کی مختصر مدت میں ہی اسے ناک کے بانسے تک عاجز کر چکی تھی۔

◉.....❖.....◉

گاڑی فراٹے بھرتی جانے پہچانے رستوں پر سے گزر رہی تھی' اندر کا ماحول بڑا پُراسرار قسم کا تھا' جیسے موت کا سناٹا پھیلا ہو۔ اس سناٹے میں بھی نسوانی سسکیاں ابھرنے لگتی تھیں' جیسے کوئی بڑی بے دردی سے رو رو کر نڈھال ہو چکا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں' نتھنے پھول رہے تھے اور ماتھے کے درمیان کی ایک

رگ مسلسل پھڑک رہی تھی۔ وہ شدید غصے میں لگ رہا تھا جیسے آج آر یا پار کر دینے کا فیصلہ کر کے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے' اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ ناک کی سیدھ میں گاڑی اڑائے جا رہا تھا۔

برابر بیٹھی سسکاریاں بھرتی لڑکی جیسے عمر بھر کی کمائی ہاتھ سے لٹا کر بیٹھی تھی جیسے اس کے دونوں ہاتھ خالی ہو گئے تھے جیسے اس کا دل خالی ہو گیا تھا وہ سر جھکائے سود و زیاں کا حساب کر رہی تھی۔ اسے اپنی غلطیاں یاد آ رہی تھیں اپنی لغزشیں یاد آ رہی تھیں وہ سر جھکائے اپنے ماضی کے صفحے دیکھتی تو اسے صرف اور صرف بد زبانی نظر آتی' تنگ دلی نظر آتی کم ظرفی نظر آتی۔ آج وہ برابر بیٹھے شخص کی زندگی سے نکل جانے والی تھی محض اپنی زبان درازی' تلخی اور بہتان کے باعث' وہ کتنی مفلس' وہ کس قدر اذیت میں تھی۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی تمنا تھی۔

"مجھے ایک موقع تو دیں پلیز...... مجھے معاف کر دیں۔"

وہ التجائیں کر کر کے تھک چکی تھی رو رو کر نڈھال ہو چکی تھی' اپنے سابقہ رویوں پر پشیمان تھی۔ ندامت کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے مگر اس کے دل کا مکین آج بڑا سنگ دل اور کٹھور بنا ہوا تھا۔

اس نے اپنے کان بند کر لیے تھے وہ اس کی گڑگڑاہٹ نہیں سن رہا تھا' وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی مگر اس کے دل کا مکین بے نیاز تھا۔

"مجھے معاف کر دیں پلیز...... میں مر جاؤں گی۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اپنے محبوب کا کندھا ہلایا' اس کا دھیان جیسے ہٹ گیا پھر گاڑی ڈگمگائی تھی اور لمحہ بھر کی دیر میں الٹ گئی۔

◉.....❖.....◉

کچھ دیر پہلے یاسر کو محلے کا لڑکا بالی اس کے جنرل اسٹور پر پیغام دے کر گیا تھا کہ اسے ابا نے فوری طلب کیا ہے۔ یاسر اس اچانک پیشی کا سن کر کچھ حواس باختہ ہوا تھا۔ نجانے کیا مسئلہ تھا جو ابا نے اسے ارجنٹ بلوایا ہے؟ یقیناً کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا اگر ہوتا بھی تو ابا نے اسے دو سیکنڈ کے لیے بھی کال نہیں کرنا تھی۔ وہ تو مفت کے پیکجز سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے' وہ ہی ازلی کنجوسانہ سی فطرت' محلے کے بچوں کو دس مرتبہ بھی دکان تک دوڑانا پڑتا تو دوڑاتے مگر آدھے سیکنڈ کی کال ہرگز نہ کرتے تھے۔ یہی حال کچھ کاشی کا بھی تھا اس کا اکلوتا کزن' مہا کنجوس بلکہ انتہائی حد تک کمینہ' اب ایسے لفظ وہ ابا کے لیے کم از کم استعمال نہیں کر سکتا تھا حالانکہ ابا تو کاشی سے سو گنا بڑھ کے کنجوس تھے اور یقیناً اپنے جیسے کنجوس لوگوں میں ہی کاشی اور یاسر کی شادی کا ارادہ رکھتے تھے۔ کاشی تو یقیناً اس عنایت پر خوش ہو جاتا تاہم یاسر کے لیے اس صدمے سے سنبھلنے کے لیے اگلے تیس سال بھی ناکافی تھے۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ کم از کم اسے ابا جیسے کنجوس سسرال والے نہ ملیں' یہ دعا کسی حد تک قبولیت کا درجہ بھی پا چکی تھی کیونکہ اس کی منگنی اور ڈیٹ فکس ہونے کی مدت کے دوران جب وہ لوگ ان کے گھر آئے' خوب ہی لدے پھندے فروٹ کے ٹوکروں اور مٹھائی کے ڈبوں سمیت آتے رہے تھے تب یاسر نے کچھ کچھ خود ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یقیناً خوشبو کے گھر والے کھلے دل کے لوگ تھے۔ کم از کم ابا کی طرح سمدھیوں کے گھر ہاتھ لٹکا کر نہیں چلے آتے' یاسر کو تو عام حالات میں بھی کسی کے گھر خالی ہاتھ جانا پسند نہیں تھا پھر شادی بیاہ کا تو معاملہ ہی کچھ الگ تھا مگر ابا کو ان نزاکتوں کی قطعاً پروا نہیں تھی۔ نجانے ان لوگوں نے ابا کی کنجوسی کے ساتھ کس طرح سے سمجھوتہ کر کے یاسر سے خوشبو کا رشتہ طے کر دیا تھا؟ وہ ان باتوں اور نکتوں پر اکثر غور کرتا تھا مگر نتیجہ کچھ ہاتھ نہ آتا۔

اب بھی اس نے اڑتی اڑتی کچھ بری خبریں بھی سنی تھیں اور دشمنوں نے کچھ فضول قسم کی ہوائیاں بھی اڑا رکھی تھیں' یہی کمینے کاشی نے اس کے کانوں میں صور پھونکا تھا کہ خوشبو ابا کے قبیلے سے ہے۔ یہ خبر اتنی دھماکہ خیز تھی کہ یاسر کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ وہ اتنا شاکڈ ہوا کہ کاشی کو اسے تسلی دیتے ہوئے دانتوں پسینہ آ گیا پھر کچھ دیر بعد ذرا سنبھل کے اس نے ذرا غور و فکر کیا تو اسے کاشی سراسر بے پر کی اڑانے والا لگا تھا بھلا اتنے کھلے دل والے لوگوں کی بیٹی کنجوس کیسے ہو سکتی تھی؟ اسے کبھی بھی اس بات پر یقین نہیں آ سکتا تھا۔ دل بہلانے

کے لیے یہ جواز خاصا صحت مند تھا سو یاسر بھی مطمئن ہوگیا مگر یہ اطمینان وقتی تھا اس کی ڈیٹ فکس ہوتے ہی شادی کی تیاریوں کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ یہاں پر ابا نے ان میں سے کسی کی ایک بھی چلنے نہیں دی تھی، ساری بری کی شاپنگ اپنی مرضی سے کی انتہائی سستی اور فضول ترین اس کے علاوہ جب یاسر کی باری آئی تب بھی ابا میدان میں اتر آئے تھے۔ نجانے کہاں سے سستی ترین گھٹیا ٹائپ کی شیروانی اٹھا لائے تھے جس کا سائز اور ناپ چیک کرنے کے لیے یاسر کو ارجنٹ شاہین پلازہ سے بلوالیا تھا۔

ابا اور چچا کا مشترکہ کاروبار تھا اور یہ مشترکہ کاروبار بڑی خوش اسلوبی سے پھل پھول رہا تھا وجہ صرف اتنی سی تھی کہ ابا اور چچا ہم مزاج تھے۔ انتہا کے کنجوس، پائی پائی کا حساب کرنے والے شہر کے مین بازار میں دو عدد جنرل اسٹور اور اتنا عالیشان چمکتا دمکتا شاہین پلازہ ایسے نہیں بنالیا تھا۔ اس میں ابا اور چچا کی کنجوسی کا قطرہ قطرہ ملا ہوا تھا اور ابا کو اپنے خاندانی کفایت شعار (کنجوس) ہونے پر بڑا فخر تھا۔ اس کی منگنی پر شاپنگ کاشی نے کی تھی اور خوشبو کے لیے خریداری کاشی کی والدہ اور چاچی نے کی۔ ان کے خاندان کی چوتھی کنجوس چاچی کی ہسٹری اگر کھولی جائے تو بڑا عظیم اور درد ناک واقعات پڑھنے، دیکھنے اور سننے کو ملیں۔ خوشبو کے لیے اتنی فضول شاپنگ کرکے جیٹھ اور شوہر کی نگاہوں میں مزید اعلیٰ مقام پاکر وہ اس کی اماں اور دادی کے سینے پر مونگ تو دل ہی چکی تھیں اب بھی ابا، چاچی کا سابقہ ریکارڈ ملاحظہ کرکے انہیں شاپنگ کے لیے ساتھ لے کر جاتے رہے تھے اور چاچی اس پروٹوکول پر اتراتی پھرتی تھیں۔

یاسر کو سو فیصد یقین تھا خوشبو منگنی کے اعلیٰ جوڑے دیکھ کر انہیں لمحہ بھر کی دیر لگائے بغیر نذر آتش کردے گی اور دوسرے ہی دن منگنی کی انگوٹھی واپس آجائے گی مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا خوشبو کی طرف سے ایسی اعلیٰ ظرفی یاسر کو پسند تو بہت آئی مگر اندر ہی اندر وہ کچھ کھٹک بھی گیا۔ جو دل میں دھوسے چنپ دے رہے تھے انہیں وہ زبان نہیں دینا چاہتا تھا مگر اس کی چھٹی حس کچھ اشارے ضرور دے رہی تھی اسے لگ رہا تھا ہو نہ ہو اس کے خاندان میں پانچواں کنجوس شامل ہونے کے قریب تھا۔

وہ اسٹور پر کام چھوڑ کر جلتا بھنتا آیا تو ابا اس کے کمرے میں ہی موجود تھے، گرمی نے اس کے دماغ کو تپا رکھا تھا اور وہ ابا کے بے وقت کے بلاوے پر غصے کے گھونٹ بھر رہا تھا جب ابا کے بلاوے کا پس منظر جان کر بدک گیا۔

باہر سے اندر آنے پر کچھ لمحے تو آنکھیں نیم اندھیرے سے مانوس نہیں ہوئی تھیں پھر ابا کی شیروانی (جسے بڑے پیار سے وہ یاسر کے لیے خرید کر لائے تھے اور نہ ہی لاتے تو بہتر تھا) کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلیں تو غصے کے مارے ان میں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ اوپر سے ابا کا اصرار تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر انہیں یہ شیروانی پہن کر دکھائے جبکہ وہ بلا مبالغہ انہیں سترہ مرتبہ پہن کر دکھا چکا تھا مگر ابا کی اپنی ہی لائی شیروانی کو دیکھ کر تسلی نہیں ہورہی تھی اب جو یاسر نے انکار کیا تو ابا کا ازلی جلال عود آیا۔ غصے میں ہمیشہ وہ دھمکیوں پر اتر آتے تھے اب بھی دہاڑنے لگے تھے۔

''دس منٹ میں دلہا بن کر نیچے آجاؤ ورنہ دیر ہونے کی صورت میں تم جانتے ہو میں کیا کروں گا۔'' یاسر کی صدمے اور غصے کی شدت سے آنکھیں ابل پڑی تھیں۔ ابا کی دہاڑ سے اس کی جان تو نہیں جاتی تھی تاہم یہ لفظ دلہا اسے آگ لگادینے کے لیے کافی تھا۔

''کیا کریں گے آپ؟'' وہ چاہ کر بھی ابا جیسا جلال اور غصہ لہجے میں سمو نہیں پایا تھا اس کے باوجود ابا کو وہ بدتمیز اور نافرمان لگ رہا تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنی من پسند دھمکی اس کے کانوں میں سیسے کی طرح اتاری تھی۔

''تمہیں عاق کردوں گا۔'' ان کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا، وہ جانتے تھے ان کی یہ دھمکی بڑی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ یاسر بے چارا بے بس ہوکر رہ جاتا تھا آخر ابا کے اتنے وسیع کاروبار سے دستبرداری اسے گوارا ہی کہاں تھی۔ سو ابا بھی اپنی اس دھمکی پر اتراتے۔

خیر یہ تو ابا کے پرانے ہتھکنڈے تھے، یاسر فی الوقت ان کی مشہور زمانہ گھسی پٹی دھمکی سے قطعاً متاثر ہوئے بغیر بڑے روکھے پن سے بولا تھا۔

''تو کردیں عاق، مجھے پروا نہیں۔'' اس نے ابا کو پہلی مرتبہ ہڑبڑانے پر مجبور کردیا تھا آخر انہیں جواب توقع کے برعکس ملا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یاسر ہمیشہ کی طرح ان کی دھمکی پر بے بس ہوجائے گا مگر آج ایسا نہیں ہوسکا تھا وہ پُر اعتماد کھڑا تھا اور ابا متحیر۔

''ہیں...... کردوں؟'' ابا کو قطعاً یقین نہیں آیا تھا، انہیں یاسر سے ایسی بہادری کی امید نہیں تھی۔ ابا کا مشتعل ہونا تو بنتا تھا وہ اپنے تئیں بڑی چھانٹ کر اعلیٰ ترین شیروانی خرید کر لائے تھے جو آج پھر وجہ تنازعہ بنی تھی۔ اس شیروانی کو گھر میں کسی نے بھی پسند نہیں کیا تھا، دادی اور اماں نے ناک بھوؤں چڑھا کر اسے پہلی نظر میں ہی رد کردیا تھا پھر بھلا یاسر کی نگاہ میں یہ شیروانی کیسے جچ جاتی جسے ایک مرتبہ پھر اسے پہن لینے پر ابا مجبور کررہے تھے اور اتنا تو اب اسے پتا چل ہی گیا تھا کہ اس کے کنجوس ابا ہرگز بھی اپنی جائیداد رشتے داروں میں بانٹنے والے نہیں اور یاسر کو وہ کسی طور عاق نہیں کرسکتے تھے۔ ایک تو وہ ابا کی اکلوتی اولاد تھا اور دوسرے اسے عاق کرکے ابا اپنی جائیداد کسی ٹرسٹ وغیرہ کو دینے والے بھی نہیں تھے۔ وہ اپنے کنجوس اعظم ابا کو اندر تک جان گیا تھا سو ان چھوٹی موٹی دھمکیوں کو چٹکیوں میں اڑانے لگا تھا اور ابا کے لیے یہ صورت حال خاصی تشویشناک تھی۔

''میں نے فارسی نہیں بولی، آپ نے جو کرنا ہے کرلیں۔'' یاسر نے ایک جلالی نگاہ شیروانی پر ڈالی تھی جو اپنی ناقدری پر نوحہ کناں فرش پر پڑی تھی اگر یہی شیروانی کاشی کے لیے ابا لاتے تو یقیناً ان کے ہم مزاج لاڈلے بھتیجے کی کفایت شعاری (جو سراسر کنجوسی تھی) کو سلیوٹ کرکے اس بد رنگ پرانے ڈیزائن کی شیروانی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کی شان میں قصیدے ضرور پڑھتے۔ اس وقت یاسر کے دوبدو جواب ابا کو آگ لگائے جارہے تھے وہ اس کی خفا خفا صورت دیکھ کر پھر سے دہاڑے۔

''فارسی......؟'' ابا نے گہری کاٹ دار نظر یاسر کی طرف اچھالی۔

''اکلوتے ناخلف! تمہیں تو اردو ٹھیک سے بولنی نہیں آتی کجا کہ فارسی اور عربی۔'' انہوں نے جی بھر کے بیٹے کا جی جلایا۔ تبھی وہ بلبلا اٹھا۔ ابا اس کی بے عزتی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے کہاں دیتے تھے۔ ایک تو اسے ابا پر ویسے ہی بڑا غصہ تھا، پہلے ڈنڈے مار کر یونیورسٹی تک پڑھایا، ایم کام کی ڈگری رو پیٹ کر ملی تو بجائے کسی بینک میں جاب کرنے کے پکڑ کر اسے دکانداری پر لگادیا اگرچہ یاسر اور کاشی کی محنت کے باعث کاروبار نے دن دگنی ترقی کی تھی پھر بھی یاسر کو جاب نہ کرنے کا بے انتہا قلق تھا بقول ابا کے انہوں نے یاسر کو حساب کتاب کا علم اس لیے سکھایا تھا تاکہ ان کی دکانداری مزید چمک جائے۔ اس لیے نہیں کہ وہ صبح سویرے بن ٹھن کر بینک چلا جائے اور اپنا سارا علم اور ذہانت بینک میں جھونک آئے، کیسے چالاک ابا تھے۔ دور اندیشی تو ان پر ختم تھی، یاسر کو اپنی ایم کام کی ڈگری پر اکثر فاتحہ پڑھنے کا خیال آتا تھا اور وہ پڑھتا بھی رہتا تھا اکثر و بیشتر۔

''جس طرح کی گاڑھی اردو آپ بولتے ہیں اس کو بولنا تو کجا سمجھنا بھی مشکل ہے ہونہہ۔'' یاسر کے جواب نے انہیں تلملا کر رکھ دیا تھا، وہ اسے موضوع سے ہٹتا دیکھ کر ایک مرتبہ پھر پھنکارے۔

''یہ ہونہہ فوں مجھے متاثر نہیں کرسکتی، فوراً سے پیشتر شیروانی اپنے اس لم ڈھینگ سراپے میں پھنسا کر آجاؤ۔'' دوسرے معنوں میں انہوں نے بیٹے کی قابل رشک صحت پر بھی چوٹ کرنے سے گریز نہیں کی تھی، دراصل یاسر کی صحت ابا کے خاندان والوں کے لیے المیہ بنتی جارہی تھی۔ کہاں یہ سوکھا سڑا ابٹ خاندان اور کہاں یاسر کی اونچی کاٹھی، صحت مند وجود۔ ابا کو اس کے کھانے پینے پر سخت اشتعال آتا تھا، ایک تو راشن کا اجاڑ اور دوسرے خوامخواہ رزق کا ضائع جانا، بھلا تین تین وقت کھانے کی ضرورت ہی کیا تھی، انسان ایک وقت بھی تو روکھی سوکھی کھا کر زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ سراسر ابا کے ارشادات تھے جن سے نہ کبھی یاسر کی اماں اور نہ دادی اتفاق کرسکی تھیں ویسے بھی اماں اور دادی میں اگرچہ کسی بھی بات پر اتفاق ہو یا نہ ہوتا ہم کھانے پینے کا معاملہ ایسا تھا کہ دونوں

فوراً اس پر متفق ہوجاتی تھیں اس وقت بھی اماں معاملہ گمبھیر ہوتا دیکھ انٹری مارے بغیر نہیں رہ سکی تھیں ویسے بھی اپنے کنجوس شوہر پر انہیں تب بہت غصہ آیا کرتا تھا جب وہ ان کے اکلوتے لخت جگر کی صحت پر چوٹ کرنے لگتے تھے۔

"ماشاء اللہ کہا کریں بٹ صاحب! کیوں میرے بچے کو نظر لگانے کے درپے رہتے ہیں۔" اماں کی بروقت مداخلت نے یاسر کو قدرے ڈھارس پہنچائی۔

"تم بیچ میں مت بولا کرو کم عقل عورت۔" بٹ صاحب کو یہ مداخلت قطعاً نہیں بھائی تھی' وہ جانتے تھے یاسر کے موٹاپے کا سارا کریڈٹ اسی کم عقل عورت کو جاتا ہے' جس کی ساری محبت کھانے پر ہی اُمڈ اُمڈ آتی تھی' ذرا جو صاحبزادے کا موڈ آف ہوتا تو ساس بہو خوان سجا کے بیٹھ جاتیں۔ دیسی گھی کے حلوے' نہاری' پائے اور جانے کیا کچھ الم غلم تیار ہوتا اور یوں بٹ صاحب کا پارہ چڑھنا بھی بنتا تھا آخر کو دیسی گھی کی قیمت آسمان پر چڑھی ہوئی تھی۔ اس وقت اماں کو ان کا ٹوکنا ذرا نہیں بھایا تھا وہ فوراً کسمسا کر بولیں۔

"جی' کیوں نہ بولوں؟ ایک ہی تو میرا پتر ہے' جس کا ہنسا' بولنا' کھانا پینا بھی آپ کو گوارا نہیں۔" اماں کا جلال بھی ابا سے کم نہیں تھا۔ اسے ہمیشہ کی طرح ابا سوتیلے اور اماں اپنی اصلی ماں لگی تھیں۔

"اپنے پتر سے کہا کرو روٹی پر ہاتھ ہولا رکھے' چار چار ٹھونس جاتا ہے' نہاری' پائے اور دیسی ککڑ کھانا چھوڑ دے' ایک مہینہ رہ گیا ہے شادی میں کچھ تو وزن کم ہو۔ کہاں وہ دھان پان سی بچی اور کہاں یہ گوشت کا پہاڑ۔" ابا اس کا من جلانے کا کوئی موقع کیسے گنوا سکتے تھے۔ اب بھی اس کے سرخیاں چھلکاتے چمکتے دمکتے سراپے کو نظر لگا دینے کے چکر میں تھے کیسے کنجوس اعظم ابا تھے' بیٹے کے نوالے گننے تک سے باز نہیں آتے تھے۔

"تو کس نے کہا تھا دھان پان سی بچی کے پیر پکڑنے ہیں' مجھ جیسے گوشت کے پہاڑ سے شادی کرنے کی اسے ضرورت کیا ہے؟ میں تو خود آپ پر بھروسہ کرکے پچھتا رہا ہوں' نجانے کون سی کنجوس ترین مخلوق آپ نے میرے لیے دریافت کی ہے؟ کیونکہ مجھے آپ سے کسی بھلائی کی توقع ہرگز نہیں۔" اپنے تئیں یاسر نے بھی حساب برابر کردیا تھا۔ ادھار رکھنے کا تو وہ بھی قائل نہیں تھا ویسے بھی وہ ابا کی نگاہ میں موٹا تھا حالانکہ وہ موٹا ہرگز نہیں تھا' صحت مند تھا۔ اونچی کاٹھی اور چوڑا چکلا تھا' قد اس کا ابا جیسا تھا اور صحت اماں جیسی۔ شکل ابا جیسی تھی تیکھے نین نقش اور رنگت اماں جیسی اصلی کشمیری سیب کی طرح بلاشبہ وہ خوب صورت مردوں میں شمار ہوتا تھا اور بٹ خاندان میں اس جیسا خوبرو کاشی کے علاوہ کوئی نہیں تھا' یہ اور بات تھی کہ کاشر اپنی کنجوسانہ فطرت کے باعث سونگھ سونگھ کے ہی پیٹ بھر لیتا تھا مگر شکل و صورت اس کی بھی بے مثال تھی۔

"میں اسی ہفتے جم جوائن کررہا ہوں اگرچہ اس کی ضرورت تو نہیں آپ کی خوشبو کے گھر والے ایسے ہی میرے دیوانے ہوچکے ہیں یہ تو آپ کی خواہش ہے' گھر میں قورمہ' بریانی اور کوفتوں کی جگہ ابلی پالک پکے' ہم کھانے کی جگہ بھی پانی پئیں۔ چائے کی جگہ بھی پانی اور دودھ کا تو سوال ہی نہیں۔ آپ کے بُرے نصیب ہیں تو میرے کہاں سے اچھے ہیں۔" یاسر سخت جھنجلایا' بحث طویل تر ہوتی جارہی تھی اسے واپس اسٹور پر جانا تھا' جانے کاشی اب تک کس کس کی کھال اتار چکا تھا۔ پکا کاروباری بلکہ شکاری بندہ تھا' یاسر کو بھاگنے کی جلدی ہوئی۔

"تم کہاں بھاگنے کے لیے پر تول رہے ہو' میری بات کان کھول کر سن لو' تمہیں یہی شیروانی پہننی ہے۔" ابا کی عقابی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں وہ کچھ اور تلملایا۔

"یہ مجھے فٹ نہیں آتی' آپ کے سائز کی ہے خود ہی پہن لیجیے گا میرے لیے خریداری کرنے کا تردد کیوں کرتے ہیں؟ آخر پیسہ برباد کرنے کی ضرورت کیا ہے' میں اسی جینز ٹی شرٹ میں بارات لے کر چلا جاؤں گا آخر ان کو بھی تو پتا چلے کیسے خاندانی کنجوس لوگوں کا اکلوتا چشم و چراغ ہوں۔" یاسر نے تیوری چڑھا کر شیروانی کو گھورا اور تب ہی دادی بھی مذاکرات طویل ہوتے دیکھ کر گرتی پڑتی کن سوئیاں لینے پہنچ ہی گئی تھیں' کب سے کھد بد لگی تھی کہ صلاح الدین اور یاسر میں کیا بات چیت چل رہی ہے' انہوں نے کشمیرن (بہو) کو اسی مقصد کے تحت بھیجا تھا کہ جا کر اندر خبر لے مگر کشمیرن تو جیسے اندر جا کر گوند کے ساتھ ہی چپک گئی تھی آخر تنگ آ کر دادی کو خود ہی آنا پڑا مگر یہاں تو بڑا ہی رومانٹک گرما گرم ماحول تھا۔ دادی کا پسندیدہ' صلاح الدین کشمیرن کو جھاڑ رہا تھا جو یاسر کی حمایت میں بہت جذباتی ہورہی تھی۔ دادی کا دل بلیوں اچھلنے لگا' بہوؤں کی درگت بنتے دیکھنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا مگر زیر بحث موضوع کیا تھا دادی ناک کی پھننگ پر عینک جمائی بہت موڈ میں نظر آئیں مگر یہ کیا کشمیرن کے ساتھ یاسر بھی پھولے منہ کے ساتھ کھڑا تھا' دادی کے بلیوں اچھلتے دل کو دھچکا سا لگا۔ ان کا لاڈلہ پوتا آخر کیوں افسردہ تھا؟ دادی کو آن کی آن میں صلاح الدین بٹ پر غیض چڑھ گیا کیونکہ ان کی نگاہ فرش پر نوحہ کناں شیروانی کے اندر آخر کھب ہی گئی تھی۔

"بٹ پتر! تو نے فر (پھر) شیروانی نکال لی آخر یہ بابا آدم کے ویلے کی شیروانی تجھے ملی کہاں سے؟" دادی کے تیور بھی بگڑے ہی تھے کیونکہ یہ سستی سی پرانی ڈیزائن کی شیروانی انہیں اپنے اسٹائلش سے خوبرو پوتے پر بجتی نظر نہیں آتی تھی۔

"اماں! بس آپ کی کسر باقی تھی۔" بٹ صاحب بھنا گئے۔ "پہلے ہی اس موٹے کے ساتھ بحث میں سارا دماغ خالی ہوگیا۔" ابا نے طنزیہ کاٹ دار لہجے میں یاسر پر نگاہ ڈال کر کہا تو اماں ایک مرتبہ پھر جوش میں آ گئیں۔

"بٹ صاحب! خبردار میرے بیٹے کو موٹا کہا تو' پورے خاندان پر نظر دوڑائیں کسی کونے کھدرے سے بھی میرے پتر جیسا گبھرو جوان نہیں ملے گا۔ سب کے سب ٹی بی کے مریض' سوکھے...... مریل۔" اماں یاسر کی حمایت میں کچھ زیادہ ہی جذباتیت کا مظاہرہ کرگئی تھیں۔

ان کی کھری کھری باتوں نے ابا کا غصہ' غیض بھڑکا دیا تھا' اپنی کنجوسی پر تو وہ حرف نہیں آنے دیتے تھے' مجال تھی جو کوئی انہیں کفایت شعار کی بجائے کنجوس بول دے۔ یہ جرأت صرف ان کا لخت جگر کرسکتا تھا۔

"گستاخ...... نافرمان...... میری جیب کے دشمن! میرے بجٹ کے عذاب! جانے کس غلطی کی سزا بن کر میرے سر پر مسلط ہوئے ہو۔ جانے کسی گھڑی میں نے تیری پیدائش کے دن گول گوتھنے' گورے چٹے موٹے تازے بیٹے کو دیکھ کر مارے جذباتیت کے دل کھول کر سخاوت کردی تھی۔ جس کی سزا مجھے یہ ملی کہ تم جیسا بلا کا فضول خرچ اور عیاش بیٹا میرے نصیب میں آیا۔ قصور تیرا بھی نہیں میرے پتر! یہ تو اس فقیرنی کی دعا ہے' جس نے میری جیب سے ہزار کا نوٹ نکلوا کر اور صدقے کا بکرا لے کر تجھے جی بھر کے دعائیں دی تھیں۔ تجھے کھلے ہاتھ اور کھلے دل کی ایسی دعا دی جو میرے لیے سراسر بددعا بن گئی۔ ہائے مجھے اس فقیرنی کے وہ الفاظ کبھی نہیں بھولتے۔" ابا لمحہ بھر میں دور کہیں ماضی کے جھروکے میں کھو گئے تھے' یاسر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کھسکنا چاہتا تھا مگر ابا کو اچانک ماضی کی یادوں سے نکلنے کا خیال آ ہی گیا۔

"فٹافٹ پہن کر دکھاؤ کہاں نکلنے کی کررہے ہو؟" ابا نے اسے سخت نظروں سے گھورا تو دادی کی ازلی محبت عود کر آئی۔

"ایں...... یہ شیروانی پہننے کے قابل ہے؟ کشمیرن تو اس کا پوچا بنا کر فرش پر لگا لیتا' میرا یاسر نہیں پہننے والا اسے' خود خرید کر لائے گا۔ شیشے والی دکانیں بھری پڑی ہیں۔" دادی نے فیصلہ سنا دیا تھا' ابا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

"اس میں کیا بُرائی ہے؟" ابا نے خفگی سے کہا۔

"تو اچھائی کیا ہے؟" دادی بھڑکیں۔ "بار بار بچے کو کیوں تنگ کررہے ہو' ایک سو ایک مرتبہ تو تمہیں پہن کر دکھا چکا ہے۔" دادی نے ابا کو آڑے ہاتھوں لیا' وہ ذرا گڑبڑا گئے تھے۔

"شادی میں مہینہ بھر رہ گیا ہے میں نے سوچا اس کا سائز اور ناپ پھر سے چیک کرلوں' صاحبزادے نے وزن اور نہ بڑھا لیا ہو' عین وقت پر پوری نہ آئی تو پھر...... نئی بنوانے کا نیا خرچہ۔" وہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک اور جواز اٹھا لائے تھے یہاں بھی اپنی کنجوسی کا خیال رکھا گیا تھا گویا یہ شیروانی شادی کے دن تک یاسر کے موٹاپے کی وجہ سے تنگ ہوجاتی تو پھر سے

نقصان یاسر ابا کی پلاننگ پر بھنا کر رہ گیا۔

"خبردار جو میرے پوتے کی صحت پر چوٹ کی۔" دادی نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "جاؤ میاں! اپنا راستہ ناپو بچہ نہیں پہن رہا قائداعظم کے زمانے کی شیروانی' یاسر اور کاشی خود جا کر اپنی پسند سے لائیں گے۔" دادی کا فیصلہ اٹل تھا' ابا لال پیلے ہو گئے۔

"اتنا خرچہ اس شیروانی کا کیا ہوگا؟" ابا کو ٹھنڈے پسینے آ گئے۔ نئے سرے سے خرچہ ہوتے دیکھ کر انہیں پسینے ہی تو آنے تھے۔

"تم خود پہن لینا۔" دادی نے شان بے نیازی سے کہا تھا۔ یاسر ابا کی پتلی حالت پر مسکرا دیا۔ "سیر کے لیے سوا سیر موجود ہے' شکر ہے خدا کا۔"

◉......❖......◉

صلاح الدین بٹ اور قطب الدین بٹ دونوں سگے بھائی تھے' دونوں میں بلا کی محبت پائی جاتی تھی۔ دونوں ہم مزاج تھے۔ ایک کنجوس تو دوسرا مہا کنجوس۔ ابا مرحوم نے اتفاق میں برکت والی کہانی ان دونوں کو گھٹی میں پلا دی تھی' ایسا اتفاق نہ دیکھنے میں آیا تھا نہ سننے میں' ابھی تک دونوں بھائیوں کا کاروبار اکٹھا تھا۔ بس گھروں کے درمیان کچھ عرصہ پہلے باہمی مشاورت کے بعد دیوار اٹھا دی گئی تھی' یہ دیوار دلوں میں نہیں صرف گھروں میں اٹھی تھی' دراصل اس دیوار کو اٹھانے کے پیچھے بڑی ٹھوس وجہ موجود تھی۔ شبنم (یاسر کی اماں) اور شبانہ (کاشی کی امی) دونوں جٹھانی اور دیورانی ایک دوسرے کا الٹ تھیں کسی بات پر ان دونوں کا جھگڑا آج تک نہیں ہوا تھا۔ یہ بات بھی قابل غور تھی جب بھی جھگڑا ہوا کچن وجہ تنازعہ بنا' گھر کے مردوں تک بات اماں کے توسط سے پہنچ جاتی تھی۔ دونوں بھائی سر جوڑے غور و فکر میں مصروف ہو جاتے۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ ایک خاتون خانہ تھیں ذرا شاہ خرچ دیالو قسم کی' کھلے دل اور کھلے ہاتھ والی' یعنی یاسر کی اماں۔ کشمیری نسل سے تھیں کھانے پینے کی شوقین آئے دن کڑاہی چولہے پر چڑھا دیتیں۔ کبھی چینی حلوہ تو کبھی انگوری' کبھی مرغی کی ٹانگیں پکتیں' کبھی بکرے کی۔ دوسری طرف شبانہ (کاشی کی امی) کو یہ شاہ خرچیاں ایک آنکھ نہ بھاتیں' نسلاً ملکانی' ملتانی پر ملتان والوں کے بالکل الٹ۔ جیٹھ اور شوہر کے قبیلے سے تھیں مہا کنجوس' دانتوں سے کھینچ کھینچ کر خرچ کرنے والی' یہ نہیں تھا کہ رزق کی کمی تھی' پیسہ دونوں گھروں میں برابر آتا تھا' راشن بھی برابر آتا مگر شبانہ تب بھی پھونک پھونک کر پکاتیں اور اب تو خیر سے علیحدہ ہو چکی تھیں مگر اس علیحدگی کا پس منظر خاصا درد ناک تھا۔

چاچی کی کنجوسی تو حد سے بڑھ چکی تھی گویا کوئی عالمی ریکارڈ قائم کرنے والی تھیں' سانس بھی ضائع ہو جانے کے خوف سے احتیاط سے لیتیں۔ جس دن ملکانی جی کی کھانا پکانے کی باری ہوتی تھی یاسر پورا دن گھر ہی نہ آتا۔ اماں اور دادی بولائی بولائی پھرتیں' کھانے پینے کے معاملے میں اماں اور دادی یک جان دو قالب تھیں۔ یاسر گھر میں داخل ہوتا تو اماں نجانے کب سے بچائے ڈھیروں تکے اس کے سامنے لا رکھتیں۔

"دادی کے لیے کھیر لے آؤ' بے چاری صبح سے بھوکی بیٹھی ہیں' آج مہارانی نے مسور کی دال پکائی ہے۔ شکل دیکھو تو اگلی پچھلی بھوک مٹ جائے نان کباب بھی لے آتا۔ ہائے میرے اللہ کب تک چوری چھپے کھانے پینے کا سسٹم چلتا رہے گا' کیسے برے نصیب میرے' کہاں پھنس گئی میں۔ کہاں میرے پہاڑی میوے پھل' تمہاری نانی کے گھر سے باہر پھلوں کے لدے درخت' کچے پکے کھاتے جاؤ' یہاں تو جب مہارانی کی باری آتی ہے پورا ہفتہ پھل کی شکل نظر نہیں آتی۔" اماں کو چوری چھپے نان کباب منگوانے والا یہ سین ذرا پسند نہیں تھا مگر جب دادی ملکانی کی باری میں بھوک ہڑتال کر دیتیں تب اماں کو یہ جرأت مندانہ قدم اٹھانا پڑتا حالانکہ اگر چاچی کو بھنک بھی پڑ جاتی تو ان کی درگت بنتے دیر نہیں لگتی تھی' چاچی نے پورا گھر سر پر اٹھا لیتی تھیں۔

"ان کو میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں یا پھر دونوں ساس بہو فضول خرچیاں کرتی ہیں۔ ہوٹلوں سے پکوان منگواتی ہیں۔" چاچی کا یہ واویلا کم نہیں ہو سکتا تھا سو یاسر باہر سے کھانے کی ترسیل میں بہت احتیاط برتتا تھا یوں ان تینوں کے تین وقت جیسے تیسے گزر جاتے' اپنے ہی گھر میں چھپ چھپا کر کھانا بھلا کہاں کا انصاف تھا؟ چاچی سے خوف زدہ وہ تینوں دادی کے کمرے میں بیٹھ کر پیٹ بھرتے تھے اگر چاچی کو خبر ہو جاتی تو تب بھونچال ہی آ جاتا لیکن یہ المناک حادثہ رونما ہو ہی گیا تھا۔ ایک دن چاچی نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا' پھر جو ڈرامہ ہوا تو چاچی کی چیخ و پکار پر ختم ہوا۔

"تمہاری بھاوج اور ماں ہمیں برباد کر رہی ہیں قطب الدین! یہ فضول خرچیاں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ ابھی سے بندوبست کر لو ورنہ مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔" بس چاچی کے واویلوں سے متاثر ہو کر اور کچھ انہیں ہارٹ اٹیک سے بچانے کی خاطر ابا نے صحن میں دیوار اٹھوا دی۔ جس دن چاچی اپنے اکلوتے لاڈلے چشم و چراغ کے ہمراہ اپنے پورشن میں شفٹ ہوئیں' اس دن دادی اور اماں نے باقاعدہ شکرانے ادا کیے تھے۔ آج کل تیلی خاتون کے چاچی کی طرف پھیرے بڑھ گئے تھے۔ تیلی خاتون اسی محلے کی رہائشی تھیں' تیلی لگانے اور آگ سلگانے میں ماہر تھیں۔ ادھر دادی نے نیاز بانٹی ادھر تیلی خاتون چاچی کے کانوں میں زہر پھونکنے پہنچ گئیں۔

"زردہ پکا کر محلے میں بانٹا ہے' تمہاری ساس اور جٹھانی بڑا چہک رہی تھیں' تمہیں گھر سے نکال کر بڑی مسرور ہیں۔" تیلی خاتون کسی کو سکھی نہیں دیکھ سکتی تھیں ہر گھر میں تیلی سلگاتی تھیں محلے کے بزرگوں نے انہیں تیلی کا نام دیا تھا۔ اصل نام نجانے کیا تھا؟ چاچی تو زردے کا سن کر دہل گئیں۔

"قطب الدین گھر آئے تو بتاؤں گی اس کی ماں اور بھاوج کے کرتوت' پیسہ برباد کرتی ہیں۔ اتنی مہنگی چینی' سونے کے بھاؤ چاول' گھی' میوے جات...... اتنا خرچہ؟ محلے میں زردہ بانٹنے کی کیا ضرورت تھی خود کھا مرتیں مگر یہ کشمیرن بھی چار لوگوں کو ٹھنسوائے بغیر روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ مرجانی اناج کا نرا خرچہ جانے کب مرے گی اور ہمارے دن سوکھے (آسان) ہوں گے۔" ملکانی کو غصہ آیا بھی تو کس بات پر؟ چاول' چینی' گھی کے غم میں تڑپتی ملکانی نے تیلی خاتون کو خاصا بدمزا کر دیا تھا۔ وہ جو تازہ ترین چٹ پٹی لڑائی کا لطف اٹھانے آئی تھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی مگر ہار ماننا تیلی کو بھی منظور نہیں تھا۔

"تم الگ ہوئی ہو تو اسی خوشی میں نیازیں بانٹ رہی ہیں' بڑی کٹنی ہے تمہاری ساس اور بھاوج۔" تیلی نے پھر سے آگ لگائی تھی مگر دوسری طرف کا اطمینان ہوش اڑانے والا تھا۔

"تو نہیں جانتی تیلی! میری ساس غریبوں کو کھانا کھلاتی ہیں تاکہ اللہ آفتوں سے محفوظ رکھے۔" ملکانی کے جواب نے تیلی کو ٹھنڈا ٹھار کر دیا تھا۔ اکثر شرپسند دونوں گھروں میں آگ لگانے آ جاتے مگر ایک دوسرے سے ہزار اختلاف رکھنے کے باوجود بھی ملکانی اور کشمیرن "شریکوں" کی باتوں میں نہیں آتی تھیں۔ وجہ فساد کچن تھا جو الگ ہو گیا تھا' اب بدمزگی کی نوبت ہی نہ آتی حالانکہ شرپسند لوگ دونوں بھائیوں کو کاروبار الگ کرنے کے لیے بھی اکساتے رہے مگر دونوں بھائیوں کی مستقل مزاجی اور محبت کو دیکھ کر چپ ہو کر رہ گئے' یوں گھروں میں دیوار بوجہ کنجوسی تو اٹھ گئی تھی مگر دلوں میں کبھی نہ اٹھی' دونوں بھائیوں کا ایک ایک لڑکا تھا اگر ایک کی بیٹی ہوتی تو آپس میں رشتہ بھی کر لیتے۔

چاچی کے الگ ہونے پر اماں' دادی ہی نہیں یاسر بھی بے حد مسرور تھا' یوں لگتا تھا پھنسی ہوئی جان شکنجے میں سے نکل آئی ہو۔ خدا کی عطا کردہ ہر نعمت سے چاچی محروم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھیں' کبھی کبھی تو حد کر دیتیں' غصہ چڑھتا تو کچن کو تالا لگ جاتا جب اماں کی کھانا پکانے کی باری ہوتی سارا وقت اماں کے سر پر سوار رہتیں' ساتھ ساتھ اماں کو مشوروں سے بھی نوازا جاتا۔

"ٹنڈے گوشت پکا لو کشمیرن بھابی!" اماں کو فریج سے گوشت کا پیکٹ نکالتے دیکھ کر قورمہ کی تیاری جانچنے کے بعد وہ جھٹ سے اماں کو دہلا دیتیں۔

"کیا آج تو قورمہ بنے گا۔" اماں ہونق سی ہو جاتیں' یاسر اور دادی کی فرمائش بھاڑ میں جاتی نظر آنے لگتی تھی۔ ملکانی فٹافٹ ٹنڈے اٹھا لاتیں اور گوشت کا پیکٹ اپنے قبضے میں

کرلیتیں۔ کوکر میں گن گن کر بوٹیاں ڈالتی تھیں۔

"ایک بھائی جی کی ایک کاشی کے ابو کی اماں کے تو دانتوں میں ریشے پھنس جاتے ہیں مگر بوٹی کھانے سے باز نہیں آتیں یہ ایک ہوئی اماں کی دو یاسر کی ڈال دیں۔ ایک میری اور کاشی کی ہم دونوں آدھی آدھی کھالیں گے۔ تمہارے لیے بھی ایک بوٹی ڈال دوں کشمیرن بھائی!" چاچی کی گنتی مکمل ہوجاتی اور آخر میں معصومیت بھرا سوال کرتیں جو اماں کے تن بدن میں آگ لگادیتا تھا۔ چاچی کی کنجوسی کہاں کہاں ذلیل نہیں کرواتی تھی اماں کلس کر رہ جاتیں پھر چاچی کے اصرار پر پھٹ پڑتیں۔

"نہیں نہیں...... میں کیوں کھاؤں گی ایک بوٹی کا خوامخواہ نقصان کرتی ہو اگلی باری میں کام آجائے گی۔" اماں کا جواب سن کر چاچی ڈھٹائی سے ہنستی رہتیں۔

"اللہ...... کشمیرن بھائی! تم بھی سیانی آخر ہو ہی گئیں۔" چاچی اماں کی دو تین تعریفیں جھوٹی سچی کرتیں اور آخر میں آگ لگادینے والی نصیحت۔

"اچھا ہے پرہیز کریں پہلے کیا کم گوشت خود پر چڑھا رکھا ہے۔" چاچی شان بے نیازی سے کہتیں۔

"ٹی بی کی مریضہ نہ ہماری ننھی ننھی جانوں پر ظلم ڈھا۔" اماں کا دل دہائیاں دیتا تھا مگر کہنے کی جرأت نہ تھی چاچی ایک دفعہ تقریر کرنے کھڑی ہوجاتیں تو پھر انہیں کوئی بھی روک نہیں سکتا تھا۔

کھانے کی میز پر عموماً رات کے وقت مہا کنجوس ابا اور چچا بھی ہوتے تھے اور یقیناً وہ جانتے تھے کہ یہ ہفتہ کچن اماں کے کنٹرول میں رہے گا اور دوسرا ہفتہ ملکانی کے لیکن جوں ہی دونوں شوربے میں تیرتے دو دو ٹکڑوں اور ایک ایک بوٹی کو دیکھتے فوراً چونک اٹھتے۔

"آج تو شبنم بھابی کی باری تھی؟" چچا سب سے پہلے لب کشائی کرتے تھے ان کے چہرے پر حیرت اور استعجاب کے رنگ اتر آتے پھر اسی لمحے اماں کسی فلمی اماں کی طرح چمچہ پلیٹ میں پٹخ کر اپنی ناراضگی کا واضح اظہار کرتیں واک آؤٹ کر جاتیں یوں دونوں معزز مرد حضرات سمجھ جاتے کہ مطلع ابر آلود کیوں ہے؟ کبھی کبھی چچا اماں کو چھیڑ بھی دیتے تھے جیسے اس وقت پاؤں پٹخ کر اندر جاتی اماں کو چھیڑ دیا تھا۔

"بھابی! خیر تو ہے آپ کی باری میں کس نے شر پھیلایا؟" ان کی معنی خیز مسکراہٹ اماں کا خون کھولا دیتی تھی وہ لمحہ بھر کے لیے رک جاتیں۔

"باری میری تھی مگر ملکانی نے سالن پکانے میں بھرپور ساتھ دیا آخر میں پانی تک اسی نے ڈالا۔" اماں طیش میں آکر پلٹ جاتیں چاچی کی تیوریاں چڑھتیں نتھنے پھولتے۔ اماں کا میز سے اٹھ کر جانا انہیں قطعاً نہیں بھاتا تھا۔

"ایک تو مدد کی اور نخرے دیکھو محترمہ کے سارا وقت کچن میں ساتھ ساتھ جھلستی رہی۔ یہاں تو بھلائی کا زمانہ ہی نہیں۔" چاچی کا الگ میٹر گھوم جاتا تھا۔

"چاچی! نل کھول کر پھر بند کرنا بھول گئی تھیں کیا؟" وہ ان کی میٹر کو اپنی طرف گھما لیتا تھا۔

"تو اور کیا۔" چاچی نے بے خیالی میں اپنا ہی بھانڈا پھوڑ لیا اس سادگی پر کون نہ مر جاتا یاسر کو سخت تاؤ آگیا۔

"کم از کم ایک وقت کا کھانا تو ڈھنگ سے پکا لیا کریں۔" یاسر کو اپنی تلملاہٹ بھی تو نکالنی تھی۔

"ناشکرے انسان! خاموشی سے روٹی کھا اور ان لوگوں کی طرف دھیان دے جو بھوکے پیٹ سو جاتے ہیں۔" کاشی رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے بولا ایسی کئی مثالیں اس کنجوس خاندان کو ازبر تھیں۔ اگر کپڑے موسم کی مناسبت سے ضرورت کے تحت بھی لینا ہوتے تب بھی انہیں غریب لوگ یاد آجاتے۔ جو نجانے کس کس کی اترن استعمال کرتے تھے کبھی کبھی تنگ آکر یاسر بلبلا اٹھتا۔

"کیا میں بھی دردر کر اترن جمع کرنا شروع کردوں؟" وہ جانے کتنی دیر خود ہی کلس کلس کر چپ کر جاتا تھا اگر چپل ٹوٹ جاتی تو کاشی کو جانے کون کون سا ایسا فقیر یاد آجاتا تھا جسے اس نے ننگے پاؤں دیکھا ہوتا پھر اس کی چپل مرمت کے لیے موچی کو بھجوائی جاتی۔ دو چار ماہ تک اسے مزید پہننا ہوتا تھا تاوقتیکہ اس بے چاری کے کئی حصے ہوجاتے۔ اماں چپکے

سے اٹھا کر چرا بیچنے والے کو پکڑا دیتی تھیں۔ مسئلہ ایک فرد کا نہیں تھا یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ بات کنجوسی کی حد تک برداشت کی جاسکتی ہے مگر کمینگی کی حد تک نہیں کنجوسی بہت سے طریقوں اسلوب اور قرینوں سے کفایت شعاری کی زمرے میں آ ہی جاتی تھی مگر یہاں کنجوسی نہیں کمینہ پن بھی دکھایا جاتا تھا۔

اب تو یاسر کے دل میں عجیب سے کھٹکے بیدار ہونے لگے تھے جیسے اس کا من کہتا تھا کہ کچھ ہوکر رہے گا تنگ دلی تو اللہ کو بھی پسند نہیں پھر ابا چاچی اور چاچا کا دل اتنا تنگ کیوں تھا؟

یاسر کو یونیورسٹی کے زمانے کا ایک واقعہ آج تک نہ بھولا تھا اس کا ایک کلاس فیلو عامر بہت ہی اچھا مخلص اور سادہ سا لڑکا تھا۔ دیہاتی پس منظر رکھنے کی وجہ سے یونیورسٹی میں کسی سے گھلتا ملتا بھی نہیں تھا بس اس کی یاسر کے ساتھ دوستی تھی جو کاشی کو نہیں بھاتی تھی۔ وہ دو سال یاسر کے ساتھ رہا یاسر کو آج تک وہ دن نہیں بھولا تھا جب آخری سمسٹر کی فیس جمع کروانے کے وقت عامر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لٹا پٹا سا یونیورسٹی آیا سوجی آنکھیں بکھرے بال اور حواس باختہ۔ عامر یاسر کو دیکھ کر لپک کر آیا اور اس کے کندھے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یاسر اس صورت حال پر ایک دم بوکھلا گیا تھا۔

"یار کچھ بتا تو سہی کیا ہوا ہے؟" پھر جو عامر نے "لٹ گیا برباد ہوگیا" جیسے دردناک الفاظ کہے تو یاسر بے چارا اور بھی بوکھلا گیا۔

کچھ دیر بعد عامر نے لٹنے کی وجہ بتائی تھی تب یاسر کی گویا جان میں جان آئی۔ خدانخواستہ عامر کے ساتھ کوئی بھیانک یا غیر اخلاقی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ بس میں دوران سفر کسی نے اس کی جیب کاٹ لی تھی وہ بھاری رقم لے کر گھر سے نکلا تھا جانے کس کس سے ادھار پکڑا تھا ہاسٹل کے بلز اور سمسٹر فیس اس کا لاسٹ سمسٹر تھا اور فیس جیب کترے کی جیب میں چلی گئی وہ روتا تڑپتا نہ تو کیا کرتا؟ اس کے کتنے سالوں کی محنت برباد ہونے والی تھی۔

"میرے خواب بکھر گئے یار! یوں سمجھ میں لٹ گیا میرا کمزور باپ جو کھیتوں میں ہل چلا چلا کر میرے لیے محنت سے رقم جمع کرتا ہے۔ میری بوڑھی ماں جو کسی اچھی خبر کی آس لیے زندہ ہے میری بہن میرا چھوٹا بھائی میں ان سب کی امیدوں کا واحد مرکز...... میں کیا کروں...... کہاں جاؤں؟" وہ اپنے بال نوچ رہا تھا اور یاسر سے کہاں اس کی گریہ زاری دیکھی جارہی تھی بس لمحہ لگا تھا اور فیصلہ ہوگیا۔ اس نے عامر کے کندھے پر تھپکی دی۔

"حوصلہ پکڑ کیا ہوگیا ہے یار!" یاسر نے اسے تسلی دی۔

"رہنے دے...... مجھے نا نصیحت کر کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ بس رونے دے مجھے۔" یاسر کو اس لمحے وہ بالکل بچہ سا لگ رہا تھا۔

"اللہ ہے نا کوئی سبب بنادے گا۔" یاسر نے نرمی سے کہا وہ سوجی آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ تلاش کرنے لگا شاید اللہ کی مدد کوئی وسیلہ ہاں اللہ ہی تو ہے وسیلے بنانے والا۔ عامر کی آنکھیں لمحہ بہ لمحہ خشک ہوتی گئیں جیسے نیلے آسمان پر تیرتی مدد اس کی آنکھوں میں امید بھر رہی تھی وہ مسکرادیا اتنی کھلی کھلی معصوم اور شفاف مسکراہٹ تھی جو یاسر کو آج تک بھی نہیں بھولی۔

"اللہ سبب بنادے گا...... اللہ ہے نا۔" عامر نے یاسر کے یقین پر مہر لگائی اب وہ قدرے ریلیکس تھا جیسے اللہ نے اس کے دل کو مطمئن کردیا تھا۔ یاسر مسکرا کر اگلا لائحہ عمل سوچنے لگا کہ اسے اب کیا کرنا تھا؟ ابا سے ایک ملاقات اور سارا مسئلہ حل ہوجاتا مگر مسئلہ حل کیسے ہوسکتا تھا کیا یاسر اپنے ابا کے مزاج اور فطرت سے واقف نہیں تھا؟ بلاشبہ وہ ابا کی منت سماجت کر ڈالی پر ابا ایسے ضدی اور ہٹیلے کہ مان کر نہ دیے۔

"ارے ڈھکوسلہ ہے جھوٹ بولتا ہے وہ کیسے جیب کٹ گئی؟ لوگوں نے آج کل ڈھونگ رچا رکھا ہے تیرے جیسے سیدھے گھامڑ تلاش کرتے ہیں۔ میرے پاس فالتو روپیہ نہیں جو ایروں غیروں پر لٹادوں نہ مجھے خدمت خلق کا اپنا شوق ہے سال کے بارہ مہینوں کی آمدنی کا حساب

کر کے زکوٰۃ صدقات سب نکال دیتا ہوں۔" ابا نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں' یاسر جانتا تھا وہ کورا جواب دیں گے پھر بھی ہمت نہیں ہارنا چاہتا تھا۔

"ابا ضروری تو نہیں سال کے بارہ مہینوں کا حساب کرنے کے بعد کسی اور مجبور و بے کس کی مدد نہ کی جائے پھر میں عامر کے لیے زکوٰۃ' صدقات کی رقم نہیں مانگ رہا بطور قرض' اللہ کی قسم پائی پائی لوٹا دوں گا۔" یاسر نے نرم لہجے میں اصرار کیا۔

"میرے پاس ادھار دینے کے لیے ایک روپیہ نہیں۔" ابا ہمیشہ کی طرح سنگ دل اور کٹھور تھے۔

"ابا کیا خبر ہماری یہ نیکی آگے ہمارے کام آ جائے' اللہ بھی تو فرماتا ہے اپنے مجبور بھائی کی حاجت دور کرو' پلیز ابا! میں آپ سے اگلا پورا سال جیب خرچ نہیں مانگوں گا۔" یاسر نے نم آنکھوں سے منت کی' وہ ابھی خود مختار نہ تھا جیب میں سوائے جیب خرچ کے پھوٹی کوڑی نہیں تھی' جیب خرچ بھی رو دھو کر ہی ملتا تھا آخر وہ کیا کرتا اگر ابا نہ مانتے تو کہاں جاتا کس سے مدد مانگتا؟ اسے رہ رہ کر نیلے آکاش پر جمی عامر کی آنکھیں بے چین کر دیتی تھیں۔ وہ فطرتاً نرم مزاج تھا۔ کسی کا یقین نہیں توڑ سکتا تھا' کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتا تھا حالانکہ وہ جانتا بھی تھا ابا اب اپنی محنت سے کمائی دولت کے متعلق تقریر کریں گے' وہ ہزار دلائل ڈھونڈ سکتے تھے سینکڑوں جواز پیش کر سکتے تھے مگر کسی کی مدد ہر گز نہ کرتے۔

انہیں یاسر کی بحث نے غصہ دلایا تھا اور وہ اسے مار مار کر لہولہان کر چکے تھے۔ یاسر کے لیے ابا کی مار نئی نہیں تھی مگر اس دن بہت عرصے بعد اس نے ابا کی مار کھائی تھی سو تکلیف بھی بہت ہوئی۔ انہوں نے عامر کی مدد کرنے سے بھی صاف جواب دے دیا تھا تب وہ ابا کے دفتر میں بیٹھ کر ہی روتا رہا' وہ عامر کو یقین دلا کر آیا تھا' اس کے یقین کو کیسے متزلزل کرتا؟ جب وہ رو رو کر نڈھال سا باہر نکلا تو ابا ایک فقیرنی پر چلا رہے تھے' یہ بھکاری گاڑیوں سے ہٹ کر جنرل اسٹوروں میں بھی گھس جاتے تھے۔ پلازہ کے سیکنڈ فلور پر راشن کے علاوہ ہر قسم کا کچن سے متعلق سامان ملتا تھا' سستی چاولوں سے لے

کر چینی' گھی' سرف' سوڈا' جوس' اعلیٰ پائے کی چاکلیٹ' ضرورت زندگی کی ہر چیز موجود تھی۔

"تجھے اللہ کا واسطہ' بنفشہ نہ دے' صندل' الائچی' شیریں دے' جس کی مدت گزر گئی وہی دے۔" بھکارن کے سوکھے ہونٹ شیلفوں پر سجی شربت کی... دیکھ کر اور بھی سوکھ رہے تھے۔

وہی منت بھرا انداز' گڑگڑاتا لہجہ' آنکھوں میں... یاسر کی سوجی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں' اس کے پیر... دروازے میں جم کر رہ گئے تھے۔

"سستا یہاں مزدور کا پسینہ ہے' غریب کا خون... وہ لا دوں؟ ذلیل منہ اٹھا کر روز آ جاتی ہے' تیری بھوک نہیں مٹتی؟ کبھی آٹا چاہیے' کبھی گھی' کبھی چینی' کبھی... یہاں سبیل لگی ہے کیا یا ایدھی سینٹر کھول رکھا ہے؟ کیا... بھول گئی؟" ابا کو غیض چڑھ گیا تھا تو کیا ابا نے بھکارن... تھا اور یہ پھر بھی دوبارہ چلی آئی؟ بھوک اور ضرورت کی... اسے پھر پلازہ کے اندر کھینچ لائی' یاسر کی سوجی آنکھیں... لگی تھیں۔

"اتنا ڈھیر سجا رکھا ہے' ایک بوتل سے کیا فرق پڑ... سب سے سستی والی دے' جگر آگ اگلتا ہے' گرمی... بلکتے ہیں' دعا دوں گی صرف ایک بوتل۔" بھکارن نے... جوڑ لیے۔

"مفت میں لے کر آتا ہوں نا' ایک دے دوں' یہ... ہی نا تیرے نام کر دوں؟" ابا کے تیور بگڑ گئے تھے۔

"نہ...... نہ...... اللہ تیرے بچوں کے نصیب... کرے' کھانا' برتنا نصیب ہو' میرے کو صرف شربت کی... بوتل دے...... دعا دوں گی۔" بھکارن پیروں پر جھکنے... نے اسے جھٹک دیا۔

"اللہ راضی ہوگا زکوٰۃ خیرات میں دے دے۔ بچے کا صدقہ دے دے۔"

"اللہ راضی ہے' زکوٰۃ خیرات سب ایک ہی دفعہ... کے شروع میں نکال دیتا ہوں' پورے سال کا صرف... دفعہ۔ تیرا میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔" ابا نے ا...

سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا آئرن راڈ کی سیڑھیوں سے ٹکرا کر وہیں فرش پر جم کر بیٹھ گئی مگر اس دفعہ بھکارن کو بھی غیض چڑھ گیا۔

”تُو دیتا ہے‘ ضرور دیتا ہے پر بڑے بڑے اداروں کو نامی گرامی لوگوں کو تاکہ لوگ تیری بڑائی کو بڑھ چڑھ کر بیان کریں تُو ہم جیسوں کو نہیں دیتا اس لیے کہ یہاں تیرا فائدہ نہیں تُو زکوٰۃ نہیں دیتا‘ اونچے نام کے لیے کاروبار کرتا ہے۔ کہتا ہے زکوٰۃ نکال دی اللہ کو راضی کرلیا‘ ایسے راضی نہیں ہوتا۔“ بھکارن بھنچی آواز میں چیخ رہی تھی اس کے الفاظ یاسر سمیت بہت سے لوگوں کو بُت بنا چکے تھے ابا بھی لمحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گئے تھے ایسا آئینہ تو آج تک کسی نے نہیں دکھایا تھا وہ گویا منجمد ہوکر رہ گئے تھے تبھی انچارج نے سیل بوائے کو آواز دی۔

”نکال باہر کرو اسے۔“ وہ دو تین اور لڑکوں کو بلا رہا تھا مگر بھکارن سیڑھی کے کنڈے کو زور سے دبوچ کر بیٹھ گئی تھی جیسے کہ یہاں سے اٹھے گی نہیں‘ شربت کی بوتل لیے بغیر تو ہرگز نہیں۔

”جوان جہان ہے کماتی کیوں نہیں؟ ہڈ حرام مانگنے کا چسکہ پڑ گیا ہے۔“ ابا آس پاس کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر خفت مٹانے کی غرض سے بولے تھے تب بھکارن پھر سے بلبلا اٹھی۔

”دینے والا صرف دیتا ہے‘ سوال یا جواب نہیں کرتا۔ میں تیرے سے مانگ رہی ہوں تُو مجھے میری ضرورت کے مطابق دے سوال نہ کر‘ اللہ تجھے اتنا رزق دے کر سوال کرتا ہے؟ باز پرس کرتا ہے کہ تُو کہاں رزق لٹاتا ہے؟ حق داروں کو دیتا ہے یا نہیں پھر تُو مجھ سے سوال نہ کر نہ مشورے دے نہ نصیحت کر‘ سائل ہوں‘ سوال کرتی ہوں تُو مجھے توفیق کے مطابق دے۔“ بھکارن کی باتیں اس کے الفاظ یاسر پھر سے منجمد ہو گیا تھا۔

”تو کہاں دے گا؟ تیرا تو دل ہی تنگ ہے۔“ وہ زہر خند ہو رہی تھی ابا اس پر تیکھی نگاہ ڈال کر یہ کہتے ہوئے کہ اسے پانچ دس پکڑا کر باہر نکالو یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکل گئے تھے شاید بھکارن سے مزید منہ ماری نہیں کرنا چاہتے تھے اور یاسر جو دفتر کے دروازے پر جما کھڑا تھا‘ ابھی تک وہیں منجمد تھا‘ ابا چلے گئے۔ گاہک اپنے اپنے کام میں پھر سے لگ گئے‘ کسی مخیر حضرت یا محترمہ کو سیڑھی پر بیٹھی بھکارن کی التجا پر ترس نہ آیا‘ یاسر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کسی خواب کی کیفیت میں چلتا ہوا بھکارن کے قریب آ رکا۔ اس کی ناک اور ہونٹ سے خون رس رہا تھا۔ اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنی تکلیف کا احساس نہیں رہا تھا‘ دراصل وہ اپنی تکلیف کو سوچ ہی نہیں رہا تھا‘ پہلے عامر اور اب یہ بھکارن وہ کسی اور طرف کیسے دھیان کرتا وہ جیسے ہی گھٹنے ٹیک کر دو زانو فرش پر بھکارن کے قریب بیٹھا کاؤنٹر پر موجود کیشئر‘ انچارج اور سیل بوائز نے حیرت اور بے یقینی کے باعث آنکھیں اس کے چہرے پر جما دی تھیں مگر وہ کسی طرف بھی متوجہ نہیں تھا وہ تو صرف بھکارن کی بڑبڑاہٹ سن رہا تھا۔

”اس مالک کا دل بڑا تنگ ہے‘ کمینہ ہے ایک نمبر کا۔ رزق پاک کرتا ہے زکوٰۃ صدقات دے کر لیکن دل اور نیت کو پاک نہیں کرتا۔ نیت پاک تو راہداری سے ہوتی ہے فرض کردہ زکوٰۃ‘ صدقے اور خیرات سے الگ‘ کسی بھوکے کی مدد کر کے‘ کسی سائل کی جھولی بھر کے‘ کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر‘ اسے ہاتھوں کا دیا مال کہتے ہیں جو آگے کام آتا ہے‘ کسی پریشانی کے وقت کسی غریب کے دعا کرنے پر یہاں تو کوئی سمجھتا ہی نہیں۔“ بھکارن بھنچی آواز میں بڑبڑا رہی تھی پھر اس نے گندے‘ غلیظ میلے دوپٹے کے نیچے سے اپنا زخم خوردہ پھوڑے پھنسیوں سے اٹا بازو نکال لیا‘ وہ اس بازو کو دکھا کر بھیک نہیں مانگ رہی تھی۔ جیسا کہ عام طور پر بھکاری اپنے کٹے ہوئے اعضا کو سامنے کر کے خیرات مانگتے ہیں بلکہ اس نے اپنا غلیظ پس زدہ بازو چھپا رکھا تھا‘ وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا‘ وہ اپنے سامنے بیٹھے خوش پوش جوان کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے چونکی۔

”کہتا ہے جوان جہان ہو کام کرو‘ اس غلیظ بازو کے ساتھ کون مجھ سے کام کروائے گا؟ کون مجھے اپنے گھر میں گھسنے دے گا؟ لوگ کراہت کھاتے ہیں دس بہن بھائی ہیں

ہم میں ان سب سے بڑی ہوں۔ ماں باپ نہیں‘ اتنے بھوکے پیٹ ہیں کس کس کا پیٹ بھروں؟“ کمزور آنکھیں بہنے لگی تھیں‘ وہ اسے دیکھے بنا بڑبڑائے جا رہی تھی‘ کراہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہاتھ نہ پھیلاؤں تو کہاں جاؤں؟ معدوں میں بھوک کی آگ بھری ہے‘ اسے مٹانے کے لیے سڑکوں پر آنا پڑتا ہے اور یہ رزق والے کہتے ہیں دھندے سے لگو‘ کام کرو۔ ربا! تیری تقسیم پر صدقے جاؤں‘ کسی کو کہاں کہاں سے دیا اور کسی کو کچھ بھی نہ دیا۔ فیروی شکوہ نہیں‘ مالک! تُو جس حال میں رکھے تیرا شکر۔“ اس کی بڑبڑاہٹ مکمل ہوگئی تھی‘ تب غیر محسوس انداز میں یاسر کا ہاتھ اپنے ٹراؤزر کی جیب تک گیا تھا‘ اس نے آگے بڑھتی بھکارن کو روک لیا۔

”کیا کیا چاہیے؟ چینی‘ دال‘ گھی‘ چاول‘ شربت کیا کیا لینا ہے؟“ وہ جیب سے والٹ نکال چکا تھا‘ اس کے سوال نے آگے بڑھتی بھکارن کو روک لیا تھا اس کے ہاتھ میں والٹ دیکھ کر کاؤنٹر سے اٹھ کر انچارج بھی آ گیا وہ یاسر کی کارروائی ملاحظہ کر چکا تھا۔ اسے خبر ہو چکی تھی کہ یاسر کیا کرنے والا ہے۔

”سر کیا کر رہے ہیں آپ؟ ان لوگوں کی بھوک نہیں مٹ سکتی‘ روز آتی ہے بلاناغہ‘ یہ ڈھونگی لوگ ہیں ایک نمبر کے ڈرامہ باز پورا گینگ ہے ان کا‘ آپ کو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”صدیقی صاحب! آپ اپنا کام کریں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔“ وہ بہت شائستگی سے دو ٹوک لہجے میں بولا تھا یوں کہ صدیقی صاحب مزید کچھ کہہ نہیں سکے اور پلٹ کر دوبارہ کاؤنٹر کی طرف چلے گئے۔

”ایک سوال؟“

”بولو؟“ بھکارن نے پلٹ کر شربت کی بوتلوں سے بھری شیلفوں کو دیکھا اس کے خشک ہونٹ تر ہونے لگے۔

”یہ راہداری کا مطلب کیا ہے؟“ یاسر کے سوال نے بھکارن کا دھیان شیلفوں پر سے ہٹا دیا تھا‘ اب وہ حیران حیران سی یاسر کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”باؤ تُو پڑھا لکھا ہے اور سوال مجھ ان پڑھ سے کرتا ہے‘ میں کیا اور میری اوقات کیا؟ پھر بھی تیرے لیے بتا دیتی ہوں راہداری رستا...... گزرگاہ کی پرچی ہوتی ہے۔ ایسی پرچی جس پر حاکم اعلیٰ کے دستخط ہوتے ہیں‘ سمجھ لو جس کے پاس راہداری (پرچی) ہوئی اس سے رستے کے دربان‘ نگہبان‘ سوال نہیں کرتے۔ بنا سوال کے وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے‘ کوئی روکتا ٹوکتا نہیں‘ راہداری کا ہونا ہر مسافر کے لیے ضروری ہے۔ چاہے دنیا کا مسافر ہو چاہے آخرت کا۔ تُو نے دیکھا تو ہوگا جب کوئی مرتا ہے تو میت کے سرہانے سپارے پڑھے جاتے ہیں‘ اسے آخرت کی راہداری کہتے ہیں۔ میت کے ساتھ یہ راہداری جاتی ہے تاکہ قبر تک اس میت سے سوال جواب نہ ہوں‘ نہ روک ٹوک کی جائے۔ اسی طرح دنیا کی راہداری بھی ہوتی ہے جو بُرے وقت میں کام آتی ہے‘ راہداری کیا ہے؟ فرض کی ہوئی عبادتوں‘ سخاوتوں سے الگ پرچی۔ زکوٰۃ‘ خیرات‘ صدقات سے الگ‘ کوئی چھوٹا سا نیک عمل کسی کے لیے نرم مسکراہٹ‘ نرم بات‘ کسی کی مدد‘ کسی پر احسان‘ نیکی اور اس کے بدلے میں ملنے والی دعا‘ ہاں یہی تو دنیا کی راہداری ہے جو آخرت میں بھی کام آتی ہے۔ دنیا میں بھی جانے لوگ کس جلال پر غرور کرتے ہیں‘ کس رزق پر اتراتے ہیں؟ اس بات سے بے خبر مالک تو انہیں دے کر آزما رہا ہے اور ہمیں نہ دے کر آزما رہا ہے۔“ بھکارن کے ہونٹ سوکھ گئے تو وہ خاموش ہوگئی تھی مگر یاسر کے لیے سوچ کے کئی در وا کر گئی۔ وہ جیسے ایک ان پڑھ معلمہ کے ہاتھوں زندگی کا اعلیٰ ترین لیکچر سن رہا تھا۔

”کبھی اس راہداری کو آزما کر دیکھ لینا باؤ! نفع میں رہو گے نقصان میں نہیں۔“ بھکارن کا لیکچر مکمل ہوگیا۔ اس نے دو ہزار روپے نکال کر بھکارن کے سامنے رکھے فی الحال اس کے والٹ میں یہی تھے۔

”اس اسٹور سے آج جو مرضی خرید لو‘ اب تمہیں کوئی بھی نہیں جھڑکے گا۔“ یاسر کی نرم بات نے بھکارن کو متحیر کر دیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنی بڑی رقم ایک ساتھ نہیں دیکھی تھی‘ وہ جیسے ہکا بکا رہ گئی۔

"اتنے پیسے؟" اس کی آنکھیں ساکت ہوگئیں۔ "باؤ یہ تو بڑی رقم ہے۔" بھکارن کا اکلوتا ہاتھ لرز رہا تھا۔

"تیرے لیے ہیں رکھ لے بدلے میں راہداری بھی تو لے رہا ہوں۔" یاسر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی تب تو جوان بھکارن بھی پہلی مرتبہ مسکرادی۔

"اللہ تجھے شاد و آباد رکھے کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گا' یہ سائل کی دعا ہے۔" اس نے ہزار کا نوٹ پکڑ لیا پھر شیلف کی طرف بڑھی۔ اب کیا اسے کسی نے نہیں روکا' وہ اکلوتے ہاتھ سے ایک ایک مشروب کی بوتل کو چھوتی رہی' کاؤنٹر پر موجود لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھتے رہے مگر کسی نے روکا نہیں۔ کوئی اسے روک ہی نہیں سکتا تھا' کچھ دیر بعد وہ ایک مشروب کی بوتل اٹھا کر کاؤنٹر تک آگئی۔ اس نے ہزار کا نوٹ کیشئر کو دیا' بوتل کی قیمت کاٹ لی گئی' باقی رقم لوٹا دی گئی۔ بھکارن اب چلتی ہوئی یاسر کے قریب آرکی پھر اس نے بوتل کو سینے سے لگا کر باقی رقم یاسر کو پکڑادی۔

"بس ایک بوتل کا سوال تھا' ابن آدم کی بھوک تو عمر بھر مٹ نہیں سکتی۔ آج بھکارن کو شربت چاہیے تھا' آٹا' چینی' گھی' چاول کچھ نہیں۔" وہ اپنی عجیب منطق سنا کر دعائیں دیتی ہنستی مسکراتی باہر نکل رہی تھی اور یاسر جیسے عمر بھر کی خوشی دل میں سمیٹتا اس حیران کردینے والی بھکارن کی باتوں کو سوچتا گھر آگیا اور جوں ہی اس نے گھر میں قدم رکھا ایک دم ہی ابا کی دی گئی اذیت یاد آگئی اور ساتھ ہی عامر کی پریشانی بھی۔

جب وہ لاؤنج میں داخل ہوا تب پہلی نگاہ اماں کی اس پر پڑی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر اماں کے دل کو دھچکا سا لگا' وہ ملک شیک بنا رہی تھیں' کام ادھورا چھوڑ کر باہر آگئیں۔

"کسی سے لڑائی کرکے آئے ہو یاسر!" اماں کی جان پر بن آئی۔ اکلوتے لخت جگر کی سوجی آنکھیں' سرخ چہرہ اور پھٹے ہوئے ہونٹ دیکھنا معمولی بات نہیں تھی' اماں بے قرار سی ہوگئیں' وہ اس کے لیے بہت حساس تھیں۔

"نہیں تو......" یاسر نے نفی میں سر ہلایا' ایک دم ابا کی مار یاد آگئی تھی اور ساتھ میں وہ بھکارن بھی۔ پھر جو راہداری کا نیا سبق پڑھ کے آیا تھا وہ بھی یاد آگیا تب اسے ابا کی مار بھولنے لگی تھی یاد رہا تو صرف مٹھی میں دبی ننھی سی راہداری۔ اس نے اماں سے بے خیالی میں یہ بات شیئر بھی کرلی تھی اور اماں جیسے سن کر نہال ہوگئیں۔

"تو نے بہت اچھا کیا یاسر! تیرے ابا کو پتا تو نہیں چلے گا؟" وہ خوش بھی تھیں اور ابا کی طرف سے متفکر بھی۔ اگر ابا کو پتا چل بھی جاتا تو یاسر کو پروا نہیں تھی اس نے ایک شربت کی بوتل کے بدلے میں راہداری خرید لی تھی۔ اس خوشی کا نہ کوئی حساب تھا نا ہی شمار۔ اس کی ساری عادتیں اماں پر گئی تھیں۔ چوری چھپے سینکڑوں مجبور و بے کس عورتوں کی مدد کردیا کرتی تھیں' ہر جمعرات کو تازہ کھانا پکاتیں اور پھر کام والی لڑکی ثوبی اور اس کی ماں کے حوالے کردیتیں۔ وہ کچی بستی میں کھانا بانٹ آتیں' یاسر چاچی کے اس گھر سے چلے جانے کے بعد سے اماں کی یہی روٹین دیکھ رہا تھا ابا گھر نہیں ہوتے تھے اور ایسی سخاوتوں سے اماں کو دادی نے بھی کبھی نہیں روکا تھا۔ اماں اور دادی اسے خوراک کی زکوٰۃ کہتی تھیں۔ چاچی کے ہوتے ہوئے یہ کام ممکن نہیں تھا مگر اب اس کام میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

پھر جو اماں نے اس کے سرخ چہرے اور پھٹے ہوئے ہونٹ کا سبب پوچھا تب بھی وہ اماں سے کچھ بھی چھپا نہیں پایا اور اماں جیسے کچھ دیر کے لیے گم صم ہوگئی تھیں۔ شاید ابا کے ردعمل پر غور کررہی تھیں جو جوان اولاد پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اب بھی چوکتے نہیں تھے۔ تھوڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد اماں نے ایک قطعاً مختلف بات کی۔ انہوں نے اپنی کلائی میں موجود اکلوتا کنگن اتار کر یاسر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ جو یہ سمجھ رہا تھا کہ اماں ابا کی تازہ کارروائی پر غور کررہی ہیں ایک دم حیران رہ گیا۔ ابا نے ایک بوتل اللہ کی راہ میں نہیں دی تھی مگر اسی رات لاکھوں کا نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ یہ نقصان رکا کیسے تھا؟ اماں کی کارروائی کے بدلے میں ایک عمل کے بدلے میں۔

"یہ کیا ہے اماں؟" وہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے بھی متحیر تھا' تب اماں نے بڑے جذب کے عالم میں اس کا ہاتھ دباتے

ہوئے کہا۔

"ایک راہداری تیری ہوئی اور ایک میری۔ اسے بیچ کے عامر کی فیس دے اور میرے نام کی راہداری اپنے پاس سنبھال کے رکھ۔" ان کا چمکتا کشمیری سیب جیسا چہرہ چمک رہا تھا' یاسر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ عامر کا مسئلہ اتنی آسانی کے ساتھ حل ہوجائے گا یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا مگر وہ اماں کا کنگن (جو انہیں نانی نے تحفے میں دیا تھا اور جسے اماں نے اپنی جان سے لگا رکھا تھا) ہرگز بھی بیچ دینا نہیں چاہتا تھا لیکن اماں جیسے بضد ہوگئی تھیں۔

"یہ کنگن کسی کی زندگی سے قیمتی نہیں بیٹا! تو عامر کی فیس دے اور باقی باتیں بھول جا' میں اپنے حصے میں آئی راہداری کھونا نہیں چاہتی۔" اماں نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا اور یاسر کو اماں سے اسی عمل کی امید تھی اگر اماں کے پاس رقم ہوتی تو وہ کبھی انکار نہ کرتیں مگر وہ جانتا تھا اماں کے پاس چند پیسوں کے علاوہ زیادہ رقم نہیں ہوتی پھر یوں ہوا کہ عامر کا مسئلہ چٹکیوں میں حل ہوگیا۔ اس نے یاسر کی ماں کو دل ہی دل میں ہزار دفعہ سلیوٹ کیا اور فائنل ائیر کی پڑھائی میں جت گیا پھر جس روز یونیورسٹی کو خیرباد کہنا تھا یہ اسی روز کی بات تھی اس سہ پہر عامر اچانک اس کے گھر چلا آیا۔ وہ بہت خوش اور مسرور تھا۔ اس نے اماں کے ہاتھ چوم کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چمکتا دمکتا کنگن نکال لیا پھر وہ کنگن اماں کی کلائی میں سج گیا۔

"پورے ایک سال کی انتھک محنت کا ثمر ہے یہ اماں! پارٹ ٹائم کا کرشمہ' کچھ رقم ابا سے لی اور آپ کا قرض چکا دیا۔ میں تو عمر بھر اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکوں گا جو اس مشکل وقت میں آپ نے کیا تھا۔" وہ جذباتی ہوگیا تھا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں' اماں کنگن لینا نہیں چاہتی تھیں مگر عامر کے اصرار نے انہیں مجبور کردیا تھا۔

"تو کیا میرے حصے کی راہداری واپس ہوگئی۔" اماں بہت رنجیدہ تھیں انہیں کنگن کی واپسی کا صدمہ تھا۔ عامر تو چلا گیا البتہ یاسر اماں کی دلی کیفیات سے واقف تھا' تبھی انہیں تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"اماں! راہداری تو اب بھی آپ کی مٹھی میں دبی ہے اسے کوئی واپس نہیں لے سکتا۔ آپ نے کنگن واپس نہ لینے کی نیت سے راہداری بنوائی تھی سو یہ نیت کا پھل دے گی واپسی کا نہیں۔" یاسر کے جواب نے اماں کو تو مطمئن کردیا تھا مگر عامر حیران رہ گیا۔ وہ ان کی گفتگو کے اصل متن کو سمجھنا چاہتا تھا تب اماں نے اسے بہت اچھی بات سمجھائی تھی ایک اوران پڑھ معلمہ' یاسر جیسے دم بخود رہ گیا۔

"پتر! جب کسی چوراہے سے گزرو تو چاروں طرف نگاہ ڈال لیا کرو' کیا خبر کسی کونے میں کوئی حق دار' امیدوار اور مدد کا طلب گار کھڑا نظر آجائے کوئی ایسا بے بس جو سوال کرنے سے کتراتا ہو اور مجبوری اسے چوراہے پر لے آئی ہو۔ اس مدد کے طلبگار کی مدد تمہیں ایک راہداری سے نوازے گی۔ جو مصیبت میں ہمیشہ تمہارے کام آئے گی۔ بات مشکل ضرور ہے پر تم سمجھ لوگے۔" اماں' عامر کا کندھا تھپتھپا کر کچن میں چلی گئیں۔ یہ یاسر کا پہلا مہمان دوست تھا جو اس کے گھر چاچی کی علیحدگی کے بعد آیا تھا۔ سو اماں اس کی جی بھر کے خاطر داری کرنا چاہتی تھیں مگر ہوا کچھ اس کے الٹ' جانے یاسر کے نصیب بُرے تھے یا پھر اماں کی شامت آئی تھی جو اچانک ہی چاچی نے ادھر چھاپہ مار دیا۔ پھر جو اماں کو لدی پھندی ٹرالی ڈرائنگ روم میں لاتے دیکھا تو ان کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔

"اتنا تردد کس لیے؟" فطری تجسس کے باعث چاچی نے ڈرائنگ روم میں بھی چھاپہ مار دیا اور ایک مہمان کے لیے چائے کے ساتھ اتنے آئٹم دیکھ کر ان کی زبان رک نہیں سکی تھی پھر جو انہوں نے اماں کو بے بھاؤ کی سنائیں تو یاسر اور عامر تو دم دبا کر بھاگ نکلے۔ یاسر شرمندہ اور عامر حیران تھا۔ اس نے عمر بھر کسی مہمان کی ایسی درگت بنتی نہیں دیکھی تھی جس طرح اس کی اپنی بنی۔ وہ تو یاسر کے گھرانے کو مثالی گھرانہ سمجھتا تھا مگر کھودا پہاڑ تو نکلا کیا؟ خیر اس کی چاچی اور ابا کے علاوہ اماں اور دادی کی تو مثال نہیں ملتی تھی اس دن بڑا ہی بُرا دن طلوع ہوا تھا چاچی سے عامر کی درگت بنوا کر جب وہ دونوں جان بچا کر باہر نکلے تو ابا سے گیٹ پر ٹکرا ہوگیا اور

جیسے ہی ابا کو پتا چلا یاسر کے ساتھ عامر موجود ہے تو ابا کا ازلی جلال عود کر آیا۔ انہوں نے عامر کو بے بھاؤ کی سنائی' اسے کمینہ' فراڈیا اور امیر زادوں کو دوستی کی آڑ میں لوٹنے والا اور بھی نجانے کیا کیا کہا۔ بس یوں ہوا کہ یاسر عمر بھر کے لیے عامر کے سامنے شرمندہ ہو گیا اور زندگی میں دوبارہ کبھی بھی عامر کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا حالانکہ رزلٹ آنے تک بھی عامر اسے ملتا رہا۔ اسے خود ساختہ شرمندگی کے جو بڑ سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا مگر یاسر پھر کبھی عامر کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا پھر اسی شرمندگی کے تحت اس نے عامر کے ساتھ تمام تعلقات ختم کر لیے تھے۔

وہ بہت خوددار تھا اور کسی اور کی خودداری اور عزت نفس کو اپنے باپ کے ہاتھوں مجروح کروا کر چین نہیں لے سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا وہ عامر سے ملتا ہی نہیں' جب جب اسے عامر کی صورت نظر آتی' تب تب اسے ابا کی بداخلاقی اور بُرا رویہ بھی یاد آ جاتا۔ تب اس کے اندر تنفر بڑھنے لگتا تھا اور وہ اپنے ابا سے کم از کم نفرت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عامر کے ساتھ دوستی کا مختصر سا وہ باب خود بخود بند ہو گیا اور یوں کاشی نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

◉......❖......◉

گزرتے وقت کے ساتھ یاسر اپنے گھر والوں کی فطرت سے بالآخر سمجھوتہ کرنے پر خود کو راضی کر ہی چکا تھا۔ سو وقت گزر ہی رہا تھا جب اچانک ابا نے یاسر کا رشتہ اپنی مرضی سے طے کر دیا تھا۔ جانے کون لوگ تھے؟ اور کیسے لوگ تھے جو ابا کی مشہور زمانہ کنجوسی سے سمجھوتہ کر چکے تھے اور انہوں نے ان کے گھرانے کی ہر اچھائی برائی کو قبول کر لیا تھا۔ خوشبو اور مہک دو ہی بہنیں تھیں' مہک کو دیکھ کر یاسر کے دل کو تسلی سی ہوئی تھی۔ مہک نہ صرف تعلیم یافتہ' خوب صورت اور بااخلاق تھی بلکہ خاصی دیالو بھی لگتی تھی۔ یاسر نے خود ہی فرض کر لیا تھا کہ خوشبو بھی مہک جیسی ہی ہوگی اگرچہ خوشبو سراپا خوشبو تھی مگر کاشی کی زبانی اس نے اڑتی اڑتی کچھ بری خبریں بھی سنی تھیں وہ جس دن سے خوشبو اور اس کے گھر والوں سے مل کر آیا تھا صرف خوشبو کی تعریفیں ہی کر رہا تھا۔

''ہمارے گھر کو خوشبو بھابی جیسی عقل مند لڑکی کی ضرورت تھی۔'' کاشی دن رات خوشبو کے نام کی مالا جپے جا رہا تھا' کبھی ابا کی پسند کو سراہتا۔

''کیا ہیرا دریافت کیا ہے تایا جی نے۔'' وہ سر دھننے لگا تھا۔ یاسر کا دل بیٹھ گیا' جانے یہ تعریف تھی یا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کاشی بھلا کن معنوں میں خوشبو کی تعریف کر رہا تھا؟ کیا وہ واقعی بہت عقل مند تھی بھلا ابا کی پسند پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا؟ وہ خوشبو میں کیسی کیسی خوبیاں دریافت کر سکتے تھے؟ وہ خوشبو کو کس بنیاد پر پسند کر سکتے تھے؟ جب شادی میں ایک مہینہ رہ گیا تب یاسر کو اتنے اہم نکتوں کی طرف توجہ دینے کا خیال آیا تھا۔ اول تو اسے ابا کی پسند کردہ لڑکی سے رشتہ جوڑنا ہی نہیں چاہیے تھا اور جب اس نے فرماں برداری کا ثبوت دے کر دادی اور اماں کے کہنے پر سر جھکا دیا تو کم از کم خوشبو سے ایک آدھ ملاقات ہی کر لیتا یا پھر اس کی بہن سے خوشبو کی عادت' مزاج' اخلاق کے بارے میں معلومات لے لیتا۔

وہ ایک بدصورت' کم تعلیم یافتہ اور غریب لڑکی برداشت کر سکتا تھا مگر کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا جو کمینگی کی حد تک کنجوس ہو جو اسے اس کے مختصر سے سرکل میں ذلیل کر دے۔ جو گھر آئے مہمان کی تواضع نہ کر سکے' راہ چلتے فقیر کو جھڑک دے اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو تان کر برتے۔ جسے غریب' ضرورت مند' حق دار رشتہ دار لوگوں کو کچھ دینے دلانے میں ہزار مرتبہ سوچنا پڑے جو چاچی کی طرح تحفہ لے تو خوشی و انبساط سے مگر دینے کی باری پر کی چیزوں کو کھنگالتی رہے۔

یاسر اکثر حیران ہوتا تھا کہ اماں نے چاچی جیسی دیورانی اور ابا جیسے شوہر کے ساتھ زندگی کیسے گزار دی تھی۔ اسے یاد نہیں آیا تھا کہ ابا اماں کے لیے اپنی پسند سے کچھ لائے ہوں۔ ضرورت کی چیزوں کے لیے بھی انہیں ترسنا پڑتا تھا اور عموماً اماں لان کے تین جوڑے تین سیزن تک چلاتی تھیں تاوقتیکہ وہ پھٹ کر بیکار نہ ہو جاتے۔ اسی طرح اماں بڑی محبت سے چاچی کے لیے تحفہ لاتیں تو چاچی اس سوچ میں پڑ جاتیں کہ بدلے میں کچھ دینا پڑے گا پھر بہت خاک دھول چھان کر سستا سا سیل سے کوئی گفٹ چھانٹ ہی لاتیں تب اماں کو بہت غصہ آتا تھا اور وہ برملا کہہ دیتیں۔

''یہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی' میں نے کچھ لینے کے لیے تمہیں نہیں دیا۔'' چاچی اماں کا جواب سن کر ڈھٹائی سے مسکرا دیتی تھیں۔

پھر ایک صبح اماں نے دادی کے کان میں آہستگی سے کچھ کہا تھا وہ فون سن کر لاؤنج میں آ رہی تھیں ان کے چہرے پر تفکر کا سایہ تھا اور جانے وہ الجھی الجھی کیوں نظر آ رہی تھیں۔ یاسر لاؤنج میں ہی بیٹا ناشتا کر رہا تھا۔ اماں کے تاثرات دیکھ کر چونک پڑا۔

''اماں! خیر تو ہے؟'' دادی سے پہلے ہی اس نے قدرے بے چینی سے استفسار کیا تو اماں کچھ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھیں۔ دراصل ان دنوں یاسر کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے اور دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اماں چاہتی تھیں یاسر اپنا ڈریس لے کر آئے تو ساتھ خوشبو کے لیے لہنگا بھی پسند کر آئے کیونکہ چاچی کی پسند پر انہیں بھروسہ نہیں تھا اور وہ مزید چاچی کی خدمات حاصل کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

''ہاں خیر ہی ہے۔'' اماں نے ٹھنڈی سانس کھینچی پھر دادی کے پوچھنے پر دبی آواز میں بولیں۔

''خوشبو کا فون تھا۔'' اگرچہ اماں کی آواز خاصی دبی تھی پھر بھی خوشبو کے نام پر یاسر کے کان کھڑے ہو گئے تھے اس کا منہ کی طرف جاتا نوالے والا ہاتھ پہلو میں آ گرا وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ اماں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''کیا کہتی ہے؟'' دادی نے یاسر کے منہ کی بات کھینچ لی وہ بڑی بے چینی سے اماں کے کچھ بولنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

''کہہ رہی تھی لہنگا مت بنائیے گا' سوٹ پہنے گی اور زیادہ مہنگا بھی نہ ہو۔'' اماں نے دبی دبی آواز میں ہی بتایا تھا شاید یاسر کی موجودگی کے خیال سے آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں یاسر پھر سے ٹھٹکا۔

''ایں...... کیسی عجیب لڑکی ہے آج کل تو موئی لڑکیاں فرمائشیں کر کر کے جوڑے بنواتی ہیں۔'' دادی نے ناک پر انگلی دھر کے حیرت کا اظہار کیا۔

''عجیب نہیں عقل مند' سمجھ دار کہیں آخر آپ کے بیٹے نے بہو پسند کی ہے۔ عقل مند کیوں نہیں ہوگی۔'' اماں نے دھیمی آواز میں کہا تھا جانے وہ طنز کر رہی تھیں یا ایسے ہی بات برائے بات...... اپنے تئیں وہ اس کی موجودگی کو فراموش کر گئی تھیں' یاسر کی بھوک اچانک مٹ گئی' اسے خوشبو کی عقل مندی ہضم نہیں ہو رہی تھی' تبھی وہ پلیٹ پیچھے کھسکا کر اٹھ گیا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' ساس' بہو دونوں چونک گئیں۔

''کاشی کی طرف۔'' وہ بلا کا سنجیدہ نظر آ رہا تھا' دونوں ہی ٹھٹک گئیں اور یاسر کی سنجیدگی کو محسوس کر کے ذرا چونکی بھی تھیں۔

''کیا اس نے ہماری باتیں سن لیں؟'' دونوں کے چہروں پر سوال تھے' اماں نے ذرا مضطرب ہو کر یاسر سے پوچھا۔

''کیوں؟'' اماں متفکر تھیں۔

''کاشی کو یہ بتانے کہ میرے خدشے بے بنیاد نہیں۔ اس خاندان کی تاریخ بدلنے والی ہرگز نہیں' کنجوسوں کے خاندان میں ایک اور کنجوس کا اضافہ ہونے والا ہے۔'' جس بات کو وہ ساس بہو جھوٹے بہلاوؤں میں جھٹک رہی تھیں اسے یاسر اتنی آسانی کے ساتھ کہہ دے گا' دونوں کو قطعاً یقین نہ آیا۔ وہ جو اسے جھوٹا دلاسہ دینا چاہتی تھیں چپ کی چپ رہ گئیں۔

''پر ایک بات میں آپ کو بتا رہا ہوں' اگر میری بیوی نے کنجوسی میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہوئی تو اسے کھڑے کھڑے طلاق دے دوں گا۔'' وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا بلکہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دہلیز پار کر گیا۔ سچ تو یہ تھا اس کے دل کا انکشاف اسے سخت شاک پہنچا رہا تھا گویا اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ خوشبو ابا اور چاچی جیسی ہوگی۔ اس لمحے یاسر کو ایک کندھے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور یہ کندھا کاشی

کے علاوہ اور کس کا ہو سکتا تھا؟

◉......❖......◉

کاشی اور یاسر کے درمیان کبھی حسد اور شک کے جذبات نہیں حائل ہوئے تھے اس کے باوجود وہ اپنے ساتھ ہونے والے آئے دن کے حادثات سے عاجز تھا۔ اسے حیرت اس بات پر تھی کہ ہزار احتیاطی تدابیر کے باوجود وہ کسی نہ کسی حادثے یا بیماری میں مبتلا کیوں ہو جاتا ہے یہی حال چاچی کا بھی تھا انہیں دادی اور اماں کے ہاضمے پر رشک آتا۔ پتھروں کو بھی ہضم کرلیا کرتی تھیں' اماں کو معمولی سی بلڈ پریشر کی بھی تکلیف نہیں تھی اور دادی کا بھی اس عمر میں پہنچ جانے کے بعد آج تک چاق و چوبند تھیں' نہ چھینک' نہ زکام نہ کھانسی نہ سر درد ہنسی خوشی ہشاش بشاش رہتی تھیں۔ چاچی اکثر اس بات کا اظہار بھی کردیتی تھیں اور اماں دادی کے پاس ان کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا سو وہ مسکرا کر نظر انداز کردیتی تھیں اکثر چاچی کو یاسر کی قابل رشک صحت اور ول پاور پر بھی حیرانی ہوتی تھی۔ اس پر موسمی اثرات مرتب نہیں ہوتے تھے اور کئی دفعہ حادثات میں وہ بال بال بچ جایا کرتا تھا جب کہ کاشی کو عموماً بہت شدید چوٹیں آجاتی تھیں۔

یاسر کی شادی سے پہلے ہونے والے حادثات میں چاچی اور کاشی تقریباً موت کے منہ سے نکلے تھے پورا ایک ماہ ہسپتال میں رہنے کے بعد جب چاچی گھر آئیں تو بڑی چپ چپ اور افسردہ تھیں' اب کی دفعہ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کسی نے جادو کے زور پر ان کا ایکسیڈنٹ کروایا ہے یا پھر وہ کسی حاسد کی بدنظر کا شکار ہیں بلکہ اس دفعہ وہ بالکل خاموش رہی تھیں جیسے اپنے اوپر ٹوٹنے والی آفات کے متعلق غور و فکر کررہی تھیں۔ دادی نے ہمیشہ کی طرح چاچی کو نصیحت کی تھی۔

"صدقہ خیرات دیا کرو ملکانی! آئے دن کاشی اور تم کسی نہ کسی مصیبت میں جکڑے رہتے ہو اور بے صدقہ بلا کو کھا جاتا ہے۔" دادی متفکر نظر آرہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح انہیں مشورے سے نواز رہی تھیں جب کہ چاچی نے پھر وہی بودی سی دلیل دی تھی۔

"کاشی کے ابو دیتے دلاتے ہیں۔" ان کا لہجہ بھی کمزور سا تھا' دادی نے پہلی مرتبہ بحث نہیں کی تھی لیکن وہ چاچی کے جواز پر مطمئن بھی نہیں تھیں۔

پھر کاشی اور چاچی کے صحت یاب ہوتے ہی گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے ان کے خاندان کی پہلی شادی تھی مگر روایتی دھوم دھڑ کا نظر نہیں آتا تھا کچھ ابا کی کنجوسی اور کچھ خوشبو کے گھر والوں کا ہنگامہ پسند نہیں تھا سو شادی بغیر ملے گلے کے مگر بخیر و عافیت نبٹ گئی تھی اور خوشبو اس کی زندگی میں خوشبودار جھونکا بن کر داخل ہوگئی۔ اور اس کے بعد یاسر کو پتا چلا کہ اس کا نصیب کتنا عجیب تھا' خوشبو نے جو شادی کی پہلی رات کو اس کے چودہ طبق روشن کیے تو آج تک وہ اس کے طبق ہی روشن کرتی آرہی تھی۔

ہوا کچھ یوں کہ شادی کی رات وہ جو دل میں ہزار مان لیے خوشبو سے پہلی ملاقات کرنے آرہا تھا اس کے ان رومینٹک موڈ اور اعتراضات کو سن کر دھک سے رہ گیا۔ اسے بیڈ روم کی سجاوٹ جو اماں نے بڑے چاؤ اور ارمانوں کے ساتھ تازہ پھولوں سے کروائی تھی ذرا پسند نہیں آئی تھی۔ وہ جو سمجھ رہا تھا کہ خوشبو اپنی اس خوشبودار پذیرائی پر پھولے نہیں سمائے گی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا ان پھولوں کا کیا فائدہ؟ صبح کچرا اٹھانے والی لے جائے گی۔ بہت ہی فضول خرچ ہیں آپ۔" شادی کی پہلی رات ہی یاسر پر خوشبو کی اصلیت کھل گئی تھی اور پھر ہر دن ایک نئی خوبی کا آشکار کرتا طلوع ہوتا تھا یوں ہی خوشبو کے اعتراضات کنجوسی اور کہیں کہیں کمینگی کے باعث ایک سال گزر گیا اور یاسر ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔

خوشبو کی کنجوسی صرف کچن تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ اماں اور دادی کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کی حد تک کمینگی دکھا جاتی تھی۔ خوشبو کیا تھی اس کا مزاج کیسا تھا اور وہ فطرتاً کتنی شوہدی تھی یہ ایک سال کے دوران یاسر کو اچھی طرح سمجھ آگیا تھا۔ ابا ٹھیک چھانٹ پھٹک کے اپنی بہو بیاہ کر لائے تھے خوشبو ذرا ذرا سی بات پر اوقات دکھا جاتی

خصوصاً اس وقت جب یاسر اماں اور دادی کو الگ الگ سے خرچہ دیتا' جب سے فل کنٹرول ابا نے اس کے ہاتھ میں دیا تھا تب سے وہ خوشبو کو ہی نہیں بلکہ اماں اور دادی کو بھی الگ سے خرچہ دینے لگا تھا اور یہ بات خوشبو کو بھاتی نہیں تھی وہ اکثر الجھ پڑتی۔

"اماں اور دادی کو پیسے کیوں دیتے ہیں؟ ہر چیز تو گھر میں موجود ہوتی ہے دونوں ساس بہو ایویں غیروں پہ آپ کی حلال اور محنت کی کمائی لٹاتی پھرتی ہیں۔" جب بھی اماں چوری چھپے گلی محلے کے کسی غریب گھرانے کی مدد کرتیں' خوشبو کو فوراً خوشبو پہنچ جاتی' پھر وہ سارا دن تلملاتی رہتی تھی۔

دراصل پیسہ خرچ کرنے کو اس کا دل ضرور کرتا تھا مگر صرف خود اپنے پر یہاں وہ چاچی سے قدرے مختلف تھی۔ چاچی اگر کسی پر پیسہ نہیں خرچ کرتی تھیں تو اپنے لیے بھی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں مگر خوشبو اپنے لیے خوب شاپنگ کرتی' اسی طرح بچے کے لیے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ شاپنگ کرتی مگر جب اماں اور دادی کی باری آتی تب اس کا دل تنگ پڑ جاتا۔ سیل کے کپڑے' لان کے پیس اور سیل کی چپلیں ان کے لیے اٹھا لاتی تھی۔ کبھی کبھار چاچی کو بھی نواز دیا جاتا تھا اماں تو نہیں البتہ چاچی اس کی خریداری کو خوب سراہتی تھیں جو وہ ان کے لیے سیل سے کرکے آتی تھی' اپنی شاپنگ کی تو اس نے کبھی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔

پھر ایک روز اماں خود اپنے لیے گرمیوں کے کپڑے لینے بازار چلی گئیں' بہو کی کمینگی کو ملاحظہ کرکے اب وہ کم کم ہی اس کی خدمت حاصل کرتی تھیں پھر جب وہ خوب لدی پھندی واپس آئیں تب خوشبو بھی دادی کے قریب بیٹھی تھی سوئے اتفاق اس وقت یاسر بھی گھر میں موجود تھا اور اپنے چھوٹے سے بیٹے کے ناز اٹھانے میں مصروف تھا۔ اماں نے خوشی خوشی دادی کو اپنے اور ان کے کپڑے دکھائے' اس کی اماں بہت خوش لباس تھیں' انہیں پہننے اوڑھنے کا شوق تھا اور جب سے خوشبو نے ان کے لیے شاپنگ کرنا شروع کی تھی وہ قدرے مرجھا کر رہ گئی تھیں مگر گھر کا ماحول خراب نہ ہو جائے بس اسی خوف کے زیر اثر یاسر سے شکایت نہیں کرتی تھیں

ورنہ خوشبو نے تو انہیں چاچی سے بڑھ کے ذلیل کر رکھا تھا۔ یاسر بھی ان کے قریب ہی بیٹھا اماں کی شاپنگ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا تب اماں اپنا تھیلا سمیٹ کر ایک دوسرا تھیلا کھولے دادی کو کپڑے دکھانے لگی تھیں۔

"یہ ماسی کا سوٹ لائی ہوں' بے چاری کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کچھ بھی نہیں اور یہ صابرہ کے تین بچوں کے کپڑے۔" اماں نے اپنے گھر کام کرنے والی ماسی کا سوٹ الگ کیا تھا پھر محلے کی ایک بیوہ عورت صابرہ کا ذکر کیا جو نہ صرف بیمار تھی بلکہ بیوہ بھی تھی اور تین بچوں کی ذمہ داری نبھانے پر مجبور تھی۔ اماں عموماً اس کی مدد کرتی ہی رہتی تھیں جب بھی اپنے لیے کپڑے لاتیں تو صابرہ کے بچوں کو کبھی نہ بھولتیں' انہیں راہداریاں جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور اماں کی دلچسپی اور شوق کو دیکھتے ہوئے یاسر ان کے لیے راہداریاں اکٹھی کرنے کے بہت سے اسباب بنا دیتا تھا۔

جیسا کہ اب یاسر نے اماں کے کہنے پر انہیں اضافی رقم دی تھی اور وہ اسے کہہ رہی تھیں کہ صابرہ کا مہینے بھر کا راشن بھی لگوا دو' پاس بیٹھی خوشبو سے یہ سوشل ورک والی باتیں برداشت ہونا ناممکن تھیں سو وہ اندر کی جلن نکالے بنا رہ نہیں سکی تھی۔

"ابا کو پتا چلا تو ناراض ہوں گے' ہٹی کٹی تو ہے صابرہ! خود کیوں نہیں کماتی۔ مشین چلائے یوں خیرات لینا اسے زیب دیتا ہے۔" خوشبو کی دبی آواز میں تلخ گفتگو اماں کو ہی نہیں یاسر کو بھی سخت بری لگی تھی۔

"بڑے افسوس کی بات ہے' ہر دفعہ تم اپنی کوئی نئی صورت مجھے کیوں دکھاتی ہو خوشبو!" یاسر نے جس بے ساختہ انداز میں اسے جھڑکا تھا' وہ ایک دم خفت زدہ رہ گئی تھی۔

"بڑے بول اللہ کو پسند نہیں اور میں تمہارے ان الفاظ پر سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں کہ کہیں پکڑ میں نہ آ جاؤں مگر تم ہو کہ سمجھتی ہی نہیں۔" وہ اسے نصیحت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا کیونکہ نصیحتیں اس پر اثر نہیں کرتی تھیں۔

پچھلے ایک سال سے وہ خوشبو کی ہر طرح سے اصلاح کرکے دیکھ چکا تھا مگر وہ سمجھتی نہیں تھی۔ خود پر خرچ کرنے

کے علاوہ کسی اور پر پیسہ خرچ کرنا اسے گوارا نہیں تھا حتیٰ کہ وہ کسی کو خیرات دینے کے بھی حق میں نہیں تھی۔ کاشی کی طرح دنیا کے ہر بھکاری کو وہ ڈھونگی اور ہڈ حرام کہتی تھی، سڑک پر چلتے فقیروں کو جھڑک دیتی اور اگر کوئی مصیبت زدہ گھر آجاتا تو چاچی کی طرح اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکال دیتی۔ اماں اور دادی تو بچ بچاؤ کرتی رہ جاتی تھیں مگر خوشبو ان کی کسی بات کو خاطر میں نہ لاتی۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر خوشبو نے کچن پر بھی اپنی اجارہ داری قائم کرلی تھی، اماں کو اس نے دودھ میں سے مکھی کی طرح باہر نکال پھینکا تھا وہ ایک وقت کے سالن کو تین وقت چلاتی تھی اگر دوپہر کو ہانڈی پکتی تو اسی سالن کو رات کے وقت مختلف مسالے ڈال کر ٹماٹر املی کے پیسٹ اور تڑکے کے ساتھ پیش کردیتی۔ یوں سالن تو وہی رہتا مگر ٹیسٹ بدل جاتا تھا، اماں اور دادی سدا کی خوش خوراک تھیں ان سے یہ بچت پروگرام ہضم نہیں ہوتا تھا ابا اب گھر کے معاملات سے الگ ہوچکے تھے۔ کچن اور گھر بہو کے سپرد تھا اور کاروبار بیٹے کے حوالے وہ تو ان دنوں پرانے دوستوں کی محفلوں کو انجوائے کرتے تھے جب کہ اماں اور دادی خوشبو کے آسرے پر مرمر کے دن گزارتی تھیں، یاسر سے کچھ نہ کہتیں کہ گھر میں بدمزگی نہ پھیلے اور خوشبو ان دو خواتین پر نعمتوں کو بند کرکے خود فری ہوم ڈلیوری کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پزا منگوا لیتی اور کبھی برگر، بریانی، چائنیز وغیرہ..... اسے دیسی فوڈ سے دلچسپی نہیں تھی اور اماں، دادی کو بدیسی کھانوں سے رغبت نہیں تھی خود وہ لنچ تو کرتی نہیں تھی کبھی جوس لیتی، کبھی فرنچ فرائس اور کبھی سی فوڈز میں سے کچھ کھا لیتی جب کہ اماں اور دادی کو ایک سالن پر ٹرخا دیا جاتا تھا۔ یاسر کو اماں کبھی نہ بتاتیں مگر جو پڑوس میں اس کے چچا کا کنجوس ترین گھرانہ ہوتا ایک روز چاچی نے اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔

"اوئے زن مرید! ادھر آ، میری بات سن، یہ تیری زنانی نے سارے ہوٹلوں کا گند کھانے اور ہضم کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ آئے دن وہ موا پزا، برگر کا شاپر پکڑا جاتا ہے اور اماں، کشمیرن بھابی بس منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔" چاچی نے مزید بھی اس کے چودہ طبق روشن کرتے ہوئے خوشبو کی کارستانیوں کے متعلق بتایا تھا دونوں گھروں میں ایک ماسی کام کرتی تھی اور یقیناً وہی ادھر کی رپورٹ اُدھر پہنچاتی تھی۔ اس نے خوشبو سے باز پرس کی تو وہ صاف اور دو ٹوک انداز میں بولی۔

"اماں کو تو سی فوڈ پسند نہیں اور دادی کے لیے کھانا میں بناتی ہوں اگر انہیں پسند نہیں تو بتادیں، مینو چینج کردوں؟" تب تو اس نے بڑے طریقے سے بات کو سنبھال لیا تھا آئندہ آنے والے دنوں میں بات کچھ اور بگڑ گئی تھی۔

دراصل خوشبو کے مزاج میں حاکمیت بھی تھی وہ بندے کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتی تھی، یاسر اس کی حرکتوں سے عاجز ضرور تھا مگر وہ ایک فرماں بردار شوہر بنا ہوا تھا۔ ازل کے کنجوس سسر کو اب گھر میں نکتہ چینی کرنے کا وقت نہیں ملتا تھا اور ساس کو سرے سے وہ کوئی اہمیت ہی نہیں دیتی تھی البتہ یاسر کبھی کبھی برہم ضرور ہوجاتا تھا خصوصاً اس وقت جب چچی ساس کوئی شکایت لگاتیں۔ کچن خوشبو کے تسلط میں آیا تو ماسی کا بھی حقہ پانی بند ہوگیا۔ ایک دن یاسر نے خود اپنے کانوں سے ماسی کو شکوہ کرتے سن لیا تھا، وہ اماں سے بھرآئے لہجے میں مخاطب تھی۔

"جب سے آپ کی نوں (بہو) آئی ہے بی بی امیر... تو ہاں بچے بھوکے مرگئے پہلے دو وقت کا سالن یہاں سے لے جاتی تھی تو بچے کھا کر سوجاتے تھے اب تو بچے بھوکے سوجاتے ہیں۔" ماسی کے شکوے نے یاسر کو ٹھٹکا دیا تھا ایک مرتبہ پھر خوشبو سے باز پرس کرنے لگا۔

"تو حرام کا نہیں ہوتا، جو ڈونگے بھر بھر کے اسے دے دوں، ہمارے بھی دو وقت آرام سے نکل جاتے ہیں۔ تھوڑا ہوتا اسی لیے نہیں دیتی۔" اس کا انداز اب بھی دوٹوک تھا یاسر چپ کرگیا اگر دیکھا جاتا تو وہ یاسر کی سہولت اور بچت میں اہم کردار ادا کررہی تھی مگر یاسر کو ایسی بچت نہیں چاہیے تھی جو کسی غریب کے بچوں کو بھوکے پیٹ سلادیتی۔

وہ بچا ہوا کھانا فریز کردیتی تھی اور اسی کو بدل بدل کر تڑکے لگا کے پیش کرتی، اماں سے اب کوکنگ نہیں ہوتی

سو وہ خوشبو کے رحم و کرم پر تھیں پھر اس نے صابرہ کا راشن پانی بھی بند کروا دیا۔

"میرا شوہر صبح سے لے کر رات تک ان بیواؤں اور یتیموں کے لیے نہیں کماتا' سخاوت کرنی ہے تو اپنے شوہر کی کمائی سے کریں۔" خوشبو کی بداخلاقی اور زبان درازی بڑھتی جا رہی تھی اماں بے چاری حق دق رہ جاتیں۔ اب نہ صابرہ کے بچوں اور ماسی کے لیے کپڑے آتے اور نہ ہر جمعرات کو خوشبو کھانا پکا کر کچی بستی بھجواتی تھی۔ اس نے اماں کی راہداری کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا' جس پر کوئی نیکی ایک عرصہ سے درج نہیں تھی اور نہ ہو رہی تھی یوں ہی وقت کچھ اور آگے کھسک گیا' خوشبو اس کے دو اور بیٹوں کی ماں بن گئی تھی اب خوشبو کی گھر میں حیثیت کچھ اور مضبوط ہو چکی تھی اور اس کی چند ناپسندیدہ عادتوں کے علاوہ یاسر کو خوشبو سے محبت بھی بہت تھی۔ ان کے درمیان اختلافات کی واحد وجہ خوشبو کی کمینگی تھی اتنے عرصہ میں یاسر خوشبو کے ساتھ رہتے ہوئے اتنا تو جان گیا تھا کہ خوشبو کنجوس نہیں فطرتاً کمینی اور شوہدی ہے۔ اپنے اور اپنے بچوں کے علاوہ کسی اور پر خرچ نہیں کر سکتی تھی اس کے ابا' چچا' چاچی اور کاشی کنجوس تھے۔ وہ نہ خود پر خرچ کرتے تھے نہ دوسروں پر جبکہ خوشبو خود پر پیسہ پانی کی طرح بہاتی تھی اور فضول خرچی کی حد تک شاپنگ کرتی۔ جہاں کسی اور کے لیے کچھ لینے کی بات ہوتی اس کا دل تنگ پڑ جاتا۔ اسی طرح ایک دن ماسی نے اماں سے اپنی بڑی بیٹی کی شادی کے لیے امداد مانگی تو خوشبو نے ماسی کو بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا۔

"تم لوگوں کی بھوک نہیں مٹ سکتی' چاہے جتنا مرضی دو' کیا تیری بیٹیوں کو بیاہنے کا ہم نے ٹھیکہ لے رکھا ہے؟" ماسی کو ذلیل کر کے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی تھی' اس وقت کاشی بھی وہیں موجود تھا اور خوشبو کی سمجھ داری پر صدقے قربان جا رہا تھا۔

"ارے بیوی ہو تو ایسی' تائی اور دادی نے تو عمر بھر ان لوگوں پر پیسہ لٹایا ہے اور ہاتھ کبھی کچھ نہیں آیا۔" کاشی کی تعریفوں نے خوشبو کا دماغ کچھ اور ساتویں آسمان پر چڑھا دیا تھا اور یہی ایک نازک گھڑی تھی جب کاشی نے جوش و جذبات میں آ کر اس بھکارن کا ذکر کر دیا تھا جس کا ایک بازو پھنسیوں اور پھوڑوں کے باعث ناکارہ ہو چکا تھا جو پورا ایک سال پلازہ سے مہینے بھر کا راشن لے کر جاتی رہتی تھی اور پھر جس نے اچانک نظر آنا چھوڑ دیا تھا' وہ بھکارن جو یاسر کو راہداری کا سبق پڑھا کر گئی تھی وہ ان پڑھ معلمہ جو یاسر کو زندگی میں کامیابی کا واحد گر سکھا گئی تھی اور جس نے یاسر کو انسانیت کا درس سکھایا تھا۔

پھر یاسر نے کبھی بھی انسان کو حقیر جان کر اور کسی سائل کو ڈھونگی سمجھ کر جھڑکا نہیں تھا' اسے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد راز معلوم ہو گیا تھا پھر وہ کیسے اس ان پڑھ معلمہ کا سبق بھلا دیتا؟ کاشی نے جذبات میں آ کر خوشبو کو یاسر کے کئی خفیہ امدادی مشن سے بھی آگاہ کر دیا تھا مگر خوشبو کے دل میں جیسے گرہ پڑ گئی تھی اور کاشی بنا رکے اسے یاسر کی عظمتوں کے بارے میں بتا رہا تھا در پردہ وہ یاسر کے مشن سے عاجز آیا لگتا تھا۔

"روک سکتی ہو تو اسے روک لو بھابی! وہ ماسی کے ٹبر سمیت صابرہ کے بچوں کا پورا پورا خرچ اٹھائے ہوئے ہے اسے کوئی سمجھانے والا نہیں۔ ہم نے کوئی ایدھی سینٹر نہیں کھول رکھا۔" وہ تو کسی اور ہی تناظر میں خوشبو کو انفارم کر رہا تھا یوں کہ وہ اسے امدادی کاموں سے روک لے تاکہ پیسے کا زیاں نہ ہو مگر خوشبو تو جیسے کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی' اس کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں گونجنے لگیں۔

"صابرہ! تین بچوں کی ماں اور بیوہ عورت اور یاسر ایک درد مند دل رکھنے والا حلیم طبع مرد۔" آگ اور تیل اکٹھے ہو رہے تھے بھلا خوشبو خطرہ محسوس کیوں نہ کرتی؟

شادی کے مختصر سالوں میں پہلی مرتبہ کی بدگمانی' اس کے دل میں پھانس سی چبھ گئی تھی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا وہ براہ راست یاسر سے باز پرس نہ کرتی مگر اس سے بھی پہلے خوشبو کا یاسر کے ساتھ بڑا سنگین قسم کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ یاسر نے اسے پہلی مرتبہ بدفطرت کہا تھا اور اسے کچن سے بے دخل ہونے کو کہا تھا وہ اپنی ماں اور دادی کے ساتھ مزید ناانصافی ہوتا

نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خوشبو کے لیے یہ جھٹکا بہت بڑا تھا جیسے حکمرانی اور حکومت کا تختہ ایک دم الٹ گیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ خوشبو معمولی باتوں پر بھی یاسر سے الجھنے لگی تھی' روز روز کے جھگڑے' فساد' لڑائی' چیخ و پکار' گھر کا سکون درہم برہم ہو گیا تھا۔ بچے ماں کو چلاتے دیکھ کر دادی کے پہلو سے چپک جاتے تھے۔

خوشبو کے دماغ میں شک کا کیڑا بیٹھ گیا تھا اور اس کے شک کو تیلی خاتون اور شعلہ دکھا گئی تھی۔ وہ ہر روز خوشبو کو اک نئی رپورٹ دیتی۔ اس نے کب یاسر کو صابرہ کے دروازے پر دیکھا کب وہ اسے اپنی کار میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گیا' کب وہ اس کے بچے کو سیر کروانے لے گیا اور کیسے دنوں میں صابرہ کے حالات بدل رہے تھے۔ خوشبو سنتی تو اسے آگ ہی لگ جاتی تھی' ان دنوں وہ خود سے اور بچوں سے بھی غافل ہو گئی تھی۔ بچے بھی بے چارے اس کی عدم توجہی کے باعث اکثر بیمار رہتے تھے' نقی' تقی اور علی تینوں میں سے کسی نہ کسی کو کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا تھا۔ کوئی سیڑھیوں سے گر جاتا تھا تو کسی کو موسمی بخار آ گھیرتا' کوئی نزلے زکام کا شکار ہو جاتا اور وہ خود بھی بلڈ پریشر اور سر درد کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھی اس کا خیال تھا وہ ڈپریشن کی وجہ سے پژمردہ ہو رہی ہے مگر یہ کیفیات مستقل رہنے لگی تھیں۔

اماں بچوں کو سنبھال سنبھال کر ہلکان ہوتی تھیں' ساتھ کچن بھی دیکھنا پڑتا تھا دادی کے پرانے مزے لوٹ آئے تھے۔ کچن سے رنگ رنگ کے پکوانوں کی خوشبوئیں اٹھتی تھیں' ماسی کے بہار بھرے دن بھی واپس آ گئے تھے۔ ایک مرتبہ پھر جمعرات کے دن اماں نے کھانا پکا کر کچی بستی کے غریبوں میں تقسیم کروانا شروع کر دیا تھا برابر والی چاچی کے بھی حالات وہی تھے۔ خوشبو کی طرح سر درد' ہائی بلڈ پریشر اور اب شوگر کا مرض بھی لاحق ہو گیا تھا۔ عمر بھر میٹھے کی شکل نہیں دیکھی تھی پھر بھی شوگر؟ چاچی تو بے چاری پہلے وار میں ہی ڈھے گئیں' عمر بھر نعمتوں سے منہ موڑے رکھا تھا اور اب ڈاکٹر نے پرہیزی کھانوں کی لسٹ پکڑا دی تھی۔ دل تو برابر والے گھر کے باورچی خانے کی طرف محو پرواز رہتا تھا۔

کشمیرن بھابی کے بھی کیا مزے تھے زمانے بھر کا دیسی گھی' چکنا' میٹھے' حلوے کھا کر بھی ہٹی کٹی تھیں' کوئی بیماری چھو کر بھی نہیں گزری تھی نہ دل کا مرض تھا نہ سر درد کا۔ ہمیشہ کی طرح صحت مند' تروتازہ' ہشاش بشاش۔ چاچی اندر ہی اندر گھلتی جاتیں پر کشمیرن بھابی کی تروتازگی کا راز معلوم نہ کر پاتی تھیں' یہ راز تو کسی ایٹمی راز کی طرح تھا جو کسی کو معلوم ہی نہ ہو پاتا۔ ادھر کاشی کے بھی وہی حالات تھے چیونٹی کی رفتار سے بھی موٹر سائیکل چلاتا تب بھی کہیں نہ کہیں غلطی سے موٹر سائیکل الٹ جاتی اور کبھی حادثوں سے بچ جاتا تو موسمی بخار اور زکام میں مبتلا ہو جاتا اب تو وہ بھی اپنی نزلہ زدہ ناک سے تنگ آ چکا تھا۔ ہر طرح کے علاج معالجے بھی بے کار گئے تھے۔ ایسے ہی روپیہ علاج پر ضائع کیا تھا اسے پیسہ بہت ضائع ہونے کا شدید افسوس تھا۔

خوشبو اور یاسر کے اختلافات بڑھتے جا رہے تھے خصوصاً اس دن جب اچانک ایک کٹے ہوئے بازو والی بھکارن ان کے دروازے پر آ گئی۔ وہ دن یقیناً ان دونوں کے رشتے میں مزید دراڑیں ڈال گیا تھا۔ وہ بھکارن سویرے سویرے ہی ان کا در کھٹکھٹانے آ گئی تھی' خوشبو اور یاسر کی تازہ تازہ لڑائی ہوئی تھی یاسر نے اسے بہت باتیں سنائی تھیں۔ خود یاسر کا میٹر بھی گھوما ہوا تھا' سارا چین سکون غارت ہو چکا تھا۔ خوشبو کے شک نے ان دونوں کے درمیان فاصلے لا کھڑے کیے تھے۔ یہ بھکارن عجیب گندی سی صورت کی لڑکی تھی' دیکھنے سے گھن آتی۔ اوپر سے ایک بازو بھی نہیں تھا سوئے اتفاق جلتی بھنتی خوشبو ہی گھنٹی کی آواز پر گیٹ کھولنے آئی تھی' سامنے مانگنے والی کو کھڑا دیکھ کر اس کا بھیجہ الٹ گیا تھا۔

"کم بختو کسی وقت چین مت لینے دینا' گھنٹیاں بجا بجا کر خیرات مانگنے کا رواج نکال لیا ہے۔ بازار میں' ہسپتال میں ہر جگہ آ جاتے ہو تم لوگ' کبھی جان بخش بھی دیا کرو' جاؤ دفع ہو' کچھ نہیں ہمارے پاس۔" خوشبو نے آگ بگولا ہو کر ریں ریں کرتے علی کو کندھے سے لگایا اور گیٹ دھاڑ سے بند کرنا چاہا تھا مگر بھکارن نے سرعت سے اپنا اکلوتا ہاتھ گیٹ

کے بیچ میں کر دیا۔
"اے باجی! اتنا غصہ...... جاؤ جی غصہ تھوکو سویرے سویرے سائل کو خالی نہیں لوٹاتے۔ اتنی پڑھی لکھی ہو کر بھی نہیں جانتی ہو میں بھیک مانگنے نہیں آئی ایسے ہی بُرا خواب دیکھا تھا میں تو یاسر باؤ کو دیکھنے آئی ہوں خواب میں بڑے پریشان سے لگے اللہ باؤ کو سلامت رکھے۔ بیوی ہوئی نا یاسر باؤ کی اور یہ بچہ صدقے جاؤں رج رج کے سوہنا ہے۔" بھکارن فرط جذبات میں کچھ آگے بڑھ آئی تھی پھر اس نے علی کی پشت پر اپنا غلیظ سا ہاتھ رکھ دیا خوشبو کو جیسے کرنٹ لگا تھا پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بھکارن کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

"ذلیل...... غلیظ...... اپنے گندے ہاتھ سے میرے بچے کو چھوتی ہے اسے جراثیم لگ گئے تو؟" خوشبو کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا اس نے ایک اور تھپڑ اسے دے مارا پھر چوٹی سے پکڑ کر گیٹ سے باہر کر دیا۔

"کیا لگتی ہو یاسر باؤ کی؟ نکلو یہاں سے۔ اس آدمی نے بھی نجانے کتنی رکھیلیں رکھی ہوئی ہیں۔" وہ غضبناک تیور لیے بھکارن پر الٹنا چاہتی تھی مگر اسی پل یاسر اس کی چنگھاڑتی آواز سن کر اندر سے نکل آیا تھا۔ غصے سے انگارہ چہرہ لیے آنکھیں لال ہوتیں اور ہونٹ شدت ضبط سے بھینچے ہوئے وہ بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا خوشبو تک آیا تھا پھر وہ بھکارن کے پاس جا کھڑا ہوا اس نے خوشبو کی طرف دیکھا بھی نہیں وہ تو بھکارن سے بات کر رہا تھا اسے پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی تھی پھر بھکارن نے ہنستی آنکھوں سے اسے اپنے غائب ہو جانے کا بتایا گویا یاسر کے التفات نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"بانو کا زخم گہرا ہو گیا تو سرکاری ڈاکٹر نے اسے کاٹ دیا باؤ تیری دعا سے اور مدد سے تینوں بھائیوں نے ٹھیلے لگا لیے ایک مزدوری کرنے لگا باقی اسکول جاتے ہیں بھائیوں نے مجھے گھر بٹھا دیا کما کر لاتے ہیں۔ یہ سب تیری نیکی تیرے احسان اور تیرے ترس کی بدولت ہوا تھا باؤ! ورنہ میں آج بھی سڑکوں پر ایک بوتل شربت کے لیے ماری ماری پھر رہی ہوتی۔" اس کی آنکھوں میں یاسر کو دیکھ کر روشنی بھر گئی وہ کچھ دیر پہلے کی ذلت بھول گئی تھی۔

"مجھے رات کو بڑا بُرا خواب نظر آیا میں نے تیرے کو تکلیف میں دیکھا رہ نہ سکی تو ادھر آ گئی۔ تجھے دیکھ لیا تو سکون آ گیا۔ اللہ تجھے ہر غم ہر فکر اور پریشانی مصیبت سے آزاد رکھے آفتیں تیرے قریب آئیں تو تجھے چھوئے بغیر نکل جائیں۔" وہ دعائیں دیتی پلٹ گئی تھی یاسر سے کچھ بھی لیے بغیر آج وہ بھکارن بن کر آئی بھی نہیں تھی وہ تو اسے دعا دینے آئی تھی۔ ایک بوتل شربت کے بدلے اتنی دعائیں؟ وہ جیسے دم بخود رہ گیا تھا اس نے شربت کی بوتل دے کر گھاٹے کا سودا تو نہیں کیا تھا۔ یہ ڈھیر دعائیں اس بوتل اور چند روپوں کا نعم البدل ہو سکتا تھا؟

یاسر کے اندر سوال اٹھ رہے تھے وہ ان پڑھ معلمہ پلٹ گئی تھی مگر یاسر کے قدم جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ پلٹ کر بھلا کہاں جاتا گیٹ پر خوشبو کھڑی تھی اور وہ کم از کم اس وقت خوشبو کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ خوشبو کے الفاظ اس کے اندر باہر آگ کے بھانبھڑ جلا رہے تھے وہ آگ کا گولا بن رہا تھا۔ خوشبو کے دل میں پہلی مرتبہ خوف کی لہر ابھری تھی وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میری کتنی رکھیلیں ہیں حساب لو گی آج؟" وہ بھینچی آواز میں زہر خند ہو رہا تھا۔ خوشبو کا دل بند ہونے لگا اس نے کب یاسر کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگی تھی اسے لگ رہا تھا غصے کی زیادتی کے باعث وہ بہت کچھ غلط بول گئی ہے۔ بہت کچھ ایسا جو اسے نہیں بولنا چاہیے تھا پھر بھکارن کو مارے جانے والے تھپڑ...... اسے بھکارن کو مارنا بھی نہیں چاہیے تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

"یاسر پلیز......! میں کچھ غلط بول گئی مجھے معاف کر دیں۔" خوشبو گھگیائی۔

"نہیں تم نے کچھ غلط نہیں بولا آج ہی تو صحیح بولی ہو اپنے اندر کی غلاظت اگل دی۔ بہت اچھا کیا تم نے۔ تم مجھے ایک بیوہ کا عاشق بناتی ہو کبھی کسی بھکارن کے ساتھ نتھی کر دیتی ہو۔ میری اوقات بس اتنی سی ہے تمہاری نظر

میں؟ چلو آج مجھے پتا تو چل گیا۔" وہ غیض بھری نظروں سے اسے گھور رہا تھا خوشبو کو جیسے زمان و مکان بھول گئے تھے اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی تھی دل چاہ رہا تھا تیلی خالہ کا منہ توڑ آئے۔ وہی تو تھی اسے یاسر سے بدگمان کرنے والی۔

"یاسر پلیز......" اسے رونا بھی بھول گیا بھلا وہ کیسے یاسر کی بدگمانی دور کرتی...... اب تو کچھ ممکن ہی نہیں تھا۔

"تم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتیں کہ مجھے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے سن لیا اب اور گنجائش کہاں بچتی ہے؟ تمہارے پاس اب وقت نہیں بچا میرا خیال ہے مجھے اب کوئی اسٹینڈ لے لینا چاہیے آخر اور کتنی ذلت برداشت کروں؟ میں تمہاری بدفطرت کے ساتھ سمجھوتہ محض اپنے بچوں کی خاطر کر رہا تھا تم نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے میرا چین سکون غارت ہو چکا ہے میری زندگی سے پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں تمہاری تنگ دلی اور کمینگی کے باعث میری ماں اور دادی خوار ہوتی رہی ہیں۔ تمہاری بدفطرت کنجوسی اور کمینگی کی وجہ سے میرے بچے آئے دن بیمار رہتے ہیں تمہارے گھٹیا اعمال میرے بچوں کے لیے سزا بن رہے ہیں۔ لوگوں کے منہ سے نوالے چھینتی ہو اور ان کی بددعائیں لیتی ہو بھکاریوں کو دھتکارتی ہو یتیموں سے خار کھاتی ہو۔ تم میرے لیے سزا بن رہی ہو اور میں نہیں چاہتا تمہاری ہمراہی مستقل میرے لیے وبال بن جائے۔ تم میں اور میری چاچی میں کوئی فرق نہیں وہ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی نہیں سمجھیں کہ نیت اور رزق کو پاک نہ کیا جائے تو آفتیں ٹلتی نہیں۔ کبھی حادثوں اور کبھی بیماریوں کی شکل میں دبوچے رکھتی ہیں کسی حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جان جاتی ہے جب کہ ڈاکٹروں کی بھاری فیسیں خوشی خوشی ادا کر دی جاتی ہیں۔ مجھے تو آج سمجھ آئی ہے کہ چاچی اور کاشی صحت مند کیوں نہیں ہوتے؟ ان کی تنگ دلی انہیں صحت کے حوالے سے خوش حال ہونے نہیں دیتی۔ وہ کسی غریب کو کپڑا نہیں دیتے کسی بھوکے کو کھانا نہیں کھلا سکتے کسی مہمان کی تواضع نہیں کر سکتے کبھی کسی حق دار کی ضرورت پوری نہیں کرتے وہ کسی سے دعا نہیں لیتے۔ دعا جو آفت کے آگے ڈھال بن جاتی ہے دعا جو مصیبت کے وقت سایہ بن جاتی ہے اور صدقہ جو بلاؤں کو نگل لیتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کترانے والوں کو مصیبتیں کبھی نہیں چھوڑتیں جو دل تنگ کر لیتے ہیں اللہ یا تو ان کے رزق کو تنگ کرتا ہے یا صحت کو۔ چاچی کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوا ہے اور تم بھی اسی اسٹیج کی طرف بڑھ رہی ہو ماسی کو بچا ہوا کھانا نہ دے کر اپنے لیے بددعا خریدنے والی صابرہ کے بچوں کو کپڑے نہ دے کر دینے والی دادی اور اماں کو ان کے نیک عمل سے روکنے والی ان کی راہداریاں چھیننے والی۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ میرے بچے آخر ٹھیک کیوں نہیں ہوتے؟ تم ہزار نعمتوں کو کھا کر بھی بیمار رہتی ہو تمہیں ڈپریشن کیوں ہونے لگا ہے؟ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے دوسروں کا رزق چھینا ان کی روٹی کا وسیلہ چھینا تو اللہ نے تم سے سکون چھین لیا اور میں نہیں چاہتا تمہاری موجودگی مزید میرے لیے کسی آفت کا سبب بنے۔ اس لیے میں تمہیں تمہاری بدفطرت کے ساتھ قبول نہ کرتے ہوئے تمہاری ماں کے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔" یاسر کے ٹھوس اور مستحکم لہجے میں پتھروں کی سی سختی تھی۔ وہ اس کا بازو دبوچ کر گاڑی تک لے آیا تھا خوشبو جیسے نیند سے جاگ گئی تھی اس نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا جبکہ دوسری طرف دروازے سے لگیں چاچی جو اس وقت کسی کام سے دادی کے پاس آ رہی تھیں یاسر کے الفاظ سن کر دم بخود رہ گئی تھیں۔ ایسا آئینہ تو آج تک انہیں کسی نے نہ دکھایا تھا ایسی باتیں تو آج تک کسی نے انہیں سمجھائی نہیں تھیں۔ یہ یاسر انہیں کیسے طمانچے مار گیا تھا۔ وہ جیسے دم بخود ساکت چیختی چلاتی خوشبو کو دیکھ رہی تھیں جسے یاسر نے زبردستی گاڑی میں دھکیل کر بٹھایا اور گاڑی زن سے باہر نکل گئی تھی۔ روتا بلکتا علی فرش پر رینگتا ہی رہ گیا تھا جب کہ ملکانی چاچی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا بس ایک ہی پکار کے علاوہ بس ایک ہی چنگھاڑ کے علاوہ۔

"مجھے تو آج سمجھ آئی ہے چاچی اور کاشی صحت مند کیوں نہیں ہوتے؟ ان کی تنگ دلی اور بخیل فطرت انہیں صحت

کے حوالے سے خوش حال نہیں ہونے نہیں دیتی۔ وہ کسی غریب کو کپڑا نہیں دیتے' کسی بھوکے کو کھانا نہیں کھلاتے' سائل کو جھڑکتے ہیں۔ رشتہ داروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' گرے ہوئے اخلاق کے لوگ جو مہمان جیسی اللہ کی رحمت سے منہ موڑتے ہیں تب اللہ بھی ایسے لوگوں سے منہ موڑ لیتا ہے جو سال کی اکٹھی زکوٰۃ' خیرات' صدقات نکال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں پھر کسی مجبور کی مجبوری اور کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری نہیں کرتے۔" ہوا کے دوش پر لہراتی یہ آواز چاچی کے کانوں کو پھاڑ رہی تھی۔ انہوں نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے مگر یہ آواز گونجتی رہی تھی رک نہیں رہی تھی' اس آواز نے گونجنا ہی تھا' رکنا اب کہاں تھا؟

اتنے برس بیت گئے ایک ہی ڈگر پر چلتے ہوئے نہ کسی نے روکا' نہ ٹوکا' نہ سمجھایا مگر کیا کسی نے بھی نہیں سمجھایا تھا؟ یا وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ اتنے سال اپنی مرضی کے چنے رستے پر چلتی رہیں' اپنے خود ساختہ اصولوں کے ساتھ' اپنے بخیل پن کے ساتھ' اپنی کمینی فطرت کے ساتھ۔ وہ شروع سے ہی تو ایسی تھیں' ماں کے گھر میں اتنی تنگی اور غربت دیکھی' روٹی کے ٹکڑوں کے لیے بھی ترسنا پڑتا تھا بھوک افلاس میں جوان ہوئیں اور اسی بھوک نے دل کو تنگ کر دیا پھر جب بخت کی یاوری نے انہیں ایک خوش حال گھرانے میں بھیجا تب بھی دل کی تنگی ختم نہ ہو سکی تھی۔ ازل کی بھوک نہ مٹ سکی' رزق دیکھ کر دل بھر گیا لیکن نیت نہیں بھری تھی۔ سسرال میں شوہر اور جیٹھ بھی تنگ دل کے ملے سو ان کا وقت اچھا گزر گیا' کھلا رزق دیکھ کر بخل بھی اور بڑھ گیا۔ نہ خود کھل کے کھایا نہ کسی کو کھانے دیا' کبھی جو کوئی ضرورت مند آ جاتا تو اسے جھڑک دیتیں۔ خیرات' زکوٰۃ سا مجھے کھاتے سے نکال دی جاتی تھی یعنی ایک فرض ادا ہو جاتا' اس کے بعد وہ بری الذمہ۔

انہیں رہ رہ کر اپنی غلطیاں یاد آ رہی تھیں کب اور کیسے کہاں انہوں نے اپنے دل کو تنگ کر کے حق داروں کا حق مارا تھا۔ نہ کبھی خیرات کی نہ صدقہ دیا پھر بلائیں ٹلتی کیسے؟ انہیں یاد تھا کئی مرتبہ ماسی دامن پھیلائے ان سے مدد کی التجا کرتی تھی مگر وہ تنخواہ کی علاوہ اسے کچھ نہ دیتیں' الٹا غصے ہوتیں اور باتیں سناتیں۔ ساس اور جٹھانی کو ایک عرصہ تنگی کا ناچ نچایا یہ تو ان دونوں کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ انہوں نے برداشت کیے رکھا تھا۔ پھر انہیں صابرہ کا روتا چہرہ یاد آ گیا' وہ ان سے قرض لینے آئی تھی برابر گھر میں اس لیے نہ گئی کہ روز روز مانگتے شرم کرتی تھی مگر انہوں نے صابرہ کو قرض بھی نہ دیا' الٹا اسے جھڑکتی رہیں۔

"بھلا یہ کہاں سے قرض ادا کرے گی' ذریعہ معاش تو ہے کوئی نہیں؟" اسی سوچ نے انہیں نیکی کرنے سے روکا تھا۔

پھر جو صابرہ کو خالی ہاتھ لوٹایا تو اسی شب کاشی پھر سے ایکسیڈنٹ کروا کے آ گیا اور یہ تو معمول کی بات تھی۔ آئے دن کی بیماری' دوائیوں پر خرچہ' ڈاکٹرز کی فیس' ٹیسٹ...... مگر اس کے باوجود وہ سمجھی نہیں' نہ سمجھنے کی کوشش کی تھی آخر آئے دن ان کے ساتھ حادثے پیش کیوں آتے تھے؟ چھوٹی موٹی بیماریاں پیچھے کیوں نہیں چھوڑتی تھیں' انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں جب جب انہوں نے اپنی کمینی فطرت کی بدولت کسی کا دل دکھایا' حق مارا یا بخل سے کام لیا اسی لمحے مصیبت شکل بدل کر وارد ہو جاتی آخر انہوں نے پہلے کیوں نہیں سوچا۔ پچھتاوے' دکھ اور شرمندگی کے باعث ان کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ آج اس بات کو دل سے تسلیم کر چکی تھیں کہ ان کی ساس اور جٹھانی کی نیک فطرت' اچھائی' سخاوت اور رحم کی بدولت ان کے گھر پر مصیبت ٹھہرتی نہیں تھی' آتی اور چلی جاتی پھر جو انہوں نے ماضی کی غلطیوں پر نگاہ ڈالی تو شرم سے سر اٹھ نہیں پایا تھا اور جو ہاتھوں پر نگاہ پڑی تو دل دھک سے رہ گیا۔

ان کے خالی ہاتھوں میں ایک بھی راہداری نہیں تھی کیا ان جیسا کنگال اور مفلس اس دنیا میں کوئی اور بھی تھا؟ بلاشبہ مفلس وہی لوگ ہوں گے جو بخیل اور کنجوس ہیں' اللہ کے دیئے مال میں سے خرچ نہیں کرتے بلکہ بچا بچا کر رکھتے ہیں' ان کی کمینگی انہیں کنگال کرتی ہے پر وہ سمجھ نہیں پاتے اور گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جن کے ہاتھوں کا مال ہاتھوں میں رہا اور انہوں نے اسے اللہ کی مخلوق پر خرچ نہیں کیا اور کیا ملکانی بھی انہی لوگوں میں شمار ہوتی تھی؟ آئینہ پھر سے سامنے آیا تو انہوں نے بے ساختہ بھنچی بھنچی آواز میں کہا۔

"نہیں...... نہیں...... میرے اللہ! مجھے معاف کر دے۔"

◉......❖......◉
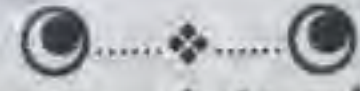
وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا' تیوریاں چڑھائے سرخ آنکھیں لیے آج اس کے برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ خوشبو سے اس کے تعلقات اس نہج پر پہنچ جائیں گے؟ چند سال پہلے جب وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تب وہ کچھ کچھ اس کی بخیل فطرت کو جان ضرور گیا تھا کنجوسوں سے اس کی نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اپنے خاندان کے چند قریبی کنجوسوں نے جس طرح اس کو ناک تک عاجز کیے رکھا تھا' اس صورت حال میں کم از کم وہ اپنی شریک حیات کو کنجوس فطرت کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا تھا مگر اس کے ساتھ کچھ الٹ ہی ہوا تھا' ایک مرتبہ پھر صبر اور برداشت کا امتحان۔ گزرتے وقت کے ساتھ یقیناً وہ خوشبو کی کنجوسی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتا اگر جو وہ اس کی نیت کے کھوٹ کو جان نہ پاتا تب پہلی مرتبہ اس پر انکشاف ہوا تھا کہ خوشبو کنجوس نہیں' بد فطرت ہے' خود غرض ہے اور وہ صرف اپنا سوچتی ہے دوسرے جہنم میں جائیں اسے پروا نہیں تھی اور یہ کہ وہ اس کی حلال سے کمائی دولت کو بے دریغ خود پر اور اپنوں پر لٹاتی تھی یہاں تک بھی ٹھیک تھا مگر جب اس نے اماں اور دادی کے ساتھ برا رویہ رکھا تب وہ چونک گیا تھا حالانکہ چونکنا تو اسے بہت پہلے چاہیے تھا تب سے جب اس کا رشتہ ابا نے خوشبو سے طے کیا۔

یہ رشتہ آخر ہوا کیسے تھا' خوشبو کے گھر والے ابا کی ازلی کنجوسی کو جان کر بھی اس رشتے کو ختم نہیں کر سکتے تھے' آخر کیوں؟ حالانکہ یاسر جانتا تھا ابا نے اس کی شادی پر دانتوں سے بھینچ بھینچ کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ خوشبو کے لیے ڈھنگ سے ایک بھی چیز نہیں خریدی گئی تھی حالانکہ وہ بڑی اعلیٰ چوائس رکھتی تھی پھر بھی ابا اور چاچی کی شاپنگ پر نکتہ چینی کیے بغیر خوش ہی رہی پھر لہنگے کی جگہ سوٹ بنوا کر ایک مرتبہ پھر اس نے ابا کا دل جیت لیا تھا یہ سب خوشبو کیوں کر رہی تھی؟ یاسر تب بھی الجھتا تھا مگر کسی سے شیئر نہیں کر سکتا تھا اس نے ہر موقع پر بچت کو مدنظر رکھا تھا آخر کیوں؟ شادی سے پہلے بچتیں کرنے والی کو بعد میں آخر کیا ہو گیا تھا؟

بہت سے سوالیہ نشان تھے جن کے معانی آخر یاسر نے ڈھونڈ ہی لیے تھے دراصل خوشبو کا باپ بھی بڑا عقل مند آدمی تھا وہ جان گیا تھا کہ ابا کس فطرت اور قماش کے ہیں اور یاسر کے کئی رشتے ابا کی کنجوسی کے باعث ہوتے ہوتے رہ گئے تھے' دیکھا جائے تو ابا کی کنجوس فطرت کے علاوہ یاسر میں کوئی کمی نہیں تھی سو انہوں نے ابا کی فطرت جان کر خوشبو کو سمجھا دیا تھا۔

"بعد میں ساری کسریں نکال لینا' ابھی دل اور خواہش کو مار لو۔ جو کرتے ہیں کرنے دو' کنجوس لوگ ہیں' مرتے مرتے ہی پیسہ خرچیں گے۔" خوشبو نے اس نصیحت کو پلو سے باندھا اور یاسر کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ پہلے کچھ دن اس نے اپنا کنجوس پن دکھا کر سسر کو خوش کیا اور پھر بعد میں اس کے عزے ہو گئے ابا اپنے انتخاب پر اتراتے پھرتے' کاروبار سے غافل ہو چکے تھے۔ یاسر کے کنٹرول میں پیسہ آ گیا تھا اور وہ تھا بھی کھلے دل کا' یوں خوشبو جی بھر اپنے ارمان پورے کرتی۔ باپ کے گھر جو کچھ میسر نہیں تھا وہ سب کچھ یہاں سے مل رہا تھا' اس نے دنوں میں گھر پر اجارہ داری قائم کر لی۔ ساس اور دادی ساس کو بے دخل کر دیا۔ اپنی مرضی چلاتی' شاپنگ کرتی اور یاسر کے سامنے کبھی کبھار کنجوسی کے جوہر دکھاتی۔

مگر ایک غلطی نے اسے عرش سے فرش پر پہنچا دیا' اس نے ساس کے ہاتھ سے راہداری چھین لی' ان کی سخاوت پر چوٹ کرتی' رزق کے ضائع کرنے پر باتیں سناتی' ساس کو فضول خرچ کہتی اور کئی لوگوں کے دلوں سے گرتی چلی گئی۔ اللہ کو اس کا یہ عمل پسند نہیں آیا تھا اس کے دل میں شک کا بیج

ڈالا اور اسے یاسر سے الجھانے پر مجبور کردیا' آئے دن کے جھگڑے لڑائیاں' فساد اور پھر خوشبو کی آخری بکواس۔ یاسر کے کردار پر بات آئی تو وہ کچھ بھی برداشت نہیں کرسکا تھا۔ وہ خوشبو کی بری فطرت سے سمجھوتہ کرسکتا تھا مگر کردار پر غلاظت کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اسے صابرہ کے حوالے سے ٹارچر کرنے لگی تھی۔ صابرہ اس سے پندرہ سال بڑی' تین بچوں کی ماں' بیوہ عورت' جسے اماں چوری چھپے بہت کچھ دیتی' دلاتی تھیں پھر جب خوشبو نے کنٹرول کیا تو صابرہ کا چولہا پانی بند ہوگیا۔ یاسر سے اماں نے ذکر کیا تو اس نے صابرہ کی خود خبر گیری کرنا شروع کردی تھی۔ محلے کی کچھ شر پسند عورتوں کی باتوں میں آ کر خوشبو نے یاسر پر بہتان باندھنے شروع کردیے تھے وہ پھر بھی اپنے بچوں کی خاطر برداشت کررہا تھا مگر جس دن وہ ان پڑھ معلمہ ایک معمولی سی بھکارن آئی وہ دن تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔ یاسر کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں اب وہ مزید خوشبو کو برداشت نہیں کرسکتا تھا اور اس وقت ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ خوشبو کی ہر التجا' درخواست معافی اور روتے دھونے کو نظر انداز کرچکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑے اسے روک رہی تھی' گاڑی واپس موڑنے کا کہہ رہی تھی' منتیں کررہی تھی۔

"ایک مرتبہ معاف کردیں یاسر! آئندہ ایسا نہیں ہوگا' میں خود کو بدل لوں گی' آپ کی پسند کے سانچے میں ڈھل جاؤں گی' پلیز یاسر! ایک مرتبہ معاف کردیں۔ اپنے بچوں کا سوچیں ایک مرتبہ معاف کردیں' اللہ بھی تو معاف کرتا ہے۔" خوشبو نے یاسر کا کندھا جھنجوڑ دیا تھا تب اسی لمحے ہلکی سی چوک ہوئی اور یاسر کا دھیان بٹا اور اچانک گاڑی ہچکولے کھانے لگی' ٹائر دھماکے سے بلاسٹ ہوا اور گاڑی کسی اکھڑے درخت کی مانند لہراتی ہوئی کھائی میں جاگری تھی۔ آن کی آن میں کیا ہوا تھا یاسر کا دماغ سن ہوگیا' خوشبو کی چیخوں نے اسے دہلا دیا۔ اس کے سر پر گہری ضرب لگی تھی اور بے ہوش ہونے سے پہلے وہ خوشبو خوشبو پکار رہا تھا۔

○......❖......○

زندگی کی کٹھن راہ گزر پر بہت سے لوگ ملتے ہیں کچھ بُرے کچھ اچھے اور کچھ بہت ہی اچھے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے نین نقش اور عادتوں سمیت ذہن کی سلیٹ سے ہمیشہ کی طرح مٹ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عمر بھر کے لیے ذہن و دل پر چھائے رہتے ہیں' کبھی نہ بھولنے کے لیے۔ اس کا دوست بھی کچھ ایسا ہی تھا' لاکھوں انسانوں کی بھیڑ میں سب سے جدا' جسے وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔ بس اسے یقین سا تھا کبھی شاہراہ زیست پر چلتے چلتے اچانک اس سے ٹاکرا ہو ہی جائے گا اور یہ یقین ہلکا نہیں ہوسکا تھا۔

پھر ایک دن وہ اسے چوراہے پر مل ہی گیا' اس حالت میں کہ وہ اپنے یار کو پہچان ہی نہ پایا' اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ مختصر سی رفاقت کے بعد وہ اسے اس حال میں ملے گا؟ وہ جو عادتاً چوراہے پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور یہ دیکھنا بے مقصد نہیں تھا' اس کے اسی دوست کی ماں نے اسے ایک اسم سکھایا تھا ایک سبق دیا تھا اور اس نے زندگی کے اس انمول ترین سبق کو عمر بھر کے لیے یاد کرلیا تھا' کبھی نہ بھلانے کے لیے۔

زندگی میں ایک اسی اسم کی بدولت اسے بے شمار کامیابیاں ملی تھیں' وہ دیہاتی ماحول سے نکل کر شہر آ گیا۔ بہن' بھائی سیٹ ہوگئے' ماں' باپ نے حج کرلیا۔ ایک اسم نے زندگی کا قرینہ سکھایا تھا اور یہ سب کس کی بدولت ہوا تھا؟ اس کے اسی دوست کی بدولت جس نے باپ سے مار کھا کر اور ماں کا کنگن بیچ کر اس کی بُرے وقت میں اتنی مدد کی تھی۔ ایک راہداری اس کے دوست نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور ایک راہداری کی تلاش میں وہ خود تھا اور اسے خبر نہیں تھی اس راہداری کی محبت اور کشش اسے اتنے سال بعد پھر سے اپنے بچھڑے ہوئے یار سے ملادے گی۔

وہ چوراہے میں کھڑا تھا جب دیکھتے ہی دیکھتے ایک تیز رفتار کار الٹ کر کھائی میں جاگری تھی' وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں بھاگتا ہوا جائے وقوعہ پر پہنچا اور پھر جیسے زمان و مکاں اسے بھول گئے تھے اس کا سر بُری طرح چکرا گیا' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ایک جوان کو دیکھ رہا تھا جس کے

چہرے پر ہلکی خراشیں تھیں اور شاید وہ بے ہوش ہوگیا تھا' اس نے کھینچ کر اسے سیدھا کیا اور دنگ رہ گیا۔ وہ تو اس کا محسن اس کا یار یاسر تھا' عامر کو پھریری سی آ گئی تھی' اس نے پانی کی بوتل سے پانی لے کر یاسر کے منہ پر چھڑکا۔ وہ نیم بے ہوش تھا' جلدی ہوش میں آ گیا اسے معمولی چوٹیں آئی تھیں' وہ جلدی سنبھل گیا تھا پھر اپنی اوپر جھکے نوجوان کو دیکھ کر جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"عامر تم......" وہ حیران پریشان اسے دیکھتا رہ گیا تھا کیا وہ خواب دیکھ رہا تھا یا نیند میں تھا۔

"ہاں میں......تم ٹھیک ہونا؟" عامر نے فکر مندی سے پوچھا۔

"مجھے کیا ہوا ہے' میں ٹھیک تو ہوں۔" بولتے بولتے وہ چونک گیا تھا' جیسے ایک جھماکے سے اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔ خوشبو کے ساتھ جھگڑا' اس کی بدزبانی' یاسر کا غصہ اور پھر ایکسیڈنٹ' اس کے دل میں گھبراہٹ کی لہر اُبھری تھی۔

"خوشبو کہاں ہے؟" وہ فرنٹ سیٹ اٹھ کر دیکھ رہا تھا' دروازہ کھلا تھا اور خوشبو کہیں نہیں تھی۔

"خوشبو کون؟" عامر حیران ہوا وہ جو یاسر کو تسلی سے دیکھ رہا تھا کہ اسے کہیں اور چوٹ تو نہیں لگی ایک دم رک سا گیا۔

"میری بیوی۔" یاسر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا' عامر بھی بے چین ہوکر اِدھر اُدھر کھائی میں دیکھ رہا تھا' کار الٹی تو خوشبو کھائی میں جاگری تھی۔ یاسر اور عامر نے اسے جلد ڈھونڈ لیا' خوشبو کی حالت بہت خراب تھی اسے شدید چوٹیں آئی تھیں۔ عامر لمحہ بھر کی دیر کیے بغیر یاسر کے ہمراہ خوشبو کو کار میں ڈال کر ہسپتال لے آیا تھا۔

خوشبو کے سر پر چوٹیں آئی تھیں' وہ کومے میں چلی گئی مگر یہ قیامت کی گھڑی آ گئی تھی خوشبو کی اذیت تکلیف اور بے بسی نے یاسر کے دل میں دبی اس کی محبت کو پھر سے تازہ کردیا تھا' وہ اپنے غصے اور جذباتیت کو کوستا تھا۔ غصہ حرام ہوتا ہے اسی غصے کی وجہ سے آج وہ اتنی تکلیف میں تھا' اسے اپنی جذباتیت پر بھی تاؤ آتا پھر خوشبو کی التجائیں اور منتیں مضطرب کردیتی تھیں' کم از کم اسے خوشبو کو ایک موقع تو دینا

چاہیے تھا۔ وہ سخت اذیت میں تھا اور خوشبو کو جب تک ہوش نہ آیا وہ مجرم بنا ہسپتال کے کوریڈور میں ہی پھرتا رہا۔ ان دنوں ابا بھی بہت مضطرب تھے' بہو اور بیٹے کے ایکسیڈنٹ نے ان کی ساری کنجوسی نکال دی تھی۔ مصیبت آئی تو اللہ بھی یاد آ گیا' جی بھر کے خیرات کی' صدقات دیے۔ ابا کا عمل ایک طرف دادی اور اماں کی دعائیں اور یاسر کی کوئی نیکی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی تھی' یوں دو مہینے بعد خوشبو کو ہوش آ گیا۔ جس نے بھی حادثے کے بارے میں سنا حیران ہوکر کہا۔

"یاسر کو تو خراش تک نہیں آئی بس ہاتھوں کا دیا کام آ گیا۔ بڑا ہی خدا ترس اور نیک بچہ ہے۔ کسی کی دعا کام آ گئی اور خوشبو بھی یاسر کی کسی نیکی کے طفیل بچ گئی ورنہ بچنے کے امکان نہیں تھے۔" ایسے بے شمار تبصرے خوشبو کے کانوں میں بھی اترتے تھے اور وہ بآواز روتے ہوئے اللہ سے معافی مانگتی' جانے وہ کس کس کی بددعا کی زد میں آ گئی تھی' صابرہ کی' ماسی کی یا پھر اس بھکارن کی؟

اسے اپنے عمل میں ایک بھی راہداری دکھائی نہ دیتی تھی اسے اپنا بُرا رویہ یاد آتا۔ اماں کو دی جانے والی اذیت اور بد کلامی' وہ پہروں روتی اور تڑپتی رہتی تھی پھر ایک دن اسے یاسر کے دوست عامر نے سمجھایا تھا۔

"بھابی! آنسو اچھے ہوتے ہیں' دل کی غلاظت دور کرتے ہیں پر اتنے بھی آنسو نہ بہاؤ' دیکھو یاسر بہت پریشان ہے جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ۔" وہ ہر روز عیادت کے لیے آتا تھا خوشبو کی بیماری کے دنوں میں وہ یاسر کا سایہ بن گیا تھا شاید وہ پچھلے کسی احسان کا بدلہ اتار رہا تھا یا پھر اپنی نامہ اعمال میں راہداریوں کا اضافہ کررہا تھا۔

"میں بڑی گناہ گار ہوں۔" خوشبو روتی۔ "بڑے لوگوں کے دل دکھائے اور بددعائیں سمیٹی ہیں' کوئی بددعا بھی نہ دے تو دکھا ہوا دل بددعا کی رہ گزر خود بخود بن جاتا ہے۔" اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ گزرے وقت کو کھینچ کر واپس لے آتی۔

"تو پھر ایک رستہ تو ہے نا......دیکھو بھابی! اللہ نے

تمہیں مہلت دے دی اس مہلت سے فائدہ اٹھالو یہ بھی بڑے نصیب کی بات ہے ٹھوکر دے کر سنبھلنے کا موقع دیا۔"

عاصر اسے نئی راہ دکھا رہا تھا' خوشبو کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔ ہاں اسے ایک موقع عطا کیا گیا تھا سنبھلنے کے لیے' ٹھوکر سے اٹھنے کے لیے اور اب کہ اس نے یہ موقع گنوایا نہیں تھا۔

باری باری سب سے معافی مانگ لی تھی' اماں' دادی' صابرہ اور یاسر...... اس کا من ہلکا ہوگیا۔ وہ عاصر کی شکر گزار ہوگئی تھی جس نے اسے امید کا جگنو تھمایا' معافی کا جگنو یہ جگنو تو رستوں میں اڑتے پھرتے ہیں بس انسان اپنی نادانی میں سمجھ نہیں پاتا۔

یاسر کا دل صاف ہوا تو خوشبو جلدی سے روبہ صحت ہوئی' اس دن یاسر خوشبو کے لیے خوشبو کا تحفہ یعنی سرخ گلاب لے کر آیا تو گیٹ کے ایک طرف اسے چاچی کھڑی دکھائی دیں جو پرس میں سے سو کا نوٹ نکال کر ایک بزرگ فقیر کو دے رہی تھیں' وہ جیسے تھم سا گیا تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی ایک ننھی سی کوشش کی بدولت؟ وہ خوشبو کی اس دن کلاس لیتے ہوئے چاچی کو دروازے کے پیچھے کھڑا دیکھ چکا تھا تبھی اس نے ایک تیر سے کئی شکار کیے تھے۔ اس نے ابا اور چاچی کے مزاج میں واضح تبدیلی محسوس کی تھی۔ شاید یاسر کے ساتھ ہونے والے حادثے نے ابا کو بدل دیا تھا' وہ پہلے سے نرم اور رحیم ہوگئے تھے وہ بُرے نہیں تھے بس کنجوس تھے اور ان کی کنجوسی کے پیچھے بھی ایک طویل وجہ موجود تھی۔ ابا نے بڑا ترس ترس کر بچپن گزارا تھا' بڑے مشکل حالات میں پلے بڑھے تھے' غربت اور تنگی تو نہیں دیکھی تھی بس ان کے والد بہت کنجوس تھے انہوں نے ترسا ترسا کر بچوں کو پروان چڑھایا تھا جو محرومیاں ابا اور چچا نے دیکھیں بالکل اسی انداز میں اگلی نسل میں منتقل کردی تھیں۔ اپنے زور بازو پر رزق کمایا اور دل تنگ ہوگیا' بخیل ہوگئے' پیسے کو خرچ کرنے سے کترانے لگے' جانے ان میں کون غلط تھا' ابا یا ابا کے ابا؟ وہ ایک ایک سیڑھی چڑھتا سوچ رہا تھا' کبھی ابا کو' کبھی چاچی اور کاشی کو۔ ابا اور چاچی میں تو تبدیلی آگئی تھی مگر کاشی ابھی تک ویسا ہی تھا۔

شاید اسے بھی ایک ٹھوکر کا انتظار تھا' وہ ٹھوکر جوابا چاچی اور خوشبو کو لگی تھی مگر وہ لوگ سنبھل گئے تھے' سنبھل جانے والوں کے لیے آسانیاں اور کامیابیاں تھیں۔ خوشبو جو اب عاصر سے کسی نہ کسی راہداری کا اسم پوچھ رہی تھی اور عاصر وہ تھا جو یاسر کے ایک احسان کے بدلے میں بلا کا عاجز ہوچکا تھا' اس کے اندر انکساری اور رحم بھر گیا تھا' عاجزی نے اسے اور جھکا دیا تھا اور اگر چند سال پہلے یاسر اس کی مدد نہ کرتا وہ آخری سال کی فیس جمع نہ کروا پاتا تو کیا وہ اب بھی آج کی طرح والا عاصر ہوتا؟ ہرگز نہیں' اسے ایک نیکی نے مزید نیکیوں کی طرف کھینچ لیا تھا۔

اور یاسر کی اماں اور دادی جن کی دعاؤں کا سایہ اور طاقت اسے حادثوں سے بچا کر محفوظ رکھتی تھی وہ مصیبتوں سے بچالیا جاتا تھا کسی بھکارن کی دعا کے طفیل کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنے کی بدولت' کسی بیوہ کی ضرورت پوری کرنے کی وجہ سے۔ نجانے لوگ ٹھوکر کھائے بغیر کیوں نہیں سمجھتے' ایک شربت کی بوتل کسی ضرورت مند کو دینے کی بجائے بددعا لیتے ہیں اور لاکھوں کا نقصان کروالیتے ہیں۔ اس تمام فلسفے میں یاسر کو صرف ایک ہی بات سمجھ آئی تھی کہ ہاتھوں کا دیا کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔

اللہ تعالیٰ سخی ہے اور سخاوت کو پسند فرماتا ہے۔ تنگ دل والوں اور بخیل لوگوں کی قبر کو بھی تنگ کردیا جاتا ہے اور جو لوگ ہاتھ آئی راہداریوں کو گنوا دیتے ہیں' وہ دنیا اور آخرت میں ناکام ہوجاتے ہیں۔ کیا آپ نے بھی راہداری کو پانے یا حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اگر نہیں کی تو ضرور کیجیے گا۔ اس راہداری کا نشہ لذت اور کشش بہت انمول ہے' اسے راہ میں آنے والی مشکلوں کے لیے ڈھال بھی کہتے ہیں اور ہاتھوں کا دیا بھی...... یقیناً آپ سمجھ چکے ہوں گے۔

قسط نمبر 13

عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

ذرا سی دیر کو آئے تھے خواب آنکھوں میں
پھر اس کے بعد مسلسل عذاب آنکھوں میں
وہ جس کے نام کی نسبت سے روشن تھا وجود
کھٹک رہا ہے وہ ہی آفتاب آنکھوں میں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز کے فائر کرتے ہی مصطفیٰ اس ساری صورت حال پر شدید اشتعال کا شکار ہوتا ہے۔ وہ ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا دیتا ہے۔ تبھی ہوٹل کی انتظامیہ کے درمیان میں آجانے سے مصطفیٰ، شاہزیب صاحب اور امجد خان کو بلوا لیتا ہے۔ شاہزیب تمام صورت حال جاننے کے بعد مصطفیٰ سے ایاز کو امجد خان کے حوالے کردینے کا کہتے ہیں۔ شہوار اس واقعے سے شدید صدمے کا شکار ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف عباس بھائی اور دیگر لوگ بھی عادلہ بھابی اور ایاز لوگوں کی وجہ سے سخت اذیت برداشت کرتے ہیں۔ انا ناشتے کی ٹیبل پر اخبار کا مطالعہ کرتے ایک خبر دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ فوراً شہوار کو کال کرکے ایاز کے متعلق خبر کے بارے میں بتاتی ہے تو شہوار سمجھتی ہے کہ رات ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر ہے۔ ایاز رات کے کسی پہر گاڑی چھیننے کی کوشش کرتا ہے جس پر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ یہ خبر اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ عبدالقیوم اور ان کی فیملی اس خبر کو لے کر خاصے پریشان ہوتے ہیں اور عبدالقیوم صاحب اپنے وکیل سے ایاز کو باہر نکلوانے کی تدابیر کے متعلق بات چیت کرتے ہیں۔ عائشہ شہوار کو اخبار لا دیتی ہے اور شہوار خبر پڑھ کر حیران ہوتی ہے تو عائشہ اسے بتاتی ہے کہ ایسا صرف خاندان کی عزت کے لیے کیا گیا ہے تاکہ اصل واردات کو سامنے لائے بغیر ایاز کو اس کے جرم کی سزا دی جاسکے۔ تب ہی شہوار کچھ مطمئن ہوتی ہے اور کمرے سے باہر ناشتا کرنے کے لیے نکلنے لگتی ہے تو مصطفیٰ کو دیکھ کر رک جاتی ہے مصطفیٰ بھی اس کے چہرے کے زخم کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے اور پھر شہوار کے پاس آ کر اس کے زخموں کو بغور دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایاز کو یکدم ختم کردینے کی تحریک برپا ہوجاتی ہے شہوار اس کے تیوروں سے گھبرا کر شدت سے رو پڑتی ہے اور اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ جس پر وہ غصے سے اس کے کمرے سے نکل جاتا ہے۔ انا، ولید اور روشانے کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلتی ہے۔ وہاں ولید کو کسی کی کال آتی ہے تو وہ مشکوک ہوجاتی ہے اور پھر جیولری شاپ پر روشانے کے منہ سے کسی کیتھی کا نام سن کر الجھ جاتی ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتی ہے جبکہ ولید اس کے رویے پر چونک کر حیران ہوتا ہے۔ ولید کو کسی سے ملنا ہوتا ہے وہ فوراً وہاں چلا جاتا ہے۔ شاہزیب صاحب مصطفیٰ کی طرف سے پریشان ہوجاتے ہیں۔ مصطفیٰ ایاز کو اچھا خاصا زدوکوب کرتا ہے۔ شاہزیب صاحب اس سارے واقعے کو مدنظر رکھتے شہوار اور مصطفیٰ کے فوری نکاح کا فیصلہ کرتے ہیں اور حویلی فون کرکے تابندہ بوا سے بھی ڈسکس کرتے ہیں اور اس کے بعد شہوار کو اپنے فیصلے کا بتا دیتے ہیں جبکہ شہوار ان کے سامنے بالکل گم صم رہ جاتی ہے۔ وہ چاہنے کے باوجود انکار نہیں کرپاتی۔ ولید مصطفیٰ سے ملنے آتا ہے اور مصطفیٰ کو لے کر گھر آتا ہے۔ راستے میں مصطفیٰ ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتا ہے۔ گھر آکر بھی سب مصطفیٰ کو خاص پروٹوکول دیتے ہیں۔ کھانے کی ٹیبل پر انا کھانا

کھانے سے انکار کردیتی ہے اور کمرے سے باہر نہیں آتی۔ صبوحی بیگم مصطفیٰ کے سامنے انا کے اس انکار پر شدید سبکی محسوس کرتی ہیں۔ جبکہ مصطفیٰ ولید کو چھیڑتے ہوئے محظوظ ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ انا اس سارے عرصے میں ایک بار بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مصطفیٰ رات گیارہ بجے بھرپور خوشگوار وقت گزار کر اٹھا تو ولید اسے ڈراپ کرنے کو ساتھ ہولیا۔ احسن بھی خوشگوار موڈ میں تھا سو وہ بھی ولید کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھا۔ مصطفیٰ نے منع بھی کیا کہ وہ باہر جا کر کوئی کنوینس لے لے گا مگر ولید اور احسن نے ایک نہ چلنے دی تھی۔ وہ لوگ اسے اس کے آفس ڈراپ کرکے گئے تھے یہاں سے اسے اپنی گاڑی لے کر واپس گھر جانا تھا اس کی غیر حاضری میں اس کی گاڑی کی ریپئرنگ کا کام بھی تقریباً فائنل ہوچکا تھا۔ مصطفیٰ کو چھوڑنے کے بعد ولید گھر واپس پہنچا تو کچن کے پاس سے گزرتے ٹھٹکا۔ احسن سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ ادھر آ گیا۔

محترمہ انا صاحبہ کھانا کھا رہی تھیں۔ اس کے ایک طرف روشی خاصے خراب تیور لیے موجود تھی مگر انا بغیر توجہ دیئے صرف کھانے کی طرف متوجہ تھی۔

''کسی دن تم اپنی انہی حرکتوں سے میرے ہاتھوں ضائع ہوجاؤں گی۔'' روشی کہہ رہی تھی۔

''ہیلو موڈی گرل!'' ولید دروازے کے پاس رکا تو اس نے کھانا کھاتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اندر چلا آیا۔

''تمہارا تو کھانا نا کھانے کا پروگرام تھا نا؟'' وہ اس کے دوسری طرف کرسی پر آ بیٹھا۔

''تب مجھے بھوک نہیں تھی اب بھوک لگ رہی ہے تو کھانا کھا رہی ہوں۔'' اس نے تیکھے لب و لہجے میں کہتے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔

''اور تمہیں کیا ہوا ہے تم کیوں ایسے بیٹھی ہوئی ہو؟'' اس نے اپنی بہن کو مخاطب کیا۔

''اس کے دماغ کی خرابی ڈھونڈ رہی ہوں مگر یہ کوئی سرا پکڑائے تو سہی۔'' روشی بھری بیٹھی تھی۔ سو خراب موڈ میں ہی جواب دیا مگر انا نے کوئی توجہ نہ دی۔

''میرا دماغ الحمدللہ بالکل فٹ فاٹ اور اے ون ہے اور آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔'' وہ کھانا مکمل کرچکی تھی برتن اٹھا کر سنک میں رکھتے اس نے کہا۔

''ہاں آج کل جس طرح کے تمہیں دن رات دورے پڑ رہے ہیں اس سے فٹنس کا صاف پتا چل رہا ہے۔'' روشی نے خاصا جل کر کہا تھا ولید ہنس دیا جبکہ انا پرسکون تھی۔ اس نے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔

''کافی پئیں گے؟'' اس نے اپنے کھانے والے برتن دھو کر ہاتھ ٹاول سے خشک کرنے کے بعد پوچھا۔ روشی نے گھور کر دیکھا جبکہ ولید نے مسکرا کر۔

''ہاں پلا دو۔'' ولید نے کہا تو اس نے کیبنٹ سے کافی والا ڈبہ نکالا۔

''پتا نہیں مصطفیٰ بھائی بے چارے کیا سوچتے ہوں گے اور یہ کتنی بے حس پتھر دل لڑکی ہے ذرا بھی اپنے غلط رویے کا احساس نہیں اسے۔'' روشی نے گھورتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''وہ آپ لوگوں کے مہمان تھے آئے اور چلے گئے۔ میرا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا کہ ان سے ملنا لازمی شرط ہوتی۔ بس میرا موڈ نہیں تھا ملنے کا سو باہر نہیں آئی۔'' اپنے صاف دوٹوک انداز میں اس نے کہا اور پھر کیتلی کی طرف

متوجہ ہوگئی۔
"فارمیلٹی بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟" روشی نے خاصے غصے سے کہا مگر وہ سر جھٹک گئی۔
"میں نہیں مانتی کسی فارمیلٹی وغیرہ کو جب دل ہی نہ چاہ رہا ہو تو۔"
"ویسے تمہارے اس اچانک موڈ کو کیا ہوا تھا؟" ولید نے بھی اس بحث میں حصہ لیا۔
"فارگاڈ سیک ولی پلیز آپ تو اس بحث میں مت کودیں۔ اس وکیل صاحبہ کو بھگت رہی ہوں کافی نہیں کیا؟" کافی پھینٹتے اس نے کافی اکتا کر کہا تو ولید ہنس دیا جبکہ روشی نے منہ پھلا لیا۔
"تم سے تو ہمدردی ہی فضول ہے۔" وہ پاؤں پٹختے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"واقعی تمہاری اس ہمدردی سے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ اب کافی پی کر تھوڑا سا سکون ملے گا۔" اب کی بار انا نے کچھ شرارت سے کہا۔
"بھاڑ میں جاؤ تم میں بھی فضول میں تم سے سر کھپانے بیٹھ گئی تھی۔" وہ ایک دم برا مان کر فوراً واک آؤٹ کر گئی۔
"ناراض ہوگئیں ہیں محترمہ!" ولید کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔
"تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔ وہ کیا میں بھی سنجیدگی سے تم سے ناراض ہونے کا سوچ رہا ہوں۔" ولید نے اطلاع دی تو کافی پھینٹتا اس کا ہاتھ ٹھٹکا۔
"کیوں بھئی؟"
"اف...... یہ بے خبری اور اس پر یہ اندازِ بے خبری؟" ولید کے الفاظ پر وہ یکدم ٹپٹا گئی تھی۔ ولید کا انداز بڑا بھرپور تھا۔
"اب کیا ہوا ہے؟"
ہم کو ان سے ہے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ولید کے خوب صورت انداز پر انا کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔
"آج مصطفیٰ آیا تھا بے چارہ کافی دیر تک بیٹھا رہا مگر اس کی قسمت میں ابھی تم سے شرف ملاقات نہیں لکھا۔ تم ضدی ہو...... موڈی بھی ہو مگر آج اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بہت ہی نہیں کافی زیادہ بدلحاظ بھی ہو۔" ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔ انا نے گہرا سانس لیا۔
"اپنی ان خوبیوں کے متعلق میں اچھی طرح باخبر ہوں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔" وہ واقعی ڈھیٹ تھی یا اب بن رہی تھی ولید نے گھورا۔
"موڈ کیوں آف ہوا تھا؟" اس نے اب کی بار سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"میرے موڈ پر مت جایئے۔ اب تو پاکستان آ کر آپ کو میرے موڈز اور رویوں سے سمجھوتا کرنے کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" پھینٹی ہوئی کافی میں اس نے گرم ابلتا ہوا پانی انڈیل دی۔
"بعض اوقات انسان عادی نہیں ہو پاتا۔ وہ چیز جس کا وجود ہو اور محسوس بھی ہو اس کے متعلق متجسس ہو جانا انسانی فطرت ہے۔ موڈز کی تبدیلی بلاوجہ تو کبھی نہیں ہوتی اور انسانی سائیکلوجی کی بیس پر دیکھا جائے تو اندرون خانہ کہیں ایک گہرا راز تو ضرور مدفن ہوتا ہے۔" انا نے بھاپ اڑاتی کافی کا مگ ولید کے سامنے رکھا اور خاصی خفگی سے اسے دیکھا۔
"اس ٹاپک پر اس وقت میں قطعی بحث کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں مصطفیٰ صاحب سے نہ ملنے پر شرمندہ ہوں۔ آپ

سے ایکسیوز کرتی ہوں۔ صغراں نے یہ بتایا تھا کہ مہمان آئے ہیں۔ اس نے قطعی وضاحت نہیں کی تھی کہ ان آنے والے مہمانوں کی لسٹ میں کیا نام آتا ہے اگر ذرا بھی علم ہو جاتا تو آئی سویئر میں انتہائی خراب موڈ ہونے کے باوجود حاضر ہوتی اور ان سے شرف ملاقات حاصل کرتی۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ غلط فہمی اور لاعلمی میں ہوا ہے تو دل و جان سے آپ کے حضور معافی کی درخواست پیش کرتی ہوں اگر آپ قبول کرلیں تو عین نوازش ہوگی۔" ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان لیے بے پروائی سے دوپٹا کندھے پر ڈالے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کہتی وہ اب اپنے لیے کافی نکال رہی تھی۔
ولید نے اسے بغور دیکھا تو ایک پل کو ٹھٹکا۔ وہ حسین تھی۔ اپنے آپ کو مینٹین رکھنے کے فن سے آگاہ تھی۔ اس کے وجود میں ایسی دلکشیاں پنہاں تھیں کہ نگاہ ایک پل کو ٹھہر کر جم سی جاتی تھی۔ مگر اس کے حسن میں اس وقت عجیب سی تابناکیاں جلوہ گر تھیں۔ اس کا وجود اس سمے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا اور ولید کو لگا کہ وہ مسحور ہو رہا ہے۔
"بہر حال مصطفیٰ نے تمہارے رویے کو بہت فیل کیا تھا۔" دھیمے سے ولید نے کہا۔ اس کے لہجے میں آنچ سی سلگنے لگی تھی۔
"میں نیکسٹ ٹائم ان سے معذرت کرلوں گی۔" اس نے رسانیت سے کہا اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
"پھر بھی یہ پل میں تولہ پل میں ماشہ موڈ کی کوئی ریزن تو ہوگی نا؟" کافی کا سپ لیتے ولید نے پوچھا اس نے نگاہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں ولید کو ایک عجیب سا سلگتا احساس کروٹیں لیتا محسوس ہوا تھا اس سمے۔
"کیا کریں گے جان کر؟" ولید نے کڑوی کسیلی کافی اندر اتاری اور اسے دیکھا۔
"ہوسکتا ہے مجھے کوئی فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔" ولید نے مبہم سے انداز میں کہا تو وہ چونکی۔ ولید کا انداز عام نہ تھا وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ وہ سنبھلی۔
"کیسا فیصلہ؟" اس کی آواز لرزی تھی۔
"یہی کہ تمہارا دماغ کس حد تک کھسکا ہوا ہے؟" ولید کے الفاظ پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"امپاسبل۔" اس سمے رات کی خاموشی میں انا کی ہنسی نے ولید کے اعصاب پر بڑا خوشگوار تاثر چھوڑا۔ وہ چند پل اسے بغور دیکھے گیا۔
"میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" اس نے اطلاع دی تھی۔ اندر ہی اندر وہ ولید کی اس قدر توجہ پر حیران بھی ہو رہی تھی۔ انا اپنا مگ لیے ولید کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ بہت فریش اور تروتازہ لگ رہی تھی۔ بالکل دوپہر والے موڈ کی طرح۔
"ولی......" کافی کے سپ لیتے اس نے پکارا۔ وہ جب اسے پکارتی تھی تو ولید کو ہمیشہ عجیب سی فیلنگز ہوتی تھیں اس وقت بھی چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے اپنے مگ کو دیکھ رہی تھی۔
"ہونہہ......"
"وہ لڑکی جسے آپ اسپتال لے کر گئے تھے وہ اب کیسی ہے؟" وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"آئی ڈونٹ نو چند دن سے میرا اسپتال جانا نہیں ہوا۔ ویسے ایک بار اس لڑکی کے فادر سے فون پر بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے کہ وہ آج کل میں اسے ڈسچارج کروالیں گے۔ بل پے بھی کروا بھی چکے ہوں۔"
"ہوں...... وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے...... ہے نا؟" ولید نے الجھ کر اسے دیکھا۔ اب کے انا کے تاثرات خاصے عجیب سے تھے۔
"ہوگی...... بٹ یار تمہیں وہ لڑکی اتنا کیوں یاد آتی ہے؟"

"مجھے اس ایک ملاقات میں اس کا سویا خوابیدہ حسن نہیں بھولتا۔" وہ یہ کہہ نہیں سکی تھی کہ اس کا حسن اسے پریشان کر رہا ہے سو وہ بھول نہیں پا رہی۔

"میں کردار کو اہمیت دینے والا انسان ہوں۔ حسن' خوب صورتی' دولت قسمت سب فانی اشیاء ہیں میں نے ان کو کبھی اہمیت نہیں دی۔" ولید کا انداز بڑا سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔ انا نے خوشگوار حیرت سے ولید کو دیکھا۔ اسے لگا کہ ولید کے الفاظ نے اس کے کشیدہ اعصاب پر مسلسل سوار ایک اذیت سے نجات دلادی ہو۔

"اوہ...... رئیلی۔" اس کا چہرہ ایک دم چمک اٹھا۔

"آف کورس' ایسے مادیت پرست وجود کبھی مجھے اٹریکٹ نہیں کر پائے اور حسن تو کبھی میری ترجیح رہا بھی نہیں۔" انا آنکھوں میں ایک دم والہانہ پن لیے اسے دیکھے گئی۔

"ایک سوال پوچھوں؟" اپنے مگ پر انگلی پھیرتے اس نے کہا۔

"شیور۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ اس قدر شاندار' خوب صورت اور چھا جانے والی پرسنالٹی کے مالک ہیں۔ کیا کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ زندگی میں کوئی بہت اچھا لگا ہو اور دل نے خواہش کی ہو کہ کاش......!" ولید نے بغور اسے دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی اس سے کم عمر تھی ایک جذباتی عمر سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے سوال بھی اس کی سوچ کے مطابق ہوتے تھے۔ ان میچور اور لا ابالی سے یا پھر شاید اس وقت اسے ہی لگ رہے تھے۔

"ہمارے درمیان ایک بار پہلے بھی اس ٹاپک پر بات ہوچکی تھی تمہیں یاد ہو جب ہم دونوں نے باہر لنچ کیا تھا۔" ولید نے یاد دلایا تو اس نے منہ بنایا۔

"اچھی طرح یاد ہے' تب بھی آپ نے مجھے ڈانٹ کر بٹھادیا تھا۔" اس نے خفا ہو کر کہا تھا۔

"تو میڈم اب بھی میں یہی کام کروں گا۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا' کوئی ریزن بھی تو ہونا مجھے ٹالنے یا ڈانٹنے کی؟" وہ جھنجلائی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔ میں نے بڑی پریکٹیکل لائف گزاری ہے۔ بابا کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا' اپنی جاب اور پھر ساتھ میں اپنی ایجوکیشن دیکھنا۔ اتنی بزی لائف کے ہوتے ہوئے میرے پاس کسی بھی فضولیات کے لیے ٹائم نہیں تھا۔"

"اور وہ کیتھی کون ہے؟" وہ سوال جو اسے کافی دیر سے تنگ کر رہا تھا اس نے آخر کار پوچھ ہی لیا۔

"میری کولیگ تھی اور بہت اچھی دوست بھی۔" انا کے اندر شدید اضطراب پیدا ہوا۔

"آپ کو لائیک کرتی تھی کیا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا۔

"تم نے اس کیتھی کے متعلق رپورٹ لکھنی ہے کیا؟" اس نے ڈانٹ دیا تو وہ دانت لب پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گئی جیسے ناراض ہوگئی ہو۔

"آپ بہت برے ہیں نا۔" کچھ توقف کے بعد سر اٹھا کر اس نے کہا تو ولید ہنس دیا۔

"مائی گاڈ...... کتنی بچکانہ حرکات ہیں تمہاری۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ سر جھٹک گئی۔

"ایک دم بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو...... پل میں تولہ پل میں ماشہ...... کبھی کبھار لگتا ہے جیسے ایک بہت عاقل' بالغ' عالم فاضل سی لڑکی ہو اور اگلے ہی پل میری عقل جھنجلا کر رہ جاتی ہے جب تم بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔"

"میں نے اپنے متعلق رپورٹ بیان کرنے کو نہیں کہا۔" اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ خاصی ناراض ہوگئی تھی۔ اپنا مگ لے کر اٹھنا چاہا تو ولید نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو بیٹھو یار۔" ولید کا انداز بڑا نرم تھا۔

"کیا فائدہ' آپ سنجیدگی سے کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔" وہ ہنس دیا۔ اس کے نرم سبک ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔

"اتنے عرصے سے میں تمہارے ساتھ دماغ کھپا رہا ہوں۔ تمہارے پل پل بدلتے موڈز کی ریزن جاننے کی کوشش کررہا ہوں مگر تم ہو کہ کوئی سرا ہی نہیں پکڑاتی۔ اگر میں کسی بات پر تمہیں ٹال دوں یا ڈانٹ دوں تو خفا ہو جاتی ہو۔" انا نے ولید کے ہاتھ کے نیچے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"آج جب ہم کچھ گھنٹے پہلے شاپنگ کررہے تھے تو انہی مصطفیٰ صاحب کی کال تھی کیا' آپ ہمیں چھوڑ کر انہی کے پاس گئے تھے کیا؟" ایک تو انا اور اس کے سوال۔ ولید نے سر ہلادیا۔

"ہاں' مصطفیٰ نے ہی کال کرکے بلوایا تھا۔" انا کو لگا کہ اس کے کندھوں سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

کیا تھا اگر یہی بات اسے وہ تب بتادیتا کم از کم وہ اتنی دیر پریشان اور خود سے خفا تو نہ ہوتی۔ اچھا خاصا خوشگوار موڈ ایک دم خراب ہوا تھا اور اب...... اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ نجانے اس شخص کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسے بری طرح کیوں ہرٹ کرجاتی تھیں؟ وہ آہستگی سے کرسی پر جم گئی تھی۔ وہ اب ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔ دل پر چھایا اضطراب ختم ہوا تو اپنی طبیعت کی یہ کیفیت محسوس کرتے وہ دھیرے سے مسکرادی۔ اب وہ پوری شدت سے ولید کے ہاتھ کے نیچے دبے اپنے ہاتھ پر مضبوط گرفت محسوس کررہی تھی۔

"آپ کے ان دوست کی شادی ہوگئی کیا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا کہ اسے مصطفیٰ کے متعلق ان لوگوں سے زیادہ بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔

"فی الحال تو نہیں۔" ولید کافی ختم کرچکا تھا اب وہ انا کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ ہٹالیا تھا انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میری دوست شہوار ہے نا اس کے کزن کا نام بھی مصطفیٰ ہے۔ وہ بھی پولیس آفیسر ہیں۔ جب بھی مصطفیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو مجھے امریکا والے مصطفیٰ صاحب یاد آجاتے ہیں۔"

"نام کی مماثلت ہوجاتی ہے اکثر' ویسے تمہاری یہ دوست انگیجڈ ہے کیا؟" ولید نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"فی الحال تو نہیں۔" کچھ سوچ کر وہ مسکرائی تھی ولید نے بغور دیکھا۔ انا کی ہنسی بڑی محظوظ کن تھی۔

"خیریت؟"

"آپ کو مزے کی بات بتاؤں شہوار کو آپ کی پرسنالٹی بہت پسند آئی ہے۔ چند دن پہلے ہمارے درمیان یونہی بات چیت ہورہی تھی تو وہ اپنے کزن مصطفیٰ سے آپ کو کمپیئر کرتے آپ کی شخصیت کو بیان کرتے آپ کو اپنے کزن سے زیادہ نمبر دے رہی تھی۔ میں نے اس کے کزن کو نہیں دیکھا اکثر وہ اسے چھوڑنے آتا ہے مگر کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چونکہ شہوار ایک بار آپ سے مل چکی ہے تو وہ آپ سے خاصی متاثر ہے۔ احسن بھائی سے بھی وہ مل چکی ہے مگر احسن بھائی اور اپنے کزن مصطفیٰ سے زیادہ وہ آپ کو مارکس دیتی ہے اور یہ پلس پوائنٹ آپ کو اپنی اس شاندار اٹریکٹیو پرسنالٹی کی بدولت ملتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ولید ہنس دیا۔ وہ اپنی شخصیت کے اس چارم سے بخوبی آگاہ تھا۔

”وہ خود بھی ایک بہت متاثر کن لڑکی ہے۔ میں نے بائے فیس اسے نہیں دیکھا اس دن کالج کے گیٹ پر ملاقات ہوئی تھی تب وہ چادر کے پلو میں منہ کیے ہوئی تھی مگر بات چیت کا انداز بہت اچھا تھا۔ کافی سلجھی ہوئی اور مہذب لڑکی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد چند دن پہلے تمہارے موبائل پر اس سے بات ہوئی تھی۔ میں بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کی مینٹلی اپروچ کافی ہائی لیول کی محسوس ہوئی تھی۔“ ولید کی بات پر اس نے فخر سے گردن اکڑائی یوں جیسے ولید اس کی ہی تو تعریف کررہا ہو۔

”یہ سچ ہے کہ اس کی مینٹلی اپروچ بہت اچھی ہے مگر چونکہ وہ میری دوست ہے تو یہ پلس پوائنٹ بھی مجھے جاتا ہے۔“

”بٹ...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک اتنی اچھی اور ہائی لیول کی لڑکی سے تمہاری دوستی کیسے ہوگئی؟ تم ابھی تک موڈی ضدی اور خاصی بدلحاظ ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر بچکانہ حرکات میں ملوث ہوتی ہو جبکہ وہ خاتون کافی سنجیدہ مزاج، سلجھی ہوئی اور باتمیز لگی ہیں۔ یہ مشرق و مغرب کا امتزاج بھلا کیونکر ممکن ہوا بھئی۔“ ولید چھیڑ رہا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”یہ دل کے معاملے ہوتے ہیں آپ جیسے روکھے پھیکے لوگ بھلا کیا خبر رکھیں گے ان معاملات کی؟“ اس نے جتایا تو ولید اس کے الفاظ پر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کبھی بہت فرصت سے وقت ملا تو یہ روکھا شخص اپنے دل کے معاملات تم سے ڈسکس کرے گا فی الحال تو سخت نیند آرہی ہے۔“ انا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”اوکے چلتا ہوں، اللہ حافظ تمہیں تو رات رات بھر نیند نہیں آتی سو تمہارے ساتھ بس اتنی دیر ہی جاگ سکتا ہوں۔ ٹیک کیئر اینڈ شب بخیر۔“ وہ ہاتھ ہلاتا کچن سے نکل گیا اور انا آج کتنے دنوں بعد لطیف سے احساسات سے دوچار ہوئی تھی دل سے مسکرائی تھی ایک دم ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

”بے خبری بھی بڑی اچھی چیز ہوتی ہے ولید صاحب۔ سولیں، جی بھر کر نیندوں کے مزے لوٹ لیں۔ ابھی آپ کو وقت ہے اگر قدرت مجھ پر مہربان ہوگئی اور وقت نے گوٹ میرے ہاتھ میں تھمائی تو آپ سے اپنے ایک ایک پل کا حساب لوں گی۔ راتوں کے یہ رت جگے یوں خوشیوں سے سودا نہیں کیا میں نے۔ کانٹوں پر بسر کرتی ہوں اور کوئلوں پر لوٹتی ہوں دن رات۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ میں موڈی اور ضدی ہوں۔ جو عذاب میں جھیل رہی ہوں زبان پر تلخی اگر آجاتی ہے تو کیا غلط ہوتا ہے مگر آپ نہیں سمجھیں گے اور اسی بات کا تو رونا ہے۔ کاش آپ تک رسائی پا جاؤں اور جس دن مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ میرے جذبوں سے بے خبر نہیں یوں سمجھ لیجیے گا ولید صاحب کہ وہ دن آپ کا ”یوم حساب“ ہوگا۔ اپنے ہر پل، ہر لمحے کی قیمت وصول کروں گی۔ میں ضدی ہوں، موڈی ہوں مگر ایک بات تو آپ بھول جاتے ہیں میں حد سے زیادہ جذباتی بھی ہوں اور جذباتی لوگ ہمیشہ اپنا نقصان کرتے ہیں اور جب نفع و نقصان سے بے پروا ہو کر میدان میں کودتے ہیں تو پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اندر کی آگ سے صرف انکی اپنی ہستی ہی جل رہی ہے یا کسی دوسرے کا دامن بھی۔ بس وقت کا انتظار کرنا ہے اب میں نے۔“ اپنے منہ زور جذبوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے دونوں کافی کے خالی مگ سنک میں رکھتے ہوئے بہت کچھ سوچتے بہت سے لائحہ عمل ترتیب دیتے کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

❁......❁......❁

انکل اور آنٹی کے جانے کے بعد سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ حتیٰ کہ رات کا کھانا بھی عائشہ اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ وہ انکل کے اس فیصلے پر اس قدر ڈسٹرب تھی کہ عائشہ کے از حد اصرار پر بھی کچھ نہیں کھا پائی۔ عائشہ رات گئے تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ اس نے اس کے جانے کے بعد کئی بار حویلی کے نمبرز ملائے مگر دوسری طرف کوئی اس کی کال ریسیو ہی نہیں کررہا تھا۔ تھک ہار کر بہت غصے میں آ کر اس نے موبائل دیوار پردے مارا تھا۔

ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی۔ گاہے بگاہے اس کی آنکھ کھلتی رہی مگر نقاہت صدمے ٹینشن نے ایسا نڈھال کرڈالا تھا کہ جسم درد اور حرارت سے چور چور ہونے لگا تھا۔ ایاز والے واقعہ کے باوجود وہ اپنے آپ کو بحال رکھنا چاہتی تھی مگر انکل کی آمد کے بعد تو اسے لگ رہا تھا کہ اس کے اندر تمام تر قوت مدافعت ختم ہوگئی ہو نتیجتاً اس وقت وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ عائشہ دن کے گیارہ بجے تک اسے کمرے سے نہ نکلتا دیکھ کر جب کمرے میں آئی تو وہ بخار سے نڈھال بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

”شہوار۔“ اس کی طبیعت دیکھ کر اس نے پکارا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

”بخار ہوگیا ہے کیا؟“ شہوار نے محض سر ہلایا۔

”تمہارے لیے کھانا لاؤں؟“ عائشہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

”آنٹی کدھر ہیں؟“ اپنے آپ کو سنبھالتے وہ اٹھ بیٹھی تو عائشہ نے اسے تشویش سے دیکھا۔

”ماں جی باہر ہی ہیں۔“

”مجھے حویلی جانا ہے ابھی اور اسی وقت تم ماں جی کو بلوادو۔“ بخار کی حالت میں ہونے کے باوجود شہوار کا انداز مضبوط اور سنجیدہ تھا عائشہ ٹھٹکی۔

”اس وقت خیریت...... بوا جی کا کوئی فون آیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں میں خود ہی جانا چاہتی ہوں۔ تم ماں جی کو بلوادو پلیز۔“ اس نے منت بھرے انداز میں عائشہ کا ہاتھ تھاما تو اس نے سر ہلادیا۔

”اوکے۔“

”میں بلوادیتی ہوں مگر تم پہلے کچھ کھاپی تو لو بخار اترے گا تو کہیں جاؤ گی نا اور تمہارے چہرے کا زخم بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔ خیر نیل تو ختم ہوگئے ہیں مگر سرخی، سوجن اور زخم تو برقرار ہے۔“ اس کے زخم کو بغور دیکھتے عائشہ نے کہا۔

”میں کھاپی بھی لوں گی تم پہلے میری آنٹی جی سے بات کروادو یا پھر میں خود ان کے پاس چلی جاتی ہوں۔“ شہوار کا انداز دوٹوک تھا اور اس نے اٹھنا چاہا تھا۔

”اوکے میں ماں جی کو لے کر آتی ہوں۔“ اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی عائشہ کے ساتھ چلی آئی۔

”یہ عائشہ کہہ رہی تھی کہ تم گاؤں جانا چاہ رہی ہو؟“ انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

”جی۔“

”طبیعت تو تمہاری ٹھیک نہیں۔ زخم بھی برقرار ہے۔ تابندہ کے سامنے ایسی حالت میں جاؤ گی تو وہ پریشان ہوگی۔“ انہیں اس کے اس فوری فیصلے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔ آپ مجھے گاؤں بھجوادیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں کسی کے ساتھ خود چلی جاؤں۔ مجھے اس وقت مت روکیں مجھے ضرور جانا ہے۔“ بخار ہونے کے باوجود شہوار کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ وہ اس کا دوٹوک انداز دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"ابھی دو دن پہلے ہی ہم لوٹے ہیں۔ اتنی جلدی جانے کی بھلا کیا تک ہے اور ایسی کوئی خاص وہاں ایمرجنسی بھی نہیں کہ تمہارا جانا لازمی ٹھہرے۔" انہوں نے اس کے فوری فیصلے کی وجہ جاننا چاہی تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"تم کچھ کھا پی لو پھر ہم دیکھتے ہیں۔" انہوں نے ٹالنا چاہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ انکل سے بات کر کے پرمیشن لے لیں بے شک مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیں مجھے آج ضرور یہاں سے جانا ہے۔" اس کے انداز میں واضح ضد اور سختی تھی انہوں نے خاصی الجھن اور پریشانی سے اسے دیکھا۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے کچھ کہا ہے؟" وہ یہی سمجھی تھیں مگر وہ جس وجہ سے جانا چاہ رہی تھیں اس وجہ سے وہ اچھی طرح باخبر تھیں۔ اس لیے بہلانا چاہا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے ساکت رہی تو انہیں اس کا انداز بڑا عجیب سا لگا۔ ورنہ وہ بڑی باادب اور بالحاظ بچی تھی۔ کبھی بلاوجہ ضد نہ کی تھی مگر اب اس وقت اس کا انداز نہ صرف ضدی تھا بلکہ اچھا خاصا ہٹیلا بھی تھا۔

"اس وقت تو گھر میں کوئی مرد بھی نہیں اور ڈرائیور کے ساتھ ان حالات میں تمہیں تنہا بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ تم کھانا کھا لو فریش ہو لو میں تمہارے بابا جان سے بات کرتی ہوں۔ تمہیں پہلے ہی بخار ہو رہا ہے اور ذہن پر مزید دباؤ مت ڈالو۔" اس کا سر تھپتھپا کر بہت محبت سے کہتے وہ عائشہ کو اسے کھانا کھلانے کی خاص تاکید کرتے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ شہوار کی اس ضد کے پیچھے کیا وجہ تھی وہ اچھی طرح آگاہ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کا موبائل نمبر ملایا۔

"السلام علیکم۔" رابطہ ہوتے ہی انہوں نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... جی خیریت؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"آپ نے حویلی کال کی بابا صاحب اور تابندہ سے کوئی بات دوبارہ ہوئی؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"ہاں آفس آنے کے فوراً بعد میں نے حویلی کال کی تھی۔ تابندہ شہوار کو لے کر پریشان ہو رہی تھیں رات شہوار حویلی کال کرتی رہی ہے مگر ادھر سے میری ہدایت کے مطابق تابندہ نے ریسیو نہیں کی۔ وہ شہوار کی پریشانی کو لے کر فکر مند تھیں۔ بابا صاحب سے بھی بات ہوئی تھی وہ خوش ہو رہے تھے انہیں بھی نکاح کا فیصلہ پسند آیا ہے۔ اپنی طبیعت کے سبب سفر کر کے وہ شہر نہیں آسکتے مگر وہ تقریب میں ضرور شامل ہونا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ یہ تقریب حویلی میں ہی انجام پذیر ہو۔" انہوں نے تمام تفصیل بتائی۔

"میرا خیال ہے کہ شہوار تابندہ کے کال ریسیو نہ کرنے پر شدید صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔ اسے اس وقت بخار ہو رہا ہے مگر وہ اس سب کے باوجود ابھی اور اسی وقت حویلی جانے کی ضد کر رہی ہے۔" انہوں نے کال کرنے کی وجہ بیان کی۔

"زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلوا لیں۔" انہوں نے سلوشن بتایا۔

"وہ تو کر لیں گے مگر وہ جو ضد کر رہی ہے اس کا کیا کروں؟ اس کا انداز بہت ضدی اور سنجیدہ ہے وہ تو کہہ رہی ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ اسے بھیج دیں۔"

"اچھا۔" دوسری طرف شاہزیب صاحب کا انداز پرسوچ تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ شہوار ہمارے روکنے پر اب ایک پل بھی ادھر ٹھہرے گی یا تو تابندہ اسے خود کال کر کے بات کر لے یا پھر آپ بتائیں کیا کروں؟ اس کا لب و لہجہ اور انداز بہت اٹل تھا۔" انہوں نے مزید اطلاع دی۔

"آپ ایسا کریں پانچ دس منٹ ویٹ کر لیں۔ میں ذرا اچھی طرح سوچ کر جواب دیتا ہوں پھر آپ کو کال کرتا

ہوں۔" دوسری طرف انہیں شاید کوئی ضروری کام آپڑا تھا۔ انہوں نے کال ڈراپ کر دی تھی۔ مہرالنساء بیگم ٹیلی فون کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہاں مہرالنساء آپ ایسا کریں ڈاکٹر زبیری کو بلوا کر پہلے تو شہوار کا چیک اپ کروائیں۔ کوئی میڈیسن دیں کھانا وغیرہ کھلوائیں۔ میں نے سجاد سے بات کر لی ہے وہ گھر آجاتا ہے ایک فائنل فیصلہ کن اسٹیپ تو ہم لے ہی چکے ہیں جس میں اب شہوار کے اس ردعمل سے ردوبدل کی گنجائش نہیں نکلتی۔ آپ لائبہ کو سمجھا دیں وہ تیار ہو جاتی ہیں تو لائبہ اور سجاد دونوں کے ساتھ شہوار کو حویلی بھیج دیں۔ رہ گئیں تابندہ تو ان کو میں سمجھا دوں گا کہ شہوار سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔ شہوار اگر حویلی جانا چاہتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بابا صاحب سے بات ہو چکی ہے چونکہ نکاح کی تقریب گاؤں میں ہی کریں گے تو شہوار کو آپ بھیج دیں۔ بابا صاحب آج دن کا ڈیسائیڈ کر دیں گے۔" انہوں نے آرام سے حل بتایا تھا مہرالنساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شہوار کو ادھر بھیج دیں گے تو اس کی پڑھائی کا جو حرج ہوگا؟"

"میں اس کے کالج میں بات کر لوں گا ویسے بھی آج کل وہ جس طرح پریشان ہے کالج تو جا نہیں سکتی۔ اسے بھیجنے سے پہلے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ ضرور کروا لیجیے گا۔" انہوں نے کہا۔

"اور نکاح کے سلسلے میں جو ضروری اقدامات ہیں میرا مطلب تیاری وغیرہ سے ہے۔"

"گھریلو خواتین کی تیاری تو آپ کا ہی شعبہ ہے آپ خود دیکھ لیجیے گا۔ باہر کے انتظامات ہمارا مسئلہ ہے۔ زیادہ گیدرنگ نہیں کرنا ہمیں۔ رہ گئی حویلی میں تیاریوں کی بات تو وہ ہم خود دیکھ لیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔ سجاد کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ اب چند دن ادھر ہی رہے گا۔ ٹھیک ہے اور کوئی مسئلہ تو نہیں۔" تمام صورت حال جان کر مہرالنساء بیگم ایک دم مطمئن ہوئیں۔

"نہیں بس آپ سے یہی پوچھنا تھا۔" انہوں نے چند مزید ایک دو باتوں کے بعد کال بند کر دی۔ وہ واپس شہوار کے کمرے میں آئیں تو عائشہ کی موجودگی میں وہ کھانا کھا رہی تھی ان کو آتا دیکھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہارے بابا جان سے بات کی ہے وہ رضامند ہو گئے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب آتے ہیں تم چیک اپ کروا لو لائبہ تمہارے ساتھ جائے گی اور سجاد بھی۔ عائشہ تمہاری تیاری کروا دیتی ہے۔ جو جو چیز پیک کروانی ہو اسے بتا دو یہ کر دے گی۔" اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سنوارتے انہوں نے کہا تو شہوار ایک گہرا سانس لیتے قدرے ریلیکس ہوئی۔

"پریشان نہیں ہوتے' جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر اٹھ گئی۔ عائشہ نے اس کی پیکنگ کرتے حیران ہو کر دیکھا قالین پر اس کا موبائل ٹوٹی پھوٹی حالت میں بکھرا پڑا تھا۔

"کیسے کیا ہوا؟" ٹوٹی اسکرین والا حصہ پکڑے وہ پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ روٹھے پن سے جواب دے کر رخ ہی بدل گئی۔ عائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ غصے میں بھی ہوش کا دامن نہیں چھوڑتی تھی تو پھر اب کیا ہوا تھا؟ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر زبیری آگئے تھے۔ انہوں نے اس کا بخار چیک کر کے میڈیسن وغیرہ دے دی اور رخسار کے زخم کے لیے ایک مرہم بھی لکھ دیا جسے ماں جی نے فوری منگوا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد سجاد بھائی بھی آفس سے آگئے تھے انہیں بابا جان نے تمام بریفنگ دے کر ہی بھیجا تھا۔ لائبہ بھابی کو ماں جی سمجھا چکی تھیں۔ وہ تمام صورت حال سن کر خاصی حیران ہوئی تھیں۔ تاہم سوال و جواب سے گریز کیا تھا۔ عائشہ نے اس کی

پیکنگ کروی تھی اس نے بس لباس بدلا تھا اور جس وقت وہ لوگ حویلی جانے کے لیے نکل رہے تھے تو سہ پہر شروع ہوچکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر شہوار نے آنکھیں موندلی تھیں کچھ دوا کا اثر تھا اور بخار کی کنڈیشن بھی کہ وہ پچھلی سیٹ پر دراز ہوگئی تھی بھابی اگلی سیٹ پر سجاد بھائی کے ہمراہ تھیں آفاق ان کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں دوا کے اثر سے بند ہونے لگیں تو وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی اور پھر سارا رستا وہ سوتی رہی تھی۔

❁......❁......❁
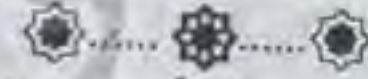
وہ کالج سے لوٹی تو کافی پریشان تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ شہوار اسے بغیر بتائے آف کررہی تھی۔ وہ کل بھی کالج نہیں آئی اور آج بھی۔ انا کے دل میں عجیب سے اوہام آئے جارہے تھے۔ اس کے موبائل پر سارا دن کال ملا ملا کر اس کی انگلیاں ٹوٹنے لگی تھیں مگر کال تھی کہ مل کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ گھر آکر بھی اس نے ایک امید دل میں لیے شہوار کا نمبر ڈائل کیا مگر ہمیشہ کی طرح موبائل آف ملا۔

انا نے غصے سے موبائل بستر پر پھینکا وہ ابھی گھر لوٹی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا اگر دونوں میں کوئی ایک آف کرتی تھی تو دوسری کو اطلاع ضرور کردیا کرتی تھی۔ نجانے وہ کیوں نہیں آرہی تھی اور موبائل کس وجہ سے بند تھا؟ سوچ سوچ کر انا کا دماغ الجھنے لگا تو وہ ایک دم کچھ سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔

"میں شہوار کے گھر جارہی ہوں...... چلوگی؟" روشی کے کمرے میں آکر اس سے پوچھا تو کتاب سے سر اٹھا کر اس نے انا کو دیکھا۔

"کیوں خیریت؟"

"وہ دو دن سے کالج نہیں آرہی۔ موبائل بھی بند ہے۔ کوئی رابطہ نہیں ہورہا اور مصیبت یہ ہے کہ اس کے موبائل نمبر کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں ہے۔" وہ خاصی پریشان سی لگ رہی تھی۔

"کہیں بزی ہوگی۔" روشی نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

"نہیں...... بات کوئی بھی ہو ہم اطلاع تو ضرور کرتی ہیں ایک دوسرے کو سارا دن رابطہ نہ بھی ہو میسجز کے ذریعے ایک دوسرے کی خیر خبر رہتی ہے۔"

"تو پھر۔" اس نے کتاب بند کی۔

"میں ماما سے کال کرکے پرمیشن لے لیتی ہوں۔ صغراں گھر پر ہی ہے ہم کچھ دیر میں ہو آتے ہیں۔ ویسے بھی شادی کا کارڈ دینے تو ان کے ہاں جانا ہی تھا سو اسی بہانے کارڈ بھی دے آئیں گے۔" روشی نے سر ہلادیا۔

"تم پھپھو کو کال کرکے پوچھ لو پھر جیسا وہ کہیں گی وہی کرلیں گے۔" روشی جانے پر رضامند ہوگئی تھی۔ اس نے پہلے ماما کو کال کرکے ان سے پرمیشن لی۔ انہوں نے جلدی آنے اور ڈرائیور کو ساتھ ہی رکھنے کی تاکید سمیت پرمیشن دے دی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد اس نے ابھی تک چینج نہیں کیا تھا بس منہ ہاتھ دھویا تھا جبکہ روشی نے لباس ضرور بدلا تھا کارڈ لے کر صغراں کو ہدایت دیتے دونوں ڈرائیور کے ہمراہ گھر سے نکل آئی تھیں۔

آدھے گھنٹے میں وہ شہوار کے گھر کے سامنے تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی گیٹ پر سیکیورٹی تھی۔ چوکیدار ان کو پہچان گیا تھا اس لیے پہلے کی طرح اس بار تفصیلی بازپرس کرنے کے بجائے اس نے بس انٹرکام پر اندر اطلاع دی تھی پھر ان دونوں کو اندر داخلے کی اجازت دے دی۔

"اوف...... کتنی سیکیورٹی ہوتی ہے ان لوگوں کی؟" روشی نے کہا۔

"اچھا ہے نا آج کل ملک کے جو حالات ہیں کیا پتا کب کون گھر میں گھس آئے اور پھر انسان کے پاس جس قدر دولت ہوتی ہے اتنے ہی کرائسز فیس کرنا پڑتے ہیں۔" انا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ تبھی اندر سے ایک ینگ سی لڑکی ان کے استقبال کے لیے سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" یہ لڑکی دونوں کے لیے اجنبی تھی۔ انا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... آیئے پلیز۔" لڑکی نے بڑی گرم جوشی سے دونوں سے ہاتھ ملایا اور پھر ان دونوں کو اندر لے آئی تھی۔

"ہم شہوار کی دوستیں ہیں...... انا نام ہے میرا وہ آج کالج نہیں آئی کل بھی آف کیا تھا موبائل بھی بند تھا اس کا تو سوچا اس سے مل آؤں۔" وہ لڑکی ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ انا نے بیٹھتے ہی اپنا تعارف کروایا تو لڑکی مسکرائی۔

"میں صبا ہوں...... شہوار کی کزن۔"

"شہوار کدھر ہے؟" انا نے سر ہلاتے پوچھا۔ اسے باقی لوگوں کے متعلق زیادہ علم نہ تھا۔

"وہ تو حویلی چلی گئی ہے۔" لڑکی نے سادگی سے بتایا۔

"حویلی......" وہ چونکی۔ "یو مین گاؤں......؟"

"اچھا...... اتنی جلدی...... دو دن پہلے ہی تو وہ واپس آئی تھی۔" انا حیران ہوئی۔

"دراصل اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ اپنی امی کو بہت مس کررہی تھی تو کچھ دیر پہلے ہی روانہ ہوئی ہے۔"

"او آئی سی۔" انا کو اپنی آمد کے بے کار جانے پر افسوس ہوا۔

"باقی لوگ کدھر ہیں؟" انا نے یونہی اخلاق نبھایا۔

"ماں جی اور عائشہ کو جیولر کے پاس جانا تھا۔ شہوار کے جانے کے بعد وہ لوگ ادھر گئی ہیں۔ لائبہ بھابی بھی شہوار کے ہمراہ حویلی چلی گئی ہیں۔" انا نے محض سر ہلادیا۔ ماں جی اور لائبہ سے تو وہ متعارف تھیں باقی عائشہ کون تھی اور یہ صبا شہوار کی کس حساب سے کزن بنتی تھی وہ بے خبر تھیں۔

"ایم سوری میں نے آپ سے پوچھا ہی نہیں آپ کیا کھائیں گی؟" وہ فوراً آداب میزبانی بجالانے کو تیار ہوگئی تھی۔

"اٹس اوکے...... ہمیں بس شہوار کی طرف سے تشویش ہورہی تھی وہ کبھی بغیر اطلاع کے آف نہیں کرتی تو مجھے پریشانی ہورہی تھی۔" صبا نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"آپ بیٹھیں میں آتی ہوں ذرا۔" وہ ان دونوں کو بٹھا کر چلی گئی تھی۔ انا نے روشی کو دیکھا۔

"گھر والوں میں سے تو کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی یہ خاتون آتی ہیں تو ان کو شادی کا کارڈ تھما کر واپس چلتے ہیں۔" روشی نے مشورہ دیا تو اس نے فوراً ہامی بھرلی۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی ملازمہ کے ہمراہ ٹرالی میں بہت سے لوازمات سجائے چلی آئی تو دونوں شرمندہ ہوئیں۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" انا نے کہا تو وہ لڑکی مسکرائی۔

"آپ شہوار کی دوست ہیں ماں جی کو پتا چلا کہ آپ آئی تھیں اور یونہی چلی گئی ہیں تو مجھ پر بہت خفا ہوں گی۔ اس دن بھی آپ شہوار کو باہر ہی سے اتار کر رخصت ہوگئی تھیں۔ ماں جی نے برا مانا تھا۔ شہوار کو ڈانٹا بھی تھا کہ وہ آپ دونوں کو اندر کیوں نہیں لے کر آئی۔" دونوں کو مشروب کے گلاس تھماتے اس نے کہا۔

"شہوار اس طرح اچانک کیوں چلی گئی۔ کوئی خاص ریزن تھی کیا؟" انا نے گلاس منہ سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

صبا نے محض سر ہلایا۔ (یہ شہوار کی دوست تھی پتا نہیں وہ اس کی پرسنل لائف سے باخبر تھی کہ نہیں اب انا کو خود سے کچھ بتا کر وہ شہوار کا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی) سو چپ رہی تھی۔

"وہ واپس کب آئے گی؟" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔

"چند دن میں آ جائے گی۔"

"اور اس کا موبائل کیوں آف ہے؟" انا نے پوچھا تو صبا نے گہرا سانس لیا۔ یہ بھی اسے تھوڑی دیر پہلے پتا چلا تھا کہ شہوار کا موبائل ٹوٹ گیا ہے۔

جو سچویشن عائشہ نے بتائی تھی تو صبا کو شہوار جیسی لڑکی سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خود ہی گر کر ٹوٹ گیا ہوگا جبکہ عائشہ کا موقف تھا کہ ضرور شہوار نے کسی بات پر غصے میں آ کر موبائل دیوار پر مار کر توڑا ہے۔ اچھا خاصا موبائل اچانک گر کر ٹوٹنے سے تو رہا۔ یہ عائشہ کا موقف تھا۔

"اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے؟" صبا نے انا کو اطلاع دی۔

"اوہ......" انا نے گہرا سانس لیا۔

دونوں اپنا اپنا مشروب ختم کر چکی تھیں۔ صبا ان سے مزید کچھ لینے پر اصرار کر رہی تھی۔ مگر دونوں معذرت کر گئی تھیں۔

"شہوار سے رابطہ ہو تو اسے کہیے گا کہ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے۔"

"جی ضرور۔"

"یہ روشانے اور میرے بھائی کی شادی کا کارڈ ہے۔ یہی لے کر آئی تھی میں۔ شہوار کو بتا دیجیے گا۔" انا نے بیگ سے کارڈ نکال کر صبا کی طرف بڑھایا تو اس نے فوراً تھام لیا۔

"آپ سب لوگوں نے شادی پر ضرور آنا ہے۔ آنٹی گھر پر ہوتیں تو ان کو بھی اصرار سے کہتی۔"

"آپ ابھی رکیں نا ماں جی آ جائیں تو پھر چلی جائیے گا۔"

"نہیں...... شہوار آتی ہے تو پھر کسی دن چکر لگا لوں گی۔" اس نے سہولت سے منع کیا۔

"او کے اجازت دیں۔" وہ دونوں کھڑی ہوئیں۔

"ایم سوری میں بہت شرمندہ ہوں آپ کی کوئی خاطر تواضع بھی نہ کی۔ ماں جی اور شہوار بھی نہیں ورنہ آپ کو تکلف برتنا نہ پڑتا۔" صبا شرمندہ ہو رہی تھی۔

"اٹس او کے۔" اس ساری صورت حال میں روشی نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"یہ آپ کی......؟" وہ انا کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"یہ میری ماموں زاد اور ہونے والی بھابی ہیں انہی کی شادی کا کارڈ ہے یہ۔"

"اوہ آئی سی۔" صبا نے بغور روشانے کو دیکھا تو چونکی۔

"ہم پہلے بھی کہیں مل چکی ہیں کیا؟" وہ روشانے سے پوچھ رہی تھی وہ جھینپ گئی۔

"نہیں...... میں پاکستان فرسٹ ٹائم آئی ہوں آپ سے بھی فرسٹ ملاقات ہے یہ میری۔"

"اوہ......" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگا یوں لگا کہ آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ بٹ آپ تو پاکستان بھی فرسٹ ٹائم آئی ہیں میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہو جاتا ہے ایسا بھی۔ اکثر لوگوں کی شکلیں آپس میں مل ہی جاتی ہیں۔" انا نے ہنس کر کہا۔

"مگر آپ کے فیس کی شیپ اتنی کامن تو نہیں کہ عام لوگوں سے ملتی جلتی ہو ایسے چہرے تو بہت خاص ہوتے ہیں اور کم ہی دنیا میں ہوتے ہیں۔ پہلی نگاہ میں ہی اپنی طرف متوجہ کر لینے والے۔" صبا نے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" روشی نے سر تسلیم خم کیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"او کے اجازت دیں...... نائس ٹو میٹ یو۔" روشی نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے گرم جوشی سے تھام لیا۔

"می ٹو۔"

"ویسے آپ مصطفیٰ صاحب کی کیا لگتی ہیں؟" انا نے مصافحہ کرتے پوچھا تو وہ چونکی۔

"آپ مصطفیٰ بھائی کو جانتی ہیں؟"

"نہیں بس بائے نیم تعارف سن رکھا ہے شہوار سے۔ زیادہ نہیں جانتی۔"

"میں اور عائشہ دونوں مصطفیٰ بھائی کی سسٹرز ہیں۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

"ویسے آپ کی بات پر غور کرتے ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔" روشانے نے کہا تو انا نے سر پکڑ لیا۔ اب یہ شناسائی پتا نہیں کس رنگ میں ڈھلنے والی تھی۔

"اللہ کے لیے کوئی فلمی کہانی نہیں سنانے لگ جانا۔ اچھا صبا ہم چلتے ہیں آپ اپنی ماں جی کو ہمارا سلام کہیے گا اور شہوار سے ضرور کہیے گا کہ پہلی فرصت میں ہی مجھ سے رابطہ کرے۔ میں اس کی کال کی منتظر رہوں گی۔" انا روشی کو ٹوک کر صبا کو تاکید کرتے وہ اس کے ہمراہ باہر آ گئی تھی۔ منصور خان باہر ہی کھڑا تھا وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھیں تو اس نے گاڑی ڈرائیو کی۔

"ویسے تمہارا یہ دورہ ناکام ہی ٹھہرا۔" روشی نے کہا تو اس نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔

"پتا نہیں اب کیا ہوا ہے کہ اس کی طبیعت یوں اچانک خراب ہو گئی ہے۔" اندر ہی اندر وہ شہوار کے متعلق اندازے لگا رہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ گھر لوٹا تو سامنے لاؤنج میں عائشہ، صبا، عباس بھائی کے علاوہ بابا صاحب اور ماں جی بھی تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" بابا جان نے کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

"تم کدھر تھے؟ کل بھی رات گئے لوٹے تھے اور آج بھی آفس سے تو کب کے اٹھ گئے تھے۔ اس وقت بھی بارہ بجنے والے ہیں۔" انہوں نے بیٹے سے پوچھا تو مصطفیٰ نے انہیں سنجیدگی سے دیکھا۔

کل جس طرح بابا ایاز کے سلسلے میں اس پر خفا ہوئے تھے تو وہ ان سے خفا تھا۔ اب اس کی شعوری کوشش تھی کہ باپ سے سامنا نہ ہو مگر اس وقت اس کا گمان تھا کہ بابا صاحب اپنے کمرے میں جا چکے ہوں گے۔ مگر وہ گھر میں داخل ہوا تو یہاں ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ یہاں وہاں کپڑے بکھرے پڑے تھے اور ماں جی کی گود میں زیورات کے بکس تھے۔

"ادھر ہی تھا۔" سنجیدگی سے جواب دیتے وہ عباس بھائی کے پہلو میں آ بیٹھا تھا۔ بابا جان نے اسے بغور دیکھا اور کتاب پر سر جھکا لیا۔

"کھانا لاؤں؟" عائشہ نے پوچھا۔

''نہیں میں کھا چکا ہوں۔'' اس نے انکار کیا۔
''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' صبا کپڑے تہہ کر کر کے رکھ رہی تھی جبکہ ماں جی بدستور بکس میں سے زیورات نکال نکال کر دیکھ رہی تھیں۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عباس بھائی نے شرارت سے شعر پڑھا تو وہ ٹھٹھکا۔
''مطلب؟''
''یہ بھی ہم ہی بتائیں۔'' عباس بھائی کا انداز شرارتی تھا۔
ماں جی سمیت وہ دونوں ہنس دیے۔
''تم گھر پر ٹکو تو کچھ پتا چلے کہ یہ کیا ہو رہا ہے رات کے بارہ بجے گھر لوٹے ہو اب تمہیں کیا بتائیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' بابا جان نے خفگی سے کہتے اسے اس کی اس روٹین پر سرزنش کرتے کتاب بند کر کے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی تو عباس نے ہنس کر مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''بھئی ہمارے مصطفیٰ صاحب تو سب سے الگ ہیں بقول شاعر شمس زبیری کے۔

سب سے ملتا ہوں مگر سب سے الگ ہے اپنی راہ
اپنا انداز نظر سب سے جدا رکھتا ہوں میں

''ایاز والے کیس کا کیا بنا؟'' عائشہ نے پوچھا تو اس نے سر جھٹکا۔
''بند ہے ابھی تک حوالات میں۔''
''ابھی تک اس کے باپ نے کوئی سنگین قسم کے اقدامات نہیں کیے؟'' عباس نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
''لگا ہوا تو ہے مگر امجد خان بھی عام انسان نہیں ہے۔ ہر طرح کا بردن برداشت کر رہا ہے۔ ضمانت کروانے کے چکروں میں ہے مگر ابھی تک کروا نہیں پا رہا۔ دراصل اسپتال میں جو دو افراد ایڈمٹ ہیں ان کی وجہ سے کیس تھوڑا مس اسٹرونگ ہو رہا ہے۔ ورنہ وہ تو کب کا نکلوا چکا ہوتا۔'' مصطفیٰ نے تسلی سے بتایا۔
''طبیعت سیٹ ہو چکی ہوگی موصوف کی۔'' عباس بھائی نے خاصی نفرت سے پوچھا تو اس نے بھی سر ہلایا۔
''اچھی خاصی۔ اگر نہ بھی ہوئی تو میں نے کر دینی بھی سیٹ۔ خیر ابھی چھوڑوں گا تو نہیں۔ دیکھتا ہوں اس کا باپ کیا کرتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے۔ خاصی دھمکی آمیز کالز امجد خان کو مل رہی ہیں۔ در پردہ ہمیں بھی خاصا سنا رہا ہے۔ مگر عبدالقیوم صاحب پر واضح ہو چکا ہے کہ اس کیس کے پیچھے ہم لوگ ہیں تاہم اصل خناس اور کیس کے بارے میں وہ ابھی تک بے خبر ہی ہیں۔ امجد خان نے بھی ابھی تک اسے اس کے بیٹے سے نہیں ملوایا۔ اس کے علاوہ کافی کوششیں کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ضمانت کروا لے۔'' عباس بھائی کو تفصیلی جواب دیتے اس نے بہنوں کو دیکھا۔
''گھر میں ان لوگوں کی طرف سے کسی نے رابطہ کیا؟ عادلہ بھابی وغیرہ نے؟''
''نہیں فی الحال تو نہیں ہوا ہمیں یقین ہے کہ وہ لوگ ہم سے رابطہ کرنے کی اب حماقت کریں گی بھی نہیں۔ بھائی کے کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ جانتی ہیں کہ اگر ہمیں کال کریں گی یا رابطہ کریں گی تو خود ہی کھائیں گی۔'' عائشہ نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''چھوڑو کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔ تمہارے بابا ہیں نا وہ دیکھ لیں گے ان لوگوں کو اور عادلہ کو بھی۔ تم لوگ مت پریشان ہوں۔ آنچل بھی لے آئیں گے اور مصطفیٰ تم اب ایاز والے معاملے میں خود سامنے نہیں آؤ گے۔ تمہارے بابا نے اگر امجد خان کو آگے کیا ہے تو اسی کا نام رہنے دو۔ تمہارے بابا نے کل بتایا تھا کہ تم نے ایاز کو اچھا خاصا مارا پیٹا ہے۔'' ماں جی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
''شکر کریں کہ صرف مارا پیٹا ہے ورنہ میرا ارادہ تو اس کو جان سے مار دینے کا ہے۔ ہماری خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ کوئی چھوٹا موٹا جرم نہیں ہے۔ سزا تو اس کو بڑی بھیانک ملے گی اس کی۔ بابا اسے قانون کی زد میں لے آئے ہیں ورنہ میرا بس چلتا تو اسے اسی لمحے گولی سے اڑا دیتا جب ہم نے اس کو ہوٹل کے واش روم کے حصے میں بھابی آفاق اور شہوار کو یرغمال بنائے پسٹل لگائے دیکھا تھا۔'' وہ ایک دم پھر غم و غصے سے کہنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے نارمل کرنا چاہا تو ماں جی نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔
''کول ڈاؤن یار...... کول ڈاؤن۔''
''اچھا دفع کریں مجھے تو جب بھی وہ سارا واقعہ یاد آتا ہے شدید ٹینشن ہونے لگ جاتی ہے۔ لیو دس ٹاپک پلیز۔ کوئی اور بات کریں۔'' صبا نے فوراً کہا تو ماں جی نے بھی اسے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ اب چپ رہے اور اس نے بمشکل اپنے آپ پر ضبط کیا۔
''یہ کس سلسلے میں سارا پھیلاوا ہو رہا ہے؟'' اس نے موضوع بدلنے کو کہا تو عباس سمیت باقی بھی مسکرا دیے۔
''بوجھیں تو جانیں۔'' صبا نے شرارت سے کہا۔
''مجھے پزل کھیلنے نہیں آتے خود ہی بتا دو۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔
''آپ کے نکاح کی تیاریاں کر رہے ہیں ہم لوگ۔'' عائشہ نے دھیرے سے انکشاف کیا تو وہ چونکا۔
''مطلب؟''
''یہ تو ماں جی سے ہی پوچھو ہمیں بھی گھر آ کر ہی پتا چلا ہے کہ دو دن بعد اتوار کو تمہارا نکاح ہے۔'' عباس بھائی نے مزے سے کہا تو وہ کئی پل تک ساکن رہ گیا۔
''اتوار کو...... اس قدر اچانک...... وجہ پوچھ سکتا ہوں اس اچانک فیصلے کی؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ماں جی کو دیکھا۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ دھیرے سے مسکرا دیں۔
''جس طرح یہ سارا واقعہ پیش آیا ہے تمہارے بابا نے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' انہوں نے پرسکون انداز میں بتایا۔
''اور شہوار؟'' اس سارے سلسلے میں وہ اس کے شدید انکار سے اچھی طرح باخبر تھا۔ اگر یہ بابا صاحب کا اچانک فیصلہ تھا تو یقیناً اس کی طرح وہ بھی لاعلم ہی ہوگی۔ اسے یقین کامل تھا۔
''اس سے بھی تمہارے بابا نے کل بات کر لی تھی۔'' اب کے وہ شدید حیرت سے دوچار تھا۔
''کل......؟'' اس نے دہرایا۔
''ہاں...... انہوں نے کل ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ تابندہ اور بابا صاحب سے تفصیلی گفتگو کے بعد ہی انہوں نے شہوار سے بات کی تھی اور پھر انہوں نے بابا صاحب سے دوبارہ بات کر کے اتوار کا دن طے کر لیا۔'' ماں جی کے الفاظ پر وہ کئی لمحے گم صم سا رہا۔
''بابا نے شہوار سے بات کی تھی تو کیا اس نے انکار نہیں کیا ہوگا؟'' مصطفیٰ نے ماں جی کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا مگر وہاں بہت ہی خوشی کے تاثرات رقم تھے۔
''جیسے ہی فیصلہ ہوا تھا ہم تو فوراً پلاننگ میں لگ گئے تھے آپ کی طرح ہمیں بھی کچھ دیر قبل پتا چلا ہے۔ کل فرائی

ڈے ہے اور پرسوں سنڈے یوں کہہ لیں بس ایک دن ہے تیاری کے لیے۔" صبا نے ہنس کر کہا تو اس نے بہت سنجیدگی سے سب کو دیکھا۔

"آپ کو اس طرح اچانک یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس اچانک فیصلے سے پہلے آپ مجھ سے ڈسکس تو کر لیتے۔" مصطفیٰ نے کچھ خفگی سے ماں جی کو دیکھا۔

"کب ڈسکس کرتے؟ کل تم رات گئے لوٹے تھے سب سو گئے تھے اور صبح صبح گھر سے نکل گئے تمہارے بابا نے کئی بار کال کی تم نے ریسیو نہ کی اور پھر اس کے بعد تم اب گھر لوٹ رہے ہو۔" اس کی خفگی پر ماں جی نے بھی خاصی سنجیدگی سے کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔

"ہاں تو تم کر ہی چکے تھے۔ مینٹلی طور پر تم اس نکاح کے لیے ریڈی بھی تھے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ کل ہو یا پرسوں۔ ہونا تو ایک دن تھا ہی۔" عباس بھائی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے سر جھکا۔

"ہاں کرنے اور ایک دم یہ سب ہونے میں بہت فرق ہے۔ اسپیشلی اس واقعے کے بعد آپ کو شہوار سے ضرور پوچھنا چاہیے تھا۔" ماں جی اس کا مطلب سمجھی تھیں یا نہیں مگر ایک بات کا وہ اچھی طرح اندازہ لگا رہی تھیں کہ مصطفیٰ یقیناً شہوار کے انکار سے بے خبر نہیں۔

"کیوں تم سے شہوار نے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے؟" انہوں نے اندازہ لگانا چاہا مصطفیٰ ان کے انداز پر ٹھٹکا اور پھر سنبھل گیا۔

"نہیں۔" وہ رکا۔

"میرا مطلب ہے...... اس قدر اچانک وہ ایگری ہو گئی کیا؟"

"یہ بڑوں کا فیصلہ تھا پھر تمہارے بابا نے اس سے خود بات کی تھی۔" ماں جی نے کہا تو وہ چپ رہا۔

"بابا صاحب کی خراب طبیعت کی وجہ سے ان کی خواہش پر گاؤں میں ہی رسم کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ یوں کہہ لو کہ یہ ان کی خواہش ہے۔ تم بھی اپنی شاپنگ کر لینا۔ سب رشتہ داروں کو ہم نے فون کر دیے ہیں۔ اتنا لمبا چوڑا فنکشن تو نہیں ہو گا۔ اول و آخر یہ کوشش ہو گی کہ سادگی سے یہ سارا پروگرام اختتام پذیر ہو۔ مگر رشتہ داروں کی شمولیت کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں۔ تمہاری دونوں پھپھیوں کو فون کر دیے ہیں۔ کراچی بھی کال کر دی ہے۔ یہاں سے ہم لوگ ہفتے والے دن گاؤں روانہ ہو جائیں گے۔ باقی معاملات وہیں جا کر مکمل ہوں گے۔" ماں جی اسے مزید تفصیل فراہم کر رہی تھیں اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

یعنی یہاں سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ اب اسے محض اطلاع دی جا رہی تھی۔

"اب بھی بتانے کا کیا فائدہ تھا عین وقت پر اطلاع کر دیتے؟" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر واپس بٹھا لیا۔

"رکو تو...... اتنے خفا کس لیے ہو رہے ہو؟ یہ غیر متوقع تو نہیں تھا نا؟ گھر میں بات چیت چل رہی تھی کہ نکاح ہو گا۔ عائشہ اور صبا آئی بھی اسی سلسلے میں تھیں۔"

"میں خفا نہیں ہوں نہ ہی یہ سارا معاملہ میرے لیے غیر متوقع ہے لیکن موجودہ صورتحال کی وجہ سے میں ابھی اس سارے معاملے کے لیے تیار نہیں تھا یہ کیس ابھی درمیان میں ہے اور امجد خان پر جس طرح کا دباؤ ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف متوجہ ہونے کی غلطی افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"تو کون کہہ رہا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف توجہ دو محض نکاح ہو رہا ہے شادی تو نہیں۔" ماں جی نے بھی اب

...ے خفگی سے کہا۔

"دیکھو مصطفیٰ! ہمیں شہوار سے امید تھی کہ وہ اعتراض کرے گی یا کوئی بات کہے گی مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اب تم بھی کچھ مت کہو۔ جب سے تابندہ بوا نے رشتے کے لیے ہامی بھری تھی تب سے ہم لوگ تمہارے نکاح کا ہی پروگرام بنا رہے تھے۔ ٹھیک ہے اب ایک دم طے کیا ہے مگر ذہنی طور پر تو تم تیار تھے نا اور اس دن وہ ڈنر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔" عباس بھائی نے بھی کہا۔

"اچھا مصطفیٰ بھائی اس بحث کو چھوڑیں۔ بس یہ بتائیں کہ آپ ناخوش ہیں اس اچانک فیصلے سے؟" عائشہ اور صبا دونوں خاموش تھیں مگر عائشہ نے جھنجلا کر پوچھا تو مصطفیٰ کی نگاہوں میں شہوار سکندر علی کا دل کش سراپا آ ٹھہرا۔

"بات میری نہیں شہوار کی رضامندی کی ہے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس سے تمہارے باپ نے خود بات کی تھی۔" ماں جی نے جواب دیا تو وہ ٹھٹکا۔

"بابا نے خود کی تھی؟" اس نے پوچھا تو ماں جی نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر اب اعتراض کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اچھا یہ دیکھیں ہم آج جیولر کے پاس گئی تھیں۔ ماں جی نے کافی دنوں سے آپ کی دلہن کے لیے کچھ زیورات بنانے کا آرڈر دیا ہوا تھا۔ ہم آج ہی یہ لے کر آئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ کر بتائیں کیسے ہیں یہ زیورات؟" عائشہ رسانیت سے کہتے جیولری باکسز ماں جی کی گود سے اٹھا کر مصطفیٰ کے قریب آ کر اسے دکھانے لگی تھی۔

"ٹھیک ہی ہیں یہ تو خواتین کو ہی پتا ہو گا۔ مجھے کیوں دکھا رہی ہو؟" اس نے سرسری سا دیکھا۔

"پہننے تو آپ کی ہی دلہن نے ہیں نا؟ اچھی طرح دیکھ لیں اگر پسند نہیں تو بتا دیں ابھی دو دن ہیں ہم چینج کروا لیں گے۔" صبا نے بھی حصہ لیا۔ اس نے محض سر ہلا دیا۔

"زیورات کی سب سے بڑی ٹینشن تھی یہ تو کام ہو گیا۔ ہم لوگ ذات برادری والے ہیں بھلے سادگی سے سب کر رہے ہیں مگر اپنی حیثیت کے مطابق بھی کچھ کریں گے۔ پھر تم تو ہمارے گھر کی آخری خوشی ہو اور یہ موقع کب زندگی میں بار بار آتا ہے کوئی خواہش ہے دل میں تو بتا دو۔ تمہاری پسند اور خواہش کے مطابق ہی سب کریں گے۔" ماں جی نے محبت و شفقت سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرا دیا مگر اندر ہی اندر شہوار کا متوقع ردعمل سوچ سوچ کر شدید ٹینس ہو رہا تھا۔

"آپ جو بھی کریں گی مجھے کوئی اعتراض نہیں بس اس قدر عجلت میں سب کرنے پر حیرت ہو رہی ہے اور سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ شہوار راضی کیسے ہو گئی؟"

"لو...... پھر وہی بات؟ ماں جی بتا تو چکی ہیں کہ بابا جان نے خود بات کی تھی اور شہوار کو آخر کیونکر انکار ہو گا۔ کیا کمی ہے آپ میں یا ہمارے خاندان میں؟" عائشہ نے برا مان کر کہا تو ماں جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"باقی سب تو ہوتا رہے گا ایک اہم چیز نکاح کا جوڑا اور باقی سامان خریدنے کا ہے۔ تم لوگ فہرست بنا لو کل اور پرسوں کے اوقات میں سب کام مکمل کرنا ہے۔ دوپہر کے بعد ہمیں گاؤں کے لیے روانہ ہو جانا ہے یہ ذہن میں ضرور رکھنا۔" اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے دونوں بہنوں کو یاد دہانی کروائی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں سب کام ہو جائیں گے۔" صبا نے یقین دہانی کروائی۔

"ثانیہ ہوتی تو مجھے ٹینشن نہ ہوتی اب جو کچھ بھی ہے تم دونوں نے ہی دیکھنا ہے۔" ماں جی کہہ کر زیورات کے ڈبے سنبھالتیں اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"ثانیہ بھابی کدھر ہیں اور سجاد بھائی بھی غائب ہیں خیریت؟" ماں جی کی بات پر وہ چونکا۔ حاضرین کو دیکھا بھیا اور

بھابی نہ تھے۔
اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنے روم میں ہوں گے مگر اب ماں جی کے الفاظ پر ٹھٹکا۔

''بھابی اور بھیا کے علاوہ ادھر ایک اور ہستی بھی غائب ہیں ان کی کمی محسوس نہیں کی جناب نے؟'' عائشہ شرارت سے بولی تو وہ ٹھٹکا۔

''شہوار؟''

''جی جناب۔'' صبا ہنسی۔

''اپنے روم میں ہوگی۔'' اس وقت وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی اس نے قدرے سکون سے کہا تو تینوں ہنسے۔

''ہماری فلموں میں پاکستانی پولیس کی بالکل ٹھیک عکاسی کی جاتی ہے۔ ہماری پولیس ہمیشہ واردات کے بعد موقع پر پہنچتی ہے آپ پر بھی اثرات غالب آتے جارہے ہیں۔'' صبا نے ہنس کر لقمہ دیا۔

''شہوار بھابی اور بھیا کے ہمراہ گاؤں جاچکی ہیں۔'' عائشہ نے کہا تو وہ چند پل تک بالکل چپ چاپ رہا۔ یہ اس کے لیے ایک نئی اطلاع تھی۔

''اس قدر اچانک؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''جی......''

''شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس حادثے سے اچھی خاصی متاثر ہوئی ہے وہ۔ اپنے کمرے میں ہی بند ہوکر رہ گئی تھی۔ اب تو بخار بھی تھا۔ اس نے ماں جی سے گاؤں جانے کی بات کی تو ماں جی نے بابا جان سے پوچھ کر بھیا اور بھابی کے ساتھ بھیج دیا۔'' عائشہ نے تفصیل پہنچائی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''یعنی محترمہ بالکل بھی راضی نہیں۔'' اس نے فوراً نتیجہ اخذ کیا تھا۔ مصطفیٰ کے احساسات اس وقت بڑے عجیب سے ہورہے تھے۔ اپنے رد کیے جانے اور ہتک کا احساس شدت سے حاوی ہوا تھا۔ زندگی میں اتنا اہم موڑ آرہا تھا مگر بالکل اچانک اور غیر یقینی عجیب سے انداز ہیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ دل سے خوش ہوتا اور اس سارے سلسلے کو بہت انجوائے بھی کرتا۔

''وہ آج کالج نہیں گئی تھی؟'' اس نے یونہی سرسری انداز اختیار کیا۔ وہ آج جلدی گھر سے نکل گیا تھا۔ سوائے علم نہیں تھا کہ پیچھے گھر میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔

''نہیں...... رخسار کا زخم ابھی خاصا نمایاں تھا پھر بخار بھی تھا۔'' عائشہ نے ہی جواب دیا تو مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

''شہوار کی فرینڈ اس کی دو دن کی غیر حاضری کا پتا کرنے آئی تھی اس کے ساتھ اس کی کزن بھی تھی۔ گھر میں تم اور ماں جی دونوں ہی نہ تھیں۔ مجھے تو وہ جانتی نہ تھیں لائبہ بھابی کا علم تھا وہ بھی نہیں تھیں تھوڑی دیر بیٹھی تھیں پھر چلی گئیں۔ صبا کالج کے ذکر پر مزید بتانے لگی تو مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا اس کے لیے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

''شادی کا انویٹیشن دے کر گئی ہیں۔ میں نے شہوار کے روم میں رکھ دیا ہے۔''

''کون سی فرینڈ؟'' عائشہ نے پوچھا۔

وہ اور صبا ڈسکشن کرنے لگ گئیں تو وہ نظر انداز کرتا معذرت کرتا وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اگر درمیان میں یہ حادثہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً بہت خوش ہوتا مگر اب عجیب سے احساسات ہورہے تھے وران تمام احساسات پر سب سے بھاری یہ احساس تھا کہ شہوار راضی نہیں ہے۔ مصطفیٰ نے بہت زور سے کمرے کا دروازہ بند کرتے اپ

محسوسات پر قابو پانے کی ایک ہلکی سی کوشش کی تھی۔ مگر لگتا تھا کہ جذبات میں شدید طغیانی آگئی ہے۔ رہ رہ کر شہوار کے رضامند نا ہونے کا احساس شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔

❁......❁......❁
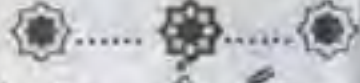
رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ صبح کے آثار تھے مگر وہ غم سے نڈھال تھی۔ وہ جب سے لوٹی تھی اسی طرح نڈھال بستر پر پڑی ہوئی تھی تابندہ بی نے بہت نرمی اور شفقت سے اس کے رخسار کو چھوا۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ مغرب کے بعد یہ لوگ حویلی پہنچے تھے پھر کھانا کھا کر لائبہ شہوار کے پاس آگئی تھی کہ ماں جی کی خصوصی تاکید تھی کہ اسے ایک پل کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑنا اور اب تابندہ بی کمرے میں آئیں تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی جہاں سجاد ٹھہرے ہوئے تھے۔

شہوار کو لائبہ نے میڈیسن اور کھانا کھلا کر اب سلا دیا تھا۔ تابندہ بی نے بغور اس کے رخسار کو دیکھا وہاں زخم کے ساتھ نیلا نشان بھی تھا جیسے کوئی نیل پڑ گیا ہو۔

''یہ زخم کیسا ہے؟'' رات وہ زخم دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔ انہوں نے لائبہ سے پوچھا بھی تھا۔

''شہوار کا سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا تھا اور گر گئی تھی۔'' لائبہ نے جواب دیا جبکہ شہوار آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹی خاموش رہی تھی۔ وہ تو بابا صاحب کو بھی سلام کرنے نہیں گئی تھی۔ وہ خود ہی اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ بھی اس کے متعلق متفکر ہورہے تھے ایک فطری سی پریشانی تھی۔

شہوار نے تابندہ بی سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ ناراض تھی تابندہ بی کو بہت اچھی طرح اس کی ناراضگی محسوس ہورہی تھی۔ وہ اسی طرح اس کے رخسار پر انگلیاں پھیرتے بیٹھی رہیں تھیں۔ رات بیتی اور فجر کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔ انہوں نے جھک کر بہت محبت سے بخار کی حدت میں مبتلا وجود کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''دیکھو...... سکندر کیسے میں نے اپنی محبت کا حق ادا کیا ہے۔ تمہاری بیٹی کو دل کا ٹکڑا بنا کر رکھا ہے۔ کبھی غم کی آنچ نہیں آنے دی اور آج اس کی بنیادیں مضبوط کررہی ہوں تو یہ مجھ سے خفا ہورہی ہے۔ آخر تمہاری بیٹی ہے نا تمہاری طرح بلا کی ضدی تم نہ رہے ہم نے تو تمہارے بعد بھی وفا کی ہے۔'' نم پلکوں کو صاف کرتے تابندہ بی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

ان کے کرنے کو اب سو کام تھے۔ پہلے انہوں نے وضو کرکے نماز ادا کی تھی پھر تلاوت میں مشغول ہوگئی تھیں۔ وہاں سے فارغ ہوکر وہ کچن میں چلی آئیں۔ زہرہ بی (پھپو) بھی حویلی میں ہی تھیں۔ کل یا آج شام تک اور لوگوں نے نکاح کی تقریب کے سبب حویلی آجانا تھا۔ انہوں نے عظمت اور تاج سے ناشتا تیار کروایا۔ بابا صاحب کا ناشتا ان کے کمرے میں بھجوا دیا۔ سجاد لائبہ زہرہ بی اور انہوں نے مل کر ناشتا کیا۔ شہوار بخار اور میڈیسن کے سبب غافل تھی کوئی گیارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو لائبہ اس کے پاس ہی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب بخار اترا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''ہوں...... بخار تو اتر گیا ہے۔ بس ہلکا سا باڈی ٹمپریچر ہے جو عام طور پر ہوتا ہی ہے اٹھو منہ ہاتھ دھو لو ناشتا کرو کل سے تو ایسے ہی پڑی ہوئی ہو۔ وہاں سے بھی ماں جی عائشہ سبھی کے فون آرہے ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کو بے تاب ہیں۔'' بھابی کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو بھابی کسی سے فون پر بات کررہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''یہ شہوار منہ ہاتھ دھو کر آگئی ہے۔ یہ لو اس سے بات کرو۔'' بھابی نے اشارے سے پاس بلا کر اسے موبائل تھمایا تو

وہ الجھی۔

"کس کی کال ہے؟"

"تم بات تو کرو ابھی پتا چل جاتا ہے۔" بھابی کا انداز شرارتی تھا اس نے موبائل کان سے لگاتے بیڈ کے کنارے پر ہی بیٹھ گئی۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم کیسی ہو؟" دوسری طرف مصطفیٰ تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"بھابی بتا رہی تھیں کہ اچھا خاصا بخار تھا تمہیں۔" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے مزید پوچھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا شہوار کو لگا ہو گویا اس کے اندر آگ دہک اٹھی ہو۔

"جس کو چنگاری دکھا کر تماشا دیکھنا شاید آپ کی فطرت ہے۔ میرے جینے مرنے سے اب آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" وہ تو ایک دم بھری تھی بھابی نے بہت چونک کر اسے دیکھا فوراً لپک کر قریب آئیں۔

"واٹ ڈو یو مین؟" اس کے یوں آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑنے پر دوسری طرف مصطفیٰ بھی حیران ہوا تھا بلکہ غصے سے بولا تھا۔

"اتنے ناسمجھ اور کم فہم بچے نہیں ہیں کہ مجھ سے وضاحتیں مانگتے پھریں۔ میں کیا چاہتی تھی آپ بے خبر نہ تھے اب اس سارے تماشے کے ذمہ دار آپ ہی ہیں۔ خبردار آئندہ مجھ سے بات کی یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تو......!" غصے سے کال بند کرتے اس نے موبائل بستر پر پھینکا تو بھابی فوراً اس کے پاس آ بیٹھیں۔ ان کے لیے شہوار کا یہ ایک نیا روپ تھا۔ بڑا حیران کن اور حیرت انگیز۔

"شہوار کیا ہوا؟ کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے؟" وہ ایک دم شدید پریشان ہوئیں۔

شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ضبط کی انتہا سے اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ خاصی متفکر ہو چکی تھیں اور پریشانی سے شہوار کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنے اندر اٹھتے طوفان پر بند باندھنا چاہے تھے۔ یہ لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتی تھیں ان کے سامنے کچھ کہنا اپنا تماشا بنوانا تھا صرف اور اسے اپنا تماشا بنوانا مقصود نہ تھا۔ اس نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"کچھ نہیں، بس یونہی۔" اس نے ندامت سے کہتے اپنی جذباتیت پر قابو پانے کی کوشش کی بھابی نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کے الفاظ کا بھلا کیا پس منظر ہو سکتا تھا؟ اس نے مصطفیٰ سے ایسے کیوں کہا؟ انہوں نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ موبائل پھر بج رہا تھا۔ شہوار نے خاصی تلخی سے موبائل کو دیکھا یہ بھابی کا موبائل تھا۔ اس کا جی چاہا کہ موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

"پلیز مجھ سے بات مت کروایئے گا۔ میں ابھی کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے تلخی سے کہتے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے کمبل سر تک تان لیا۔ بھابی نے خاصا الجھ کر اسے دیکھا۔ اس کا ری ایکشن بڑا حیرت انگیز تھا۔

"وعلیکم السلام۔" بھابی نے کال ریسیو کی۔ ناچاہتے ہوئے بھی بھابی کی طرف وہ متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، شہوار بھی ٹھیک ہے۔ بخار تو اتر چکا ہے بس نارمل ٹمپریچر ہے شام تک ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ انہیں کسے بتا رہی تھیں۔ شاید دوسری طرف اب کوئی اور تھا مصطفیٰ کے علاوہ۔

"نہیں فکر مت کریں، جی اٹھ چکی ہے وہ ناشتا ابھی نہیں کیا۔ میں کروا دوں گی آپ فکر مت کریں۔ بات ابھی......؟ مگر وہ تو...... اچھا ایک منٹ میں دیکھتی ہوں آپ ہولڈ کریں۔" وہ جو ساری باتیں سن رہی تھی کمبل ہٹا کر

بھابی کو دیکھا وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ماں جی ہیں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" انہوں نے اس کے دیکھنے پر بتایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

بہر حال وہ مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب سے ہرگز بھی بدتمیزی نہیں کر سکتی تھی کہ یہ دونوں ہی اسے از حد عزیز تھے۔ ان سے بدتمیزی کرنا تو دور کی بات کبھی سر اٹھا کر انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اب لے دے کر سارا نزلہ مصطفیٰ پر ہی نکلنا تھا یا پھر تابندہ پی پر۔

"السلام علیکم۔" اس نے موبائل تھام لیا۔

"وعلیکم السلام...... جیتی رہو، بخار اترا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی......!"

"میں نے کل کئی بار کالز کی تھیں تابندہ اور لائبہ سے ہی بات ہوئی۔" وہ خاموش رہی۔

"کھانا کھالیا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"جی ابھی کھاتی ہوں۔"

"دھیان دو خود پر۔ اپنا خیال رکھو، پرسوں رسم ہے۔ زینب آپا اور زہرہ دونوں کی فیملیاں کل تک پہنچ جائیں گی بلکہ شام کو آپا کہہ رہی تھیں کہ کچھ لوگ آ جائیں گے۔"

شہوار چونکی۔ مہر النساء بیگم اور انکل سے صرف نکاح کی بات ہوئی تھی۔ اتنی جلدی تقریب ہوگی اسے اندازہ نہ تھا اور نہ ہی کسی نے ذکر کیا تھا جبکہ یہاں آ کر بھی کسی نے نہیں بتایا تھا۔

"تمہارے چہرے کا زخم اب کیسا ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا تو وہ چونکی۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے رخسار کو چھوا کئی واقعات ذہن کے دریچے پر جاگے ایک ٹیس سی اٹھی۔ زخم پہلے کی طرح تکلیف تو نہیں دے رہا تھا مگر بہر حال درد اور تکلیف تو تھی۔

"ڈاکٹر زبیری نے جو مرہم لکھا تھا وہ لائبہ نے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ وہ لگاؤ پرسوں تک چہرہ صاف ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ اب تمہاری ماں کو تو کچھ بتایا نہیں۔ تم بھی ذکر نہیں کرنا میں نے بھی لائبہ اور سجاد بلکہ سبھی کو سمجھا دیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائیں خواہ مخواہ پریشان ہوگی۔ چہرے کی بات ہے پہلی نگاہ ہی چہرے پر پڑتی ہے زخم دکھائی دیتا ہے۔ اپنا خیال رکھو، کھاؤ پیو دھیان سے میڈیسن لو مجھے تو بس تمہاری ہی فکر لگی ہوئی تھی۔" مہر النساء بیگم کے لہجے میں ایک پرخلوص بے ریا قسم کی فکر مندی تھی۔ شہوار کے دل پر ان کے جذبات کا شدید اثر ہوا تھا۔

"جی بہتر دھیان رکھوں گی۔"

"شاباش، جیتی رہو۔ اب تو تم ہماری بیٹی ہو۔ مصطفیٰ کی دلہن کا بہت ارمان تھا وہ ایک عرصہ باہر گزار کر آیا ہے۔ میرا دل ہی ہولتا رہتا تھا ہر وقت۔ وہ باہر سے کسی کو ساتھ لے آتا تو میں کیا کر لیتی مگر میرا بیٹا جتنا بھی ضدی، خودسر اور منہ زور ہو لیکن ماں باپ سے حقیقی محبت کرتا ہے۔ اپنی شادی کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ کر اس نے گویا مجھے خرید لیا۔ تم ہماری بہو بنو تمہارا تو ارمان تھا مصطفیٰ نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے تمہارے لیے ہاں کہی تو دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ اس قدر عجلت میں یہ سب کر رہے ہیں۔ میرے دل میں تو لاکھوں ارمان تھے کہ یہ کروں گی وہ کروں گی خیر کسر تو اب بھی کوئی نہ رہنے دوں گی۔ اتنے عرصے سے اتنا کچھ مصطفیٰ کی دلہن کے لیے بنوا رہی تھی جب سے تمہارا نام مصطفیٰ کے ساتھ لیا جا رہا تھا تو تمہارا خیال ذہن میں رکھتے تمہارے مزاج اور پسند کے مطابق سب کچھ کر رہی تھی۔" وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں شہوار نے بہت ضبط سے بھابی کو دیکھا وہ بستر پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" اس کے دیکھنے پر انہوں نے اشارے سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں نے کئی دن سے زیورات کا کہا ہوا تھا کل جا کر لے کر آئی ہوں۔ کچھ اور سامان بھی خریدا ہے۔ کپڑے وغیرہ بھی۔ ظاہر ہے سارا خاندان تو نہیں مگر اہم لوگ تو بھی شامل ہوں گے۔ جتنی بھی سادگی سے کریں مگر خاندانی لوگ ہیں اپنی خاندانی روایت تو برقرار رکھیں گے ہی اور پھر مصطفیٰ میرے گھر کی آخری خوشی ہے اور مصطفیٰ کی زندگی کی تو پہلی خوشی ہو تم۔ جو کچھ بھی کروں کم ہے۔ کچھ کپڑے خریدے ہیں۔ آج تو جمعہ ہے بازار بند ہوں گے۔ کل ہفتہ ہے نکاح کا جوڑا ابھی لانا ہے تم اپنی پسند بتا دو کس رنگ اور کس کپڑے میں جوڑا خریدیں؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ وہ جو اس ذکر سے بھی بھاگ رہی تھی اس سوال پر لب دبا گئی۔

"میں نے مصطفیٰ کو بھی کہا تھا کہ نکاح کا جوڑا خریدنے ہمارے ساتھ چلے۔ اب پتا نہیں کیا کرتا ہے؟ گھر میں تو دو تین دن ہو گئے ہیں ٹک ہی نہیں رہا۔ صبح سویرے نکلتا ہے اور رات گئے لوٹتا ہے۔ رات بھی بارہ بجے لوٹا تھا نکاح کی رسم کا بتایا تو کہنے لگا کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ اور اس قدر راجا تک کیوں؟" وہ مزید بتا رہی تھیں۔

"پھر بتایا نہیں تم نے کہ کس قسم کے کپڑے میں اور کس رنگ میں جوڑا لیں۔" وہ پھر کہہ رہی تھیں۔

"ماں جی اس بے چاری سے بھلا کیا پوچھ رہی ہیں یہ بھلا کیا بتائے گی؟ محترمہ اس معاملے میں ساری شرم خود پر اوڑھ چکی ہیں۔" دوسری طرف سے عائشہ کی شرارتی آواز گونجی تھی۔ شہوار کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔

"تم تو چپ کرو ایسے ہی موقعوں پر لڑکیوں کے سو ارمان ہوتے ہیں پھر بتاؤ بیٹا تم نے ہی پہننا ہے اتنا وقت تو ہے نہیں کہ خجل خوار ہوں۔ پرسوں تقریب ہے آج بازار بند ہیں۔ کل ہی جوڑا خریدا جائے گا۔ ریڈی میڈ لینا ہے سلا سلایا۔ ایک ہی دفعہ اپنی پسند بتا دو کل شام ہم وہاں پہنچ جائیں گے پھر کہاں وقت ہوگا کہ واپسی یا بدلوانے اتنی دور آئیں۔" ماں جی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے نہیں پتا جو دل چاہے کرلیں۔" اس نے جلدی سے کہتے موبائل بھابی کو پکڑا دیا۔

"آپ خود ہی بات کریں۔" اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اضطراب بڑھ رہا تھا۔ ضبط چھلک رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر انکار کر دے کہ اسے یہ سب منظور نہیں مگر اب وقت اس کے ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی سوائے پچھتانے کے۔ پرسوں تقریب تھی۔ اس تصور سے شہوار کو اپنا دل منجمد ہوتا محسوس ہوا تو وہ ایک دم بستر سے اتر کر باہر نکل آئی۔ وہ کسی تنہا گوشے میں سب سے نظر بچا کر بہت دیر تک خوب رونا چاہتی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
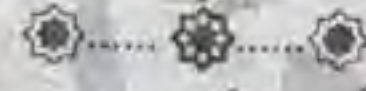
عبدالقیوم اور ان کا وکیل اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ کے سبب صرف اتنا بندوبست کر سکے تھے کہ کورٹ سے انہیں اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس سے پہلے یہ لوگ جب بھی تھانے گئے تھے انہیں ایاز سے ملنے نہیں دیا گیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ ایاز سے ملنے آئے تھے ان کے ساتھ ان کی بیگم اور بیٹی عادلہ بھی تھیں۔ وہ سیدھا آفس میں آئے تھے وہاں امجد خان فائل کھولے مصروف تھا۔ ان چاروں کو دیکھ کر چونکا۔

"آیئے...... آیئے...... جناب عبدالقیوم! تشریف لایئے۔" امجد خان نے مسکراتے ہوئے ویلکم کہا تو ان چاروں کے زاویے بگڑ گئے۔

اس شخص نے ان تین چار دنوں میں ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ عبدالقیوم صاحب کی دولت و امارت کا سارا دم خم نکال کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ایک فون کال سے پہلے کی طرح ان کا بیٹا حوالات سے باہر ہوگا اور جیسے چاہیں وہ پولیس سے ساز باز کر کے معاملے کو اپنے طور پر ہینڈل کرلیں گے ان کی یہ ساری سوچ محض

خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی۔ ان چند دنوں میں دولت کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"آیئے بیٹھیے۔" امجد خان نے آفر کی تو عبدالقیوم صاحب نے لب بھینچ لیے۔

"پچھلے چند دنوں سے تم جس طرح ہمیں ایاز سے ملنے سے روک رہے تھے اس پر ہم آج کورٹ سے یہ اجازت نامہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں ایاز سے ملنا ہے۔" عبدالقیوم صاحب کے بجائے ان کے وکیل نے کہا اور ساتھ فائل سے ایک پیپر بھی نکال کر امجد خان کے سامنے رکھا۔

"صرف اجازت نامہ کیا ہو گیا ہے عبدالقیوم صاحب آپ کو۔ آپ کی دولت امارت بھی کسی کام نہیں آرہی۔ اتنے اونچے اونچے لوگوں سے آپ کے تعلقات ہیں مجھے تو گمان تھا کہ آپ ڈائریکٹ "ضمانت" کے آرڈر لے کر آئیں گے مگر افسوس آپ نے تو محض اجازت نامہ لینے پر اکتفا کیا ہے۔" امجد خان نے تمسخر اڑایا۔

"شٹ اپ خبردار ایک لفظ بھی مزید تم نے کہا تو ہمیں ایاز سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔" عادلہ نے ایک دم غصے سے بے قابو ہوتے کہا تو امجد خان نے اسے دیکھا۔

"آپ سابق ڈی آئی جی شاہزیب صاحب کی بہو ہیں آپ کی عزت کر رہا ہوں ورنہ ہمارے تھانوں میں آپ جیسی عورتوں کو جس طرح پروٹوکول دیا جاتا ہے آپ بے خبر تو نہیں۔" امجد خان کے الفاظ پر عادلہ کو اپنے وجود میں ایک سنسنی خیز لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"ہم زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتے آپ سے بس ہمیں ایاز سے ملوایا جائے۔" وکیل نے مداخلت کی تو امجد خان مسکرا دیا اور سر ہلا کر کھڑا ہو گیا۔

"دل تو نہیں کر رہا ملوانے کا مگر آپ اتنی اونچی جگہ سے یہ آرڈر لے کر آئے ہیں تو اب حرج بھی نہیں آئیں ملواتے ہیں ہم آپ کو آپ کے بیٹے سے۔"

"ہم اکیلے ملنا چاہتے ہیں ایاز سے۔" عبدالقیوم صاحب نے کہا تو امجد خان نے بغور دیکھا۔

"مگر اس اجازت نامے پر ایسی کوئی شرط درج نہیں ہے۔"

"آپ کن باتوں میں الجھ رہے ہیں مجھے ایاز سے ملنا ہے بس، جس طرح بھی ہو آپ براہ مہربانی ایاز کے پاس لے چلیں۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہتے امجد خان سے منت کی تو وہ کندھے اچکاتے آگے چل دیا تو مجبوراً باقی لوگوں کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی تھی۔

"اٹھ اوئے...... تیری ملاقات آئی ہے۔" ایک سیل کے قریب آ کر امجد خان نے پہرا دیتے کانسٹیبل کو اشارہ کیا تو اس نے فوراً دروازہ کھولتے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔

"ہائے میرا بیٹا۔" بیگم عبدالقیوم ایاز کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھیں تھیں۔ عادلہ وکیل صاحب اور عبدالقیوم تینوں ایاز کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

وہ زمین پر چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر چند روز پہلے پہنی جانے والی پتلون کے سوا کچھ نہ تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ جسم سارا نیل و نیل تھا اور چہرے کی ساخت ہی بدلی ہوئی تھی۔ بے تحاشا مار پیٹ سے سوج کر کپا بنا ہوا تھا۔ بمشکل اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کانسٹیبل کی ٹھوکر سے وہ بامشکل کہنیوں کے بل اٹھا تھا۔ ہاتھ اور بازو یوں تھے جیسے کام کرنے سے قاصر ہوں۔

"یہ...... یہ کیا حالت بنا دی ہے تم لوگوں نے اس کی؟" عبدالقیوم صاحب کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے چہیتے بیٹے کی یہ حالت ہوگی۔

''کیوں پسند نہیں آئی؟ عبدالقیوم صاحب! آپ کا بیٹا کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں بیٹھا ہوا۔ تھانے میں ہے اور تھانے میں خطرناک مجرموں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شکر کرو یہ تمہیں زندہ حالت میں زمین کے اوپر مل رہا ہے ورنہ جو اس کا قصور تھا اس رات جب یہ گرفتار ہوا تھا اس دن پولیس ان کاؤنٹر میں مار دیا گیا ہوتا اور اب تک تم لوگ اس کو زمین کے اندر دفنانے کے بعد رونے دھونے کے کام سے بھی فارغ ہو چکے ہوتے۔'' امجد خان کا لب و لہجہ پتھریلا اور سخت تھا سب ہی کے دل لرز اٹھے تھے۔ بیگم عبدالقیوم اپنے قیمتی ملبوس کی پروا کیے بغیر زمین پر بیٹھ کر بیٹے کا سر سینے سے لگا چکی تھیں۔ بھائی کی حالت دیکھ کر عادلہ بھی قریب بیٹھ گئی تھی اس کی اس وقت ساری اکڑ نکل چکی تھی۔

''میں زندہ نہیں چھوڑوں گا' ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ تم سب کو حوالات میں بند کروادوں گا۔ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' عبدالقیوم صاحب تو بیٹے کی حالت دیکھ کر پاگل ہوئے جارہے تھے۔

ایاز مار پیٹ سے اس قدر نڈھال تھا کہ اس نے صرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ہمت کی تھی باقی اس کا سارا جسم کام کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو اکڑے ہوئے تھے گویا ٹوٹ گئے تھے اور چہرے کی جو حالت تھی گویا آگ کی بھٹی میں جلا کر جھلسا دیا گیا ہو۔

''ڈیڈ مجھے یہاں سے نکالو۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔'' وہ کراہا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے آواز ایسی تھی کہ بمشکل عادلہ اور مام سن پائی تھیں۔

''ہائے میرا بچہ!'' بیگم عبدالقیوم بیٹے کے سر کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''میرے بیٹے کا اتنا بڑا قصور نہیں تھا کہ اس کی یہ حالت کردی جاتی۔'' امجد خان ہنسا۔

''قصور؟'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''قصور تو واقعی کوئی چھوٹا نہ تھا۔ مگر اس کو خود پر ترس نہیں آیا اس نے اپنی یہ حالت خود بنوائی ہے۔ بڑی تیز زبان چلتی تھی اس کی چند گالیاں دی تھیں اس نے اور صرف چند ہاتھ لگے تھے اس کو اور یہ حالت ہوگئی اگر ہم واقعی مار دھاڑ کرتے تو اب تک یہ زمین کے اندر ہوتا۔''

''ہم لوگ آپ کے خلاف مقدمہ کریں گے۔'' وکیل نے جواباً دھمکی دی۔

''ضرور...... مگر ہمارا ایک اہلکار زخمی ہوا ہے۔'' امجد خان نے مسکرا کر کہا۔

''وہ بچ گیا ہے۔ اس کی صرف ٹانگ پر گولی لگی تھی۔'' عبدالقیوم بھی بیٹے کے پاس جا بیٹھے تھے وکیل ہی مخاطب تھا۔

''وہ مر بھی سکتا ہے۔'' امجد خان کا انداز اس قدر سیریس اور سنجیدہ تھا کہ سبھی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کا لب و لہجہ اٹل تھا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے' میرے خلاف اس نے جھوٹا کیس بنوایا ہے۔ اس حرامی نے مصطفیٰ اور اس کے باپ کے ساتھ مل کر میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس مصطفیٰ نے بہت مارا ہے۔ وہ مجھے مار دے گا میں نے کوئی چوری نہیں کی میرے ساتھ کوئی ساتھی نہ تھا انہوں نے ہوٹل سے مجھے پکڑا اور یہ جھوٹا کیس بنا کر ادھر بند کردیا۔'' روتے ہوئے ایاز کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی اور نقاہت زدہ تھی کہ یہ تینوں بمشکل اس کے الفاظ سن اور سمجھ پائے تھے جبکہ وکیل اور امجد خان ایک دوسرے سے دھمکی آمیز لہجے میں ہنوز محو گفتگو تھے۔

''یہ سب مصطفیٰ اور اس کے باپ نے کروایا ہے؟'' عادلہ نے بے یقینی سے پوچھا تو ایاز نے سر ہلایا۔

''کیوں؟'' مام نے بھی پریشانی سے پوچھا۔ انہیں اس کہانی کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اس کمینی شہوار کی وجہ سے۔''

''ہم رشتہ لے کر گئے تھے اس لیے؟'' عادلہ نے مزید پوچھا تو وہ چپ رہا کہ اس سے اب مزید ایک لفظ بھی کہنا محال تھا۔ وہ آنکھیں موندے محض ماں کے سینے سے سر لگائے ہوئے تھے۔

''یہ رشتے والا کیا قصہ ہے؟'' عبدالقیوم بیٹی اور بیوی کی اس معرکہ آرائی سے بے خبر تھے سو حیران ہو کر پوچھا۔

''گھر جا کر بات کرتے ہیں۔'' عادلہ نے لب بھینچ لیے۔ اسے اب ساری کہانی کی سمجھ آرہی تھی۔

وہ لوگ ان کا شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پر اس طرح کا بھی سلوک کرسکتے تھے وہ حیران تھی۔ ایاز کی حالت انتہائی خراب تھی۔ اسے لگا کہ اگر ایاز چند دن مزید حوالات میں رہا تو مر جائے گا۔

''اس کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلواؤ' اس طرح تو اس کی حالت اور خراب ہوگی۔'' عادلہ نے امجد خان سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''بڑا ڈھیٹ ہے آپ کا بھائی۔ اتنی جلدی ہمارا بھی اسے مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔ ہم ڈاکٹر کو دکھا رہے ہیں فکر مت کریں۔'' عادلہ کے ساتھ وہ دوسروں کی نسبت ذرا تمیز سے بولا تھا۔

''یہ تم لوگوں نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے' کہیں اور نہیں رکھ سکتے؟''

''بی بی سب مجرموں کو ادھر ہی رکھا جاتا ہے ایسی ہی کوٹھریوں میں۔'' عادلہ نے بڑی بے بسی سے بھائی کو دیکھا۔ کہاں وہ قیمتی امپورٹڈ قالینوں کو اپنے بوٹوں تلے روندنے والا اس وقت کھجور کی چٹائی پر انتہائی خراب حالت میں پڑا ہوا تھا۔

''اس کو یہاں سے کب نکالا جائے گا؟'' انتہائی ضبط سے اس نے امجد خان سے پوچھا۔

''ہم نے فائل آگے بھیج دی ہے جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوئی عدالت نے تاریخ دی تو وہاں پیش کردیں گے۔'' امجد خان کا انداز بے پروا تھا۔

''تم یہ کیس ختم کرنے اور اسے چھوڑنے کا کیا لوگے؟'' بیٹے کی حالت دیکھ کر عبدالقیوم کا دل رو رہا تھا۔ انہوں نے مفاہمت کا انداز اختیار کیا اور صلح جو انداز میں کہا۔

''لالہ رخ کو جانتے ہو؟'' جواباً از حد سنجیدگی سے امجد خان نے پوچھا تو عبدالقیوم تو ایک طرف ان کی بیگم اور وکیل صاحب دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کو...... کون لالہ رخ؟'' عبدالقیوم کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ امجد خان استہزائیہ مسکرا دیا۔

''لالہ رخ پچیس تیس سال پرانی ایک زندہ کہانی تھی پھر اچانک اس کا شوہر منظر سے غائب ہوگیا۔ لالہ رخ اور اس کے تینوں بچے گھر میں آگ لگ جانے سے مر گئے۔'' امجد خان کا لہجہ ایک دم سنگلاخ ہوا تھا۔ عادلہ نے حیرت سے لٹھے کی طرح اپنی ماں کے سفید ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا تمہاری بھی تو دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے نا؟'' امجد خان مزید کہہ رہا تھا۔

''ہمیں نہیں پتا تم کیا کہہ رہے ہو؟'' عبدالقیوم نے ایک دم سنبھل کر کہا تو امجد خان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اس کیس کو ختم کرنے کی میری یہی قیمت ہے لالہ رخ۔ کہو سودا کرو گے؟ میں لالہ رخ کے ماضی کو عوام کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ کیوں منظور ہے؟''

''تم کون ہو؟'' وکیل صاحب نے اپنے حواس پر قابو پا کر امجد خان کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی ماں کے ایک وفادار ملازم کا بیٹا۔'' امجد خان نے نہایت تن کر کہا تو تینوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

''وہی وفادار ملازم جس نے لالہ رخ کے حویلی سے بھاگنے میں مدد کی تھی۔ گھبراتے کیوں ہیں آپ لوگ' بے فکر

رہیں جب تک سارے حقائق سامنے نہیں آ جاتے ہمارا ابھی آپ کے بیٹے کو مار دینے کا کوئی ارادہ نہیں۔" امجد خان نے ہنس کر کہا۔

"آپ نے اچھی خاصی ناجائز دولت جمع کر رکھی ہے۔ تھوڑی بہت غریبوں میں بھی بانٹ دیا کریں۔ کہتے ہیں کہ صدقہ خیرات کرنے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کے بیٹے کو تھوڑا سا سبق سکھانا تھا۔ جس دن اس کی عقل ٹھکانے آ جائے گی تو ہم خود ہی اس کو چھوڑ دیں گے۔" امجد خان کی ناقابل فہم باتیں تھیں۔ عبدالقیوم صاحب نے ایک دم رومال جیب سے نکال کر اپنی پیشانی پر آنے والا پسینہ صاف کیا۔

"اس کے ہاتھ پیر ٹانگیں بازو سب سلامت ہیں۔ آپ لوگوں کو براہ راست یہاں کا درشن اس لیے کروایا ہے کہ آئندہ اپنے ناپاک ارادے لے کر آپ میں سے کوئی ڈی آئی جی صاحب کے خاندان تک گیا تو یہ جو آپ کو زمین کے اوپر دکھائی دے رہا ہے اسے زمین کے اندر ہمیں کرنے میں صرف ایک پل لگے گا۔" امجد خان کا انداز فوراً دھمکی آمیز ہوا تھا۔

"رہ گئی لالہ رخ والی کہانی تو کسی دن فرصت سے آیئے گا اپنی بیگم اور ان وکیل صاحب کو لے کر سارے کہانی تفصیل سے سناؤں گا۔" امجد خان کا مسکراتا انداز بلا کا سنجیدہ تھا۔

"ملاقات کا وقت ختم ہوا اب آپ جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو باہر کا رستہ دکھاؤ۔" امجد خان کے اشارہ کرنے پر کانسٹیبل فوراً آگے بڑھا۔

"چلیں جی اب نکلیں یہاں سے۔" امجد خان کا انداز سنجیدہ اور تیور بڑے غیض بھرے تھے۔ وہ لوگ باہر نکلے تو پہرے دار کانسٹیبل نے کوٹری کو تالا لگا دیا۔ امجد خان کے تیور دیکھ کر وہ لوگ مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل آئے تھے۔

"وہ شخص کیا بکواس کر رہا تھا اور آپ لوگ ایسے کیسے نکل آئے وہاں سے؟" عادلہ باہر آ کر ماں باپ سے بولی تھی۔

"میرے بچے کی حالت دیکھی کیسے ظالموں نے بری طرح مارا پیٹا ہے؟" مام بھی رونے لگیں۔

"یہ رشتہ لے جانے کا کیا قصہ تھا؟" عبدالقیوم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ایاز کو شہوار پسند تھی اس نے ماں جی اور مجھے رشتہ لے جانے کے لیے کہا تھا۔ ہم وہاں گئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔" عادلہ نے آہستگی سے بتایا۔

"اوہ تم لوگوں نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا اور ایاز ذکر کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اسے ہوٹل سے اٹھایا تھا تو کہیں وہ کسی لڑکی کے ساتھ تو نہیں تھا؟" وہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے ڈرائیور نے گاڑی وہاں سے نکال لی تھی۔

"پتا نہیں۔" عادلہ بھائی کی حالت سے خود بھی خاصی رنجیدہ تھی۔

"مصطفی کو اس سارے قصے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس نے ایاز کو اس جھوٹے کیس میں کیوں الجھایا؟"

"جہاں تک مجھے علم ہے مصطفی شہوار کو کالج لاتا لے جاتا تھا آج کل۔ ایاز اسی کالج میں تھا وہاں اس نے شہوار کو چھیڑا تھا تو اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا۔ ایاز کو چیئرمین اور اساتذہ نے وارننگ دی تھی اس کے بعد ایاز نے کالج چھوڑ دیا تھا۔ مگر شہوار سے متعلق اس کے جذبات وہی تھے۔ پھر اس نے ہمیں رشتہ لے جانے کے لیے کہا وہاں سے انکار ہوا تو ایاز نے بہت برا منایا تھا میرے سامنے اس نے خاصی دھمکی آمیز باتیں بھی کی تھیں۔ اس کے بعد کیا صورت حال ہوئی مجھے نہیں پتا۔" عادلہ نے ساری تفصیل بتا ڈالی۔

"اوہ آئی سی؟" عبدالقیوم صاحب نے ہونٹ سکیڑے۔

"سر ایسا بھی تو ممکن ہو سکتا ہے کہ ایاز صاحب نے جذباتی ہوتے اس لڑکی کو اٹھوا لیا ہو اور اس ہوٹل میں آیا ہو بعد میں پکڑا گیا ہو اور اپنی لڑکی کی وجہ سے انہوں نے اصل معاملہ دبانے کے لیے ایاز پر یہ جھوٹا کیس ڈالا ہو۔" وکیل

صاحب بھی اب عقل کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

"یہ بھی ممکن ہے مگر حتمی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی ایاز نے کہہ دیا تو ہمیں اندازہ ہو رہا ہے۔ اب پتا نہیں کہ دوبارہ ملاقات ہوتی ہے کہ نہیں۔ ایاز کی حالت بھی تو خاصی بگاڑ دی ہے۔ لالہ رخ کی دھمکی دی ہے اس شخص نے۔ اب اگر میں الٹا حبس بے جا میں رکھنے کا کیس کرتا ہوں تو یہ اس مہرے کو میرے خلاف استعمال بھی کر سکتے ہیں۔" عبدالقیوم صاحب خاصے پریشان تھے۔

"یہ لالہ رخ کون ہے؟" عادلہ نے پوچھا تو تینوں کو احساس ہوا کہ ابھی اس گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

"پتا نہیں کون ہے ہمیں تو خود بھی نہیں پتا۔" عبدالقیوم نے بیٹی کو بہلایا۔

"تو آپ اس پر کیس کریں نا' اگر یہ سارا قصہ اسی طرح ہے جیسا کہ وکیل صاحب بیان کر رہے ہیں ہم اگر کیس کرتے ہیں اور اخبار میں اس طرح خبر دیتے ہیں تو الٹا ان لوگوں کی ہی بدنامی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح یہ لوگ ایاز کو چھوڑ دیں۔" عادلہ نے کہا تو عبدالقیوم صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس طرح الٹا ہمیں ہی پرابلم ہوگی۔ اگر اصل قصہ سامنے آئے گا تو یہ لوگ اس کیس کو اور اچھالیں گے بلکہ ایاز کے پچھلے تمام کیسز جو اندراج ہی نہیں ہوئے پولیس تک پہنچنے ہی نہ دیے تھے وہ بھی منظر عام پر آ سکتے ہیں اور ایسے موقعوں پر ہمارے بہت سے مخالفین بھی سامنے آ سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ دیکھا نہیں میرے بیٹے کی کیا حالت بنا دی ہے۔ کیسے بری طرح اسے مارا تھا۔ اس سے بولنا بھی محال تھا۔ حتیٰ کہ آنکھیں تک کھولنے میں اسے تکلیف ہو رہی تھی۔" مام ایک دم سسک سسک کر رونے لگیں۔

"تم لوگ چپ کرو' کرتا ہوں میں کچھ نہ کچھ' یہ لڑکا اول روز سے میرے لیے پرابلم ہی کری ایٹ کرتا رہا ہے۔ کبھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ اس نے الٹا جو معاشرے میں ایک ساکھ تھی عزت تھی وہ بھی ملیا میٹ کر دی ہے۔ یہ لوگ اگر پوری پلاننگ کے ساتھ ایاز کو گرفتار کر سکتے ہیں تو اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہر چیز سوچ سمجھ کر رکھی ہوگی۔ ان لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ایاز ہمیں اصل صورت حال ضرور بتائے گا اور اس کے بعد ان لوگوں نے ہم سے کیسے ڈیل کرنا ہے یہ بھی طے کیا ہوگا۔ یہ وقت جذباتیت کا نہیں ہوش کا ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی اب کچھ کرنا ہوگا ہمیں۔" عبدالقیوم صاحب نے ڈانٹ کر کہا تو دونوں خواتین چپ ہو گئیں۔

"تم ایک کام کرو عادلہ اپنے سسرال جاؤ۔ ان سے بات کرو۔ وہ تمہارا بھائی ہے۔ اپنے بھائی کے لیے اتنا تو کر سکتی ہونا؟" مام کچھ دیر خاموش رہی تھیں پھر عادلہ کا ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

"نو...... نیور مام مجھے وہاں نہیں جانا۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"تم وہاں نہ جاؤ مگر عباس سے تو بات کرو۔" مام جی نے نئی راہ دکھائی۔

"مام اگر وہ سب سچ ہوا جس کی نشاندہی وکیل صاحب نے کی ہے تو میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آپ کو نہیں پتا اپنی خواتین کے معاملے میں یہ لوگ کس قدر ٹچی ہیں۔ اگر وہ سب سچ ہوا تو عباس مجھے دیکھتے ہی میرا گلا دبا دے گا۔" اس نے بے بسی میں گردن ہلائی۔

"عادلہ بے بی! آپ کی مام کچھ حد تک ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ عباس صاحب سے ان کے گھر جا کر مت ملیں ان کے آفس چلی جائیں۔ باہر کی دنیا سے ہمیں کچھ بھی پتا نہیں چلے گا۔ اتنے دن ہو گئے ہیں ایاز صاحب حوالات میں بند تھے ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ اصل کیس کیا ہے؟ اب اگر عباس صاحب کے پاس آپ جاتی ہیں تو آفس میں اپنی

عزت کے پیش نظر کسی بھی قسم کی صورت حال کری ایٹ کرنے سے گریز کریں گے ہاں ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہمیں ان کی باتوں سے اپنے کیس کو ہینڈل کرنے میں مدد مل جائے گی۔"

"دیٹس گڈ پوائنٹ۔" وکیل صاحب نے کہا تو بابا نے بھی سراہا۔

"تم آج بلکہ ابھی جاؤ۔ آج ہاف ڈے ہے وہ لوگ ابھی آفس میں ہی ہوں گے۔ تم عباس سے ملنا اور واپس آجانا بس۔" عبدالقیوم صاحب نے بھی کہا تو اس نے نیم رضامندی سے سر ہلا دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم ٹھیک ہم وہیں چلتے ہیں اور باہر رک کر تمہارا ویٹ کریں گے او کے۔" عبدالقیوم نے فوراً لائحہ عمل ترتیب دیا۔

❁......❁......❁
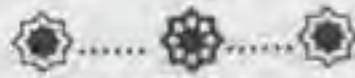
فاروقی صاحب نے اسے چند کاغذات دیے تھے جن کی کچھ کاپیز پرنٹر سے نکال کر مختلف شعبوں میں بھیجنی تھیں۔ مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ان پر عباس صاحب کے دستخط ضرور کروانے تھے یہ کام فوراً اور آج کی ہی تاریخ میں کرنا تھا۔ آفس آف ہونے میں کچھ وقت تھا۔ اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر ورک مکمل کرتے تمام پرنٹ نکالے۔ اس نے تمام کاغذات فائل میں لگائے آفس بوائے کو بلوا کر فائل عباس صاحب کے آفس میں بھجوا دی۔ جس دن سے اس نے آفس جوائن کیا تھا فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کے انڈر ہی کام کر رہی تھی۔ ابھی تک براہ راست عباس صاحب سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ کل سے وہ اپنے آفس کیبن میں ہی بیٹھ رہی تھی مگر کام فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق کر رہی تھی۔

"عباس صاحب کہہ رہے ہیں کہ ان کاغذات کی کچھ سمجھ نہیں آرہی یہ کس سلسلے میں بھیجے گئے ہیں۔ وہ آپ کو آفس بلوا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ خود آ کر دستخط کروائیں۔" آفس بوائے نے واپس فائل لا کر اسے تھما دی۔

"اچھے بھلے تو کاغذات سمجھ آرہے ہیں۔ عباس صاحب کا دماغ خراب ہے۔ جو سمجھ نہیں آرہی......!" اس نے فائل کھول کر کاغذات دیکھے۔ چند صفحات الٹے پن اپ ہوئے تھے رابعہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"ایک یہ تو شخص ٹھیک پاس والا رویہ رکھتا ہے۔ ذرا سا کاغذات کیا غلط انداز میں پن اپ ہوئے ہیں لے کے فائل ہی واپس بھجوا دی ہے۔ باقی سب کتنے اچھے ہیں شاہزیب صاحب کتنے کائنڈ اور سوفٹ نیچر کے ہیں اور یہ کھڑوس نجانے کس پر چلا گیا ہے ہر وقت غصہ ناک پر رہتا ہے۔ کیا تھا خود ہی کاغذات درست کر لیتا اب اس کی شکل جا کر دیکھو۔" تمام کاغذات دوبارہ پن اپ کرتے احتیاطاً دوبارہ نظر ثانی کرتے اپنی غلطی ڈھونڈنے کی کوشش کی اور پھر مطمئن ہو کر کھڑی ہوگئی۔ آفس بوائے جا چکا تھا اس کا مطلب تھا اب عباس صاحب کے آفس خود جانا تھا۔ وہ فائل لے کر کیبن سے نکلی تو ہادیہ چلی آئی وہ جانے کے لیے تیار تھی۔

"کیا خیال ہے...... ٹائم ہوگیا ہے چلیں؟" وہ ہادیہ کے ساتھ ہی آدھے رستے تک آتی تھی۔ بعد میں وہاں سے رکشہ لے کر وہ آتی جاتی تھی۔

"میں ذرا فائل پر دستخط کروالوں' فاروقی صاحب کو یہ آج ہی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے میں ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کرتی ہوں۔ تم جلدی آنا۔" ہادیہ اس کے کیبن میں داخل ہوگئی تو وہ فٹافٹ اپنی چادر سنبھالتی فائل لیے عباس صاحب کے آفس کا دروازہ ناک کیا۔

"یس کم ان۔" وہ اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے عادت کے مطابق سلام کیا تو عباس نے سر ہلایا۔

"سر..... ان کاغذات پر آپ کے دستخط چاہئیں۔" اس نے فائل اس کے سامنے رکھی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"فائل میرے پاس پہلے آ چکی تھی۔" اسے لگا کہ عباس نے اسے جتایا ہے۔
"پیپرز میں پن اپ کی غلطی تھی۔ وہ آپ خود بھی درست کر سکتے تھے۔" اس نے بھی طنز کیا۔
"یہ درستگی کرنے والا کام بابا اور فاروقی صاحب تو آپ کے فیور میں کرتے ہوں گے مگر مجھے ہر کام مکمل اور درست حالت میں اچھا لگتا ہے۔" عباس نے فائل اپنے سامنے کی تھی۔ رابعہ نے بمشکل خود پر ضبط کیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ پیپر ویٹ اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ نہایت بدمزاج تھا یہ شخص..... وہ کلسی۔
"یہ فائل تو میں نے صبح فاروقی صاحب کو سینڈ کی تھی اب کیوں مل رہی ہے؟" پیپرز چیک کرتے عباس نے ایک اور اوبجیکشن اٹھایا۔
"کیوں کہ مجھے بھی فاروقی صاحب نے ابھی دی تھی اور پھر فوراً پرنٹ نکالے تھے۔" اس نے خاصا چبا کر کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔ وہ خاصے تیکھے انداز میں کھڑی تھی۔
"یہاں دستخط کرنے ہیں۔" اس نے قدرے جھک کر کاغذات کے ایک کونے پر انگلی رکھی۔
"مجھے پتا ہے میں نے ہی یہ کاغذات کمپوز کروائے تھے۔" وہ دستخط کر رہے تھے رابعہ نے غصے سے اس شخص کو دیکھا سر جھکائے دستخط کرتے وہ خاصا پروقار اور ڈیسینٹ لگ رہا تھا مگر چہرے پر بلا کی سنجیدگی رقم تھی۔
"اوف..... کتنا خود پسند ہے یہ شخص؟" تبھی کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ دستخط کرتے سر اٹھا کر عباس نے آنے والے کو دیکھا۔
عادلہ کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور فائل پر دستخط کرتا اس کا ہاتھ ساکن ہو گیا تھا۔
"ہیلو۔" رابعہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔
اچھی خاصی خوب صورت' کافی ماڈ لڑکی تھی اور جس طرح مسکرا کر ہیلو کہا تھا اس نے یہی اندازہ لگایا کہ عباس کی کوئی جاننے والی ہے۔ عباس کے اسے دیکھتے ہی چہرے کے زاویے تن گئے تھے۔
"تم.....؟" اس نے قلم فائل پر رکھا۔ عادلہ اس کے دائیں طرف آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
"کیا لینے آئی ہو تم ادھر؟" رابعہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اس نے کافی تیکھے لب و لہجے میں پوچھا۔
"بیوی ہوں تمہاری تم سے ملنے پر پابندی ہے کیا؟" ایک ادا سے کہتے عادلہ نے اپنا پرس ٹیبل پر رکھا۔
"شٹ اپ..... میں ادھر کوئی تماشا افورڈ نہیں کر سکتا۔ گیٹ آؤٹ ان آ ون مومنٹ فرام ہیئر۔" عباس ضبط سے کہتا اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شہوار والے حادثے کے بعد وہ اب اس عورت کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔
"تمہارے بھائی نے میرے بھائی کو حوالات میں بند کروا دیا ہے۔ تمہارا کیا خیال تھا کہ مجھے اصل صورت حال کا علم نہیں ہوگا؟ اس دو ٹکے کی لڑکی کی عزت کی اتنی پروا اور ہماری عزت دو کوڑی کی کروا کر رکھ دی ہے تم لوگوں نے؟" جواباً وہ بھی پھنکاری تھی۔
"اوہ..... یو..... شٹ اپ.....!" رابعہ کے سامنے اس تذلیل پر عباس نے ایک دم بھنا کر سامنے پڑی فائل اٹھا کر عادلہ کی طرف اچھال دی۔ فائل میں لگے کاغذات اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ رابعہ کے لیے یہ ساری صورت حال عجیب سی تھی اور عباس کا ردعمل اور بھی حیران کن تھا۔ اس نے اپنی بے ساختہ اٹھتی چیخ کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا۔
"مجھے تم اس طرح چپ نہیں کروا سکتے۔ میں پریس میں جاؤں گی اور تمہارے خاندان کی سب حقیقت بتا دوں گی۔ کیسے خاندانی بنانے پر تلے ہوئے ہو اس لڑکی کو زمانے بھر میں بدنام نہ کیا تو عادلہ نام نہیں میرا۔" عادلہ بجائے خائف

ہونے کے دوبدو بولی تھی۔
"گیٹ آؤٹ..... آئی سے گیٹ آؤٹ اگر تم ایک منٹ میں یہاں سے دفع نہ ہوئی تو میں اپنے گارڈ کو بلوا کر دھکے دے کر یہاں سے باہر پھنکوا دوں گا۔" عباس کا انداز اتنا دوٹوک' سخت اور پتھریلا تھا کہ رابعہ تو ایک طرف عادلہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ اگر وہ یہاں سے ایک منٹ کے اندر اندر غائب نہ ہوئی تو وہ واقعی یہاں سے دھکے دے کر نکال دے گا۔
عادلہ کو سامنے کھڑی لڑکی کے سامنے اس درجہ اہانت و ذلت اٹھانے پر شدید سبکی کا احساس ہوا۔
"مجھے تم سے بات کرنی ہے میں بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" عادلہ نے اب کے دھیمے انداز میں کہا مگر انداز ہٹیلا تھا۔ عباس نے ایک پل اس کے تاثرات نوٹ کیے اور پھر انٹر کام اٹھا لیا۔
"عمر فوراً باہر ایک دو گارڈز میرے روم میں بھیجو۔" اس کا انداز بہت پتھریلا تھا رابعہ تو ایک طرف عادلہ کے چہرے کا بھی رنگ اڑ گیا تھا۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گھٹیا ہو۔"
"حیرت ہے اتنا عرصہ میرے ساتھ گزارنے کے باوجود میری فطرت کا اندازہ نہیں لگا پائیں تم؟" وہ تمسخر سے ہنسا۔
"میں اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہوں سنا تم نے۔" وہ چیخا اور تبھی گارڈز اندر داخل ہوئے تھے۔
"انہی لوگوں کے سامنے تم نے مجھے ذلیل کیا ہے نا؟ دیکھنا اب انہی کے ہاتھوں تمہیں ذلیل کرواؤں گی۔ پچھتاؤ گے تم ایک دن پچھتاؤ گے۔" وہ دھمکی دیتی گارڈز کو نظر انداز کرتے وہاں سے نکل گئی تھی۔ عادلہ کے جاتے ہی عباس اپنی چیئر پر گرا تھا۔
رابعہ ابھی تک سہمی کھڑی تھی۔ اس کے لیے عباس کا یہ ردعمل بڑا شدید تھا۔
"تم لوگ جاؤ۔" صورت حال کا جائزہ لیتے رابعہ نے گارڈ کو چلتا کیا اور پھر کن انکھیوں سے عباس کو دیکھا وہ کہنیاں میز پر ٹکائے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر تمام بکھرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں لگائے۔ پھر اس نے سائیڈ پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا۔
"سر یہ پانی پی لیں۔" عباس اسی طرح سر ہاتھوں پر گرائے بیٹھا تھا۔ چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ رابعہ گلاس میں پانی لیے کھڑی تھی۔
"تھینکس' مس رابعہ آپ جائیں۔" عباس نے پانی لے کر سائیڈ پر رکھا۔
"مگر سر..... یہ فائل؟"
"یہ فاروقی صاحب کو سائن کر کے میں بھیج دوں گا آپ جائیں پلیز۔" اس لڑکی کے سامنے اس سارے ہنگامے کا احساس ہی بڑا شدید تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا تو رابعہ فوراً فائل اس کے سامنے رکھتے وہاں سے بھاگ نکلی۔
"مائی فٹ۔" عباس نے اس کے جاتے ہی غصے سے پیپر ویٹ دیوار پر کھینچ مارا مگر غصہ ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھا تو عباس نے سائیڈ پر رکھا گلاس منہ سے لگا لیا۔
"اوف....." اپنے کیبن میں آ کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔
"کیا ہوا؟" ہادیہ جو اس کے کمپیوٹر پر گیم کھیل رہی تھی اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کچھ نہیں چلو چلتے ہیں۔" سر عباس کے روم میں جو بھی ہوا تھا وہ اب پتا نہیں ہادیہ سے بیان کرنے کے قابل تھا کہ نہیں۔ اس وقت تو دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔
"یہ سر عباس کتنے غصیلے ہیں' کیا یہ ان کی بیوی تھی؟ کتنی حسین تھی مگر کتنی بدتمیز بھی مگر ہمیں کیا؟ سر عباس کون سا کم

ہیں۔ یقیناً کوئی سیریس بات ہوئی ہوگی جو بیوی یہاں تک آ پہنچی ہے۔" تمام اشیاء سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے وہ اسی الجھن شکار رہی۔ پھر سر جھٹک کر وہ ہادیہ کے ہمراہ باہر نکل آئی تھی۔

"کیا بات ہے پریشان ہو؟" گاڑی ڈرائیور کرتے ہوئے ہادیہ نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"آں...... نہیں...... بس کوئی بات نہیں۔"

"سیٹ ہونا؟"

"ہوں......" اس کا دھیان ابھی تک سر عباس کے روم میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

"میں نے ماما کے لیے کچھ میڈیسن لینی ہیں۔ تم ٹھہرو میں آتی ہوں۔" ہادیہ نے ایک بہت مشہور آرتھوپیڈک کلینک کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا تو رابعہ نے سر ہلا دیا۔

کلینک کے ساتھ ہی میڈیکل اسٹور تھا۔ ہادیہ اپنا بیگ لیے اسٹور کی طرف چلی گئی۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر خاتون پہلے ہی موجود تھیں۔ ان کا بازو ٹوٹا ہوا تھا۔ گلے میں لٹکی رسی میں ہاتھ ڈلا ہوا تھا۔ بازو پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔

"یہ میڈیسن دے دیں پلیز۔" ہادیہ نے ہاتھ میں تھامی پرچی اور پیسے اسٹور بوائے کو تھمائے تو خاتون نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ خاتون کا سارا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں عیاں تھیں۔

"تم ہادیہ ہو مشتاق کی بیٹی؟" ہادیہ جس کی توجہ اسٹور بوائے کی طرف تھی اس نے چونک کر خاتون کو دیکھا۔

"جی...... مگر آپ کون؟"

"میں خالہ بی ہوں پرانے محلے میں تم لوگوں کے ساتھ والا گھر ہمارا تھا۔"

"اوہ...... اچھا...... اچھا...... السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" ہادیہ نے فوراً پہچان کر سلام کیا اور نہایت ادب سے ان کا ہاتھ تھاما۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔

"یہاں کہاں اور اکیلی آپی جان کدھر ہیں؟"

"یہاں ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے آئی تھی۔ پچھلے دنوں بازو ٹوٹ گیا تھا سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ پورا ہفتہ اسپتال رہی ہوں۔ تمہاری آپی ساتھ ہی رہی تھی۔ آج چیک اپ کروانا تھا۔ اسے بخار تھا تو خود ہی آنا پڑا۔ تم سناؤ امی ابو کا کیا حال ہے۔"

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ میڈیسن لے چکی تھی اس نے خالہ بی کی دوا بھی لے لی تھی۔ انہیں پیسے دینے نہیں دیے تھے بلکہ خود ہی پے منٹ کر دی تھی۔ پھر ان کو بزور اصرار اپنی گاڑی کی طرف لے آئی تھی۔ اس کا ارادہ ان کو گھر تک ڈراپ کرنے کا تھا۔

انہوں نے کتنا منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانی تھی۔

"یہ کون ہیں؟"

پچھلی سیٹ پر بٹھا کر ہادیہ نے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو رابعہ نے پوچھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ

ایک ذرا سی بات تھی جس کا چرچا پہنچا گلی گلی
ہم گمناموں نے پھر بھی احسان نہ مانا یاروں کا
درد کا کہنا چیخ اُٹھو دل کا تقاضا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا چپ چاپ رہنا کام ہے عزت داروں کا

میری بیٹی کی رخصتی کا وقت جوں جوں قریب آ رہا تھا میرے دل کی دھڑکنوں میں کئی گنا اضافہ ہو رہا تھا۔ دل و دماغ الجھنوں کی آماجگاہ بنے جا رہے تھے۔ میرے ذہن کا یہ انتشار روایتی ماؤں کی طرح بیٹی کی رخصتی سے منسلک نہ تھا بلکہ یہ انتشار میرے اپنے ذاتی تجربات سے زیادہ پیوستہ تھا۔

مجھے اسے کچھ اہم گر بتانے تھے وہ اہم نقاط بتانے تھے جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی عزتِ نفس کی حفاظت سسرال میں کر سکتی تھی تا کہ کوئی اسے شاہ مصطفیٰ سمجھ کر قدم قدم پر ذلیل نہ کر سکے اس کی مصلحت آمیز خاموشی کو اس کی کمزوری سمجھ کر بار بار تذلیل کے سوئے وار تک نہ لے جا سکے۔

"میں شاہ مصطفیٰ" نے سسرال والوں کی طرف سے ملنے والے ہر زہر کے گھونٹ کو صبر و استقامت سے پینا چاہا کیونکہ یہ میری ماں کی طرف سے نصیحت تھی۔

"بیٹا! سسرال والوں کو اپنا ماننا، ساس کو ماں کی جگہ دینا اور جٹھانیوں اور نند کو بہن اور سگی سمجھنا، نہ کرتے بھی ایک روز وہ لوگ تمہارے ہو ہی جائیں گے۔ کیونکہ وہ ہی تمہارا اصلی گھر ہے اس گھر کے علاوہ ماں باپ کے گھر کو اپنا جانو گی تو خسارے میں رہو گی۔"

یوں میں نے اس نصیحت کو اپنے پلو سے باندھ لیا اور سسرال میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ عزت، قدر، پیار، حوصلہ افزائی کی تمام سیٹیں تو پُر ہو چکی ہیں، میری تو بس خانہ پری ہے۔

شروع میں تو انجام کی خبر ہی نہ تھی کہ یہ عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا جو سلسلہ ہے اس کا کوئی اختتام بھی ہے۔ بس ہنس ہنس کر سب کو خوش رکھنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئی۔ آخر اتنی بڑی سسرال تھی سب لوگوں کے رنگ بھی جداگانہ تھے میاں کا موڈ خوش ہوتا تو ساس کسی بات پر منہ بھاری کر کے بیٹھ جاتیں، ساس کا مزاج بحال ہوتا تو نند کو میرے کسی کام میں کیڑے نظر آ جاتے اور جٹھانیوں کے نزدیک تو میں انتہائی ناقص العقل اور پھوہڑ دیورانی تھی تو

اتنے اونچے مزاج رکھنے والی عورتوں کو پہلی کا رتبہ دینا تو دور کی بات کوئی بات پوچھنا بھی بہت دل گردے کی بات تھی۔ شروع میں جو پوچھا کہ "آج کیا پکے گا؟" تو انتہائی مضحکہ خیز نظروں سے مجھے ایسے دیکھا گیا جیسے جوکر کوئی نا سمجھ میں آنے والا تماشا دکھا رہا ہو۔

"لو...... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے سال ہونے کو آیا ہے اور تم ابھی تک کسی کی پسند ناپسند سے واقف نہیں ہوئی ہو۔" ساس نے بیزاری سے پہلو بدلا۔

یہ حقیقت تھی کہ میری سسرال میں سب الگ الگ پسند رکھنے والے لوگ تھے' کسی کو سبزی فوبیا تھا تو کسی کو گوشت فوبیا' کسی کو پرہیزی کھانا چاہیے ہوتا تھا تو کسی کے نزدیک چٹ پٹا کھانا ہی اصل لذت تھی۔ تبھی سب کی پسند کا خیال رکھ کر تین چار قسم کی ڈشز بنتی تھیں لیکن جٹھانیوں کے بتانے اور سمجھانے کا جو طریقہ تھا وہ خاصا ہتک آمیز تھا۔ خیر قدم قدم پر دل کو کڑا کرنے کا امتحان تھا اور مجھے اس امتحان میں پورا اترنا تھا اسی طرح ہر معاملے میں' ہر طرح سے میرے صبر وضبط کا امتحان لیا جاتا۔ ساتھ میں میرے پیٹھ پیچھے چہ مگوئیوں کا سلسلہ مجھے اور حوصلہ شکن کر دیتا۔

دو سال میں فہد کے گود میں آنے تک مجھے ایک بات کا ادراک تو ہو ہی چلا تھا کہ ساس' نند اور دیور کی نظروں میں مجھے گرانے والی میری یہ جٹھانیاں بہت اہم کردار ادا کر رہی ہیں جن کی منشاء ہی یہی تھی کہ میری حیثیت شروع سے ہی کمزور رہے جبکہ وہ لوگ سب کی نظروں میں معتبر بن کر رہتیں۔

وہ میرے تمام محنت آمیز کاموں میں کیڑے کیوں نکالتی ہیں؟ میری خاموشی کو گھمنڈ کا نام کیوں دیتی ہیں تاکہ میں بھی لڑ جھگڑ کر اپنا آپ منواتی۔ یہ سازش تھی کہ میری محنت اور خاموشی کہیں ان لوگوں کے دلوں میں گھر نہ کر لے یہ بے لوث ریاضت کہیں پھل نہ پالے تو ہم لوگ دوسرے درجے پر چلے جائیں گے۔

اور دیور کو تو وہ اس طرح پٹیاں پڑھاتیں کہ میری طرف سے وہ ہر وقت کریلے چبائے رہتا' صرف اس لیے کہ شروع میں ہی ایک روز اس نے کہہ دیا تھا۔

"ثناء بھابی جیسی خوب صورت کسی کی بھابی نہیں۔" جٹھانیاں بہت خوش مزاجی سے ہنسی تھیں جیسے اس کی باتوں کی تائید کر رہی ہوں' پھر ایک روز یہ بھی کہتے سنا۔

"ثناء بھابی بے حد خاموشی سے ہم لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہیں' طرح طرح کے کھانے پکا کر بھی اس قدر بے نیاز رہتی ہیں جیسے انہوں نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔"

"کھانا پکانے ہی نہیں اسے ہر کام میں مہارت ہے۔" ساس نے ان دو ڈھائی سالوں میں پہلی مرتبہ میرے لیے کوئی ستائشی جملہ کہا تھا جو مجھے بہت اچھا لگا تھا۔

ستائش کا یہ سلسلہ ابھی دراز بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک روز دیور جی دھڑ دھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے' میں ابھی کپڑے چھت پر پھیلا کر آئی تھی فہد کو فیڈ کرانے میں بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھی اس ناگہانی افتاد پر۔

"ثناء بھابی میں نے پرسوں رات آپ کے کمرے میں اپنے دوستوں کے لیے چائے بنانے کے لیے دستک دی تھی تو آپ کو اتنا بُرا لگ گیا کہ بڑی بھابی سے میری شکایت کر دی۔ مجھے پتا نہیں تھا آپ اتنے تنگ دل کی ہوں گی کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی دل میں جمع رکھتی ہوں گی۔" اس کی باتوں سے تو جیسے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"نہیں شارق...... میں نے تو کوئی شکایت نہیں کی اور اس میں شکایت والی بات ہی کیا تھی۔" بڑی مشکلوں سے میں نے اپنے کمزور پڑتے دل کو سنبھالا۔

"جب کوئی بات ہی نہیں تھی تو آپ نے افسانہ کیسے بنالیا' چلیں بڑی بھابی کے سامنے۔" لرزتے قدموں سمیت میں اس کے پیچھے ہولی۔ وہ اطمینان سے ساس کے پاؤں دبا رہی تھیں۔ شارق کے مشتعل اور میرے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھ کر بھی ان کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"بھابی! میں نے آپ سے شارق کی شکایت نہیں کی تھی کہ اس نے سونے کے ٹائم مجھے ڈسٹرب کیا اور دروازہ ناک کر کے چائے بنانے کو کہا' جب میں سونے والی تھی۔ میں نے آپ کو جتایا نہیں تھا بلکہ یونہی باتوں میں یہ بات آپ کو بتائی تھی قسم لے لیں میرے دل میں جتانے کا تو کوئی خیال ہی نہیں تھا۔" میرے حلق میں آنسوؤں کا کوئی گولہ جیسے پھنسنے لگا تھا۔

"امی! آج تک ہم لوگوں نے کسی کو بتایا کہ کتنی مرتبہ راشد اور شارق نے رات کو جگا کر اپنے دوستوں کے لیے چائے بنوائی یا دوستوں کے لیے کھانے نکلوائے' بھئی یہ گھر ہے کسی کو بھی کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" وہ لوگ میرا تماشا بنوا کر اپنی تعریف کا کوئی موقع گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔

"بھئی سب انسان ایک طرح کے نہیں ہوتے سب الگ الگ مزاج کے ہیں' بہرحال شارق تم بڑی بھابی کو جگا لیتے تو آج ان باتوں کی نوبت ہی نہیں آتی۔" ساس نے ان باتوں سے گویا میری جٹھانی کی لگائی ہوئی آگ کو میرے نام سے منسوب کر دیا۔

"ہاں بھائی! مجھے بتا دیا کریں تاکہ کوئی ڈسٹرب ہی نہ ہو۔" نند نے ترچھی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی اہمیت جتانے کا یہ موقع رائیگاں نہیں جانے دیا۔

یوں یہ چھوٹی سی ہنسی ہنسی میں کہی گئی بات میرے حسن سلوک کو داغ دار کر گئی۔ میں اپنے آنسو پلکوں پر ہی لیے کمرے میں آ گئی اس دن کے بعد سے شارق مجھ سے کھنچا کھنچا رہنے لگا جو شوق سے مجھ سے اپنی پسند کے بروسٹ اور کیک بنوا کر کھاتا تھا۔

دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا جو میں سہہ رہی تھی' اسی طرح بہت سی چھوٹی بڑی باتیں وہ چپکے چپکے ان لوگوں کے کان میں بڑی سہولت سے انڈیل دیا کرتیں۔ کہتے ہیں آنکھوں دیکھی کا اور بہکائے ہوئے کا اثر زیادہ ہوتا ہے سو یہاں سارا جادو بہکائے ہوئے کا چل رہا تھا جو اپنی شخصیت کو معتبر کرنے کی کوشش میں مجھے اور میری انا کو مجروح کیے جا رہا تھا۔

***

میری گود میں زرینہ کے آنے تک اکلوتی نند کی شادی کا بھی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حسب معمول اور حسب توقع دونوں جٹھانیاں پیش پیش رہتیں۔ روز نند کی شاپنگ کرنے چلی جاتیں' صرف وہی آگے نہیں رہتیں بلکہ ساس اور نند بھی ہر معاملے میں ان سے مشورہ لینا بہتر سمجھتیں۔ مجھے تو بتانا بھی انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا کہ کیا ہونا چاہیے کیا نہیں۔ میری کوئی حیثیت ہوتی تو میں بھی آگے بڑھ کر پیش پیش رہتی۔ خوامخواہ کسی معاملے میں ٹانگ اڑانا مجھے بہت ہتک آمیز رویہ لگتا اور مانگے کی اہمیت تو مجھے بھیک ہی لگتی اس لیے بھی میں اپنے کام سے کام رکھتی' زیادہ تر میرا ٹائم کچن میں گزرتا کیونکہ وہ لوگ شاپنگ اور اس کے بعد گھر آنے پر ہونے والی شاپنگ اور آنے والی تقریبات کو ڈسکس کرتی رہتیں' خوب ہنسی اور مذاق کی محفل جمتی' سحرش کی دونوں فیورٹ بھابیوں کے روم روم سے جیسے ہنسی کی پھواریں پھوٹ رہی ہوتیں اس گل و گلزار محفل میں میری موجودگی اور غیر موجودگی سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔

ایک دن دوسرے نمبر والی جٹھانی کچن میں کسی کام سے آئیں میں چائے کے برتن سینک میں رکھ کر سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ مجھے ان کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی جب انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تو میں چونکی' وہ انتہائی دلچسپی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"کن سوچوں میں گم ہو محترمہ؟" میں خوامخواہ جھینپ گئی۔

"کچھ نہیں' ایسے ہی فہد کے اسکول ایڈمیشن کے متعلق سوچ رہی تھی اور کیا سوچنا ہے مجھے اور کوئی محرک تو ہے نہیں میرے پاس سوچنے کے لیے۔" اس قسم کے ماحول نے کچھ مجھے تلخ بھی بنا دیا تھا۔

"کیوں نہیں ہے سوچنے اور کرنے کو' گھر میں کاموں کا انبار ہے' سحرش کی شادی سے متعلق ایک سے بڑھ کر ایک کام ہیں۔ تم آگے بڑھو گی تو کرو گی نا۔ اب تمہارے ہاتھ میں کوئی آگے بڑھ کر کام پکڑانے سے تو رہا۔"

"میرے آگے بڑھنے سے کیا ہونا ہے بھابی! کل رات ہی میں سب کے ساتھ کپڑے پیک کر رہی تھی تو سحرش نے مجھ سے کپڑے لے لیے کہ "رہنے دیں بھابی! مونا اسٹائلش طریقے سے کپڑے پیک کر رہی ہے' اسے ہی کرنے دیں آپ نے دیکھا نہیں کیا؟ اور کس طرح میں آگے بڑھوں جب گیدرنگ میں مجھے میری اوقات دکھا دی جاتی ہے۔"

"ہاں تو اسے تمہارے ہاتھ کی پیکنگ نہیں پسند آ رہی ہوگی' اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے؟ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں سر پر سوار کر کے رہو گی تو کبھی سب کے ساتھ گھل مل نہ سکو گی۔" انہوں نے اب بھی تذلیل بھری نصیحت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

"یہ چھوٹی بات ہے کہ وہ اپنی دوست کے سامنے گھر کے فرد کو نیچا دکھا رہی تھی وہ یوں بھی مجھے کہہ سکتی تھی کہ بھابی مونا کی طرح کپڑے پیک کریں تو مجھے برا نہیں لگتا لیکن بغیر مجھے عزت دیئے یہ سلوک انتہائی توہین آمیز لگتا ہے۔ میں بھاوج ہوں اس کی کوئی غیر نہیں کہ مجھ سے ہمیشہ روکھے رویئے سے پیش آئے۔" ان چار سالوں میں ان سیاست سے پُر مزاجوں کی واقفیت نے مجھے اندر ہی اندر مریض بنادیا تھا۔ اسی لیے میں آج اتنا بول پڑی تھی جواباً ان کا چہرہ یک دم تمتما اٹھا جیسے خود اپنے غصے کو انہوں نے آواز دی ہو۔

"ہم نے بھی بہت پتے مارے ہیں ثناء بی بی! ایسے ہی یہ مقام نہیں بنایا یہ اہمیت ایسے ہی نہیں پائی' تم تو ابھی سے گھبرا گئیں اور اپنی اکلوتی نند کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئیں۔ اب اس کی شادی ہونے والی ہے وہ پرائے گھر جانے والی ہے اتنا بھی کیا بیر رکھنا بے چاری سے۔" وہ جان بوجھ کر اور اونچا اونچا بولنے لگیں' میں انتہائی مکدر ہو کر انہیں دیکھنے لگی جو ایک نیا معرکہ میرے لیے تیار کرچکی تھیں کہ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اتنی اونچی آواز سن کر بڑی جٹھانی اور ساس بھی نکل آئیں پیچھے پیچھے سحرش بھی تھی۔

"کیا ہورہا ہے تم دونوں کے بیچ' کیوں اتنی آوازیں آرہی ہیں؟" ساس نے ہم دونوں کو گھورا۔

"امی! بس سحرش بے چاری نے کل کیا بول دیا کہ آپ پیکنگ صحیح نہیں کررہیں' اسی بات کا یہ افسانہ دل میں تیار کرکے بیٹھی تھیں محترمہ جو آج سنانے بیٹھ گئیں کہ سحرش میری عزت نہیں کرتی تو میں اسے کیسے نند سمجھوں۔" بات کچھ اور بھی مصالحہ کسی اور طریقے سے لگایا جارہا تھا۔ انتہائی افسوس کے عالم میں میں نے اس عورت کو دیکھا جو اپنی ہی جیسی عورت کی جڑیں کھوکھلی کررہی تھی۔

"تو...... اتنی سی بات کا بتنگڑ بنانے کی کیا ضرورت ہے اسی وقت تم سحرش کو ڈانٹ دیتیں جب دل میں اتنا کینہ ہی پالنا تھا کم از کم تمہارے اندر کا یہ لاوا تو نہ پکتا رہتا۔" بڑی بھابی آگے بڑھیں جو پورے خاندان کی سب سے بڑی خیر خواہ اور چہیتی بہو تھیں۔

"کیوں ڈانٹوں گی جب یہ اتنی سی ہی بات تھی' بات تو ساری عزت کی ہے جو اس نے کبھی کی ہی نہیں میری۔ صرف آپ دونوں کو ہی عزت دی اور محبت بھی جس کا حقدار انہوں نے مجھے کبھی نہیں سمجھا۔" میری آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اور اسی بات کا مجھے قلق ہے ورنہ بات تو واقعی چھوٹی سی ہی ہے۔" جانے کیسے میں اتنا بولنے لگی تھی' شاید اس لیے کہ دل کو سمجھاتے سمجھاتے ہار چکی تھی۔

"چلو جی ادھر اس معصوم کی ڈولی اٹھنے والی ہے' ادھر اس کے ساتھ شکوے شکایات کا بازار گرم ہورہا ہے تاکہ کوئی سسرالی آن ٹپکے تو اسے بھی بھنک پڑجائے کہ ان کے خاندان میں بسنے والی لڑکی کس قسم کی ہے۔ شادی بیاہ کا ماحول ہے۔ بہو! ذرا تحمل سے کام لو' یہ آگ لگائی والا سلسلہ تو چلتا رہے گا۔ سحرش کو رخصت ہوجانے دو پھر اپنی رام کہانی سناتا ورنہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ ان کے گھر کا ماحول کس قسم کا ہے؟"

الزام کے ساتھ ساتھ وہ اور بہت کچھ مجھے باور کراچکی تھیں' تھک ہار کر مجھے ہی خاموش ہونا پڑا۔ آنسوؤں کی تو جیسے جھڑی لگ گئی تھی' میں اس دن کمرے سے باہر نکلی ہی نہیں نہ مجھے کوئی بلانے آیا نہ کھانے کا کسی نے پوچھا۔ فائق کی انتہا درجے کی شرافت نے مجھے اس اکھاڑے میں تنہا جنگ لڑنے کے لیے کھڑا کردیا تھا۔ کچھ کچھ وہ بھی آلودہ ہوتی فضا کو محسوس کرنے لگے تھے بس چپکے چپکے مجھے خاموش رہنے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے۔ مرد کی حد سے زیادہ شرافت عورت کے اندر کی اچھائی کو بھی ایسے ماحول میں ماردیتی ہے اور اسے ایک مریضہ کے روپ میں ڈھال دیتی ہے شاید یہ انہیں خبر نہیں تھی۔ سحرش کی شادی ہوئی اس کے سسرالیوں کے آگے دونوں جٹھانیاں رہتیں' نندوئی آتے تو بڑھ چڑھ کر خاطر داریاں کرتیں اور ہنسی مذاق کا سلسلہ جاری رہتا۔

ایسے میں میں بے وقوفوں کی طرح کھڑے رہنے کی بجائے اپنے کمرے میں آکر مقید ہوجاتی۔ دوسروں کو رسوا کرکے اپنا نمبر ٹاپ آف دی لسٹ کرنے کا سلسلہ جاری رہا شاید ان لوگوں کے نزدیک انسان سے ہی اپنی عزت کی وصولیابی منشاء تھی خواہ اس کا طریقہ جائزہ ہو یا ناجائز۔ یہ بھول کر کہ ایک ذاتِ واحد وہ بھی ہے جو عزت اور ذلت دینے پر قادر ہے اور جو صبر کی جزا دنیا میں نہ سہی مگر اور پر ضرور دے گا پھر بھی انسان مطلق العنان بنا بیٹھا ہے جو ذہنی اذیت دینے پر تلا ہوا ہے۔

اللہ کا کرنا ہوا کہ فائق کی پوسٹنگ لاہور ہوگئی' میں نے یہی سوچا کہ فائق کو ادارے کے اس فیصلے سے دکھ ہوگا کہ ماں بہن بھائیوں کا اتنے عرصے کا ساتھ چھوٹ جائے گا لیکن وہ بڑے اطمینان سے پیکنگ کررہے تھے' ایک دھیمی سی مسکراہٹ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پھر سے صبر کی تلقین نے مجھے اندر تک سرشار کردیا تھا۔

یہاں آکر میں نے جانا کہ زندگی کیا ہوتی ہے اور اپنی چھوٹی سی دنیا میں ہنسنا' بولنا کیا ہوتا ہے؟ کسی کی عزتِ نفس کے مجروح کردیئے جانے کے ڈر سے بے نیاز ہونا کیسا ہوتا ہے' میں بہت اطمینان اور نئے سرے سے خود کو استوار کرنے لگی کہ میرے آگے دو بچوں کا مستقبل تھا۔

وقت نے کروٹ لی بچے آہستگی سے جوانی کی طرف بڑھ گئے۔ ہم دونوں کے بالوں میں بھی چاندی اتر آئی۔ بچے ہمارے تابعدار تھے' دین و دنیا دونوں کی تعلیم میں نے دلوائی تھی تاکہ ان کی شخصیت میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ اب بھی گیا دور یاد آتا تو کبھی تو حلق میں کڑواہٹ سی بھر جاتی' کبھی فائق ان لوگوں سے ملوانے کے لیے لے جاتے تو بات ہی بات میں ہنستے ہنستے وہ لوگ تمسخر اڑا جاتیں جیسے کہ میں ان سے الگ جان بوجھ کر ہوئی ہوں۔

زرینہ کو بڑا ہوتا دیکھ کر یہی ایک فکر ستاتی کہ خدانخواستہ اسے بھی ماں جیسی سسرال مل گئی تو...... یہ کیسے ایڈجسٹ کرپائے گی۔ یہ تو مجھ سے بھی کئی گنا حساس لڑکی ہے شاید محبت کرنے والے اور محبت کی امید رکھنے والے لوگ اتنے ہی حساس ہوتے ہیں۔ میں اسے اسی حساسیت سے بچانا چاہتی تھی اسے ڈھیٹ اور بے حس لڑکی کے روپ میں ڈھالنا چاہتی تھی تاکہ زمانے کی بے رخی اور سیاست کی بھینٹ وہ نہ چڑھ جائے بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی' کبھی میری مرضی کے مطابق نہ ڈھل سکی۔ اب بھی چھوٹی چھوٹی بات پر اسے رونا آجاتا' ذرا سی بے رخی کو دل پر لے کر بیٹھ جانا اس کا وطیرہ تھا۔

اللہ جانے کیا بنے گا اس لڑکی کا' میں اندر ہی اندر ڈرتی اور گھبراتی رہتی۔ اس کا رشتہ طے ہوگیا تھا فیملی چھوٹی تھی لیکن میرے سوالات بہت بڑے تھے۔

اس کی شادی کا ہفتہ آن پہنچا تھا اور اس سے بات کرنے کے لیے کوئی مفصل گھڑی بھی نہیں مل رہی تھی۔ اٹھارہ سالوں میں وہ وقت ہی کہاں آیا تھا کہ میں اسے سسرال کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی۔ خبر بھی نہیں تھی کہ اتنی جلدی رشتہ طے پاجائے گا اب اس کی رخصتی کی گھڑی بھی سر پر آن کھڑی ہوئی۔ یہاں تک کہ گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی وہ پیلے کپڑوں میں مایوں کی دلہن بنی اپنے نوخیز ارمانوں کو چھپائے گوشہ نشین ہوگئی' اسے سکھیاں ہر وقت گھیرے رہتیں اور مجھے مصروفیات...... میں بس موقع کی تلاش میں رہتی کہ کوئی تنہائی کا لمحہ ملے اور

میں اسے سسرال میں ڈٹ کر رہنے کا مشورہ دوں۔

''انا اور عزتِ نفس کو ہاتھ میں لے کر چلو گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی اور ڈھٹائی سے جہاں تم نے جینا سیکھ لیا وہیں کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ کسی بھی وار پر تم خاموش رہیں تو سمجھو تم نے گردن کو کٹنے کے لیے جھکا دیا۔'' مایوں کے پانچ دن بھی افراتفری کی نذر ہو گئے اس کی رخصتی کا دن آن پہنچا۔ سرخ جوڑے میں میری اٹھارہ سالہ بیٹی گڑیا کی طرح لگ رہی تھی' کچھ معصومیت اور اندر کی سادگی نے اسے ویسے بھی بہت خوب صورتی عطا کردی تھی۔ صبح سے بات بات پر اس کی آنکھیں بھی بھر آ رہی تھیں' میرے اندر تو ساون بھادوں ویسے ہی اترا ہوا تھا۔

''اللہ میری بیٹی کو اچھے لوگ عطا کرنا' لفظوں کے تیر چلانے والے اور سیاست کے میدان میں سرگرم کارکن کا ساتھ مت عطا کرنا۔'' بار بار میرے دل سے دعا نکل رہی تھی۔

باہر اس کی سجی سجائی گاڑی اسے لے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی' نکاح ہو چکا تھا میں کمرے میں کچھ دیر اپنے آنسو بہا لینے بیٹھی تھی' جسمانی اور اعصابی تھکن نے مجھے یوں بھی شکستہ کر دیا تھا کہ میری بیٹی میری زرینہ میرے سامنے آن کھڑی ہوئی' سجی سنوری آنکھوں میں آنسو لیے۔

کسی نے تنہائی کا یہ پل ہمیں عطا کیا تھا کہ آخری وقت ہم مل لیں اور ایک دوسرے کے آنسو بھی بہہ جانے دیں اور سمیٹ بھی لیں۔ بہت دیر تک وہ مجھ سے لپٹی روتی رہی اور میں بھی اس کے آنسو اپنے آنچل میں پروتی رہی۔

تنہائی کا یہ لمحہ بہت انمول تھا' کوئی بھی کمرے میں نہ تھا۔ میری بیٹی میرے سامنے قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی' یہ لمحات پھر نہیں آنے تھے۔ اپنے آنسو پونچھ کر میں نے اپنے گلے کو صاف کیا اسے پھر سے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور میری زبان رواں ہو گئی۔

''سسرال میں سب کی عزت کرنا' کسی سلسلے میں بڑھ چڑھ کر مت بولنا' زیادہ تر خاموش رہنا بیٹی کیونکہ ایک چپ سو سکھ کو جنم دیتی ہے کوئی کچھ بھی بولے تم سہہ جانا' وہ گھر ہی اب تمہارا گھر ہے اور اس کے مکین تمہارے اپنے......

جاؤ بیٹا! باہر سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' تنہائی کے انمول اور آخری لمحے کا مجھے شدتوں سے انتظار تھا ان ساعتوں میں بھی میں اسے کوئی غلط نصیحت نہ کر سکی کیونکہ جن رشتوں میں پھول کھلانے جا رہی تھی اس کی صاف ستھرے پانی سے آبیاری بہت ضروری تھی۔ اب یہ اس کا نصیب کہ پھل میٹھا ہو یا کڑوا۔ چاہ کر بھی میری زبان سے غلط فقرے نہ نکل سکے' ایمان والوں کو وقتی طور پر شیطان بہکا تو سکتا ہے لیکن عمل نہیں کروا سکتا۔ میں نے بھی اپنے جملوں کو شیطانی گرفت سے محفوظ کر لیا تھا۔

دوسرے روز دوسرے شہر سے آئیں میری دونوں جٹھانیاں تحرش کے ساتھ محوِ گفتگو تھیں جو خود اب عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔

''دیکھا کیسا جہیز دیا اس نے اپنی بیٹی کو' ابھی تک اسے زمانے کے ساتھ چلنے کے گر نہیں آئے ہیں۔ پانچ چھ سال پرانے فیشن کے کپڑے بیٹی کے بکس میں بھر دیئے اور ہم لوگوں کو دکھانا بھی گوارا نہیں کیا۔ پیک شدہ سامان غیروں کی طرح رونمائی کو آگے کر دیا۔ ابھی تک یہ طور طریقوں سے واقف نہیں ہو سکی ہے اور رونے والی بن گئی۔ سسرال والے ہی کون سے اپ ٹو ڈیٹ لگ رہے تھے جو اسے پریشانی ہو' سب نے تو گنواروں والے رنگ پہنے ہوئے تھے۔''

پہلی بار مجھے ان کے کہے پر دکھ محسوس نہیں ہوا تھا بلکہ بہت اطمینان بھری مسکراہٹ میرے لبوں پر سجی تھی۔ بیٹی کی رخصتی کے ٹائم اچانک بے ایمانی سے ایمان کے پلڑے کا بھاری ہو جانا مجھے خدا کی طاقت کا احساس دلا گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ شر انگیز خیالات اور لوگوں سے اس دنیا میں چھٹکارا پانا ممکن تو نہیں' ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ اپنے آپ کو بچایا کیسے جائے۔

ہر جائز و ناجائز طریقوں سے لوگوں کے دل میں جگہ بنانے سے پہلے لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اوپر والی بھی ایک ذات ہے جس کے دل میں جگہ بنانا زیادہ ضروری ہے۔

ہم ہی ناداں تھے

نازیہ جمال

عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

عید مبارک عید مبارک عید مبارک عید مبارک عید مبارک عید مبارک

گڑ اچھی طرح کوٹنے کے بعد پانی سے بھری دیگچی میں ڈال کر چولہے پر چڑھا کے صغریٰ نے لکڑیوں کو پھونک ماری تو ڈھیر سارا دھواں آنکھوں اور حلق میں گھس آیا۔ وہ زور زور سے کھانستے ہوئے میلے دوپٹے سے آنکھوں کو ملنے لگی۔ چولہے پر دھوپ تیزی سے آ رہی تھی ابھی چاول بھی چھن کے بھگونے تھے۔

شاہین نے کھڑکی سے ساس کی ساری سرگرمیوں کو غور سے دیکھا پھر جلد ہی اپنے سابقہ کام میں لگ گئی۔ تین سالہ بیٹی اور چھ ماہ کے بیٹے کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنائے چادر اوڑھ کر باہر آ گئی۔

''یہ تو کدھر جا رہی ہے؟'' بہو کو صحن کے دروازے کی طرف قدم بڑھاتا دیکھ کر صغریٰ نے حیرت سے دریافت کیا۔

''اماں کے گھر جا رہی ہوں۔'' شاہین نے بے زاری سے جواب دیا گویا ساس کا روکنا اسے سخت برا لگا ہو۔ کہیں آتے

جاتے وہ ساس کو مطلع کرنے کا تکلف ذرا کم ہی کرتی تھی۔

"آج فوزیہ اپنے بچوں کے ساتھ آ رہی ہے نجانے وہ کیا سوچے گی کہ میں میکے آئی تو بھابی غائب۔" چاولوں میں پانی ڈالتے ہوئے صغریٰ جتاتے ہوئے بولی۔ فوزیہ کو گڑ والے چاول بہت پسند تھے ساس کو گڑ کوٹتا دیکھ کر شاہین بخوبی سمجھ گئی تھی کہ آج فوزیہ کی آمد متوقع ہے جو قریبی دیہات میں بیاہی گئی تھی۔

"ابھی تین دن پہلے تو تُو میکے کا چکر لگا کر آئی ہے ہر دوجے دن تجھے میکے جانے کی ہڑک جاگ اٹھتی ہے۔" باوجود ضبط کے صغریٰ غصے سے بولی۔

"چاہے میں روز ہی چکر کیوں نہ لگاؤں تُو کون ہوتی ہے پوچھنے والی اپنی دھی سر آنکھوں پر اگر میں اپنی بہن سے ملنے جاؤں تو تجھے کانٹے چبھ رہے ہیں۔" شاہین جواباً ترخ کے بولی۔

"باجی زبیدہ آج اماں کی طرف آئی ہے اب اپنی ماں جائی سے ملنے پر بھی روک ٹوک۔" غصے سے بولتے ہوئے شاہین نے تیز قدموں سے دروازہ عبور کر کے اسے زور سے بند کیا جو اس کے بگڑے ہوئے موڈ کا مظہر تھا۔ صغریٰ بہو کی ڈھٹائی بلکہ من مانی پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

❁......❁......❁

"اور باجی اپنی ساس کی سنا...... ٹھیک چل رہی ہے یا میری ساس کی طرح اس کے بھی سگنل خراب رہنے لگے ہیں؟" شاہین نے ذرا سا مسکراتے ہوئے زبیدہ سے پوچھا تھا۔ جواباً زبیدہ ایک لمبی سانس بھر کر بولی۔

"کیا بتاؤں تجھے یہ بڑھیا تو جی کا عذاب بن گئی ہے پتا نہیں کب میرے کان اس کی تدفین کا اعلان سنیں گے۔"

"ہائے باجی! یوں تو نہ بول۔" شاہین مسخرے پن سے ہنسی۔

"چندا! جس تن لاگے سوتن جانے تجھے کیا معلوم اس جھگڑالو عورت نے کتنا ذلیل کر رکھا ہے ہمیں رات کو افضل میرے لیے پستہ بادام اور دوسرے میوے لے آیا اور ماں کو بھی مٹھی بھر بادام دے آیا کہ ماں کا بھی بڑا حق ہوتا ہے پر بڑھیا نے وہ رولا ڈالا کہ اب تک گھر میں سکون نہیں ہے۔" دکھی لہجے میں کہتے ہوئے زبیدہ چارپائی پر سیدھا لیٹ گئی۔

"ہاہ! تو اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے" شاہین نے تعجب سے انگلی تھوڑی پر رکھی۔

"تُو سمجھی نہیں، جھگڑا اس بات کا ہے کہ بیوی کو تو میوے کھلا ڈالے اور ماں کو صرف باداموں پر ٹرخا دیا۔ ڈسٹ بن گلی کے نکڑ پر کچرے کے ڈھیر پر خالی کر کے آئی تھی کہ ہمسائی کے گھر سے نکلتے ہوئے بڑھیا کو سارے میووں کے چھلکے نظر آ گئے بس اسے تو بہو بیٹے پر چیخنے چلانے کا موقع مل گیا۔" شاہین نے بے حد محبت سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا جو اس کی طرح کئی سسرالی مسائل سے دوچار تھی۔ وہ خود بھی ساس کے مظالم کا شکار تھی اس لیے بہن کے دکھ کو سمجھنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

"تو باجی آئندہ سے مکار بڑھیا کو باداموں کی شکل نہ دکھانا پتا نہیں پوپلے منہ سے کیسے چباتی ہوگی۔" شاہین نے غصے سے بہن کو مفید مشورے سے نوازا۔

"تو اور کیا اب تو میں بلال کو ڈسٹ بن خالی کرنے کے لیے دور کھمبے کی طرف بھیجتی ہوں جہاں یہ فساد کی جڑ نہ پہنچ پائے۔" زبیدہ نے دائیں طرف کروٹ لیتے ہوئے شاہین کو غور سے دیکھا۔

"تُو میری چھوڑ میری تو اوکھی سوکھی گزر رہی ہے اپنی سنا مجید سے بات کی تُو نے؟"

"میری توبہ ایک بار علیحدہ ہونے کی بات کی تھی ان کا تو موڈ بگڑا کئی دنوں تک ٹھیک نہیں ہوا۔" شاہین نے جھرجھری سی لی گویا بہن کو بات کی سنگینی کا احساس دلانا مقصود ہو۔

"تو بس موڈ دیکھتی رہ کچھ عمل نہ کر۔" زبیدہ اب کے طنزیہ بولی۔

"باجی تُو ہی بتا میں کیا کروں مجید کسی طور ماں سے الگ نہیں ہونا چاہتا یہ بات اس نے مجھے شادی کی پہلی رات ہی جتادی تھی کہ میرا جینا مرنا اس کے گھر والوں کے ساتھ ہوگا۔ وہ بڑا بیٹا ہے چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمہ داری پوری کرنا اس کا فرض ہے میں اب آگے سے کیا بولوں؟" شاہین لاچاری سے بولی۔

"ارے مرد ایسے جذباتی بیان دیتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تو عورت کا کام ہے مرد کو مٹھی میں کرنا اس کی جیب پر پورا حق جتانا۔ ورنہ تو اسی طرح مجید ماں بہنوں پر پیسے لٹاتا رہے گا تو اپنے بچوں کے لیے کیا جمع جوڑ پائے گی آج دو جی ہیں کل کو چار اور ہوں گے بس اپنے بچوں کی سوچو؟"

"باجی میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر چکی ہوں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات مجید اپنی ماں کا گوڈا چھوڑنے پر تیار ہی نہیں ہوتا۔" شاہین نے منہ بنا کر کہا۔

"وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا بس میں جیسا کہتی ہوں ویسا کرتی جا کچا جھونپڑا ہی کیوں نہ ہو پر عورت کی اکیلے راجدھانی ہو مجھ سے پوچھو اپنا چولہا چکی کتنی خوشی دیتے ہیں۔ ساس کو ایک وقت کا کھانا دیتی ہوں اگر سالن پر کوئی اعتراض کرے تو یہ بھی بند کر دیتی ہوں۔ دیورانی کے ساتھ بھی دینا دلانا ہوتا ہے مگر سر پر کسی کو نہیں چڑھاتی ان سسرالی رشتوں کو ایک حد میں ہی رکھنا چاہیے۔ زیادہ منہ لگانے سے اپنی زندگی ہی خراب ہوتی ہے۔" کسی ماہر تجربہ کار کی طرح زبیدہ نے اپنا فلسفہ جھاڑا۔

شاہین بہن سے ازحد متاثر دکھائی دینے لگی۔ کچھ دیر پہلے زبیدہ کے لیے اس کے دل میں ہمدردی و ترس کے جذبات امل رہے تھے اب وہاں صرف رشک تھا۔ اس کا دل بھی شدت سے چاہا کہ وہ بھی اپنی بہن کی طرح آزاد اور من مانی زندگی گزارے۔ میاں سے فرمائشیں کرنے کہیں آنے جانے پر روک ٹوک نہ ہو ساس کی جلی کٹی باتیں اور نندوں کے جاسوسانہ انداز دیکھنے کو نہ ملیں۔

"ہائے مجھے تو بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے یہ منحوس ماری کچھ پکا کر نہیں گئی ہوگی۔ ایسے ہی نواب زادی میکے چل دی پیچھے بڈھا سسر بھوکا ہوگا اسے کیا فکر۔" زبیدہ نے غصے سے اپنی اکلوتی بھابی ناہید کو کوسا جو آج اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔

ناہید جس دن میکے جاتی اس دن یہ دونوں بہنیں میکے آنے کا پروگرام بنا لیتیں جہاں کھل کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹتیں سسرال والوں کے بخیے ادھیڑتیں جو ناہید کی موجودگی میں ممکن نہ ہوتا۔

"ٹھہرو میں مجید سے روٹی سالن منگوا لیتی ہوں۔" زبیدہ نے اپنا سرخ چائنا کا موبائل نکالا اور مجید کو کال کر کے شاہین اور بچوں کو ادھر میکے آنے کا بتا کر گرما گرم نان اور روسٹ لے آنے کو کہا۔ کچھ ہی دیر میں مجید مطلوبہ سامان لیے موجود تھا۔

زبیدہ نے ایک پیالی میں تھوڑا سا سالن نکال کر اندر ابے کو روٹی بھیجی ایک اور پیالی کو لبالب بھر کے پلیٹ سے ڈھک دیا۔ دو چار روٹیاں بھی نکال کر الگ کر دیں۔ باقی بچا سالن اور روٹی سب مل کر کھانے لگے۔

"مجید میں دیکھ رہی ہوں تُو میری شاہین کا بالکل خیال نہیں رکھتا۔ دیکھ تو کتنی کمزور ہوگئی ہے جب تیرے ساتھ رخصت کیا تھا تو کیسی موٹی تازی تھی گال سرخ انار کی مانند تھے اب تو چہرہ سوکھ کے پچک گیا ہے۔" بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے ملامتی انداز میں زبیدہ نے مجید کو مخاطب کیا۔

"باجی! یہ خود ہی کھانے پینے کی چور ہے ورنہ میں تو گھر میں سب کچھ لاتا ہوں اللہ کا شکر ہے پھل دودھ وغیرہ ہر چیز ہی میسر ہے۔" مجید شرمندہ ہو کر بولا۔ واقعی شاہین پہلے سے بہت کمزور ہوگئی تھی خاص طور پر زبیدہ کے آگے تو وہ فاقہ زدہ ہی دکھ رہی تھی۔

❁

"تو سیر ڈیڑھ سیر لاتا ہوگا وہ تو تیرے بچوں ماں بہن بھائیوں میں بٹ جاتا ہوگا بھلا اس نمانی کے حصے میں کیا آتا ہوگا۔ ایک سیب یا آدھی قاش الگ سے کوئی مٹھائی یا پھل اپنی بیوی کے لیے لایا کر آخر کو تیری گھر والی ہے۔ دکھ سکھ کی ساتھی ہے۔" اسٹیل کی پلیٹ روٹی کے نوالے سے اچھی طرح صاف کرتے زبیدہ کافی بردباری سے بولی۔ شاہین و مجید پہلے ہی ہاتھ کھینچ چکے تھے۔

"اب دیکھو تم روٹی اور سالن لا ہی رہے تھے تو ذرا زیادہ لاتے یا کوئی سبزی اور دال بھی تو ہوٹل پر پکی ہوگی وہ بھی تھوڑی سی تھیلی میں لے آتے۔ میں تجھے پیسے دیتی کوئی مفت تھوڑی کھا لیتی۔"

"ارے باجی! پیسے کیوں شاہین کی طرح آپ میری بھی تو بہن ہیں۔" مجید گھبرا کر بول پڑا۔

"بس مجید تو میری شینا کا خیال رکھا کر یہ ہم سب کی لاڈلی ہوتی تھی۔ تو یہ نہ سمجھا کر اس کے پیچھے مضبوط میکہ نہیں ہے باپ شوگر کا مریض اور بھائی ہے تو بیوی کی آنکھ سے دیکھنے سننے والا مگر میں اس کی ماں کی جگہ ہوں کیا ہے جو ماں اسے پیدا کرتے ہی چل بسی تھی پالا پوسا تو میں نے ہی ہے اسے۔" زبیدہ کا لہجہ گلوگیر ہوا تو شاہین کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ کتنی خوش نصیب ہے وہ جسے باجی جیسی بہن ملی ہے۔ وہ اپنے حق میں بولتی زبیدہ باجی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتی سوچنے لگی۔

"جی باجی! آپ بالکل فکر نہ کیا کریں۔" مجید سر جھکا کر تابعداری سے بولا۔ زبیدہ کا یہ ہدایت نامہ حکم شادی کے اولین دن سے لے کر ان پانچ سالوں میں ہر بار اسے سننے کو ملتا تھا جب بھی اس کا زبیدہ سے سامنا ہوتا۔

"باجی یہ سالن کیوں نکال کے رکھ لیا ہے؟" شاہین کی نظر پیالے اور اخبار میں لپٹی روٹیوں پر پڑی تو پوچھ لیا۔

"یہ میں نے اپنی ساس کے لیے نکالا ہے اسے ہوٹل کا کھانا بڑا پسند ہے۔ جاتے ہوئے لے جاؤں گی۔" زبیدہ بولی۔

"دفع کریں ایسی مکار بڑھیا کی خدمتیں کرنا ہی فضول ہے جو احسان نہ مانے۔" شاہین ناگواری سے بولی۔

"تو ٹھیک کہتی ہے لیکن بچے جاتے ہی دادی کو سارا کھایا پیا بتائیں گے پھر میری تو شامت آجانی ہے۔" بے پروائی سے کہہ کر زبیدہ لیٹ گئی دوپٹہ منہ پر ڈال لیا پیٹ بھر کر روٹی کھانے سے غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

❀......❀......❀

"دیکھ مجید! مرد بن اپنی بیوی کو سمجھا بہوؤں کے طور طریقے ایسے نہیں ہوتے۔" صغریٰ بے حد سنجیدہ تھی۔

"اماں! اب کیا ہوگیا کیا کردیا شاہین نے؟" مجید جھلایا۔ وہ جب بھی گھر آتا ماں کے پاس کوئی نہ کوئی دکھڑا ضرور ہوتا۔ ادھر بیوی بھی منہ پھلائے رہتی۔

"یہ مجھ سے نہیں اپنی بیوی سے پوچھ نہ کسی کام کو ہاتھ لگاتی ہے نہ سیدھے منہ ہنس بول کے بات کرتی ہے۔ سارا دن میں بدھی چولہے پر لگی رہتی ہوں آ کے روٹیاں توڑ بیٹھ جاتی ہے۔" صغریٰ نے تو شکایات کا طومار باندھ دیا تھا۔

"ہاں ہاں بھر کا دو میرے شوہر کو میرے خلاف تجھے تیری بیٹیوں کو اس کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔" شاہین جو اپنے کمرے میں ساس کی آواز بخوبی سن رہی تھی تیر کی طرح باہر آئی اور ساس کے سر پر غصے سے چلائی۔

"میری بیٹیوں کا نام بھی مت لے سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام میں لگی رہتی ہیں پھر بھی کانٹے کی طرح تجھے چبھتی ہیں۔" صغریٰ ہاتھ چلا کر غصے سے بولی۔

"خدا کا واسطہ تم دونوں چپ کر جاؤ۔" مجید دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر چلایا اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"انسان گھر سکون کے لیے آتا ہے جب گھر میں ہی سکون نہ ہو تو کہاں جائے۔"

"بس بہت چپ رہ لی اب کوئی ظلم برداشت نہیں کروں گی۔" شاہین حلق کے بل چلائی۔

"واہ بھورانی خوب کہی دن چڑھے تک سوتی رہتی ہو کسی کام کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتی ہو اوپر سے ظالم بھی ہم ہیں۔" صغریٰ طنز سے بولی۔

"ہاں ادھر پنکھا لگا کے سوتی ہوں اور تو جا کر مین سوئچ بند کر آتی ہے میں کم عقل یہ سمجھتی رہتی ہوں کہ بجلی نہیں ہوتی پر اب سمجھ میں آئی کہ تو گرمی میں مار کے کون سی دشمنی نکال رہی ہے۔" شاہین نے زہر اگلا۔

"تو اپنی زبان بند نہیں کرسکتی دفع ہو جا یہاں سے۔" مجید ماں کو تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا بیوی پر چلا اٹھا۔

"میں اس گھر سے ہی دفع ہو جاتی ہوں اب میری یہاں کوئی جگہ نہیں ہے نہ سکون ہے نہ عزت۔" شاہین بری طرح روتے ہوئے اندر اپنے کمرے میں چلی گئی اور بھاگ بھاگ کر سامان سمیٹنے لگی۔

"یہ تو کیا کر رہی ہے پاگل تو نہیں ہے۔" مجید پیچھے سے اندر آ کر ایک لحظہ تو اس کی سمیٹا سمیٹی دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر شاہین کے ہاتھ سے کپڑوں کی گٹھری چھین لی۔

"پاگل تو نہیں ہوں مگر تمہاری ماں بہنوں کے ساتھ رہ رہ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔ اس گھر کو میری ضرورت ہے نہ مجھے اس کی اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو میرے ساتھ چلنا ہوگا ابھی۔" شاہین بکھرے بالوں سرخ چہرے اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان قطعیت سے بولی۔

"کہاں تمہارے میکے؟"

"نہیں یہیں کرائے والے گھر میں۔" پھر اسی دن شاہین نے اپنا سارا سامان کرائے والے گھر منتقل کرلیا۔ کرائے والے گھر سے مراد ان کا اپنا گھر تھا جو وہ کرائے پر دیتے تھے برسوں پہلے صغریٰ نے صحن میں ایک دیوار اٹھا کر اسے کرائے پر دے دیا تھا ایک لگی بندھی آمدنی ہر ماہ باقاعدگی آنے لگی تھی۔

سوئے اتفاق اس مرتبہ کرایہ داروں کے گھر خالی کرنے پر مہینہ گزرنے کے بعد بھی کوئی دوسرا کرایہ دار تا حال نمودار نہ ہوا تھا۔ شاہین موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ادھر شفٹ ہوگئی مگر مجید سارا دن اپنی ماں کے پاس ہی رہا۔

"مجید تو اپنے گھر جا اپنے بیوی بچوں کے پاس۔" صغریٰ نے نرمی سے بیٹے کو مخاطب کیا جس کا چہرہ گھر میں ہونے والی بدمزگی سے مرجھایا ہوا تھا۔

"اماں میں تجھے اور اپنے بہن بھائیوں کو چھوڑ کے کیسے جا سکتا ہوں۔ یاد نہیں ابا نے مرتے وقت مجھے کیا نصیحت کی تھی؟" مجید ماں کے کندھے پر سر رکھ کر آبدیدہ ہوگیا۔

"ارے کملا تو کوئی میلوں دور نہیں جا رہا اپنے گھر میں ہی تو ہے۔ دیکھ درمیان میں دروازہ لگا ہے سارا دن آنا جانا لگا رہے گا۔" صغریٰ نے محبت سے اس کے بال سنوارے۔

"اگر شاہین ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو تجھے اس کی خواہش کا احترام کرنا پڑے گا۔ ہر روز کی چخ چخ سے گھر کا سکون تباہ ہوتا ہے بچے الگ پریشان ہوتے ہیں اب چل اٹھ اپنی بیوی کے پاس جا۔ پتا نہیں اس کے پاس سودا سلف ہے یا نہیں؟" صغریٰ مجید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے تک لائی نم آنکھوں سے دروازہ پار کرتے ہوئے مجید کے دل کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اپنے بابل کا انگنا چھوڑتی دلہن کی۔

❀......❀......❀

قرۃ العین

آنچل کے تمام قارئین کو محبت بھرا اسلام۔ انسان اشرف المخلوقات ہے کسی تعارف کا محتاج نہیں دنیا تو اپنا تعارف چاہتی ہے۔ پچھلے 20 سال سے پاکستان کے چھوٹے شہر ڈی آئی خان میں گوشہ نشین ہوں نام تو قرۃ العین ہے پیار سے سب عینی کہتے ہیں۔ ہم 7 بہن بھائی ہیں بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں (ایف اے) انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد سیدھا فوج میں آ گئی۔ اسٹڈی کی وجہ سے مکمل نہیں ہو پائی ارمان تو بہت تھا پر حالات نے اجازت نہیں دی۔ دعا کیا کریں ہر مسلمان و پاکستانی کے لیے کہ جو حالات آج کل چل رہے ہیں ہمارے ملک کی زوال پذیری کب تھمے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ڈوبتی ناؤ کو بچائے آمین۔ جس سوچ کے تحت قائد نے ملک کو تعبیر بخشی کاش آج بھی سب ویسے ہوتا پر سب کچھ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ قائد نے کہا کہ نوجوان ملک کا سرمایہ ہیں ہم تو ایسے نوجوان ہیں کہ جو اپنے ہی ملک کو نگلے جا رہے ہیں ہم نوجوان ہی تو مغرب کی رنگینی میں کھنچے جا رہے ہیں۔ آپ بور تو ہو رہے ہوں گے لیکن جن حالات کے پیش نظر یہ سب کچھ لکھ رہی ہوں وہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ میری خامیاں خوبیاں دونوں بہت زیادہ ہیں خامی یہ ہے کہ تقریباً سب لوگ مجھ سے خائف رہتے ہیں رہا سوال خوبیوں کا تو کبھی غرور نہیں کیا ہاہاہا۔ حلقہ احباب خاصا وسیع رکھتے ہیں ہم میرے بیسٹ فرینڈز میں بجلی میری آمنہ سدرہ ماریہ صفیہ سندس لیلیٰ تو میہ جویریہ روبیہ طاہرہ صبا کلثوم غزل نازش نایاب سلمیٰ ارم مسرت ہیں۔ خوشبو رنگ موسم (سردی) بے حد پسند ہیں۔ بارش کی دیوانی ہوں رائٹرز میں سمیرا شریف طور نازیہ کنول نازی ماہا ملک عفت سحر طاہر بہت پسند ہیں۔ سمیرا شریف کی "جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا" یہ چاہتیں یہ شدتیں نازیہ کنول کی "محبت دل پہ دستک" ماہا ملک کا "جو چلے تو جاں سے گزر گئے" عفت سحر کا "پتھروں کی پلکوں پر" بہت پسند ہیں۔ ایک چھوٹی سی دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ جن لمحوں میں آپ ہنستے ہو وہ لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔

شاہین بے حد خوش تھی ایک فرمانبردار شاگرد کی طرح اس نے زبیدہ کے سکھائے ہر سبق کو نہ صرف یاد رکھا بلکہ بخوبی عمل بھی کر کے دکھایا تھا۔

ساس کی ذرا عزت نہ کرنا' سارا دن کام نہ کرنا' شام کو گھر لوٹتے شوہر کو دیکھ کر اٹھ کر کوئی الٹے سیدھے ہاتھ مار کے کام نمٹا لینا۔ بے دریغ پیسہ اڑاتے ہوئے کسی کی مطلق پروا نہ کرنا' سو مطلوبہ نتائج تو برآمد ہونے ہی تھے۔

وہ بے حد چاؤ محبت سے اپنے ایک کمرے والے گھر کو سنوارا کرتی جب دل چاہتا میکے چلی جاتی۔ موقع بے موقع بھائی' بھابی کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ خرید لیتی۔ میکے میں حیثیت ایک دم سے مستحکم ہوگئی۔ سالے اور سسر کی طرف سے اچانک ملنے والی محبت اور گرم جوشی نے مجید کے دل پر چھائی اداسی کو کم کر دیا تھا۔

اب وہ بھی اپنی خوشی سے سسر کے لیے کبھی کوئی چپل' دوا یا ہوٹل کی کوئی نئی ڈش لے جاتا۔ سالے صاحب بھائی کی سی عزت اور مان دینے لگے تو پھر وہ کیوں ان کی محبت کا جواب محبت سے نہ دیتا' اکثر سودا سامان لے کر سیدھا سسرال چلا جاتا شاہین بھی وہیں آجاتی۔ ایک زبردست سی دعوت ہوجاتی' وہ بھی سراسر مجید کے خرچے پر۔

❀ .... ❀ .... ❀

جوں جوں ڈلیوری کے دن قریب آتے جارہے تھے شاہین کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔ کوئی کام ٹھیک سے نہ ہو پا رہا تھا۔ صبح چائے بھی مجید نے خود بنائی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے لیے شاہین نے خشک آٹا' بیٹی کے ہاتھ بھابی ناہید کو بھجوا دیا کہ روٹیاں پکا کر بھجوا دیں' سالن کے لیے بھی سامان بھجوا دیا تھا۔ جب روٹیاں پک کر آئیں تو شاہین کو بہت تھوڑی لگیں' آٹا تو اچھا خاصا دیا تھا اس نے' گوشت بھی پورا سیر تھا مگر اب صرف چند بوٹیاں نظر آرہی تھیں۔

"بھوکی' ندیدی' اپنا پکاتے ہوئے موت پڑتی تھی۔" شاہین نے غصے سے ناہید کو کوسا' جس نے آدھا سالن اور روٹیاں نکال لی تھیں' شاہین کا ارادہ تھا کہ وہ یہی سالن شام کو بھی چلالے گی مگر یہ تو دوپہر میں بھی کم پڑ گیا تھا کہ بچے پیٹ بھر کر نہ کھا سکے۔

مجید نے جھجکتے ہوئے کئی بار اس سے پوچھا کہ اماں کو بنانے کا کہہ دیتے ہیں مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

وہ کیوں بھلا صغریٰ کا احسان لیتی' اس طرح تو اسے بڑائی جتانے کا موقع مل جاتا۔ کتنی سبکی ہوتی پھر تو' اگلے اس کی خراب حالت کے پیش نظر مجید اسے میکے چھوڑ آیا مگر یہاں آ کے پتا چلا کہ ناہید تو اپنی ماسی کے ہاں اس کے پوتے کی مبارک باد دینے قریبی گاؤں گئی ہوئی ہے۔ واپسی اگلے ہفتے ممکن تھی۔

شاہین تو سخت پریشان ہوئی' اب لاچاری کے دنوں میں کون اس کی دیکھ بھال کرے گا۔ درد سے بے حال ہوتے اس نے زبیدہ کو کال ملائی۔

"شاہین میری چندا! میں نہیں آسکتی' آج سب گھر والے میری جٹھانی' ساس سب کے سب میری نند فاخرہ کے گھر جارہے ہیں' تمہیں بتایا تو تھا کہ اس کی بڑی بیٹی کی شادی ہے۔" زبیدہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"مگر باجی میری ڈلیوری قریب ہے' بھابی بھی نہیں ہے کسی عورت کا ہونا لازمی ہے ناں۔ تم بس میرے پاس آجاؤ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ باقی بے شک سب چلے جائیں تو بعد میں بھی چلی جانا۔" وہ منت آمیزی سے بولی درد کے مارے آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ نکلے تھے۔

"ہش پاگل...... میں کبریٰ کی مامی ہوں بھلا میں کیسے نہ جاؤں' پھر فاخرہ ناراض ہوگی' اس کے گھر پہلی خوشی ہے۔ میری ساس تو مجھے چھوڑے گی نہیں۔" زبیدہ نے نرمی سے اسے قائل کرنا چاہا مگر وہ بچوں کی سی ضد سے بولی۔

"بس تم نے آنا ہے اگر میں مرجاؤں تو کوئی تو میرا سرہانے موجود ہونا چاہیے۔"

"بس ہوگئے تیرے جذباتی مکالمے شروع' یوں ہاتھ پاؤں چھوڑے بیٹھی ہے جیسے پہلی بار ماں بننے جارہی ہے۔ پہلے بھی تو تین بار اس عمل سے گزر چکی ہے۔" زبیدہ نے جھل کر کال منقطع کردی۔

"شاہین کے ہاں بہت پیاری بیٹی ہوئی تھی اس کی

تیسری بیٹی۔ دائی اماں بہت اچھی تھی' عمر رسیدہ ہوتے ہوئے بھی نہ صرف اس کا خیال رکھا بلکہ اس کے بچوں کو کھانا پکا کر بھی کھلا دیا' شام کو زبیدہ کی آمد ہوئی' بے حد جھنجلائی ہوئی۔

شاہین بہن کو دیکھ کر کھل اٹھی گویا اس کی آمد کا یقین تھا۔ زبیدہ کے بگڑے ہوئے تیوروں پر اس نے خاص توجہ نہیں دی۔

"شکر ہے باجی تم آگئیں۔" شاہین ممنونیت سے بولی۔

"ہاں آگئی' تیری وجہ سے شادی کا فنکشن چھوٹ گیا' کتنی تیاری کی تھی میں نے۔" زبیدہ تپ کر بولی' نوزائیدہ بھانجی کو صرف دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔

"سارے چلے گئے' فاخرہ کیا سوچے گی اور ادھر جنم جلی میری دیورانی ثمینہ کو فاخرہ کے سامنے اچھا بننے کا موقع مل جائے گا۔ تو اس مشکل وقت میں اپنی ساس کو بلوا لیتی' پہلے بھی تینوں بچوں کی دفعہ اس نے تیری خدمت کی تھی۔" شاہین کا منہ حسرت سے کھل گیا۔

"باجی میں اسے کیسے بلا سکتی ہوں' میری تو اس سے بول چال بھی بند ہے' جب ایک ہی گھر میں رہتے تھے تو وہ میری اور میرے بچوں خدمت کی کرتی تھی لیکن اب تو الگ ہونے کے بعد نہ تو اس نے کبھی خیر خبر لی نہ میں نے' ویسے بھی تم نے خود ہی تو کہا تھا زیادہ میل جول نہ رکھا کرو' اس لیے تو میں نے درمیان والے دروازے کو تالا لگا دیا تھا۔"

"بس چپ کر۔" زبیدہ نے بری طرح ڈانٹا۔

"ہاں میں نے یہ کہا تھا کہ مجید کو زیادہ ماں' بہنوں کے ساتھ نہ بیٹھنے دیا کرو' وہ تمہارے خلاف کان بھر دیں گی' یہ تو نہیں کہا تھا کہ تو خود ساس سے بیر ہی پال لو۔ کم عقل لڑکی!"

شاہین کو زبیدہ کی منطق ذرا سمجھ نہ آئی۔

"پورے پندرہ سو کا جوڑا' تین سو کی جوتی لی تھی شادی کے لیے سب غارت چلے گئے۔" زبیدہ دیر تک بڑبڑاتی رہی تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀

ابا کو فوت ہوئے آج دوسرا دن تھا' دور قریب کے رشتہ داروں سے گھر بھرا ہوا تھا۔

"کاش میرے ابے کی جگہ اس بڑھیا کا جنازہ اٹھ جاتا تو کتنا اچھا ہوتا' میں تو سکھی ہوجاتی۔" غصے سے بولتے ہوئے

زبیدہ نے پلیٹ شیلف سے اتاری۔

"باجی کس کی بات کر رہی ہو؟" شاہین نے دھیمی آواز میں پوچھا' مسلسل گریہ زاری سے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

"یہی اپنی ساس کی' چاچے ظہور کے گھر سے کھانا آیا ہے اب بڑھیا کو اس میں مرچیں زیادہ لگ رہی ہیں اور کھانا پکانا ہوگا۔" زبیدہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

"یہ کیسی عورت ہے اسے نظر نہیں آ رہا کہ ہمارا باپ مر گیا ہے اور اسے کھانے کی سوجھ رہی ہے۔" شاہین کو بہت غصہ آیا۔

"بس بہنا دیکھ لو یہ سسرالی رشتے نبھانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اللہ نے تمہاری جان چھڑوائی' شکر کیا کرو۔" زبیدہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر باہر نکل گئی۔ ساس کے لیے باہر ہوٹل سے کھانا منگوایا' تیز مصالحوں والے سالن نے معدے میں تیزابیت پیدا کر دی۔

"ہائے زبیدہ! مجھے گیس ہو رہی ہے' تھوڑا سا سونف دھنیا تو لا دو میں چبا لوں۔" زبیدہ کی ساس نے آواز لگائی تو عورتوں کے جھرمٹ میں آنسو بہاتی زبیدہ جھٹ سے اٹھ کر ساس کے قریب آئی۔

"ارے اماں سونف کیوں' میں سوڈے کی بوتل منگوا دیتی ہوں۔ ایک دو ڈکاریں آنے سے معدہ ہلکا ہو جائے گا۔" انتہائی احترام سے بولتے ہوئے زبیدہ نے جھٹ پیسے نکالے پھر کسی بچے سے بوتل منگوالی۔

"اللہ خوش رکھے سدا' بچوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔" ساس اماں ہر دو گھونٹ کے بعد دعا دینے لگیں۔

"زہراں تیری بہو تو بہت اچھی ہے۔" ساتھ بیٹھی ان ہی جیسی عمر رسیدہ بزرگ نے توصیفی نظروں سے سراہتے ہوئے زبیدہ کو دیکھا جس نے باپ کی موت کے غم میں بھی اپنی ساس کے کھانے پینے' وضو سونے اور دیگر ضرورتوں کا خیال رکھا ہوا تھا۔

"اللہ سکھی رکھے' میری تینوں بہویں ہی بہت تابع دار اور نیک ہیں۔" زہراں نے ساتھ بیٹھی خاتون کی تائید کی۔

اگلے دن قل خوانی رکھی گئی جو رشتہ دار کسی مجبوری کی بنا پر جنازے پر نہ آ سکے تھے وہ آج پُرسہ دینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ زبیدہ کی جٹھانی اور نندوں کی تمام عزیز زبیدہ سے تعزیت کے لیے آئی ہوئی تھیں۔

بریانی اور زردے کی جونہی دیگیں کھلیں تو زبیدہ لبالب ٹرے بھر کر اندر اپنی سسرالی خواتین کے سامنے شروع کر دیے۔ باہر شامیانے تلے بھی خواتین کی کافی قل پڑھ رہی تھیں' جن کے لیے چاول کم پڑ گئے تھے۔

"باجی بس بھی کرو ادھر محلے میں بانٹنے ہیں تاکہ تم انہیں ٹھنسوا چکی ہو۔" شاہین زبیدہ کے رویے پر حیران تھی۔

زبیدہ نے کھانا اچھی طرح کھلانے کے بعد بعد میں چائے پکوائی پھر جاتے وقت اپنی ساری سسرالی خواتین کو باندھ کر بھی دیا۔ شاہین پچھلے تین دنوں سے دیکھ رہی تھی زبیدہ کو اپنی سسرال کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ دیگوں کے پیندے سے لگے چاول بھی نکالتے دیکھ کر لپک کر اس کے قریب آئی اور ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"بھلا جن سسرالیوں نے تمہاری زندگی اجیرن کی ہے ان کی اتنی آؤ بھگت' وہ بھی فوتگی کے موقع پر' چہ معنی دارد۔"

"تم اپنے کام سے کام رکھو' جس بات کا علم نہ ہو اس پر بولنا ضروری نہیں ہے۔" درشتی سے کہہ کر زبیدہ اپنے کام سے لگ گئی جب کہ شاہین بس بہن کو دیکھ کر ہی رہ گئی تھی۔

❀......❀......❀

فوزیہ اس مرتبہ بھی عید کے تیسرے دن اپنے میکے آئی تو بھائی بھتیجیوں کے لیے بہت سے تحائف ساتھ تھے۔ بہنوں' بھائیوں اور بھابی کے لیے ایک ایک سوٹ' مجید کو اس نے اس کے گھر آ کر ایک جوڑا دیا جب کہ شاہین کے لیے کچھ بھی نہیں تھا حالانکہ وہ چھوٹے بھائی سعید کی بیوی عمرانہ اور اس کے تینوں بچوں کے لیے ہی کچھ نہ کچھ لائی تھی۔

شاہین کے الگ ہوتے ہی صغریٰ نے اپنے چھوٹے بیٹے سعید کی شادی کر دی تھی' آنے والی بہو عمرانہ نے بیٹیوں کا سا سکھ دیا تھا۔ سب سے بہترین عیدی تو بارہ سالہ بیٹی شاہانہ کے لیے تھی۔ تین عدد خوب صورت میڈ جوڑے' میچنگ چوڑیاں' جوتے' پرس اور بہت کچھ۔

"ارے بھئی اس ننھی بی کے لیے اتنا تردد کیوں' یہ کوئی خاص ہستی ہے کیا؟" مجید نے ہنس کر فوزیہ سے پوچھا۔

"ارے جو میرے شیر پتر کی دلہن بنے' اس سے بڑھ کر اور کون خاص ہو سکتا ہے۔" فوزیہ نے ہنس کر شاہانہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"کیا مطلب؟" شاہین اور مجید دونوں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"میں نے سعید سے شاہانہ کو مانگا ہے اپنے شیر زمان کے لیے اسی لیے اپنی خوشی سے اپنی بھتیجی کے لیے سامان لائی ہوں۔ یہ میٹرک کر لے پھر دھوم دھام سے شادی کروں گی۔" فوزیہ نے مسکراتے ہوئے تفصیلاً بتایا۔ شاہین اور مجید دونوں ہی خاموش تھے۔

"مگر فوزی! میری ربیعہ شاہانہ سے پورے چار سال بڑی ہے' تمہیں بڑی بھتیجی کا پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" مجید نے بہن سے شکوہ کیا۔

"تیری بات ٹھیک ہے بھائی! میرے لیے تو دونوں بھائی ایک جیسے ہیں' کیا سعید کیا مجید۔ ان کی اولادیں بھی مجھے ایک جتنی پیاری ہیں آخر میرے ماں باپ کی نسل ہے۔" فوزیہ سنجیدگی سے بولی۔

"مگر شاہانہ عمرانہ کی بیٹی ہے اور ربیعہ شاہین کی۔ بھائی تُو خود انصاف کر تیری بیوی نے میری ماں کی کون سی خدمت کی ہے جو اس کی بیٹی میرے آ کے کرے گی بلکہ یہ تو اپنی ماں کی طرح میرے بیٹے کو لے کر الگ ہو جائے گی۔ ماں باپ بیٹے اس لیے مانگتے ہیں کہ وہ بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں' یہ نہ کہ ماں باپ کو مشکل میں چھوڑ کر الگ دنیا بسالی جائے۔ آج چھوٹی بہنیں بھی اپنے گھر کی ہو گئیں' بھائی بھی کام سے لگ گئے عمرانہ نے سارا مشکل وقت ہم لوگوں کے ساتھ ہی کاٹا ہے۔" فوزیہ بغیر کسی لگی لپٹی کے صاف گوئی سے بولتی رہی۔ شاہین اور مجید دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے' وہ کچھ غلط بھی تو نہیں کہہ رہی تھی۔

"ربیعہ میری بھتیجی ہے' میرا خون ہے' اللہ اس کا نصیب بھی اچھا کرے۔"

"ہونہہ! کیا سمجھتی ہے فوزیہ' یہ اپنے بیٹے کو بیاہ دے گی تو میری ربیعہ یوں ہی بیٹھی رہ جائے گی۔" گھر آ کر شاہین زور زور سے بولتے ہوئے دل کا غبار نکالنے لگی اسے دراصل مجید کی خاموشی پریشان کیے جا رہی تھی۔ ماں کے گھر سے واپسی پر مجید کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ کھانا پینا بھی برائے نام رہ گیا تھا۔

"سسرال نے تو مجھے ٹھینگا دکھا دیا ہے' میرا میکہ تو ہے اللہ میرے میکے کو سلامت رکھے۔ باجی کا بڑا بیٹا بلال میری ربیعہ کے ساتھ کیا خوب جچے گا۔" اس اچانک آنے والے خیال نے شاہین کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ دل و دماغ ایک دم سے ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔

"میں خود باجی سے بات کروں گی' بہنوں میں کیا لحاظ وہ بھی یقیناً میری ربیعہ کو بہو بنا کر بے حد خوش رہے گی۔" وہ دل ہی دل میں ارادہ باندھ ہی رہی تھی کہ اس شام زبیدہ کا فون آ گیا۔

"معاف کرنا گڑیا! میں تمہارے گھر آ کر بلاوا نہیں دے سکتی' ہزاروں کام اور اکیلی میری جان' کل میری شمسہ کا نکاح ہے' تم سب مجید سمیت ذرا جلدی آ جانا۔" خوشی زبیدہ کے لہجے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

"اچھا باجی! خیر سے کہاں نسبت طے پائی ہے؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"ارے یہیں اپنے گھر میں' میرے جیٹھ کے بڑے بیٹے سلمان کے ساتھ' میری ایک ہی بیٹی ہے بھلا کیسے کہیں دور بھیجتی' بس تم سب اچھے سے تیار ہو کر رہنا۔" لگن سے بولتے ہوئے زبیدہ نے فون بند کر دیا۔

❀......❀......❀

بے حد تیز بھڑکیلے جوڑے' خوب میک اپ تھوپے زبیدہ خوشی سے یہاں سے وہاں پھر رہی تھی۔

"بیٹی کے فرض سے سبکدوشی کا احساس ہی انسان کو کتنا ہلکا پھلکا بنا دیتا ہے۔" اس نے رشک سے زبیدہ کو ہنستے دیکھ کر سوچا تھا۔

"کوئی مناسب موقع دیکھ کر میں بلال کے لیے بات

کرتی ہوں۔" سارے فنکشن کے دوران یہی ایک خیال شاہین کے دل و دماغ پر حاوی رہا۔

نکاح کے بعد کھانا کھول دیا گیا' کھانا کھانے کے بعد مہمان دھیرے دھیرے رخصت ہونا شروع ہوگئے۔ صرف چیدہ چیدہ قریبی عزیز ہی گھر میں رہ گئے تھے۔

"ارے زبیدہ! اپنے بیٹے کی بھی کہیں بات طے کی ہے؟" ایک خاتون نے ذرا فاصلے پر بیٹھی زبیدہ کو آواز بلند مخاطب کیا تھا۔ شاہین جی جان سے ادھر متوجہ ہوگئی۔

"ارے مجھے اتنی عقل کہاں کہ نسبتیں طے کرتی رہوں' یہ تو اماں جی کا کام ہے۔ وہی اپنے پوتے کے لیے جہاں سے چاہیں دلہن لے آئیں۔" بے حد لاڈ سے بولتے ہوئے مان بھرے انداز میں زبیدہ نے پیچھے سے آکر ساس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں تو زہراں پوپلے منہ سے مسکرائیں۔

"میرا تو ارادہ اپنی نواسی فرح کا ہے' آخر گھٹنا مڑتا ہے تو پیٹ سے ہی جا ملتا ہے۔ میرے بچوں کے سنجوگ آپس میں جڑ جائیں تو اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔" ماسی زہراں کی بات سن کے شاہین کو سخت بے چینی لاحق ہوئی تھی۔

"میری فرح کو اپنی مامی' ماموں سے بہت پیار ہے' ان شاء اللہ شادی کے بعد بھی اسی طرح ان کا خیال رکھے گی۔" فاخرہ نے ہنستے ہوئے گویا ماں کے طے کیے ہوئے رشتے کو منظوری دی۔

"ارے وہ کیوں ہمارا خیال رکھے گی' میں خود ہی اسے چارپائی پر بٹھا کر کھلاؤں گی آخر کو میری اکلوتی بہو ہوگی۔ کون سا میرے دو چار اور بیٹے ہیں۔"

شاہین نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زبیدہ کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا پھر چپکے سے بچوں کو ساتھ لے کر گھر آگئی۔ اب کس لیے ٹھہرتی' جواب تو اسے مل ہی چکا تھا۔ اپنے رشتہ داروں میں مگن زبیدہ نے بہن کی غیر حاضری کو محسوس ہی نہیں کیا۔

زندگی میں بے حد و بے حساب محبت اس نے جس رشتے سے کی تھی وہ زبیدہ باجی ہی تھیں' آخر وہ کیسے نہ کرتی ابھی دو سال ہی کی تھی کہ ماں چل بسی۔ وہی اس کو نہلاتی' دھلاتی اپنے ساتھ سلاتی۔ چوٹیاں بنا کر اسکول بھیجنا' مش... کی فراکیں سینا' سر سے جوئیں نکالنا یہ سارے کام اپنی شادی سے قبل بہت محبت سے اس کے لیے کیے وہ اس سے آٹھ سال چھوٹی تھی' بہن کی محبت اس کی ہر بات کو درست تسلیم کرتے ہوئے من و عن گویا اس کی گھٹی میں پڑا تھا بھی تو آنکھیں بند کیے ہر بات پر دل و جان سے عمل کرتی گئی نتیجتاً آج اس ندامت و خسارے کے سکوں سے بھری ہوئی تھی۔

زبیدہ کی شخصیت کے تمام رنگوں سے بخوبی آگاہ ہوتے ہوئے بھی اس نے اپنے سود و زیاں کی پروا نہ کی۔ میں عزت گھٹ گئی' شوہر کے سامنے بھی خفت اٹھانا سب سے بڑھ کر اس کی بے وقوفیوں کا خمیازہ اس کی بھگتنا پڑا جنہیں اپنی دادی' پھپھیوں اور چاچوؤں کی محبت محرومی ملی۔ اسے معلوم تھا کہ کذب بیانی' مبالغہ آرائی کا الٹا رخ دکھانے میں زبیدہ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ فطرت تھی اچھی یا بری سہی' اس نے آنکھیں بند کرکے صحیح مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی بڑی بہن سے ثبوت دیا تھا اور بس۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا پھر نمبر ملانے لگی۔

"باجی تم نے اپنے بیٹے کی نسبت طے کردی اور تک نہیں۔" اس نے گلوگیر لہجے میں شکوہ کیا۔

"میری رانی! میں نے کہاں طے کی' بلال کی دادی پھپھو نے ہی بیٹھ کر سب کچھ طے کرلیا۔ میں نے ماں سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا' یہ قدر ہے میری ان کے میں۔" زبیدہ آزردگی سے بولی تو اس نے کال کاٹ اب بھی زبیدہ کی فطرت کو نہ سمجھ پائی اسے تو اب صرف حصے میں آئے خسارے گننے تھے اشکِ ندامت تیزی اس کے رخسار کو بھگو رہے تھے۔

مجھے حکم اذان

اُم مریم

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

یہ ساری عمر کس آشفتگی میں رائیگاں کردی
اُسی کو یاد رکھا ہے جسے دل سے بھلانا تھا
وہ جب اوجھل ہوا تو ہم بھی اپنے آپ سے چونکے
اُسے آواز دینا تھی، اُسے واپس بلانا تھا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

وقاص کی آنکھوں میں انتقام کی بھڑکتی آگ دیکھ کر لاریب امامہ کے حوالے سے کافی تشویش کا شکار ہوجاتی ہے۔ پریشانی کے باعث اسے نیند نہیں آتی اور اس کی طبیعت بھی کافی ناساز ہوتی ہے جب ہی وہ ٹیبلٹ کی تلاش میں کچن میں آتی ہے۔ جہاں پہلے سے موجود سکندر چائے بنا رہا ہوتا ہے۔ وہ زبردستی اسے چائے کے ساتھ ٹیبلٹ دے کر آرام کی تلقین کرتا ہے۔ جب ہی لاریب سکندر سے ایمان کے بارے میں استفسار کرتی ہے اور اسے تلقین کرتی ہے کہ وہ ایمان کو ڈھونڈ کر اسے بتائے کہ کس طرح اس کی وجہ سے امامہ کی زندگی تباہ ہوئی۔ زینب کو نندنی کا ساحر کی بات مان لینا پسند نہیں آتا اور وہ دبے لفظوں میں اسے اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے۔ جس پر وہ زینب سے مزید بدگمان ہوجاتی ہے۔ فراز اپنی کامیابی کی خوشی میں سب گھر والوں کو ٹریٹ دیتا ہے۔ جبکہ ایمان گھر والوں کے بدلے رویے کی وجہ سے گھر پر ہی رک جاتی ہے۔ جب ہی اسے اپنے غلط فیصلے کا پچھتاوا ناگ بن کے ڈسنے لگتا ہے۔ سب کی غیر موجودگی کے باعث اسے حویلی کال کرنے کا خیال آتا ہے اس کی کال اتفاق سے سکندر ریسیو کرتا ہے جواباً وہ جو کچھ ایمان کو بتاتا ہے اس پر ریسیور اس کے ہاتھ سے جا گرتا ہے اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ فلم سائن ہونے کے بعد نندنی کا زیادہ تر وقت شوٹنگ پر گزرتا ہے وہ لوگوں کے عامیانہ رویوں کی عادی نہیں ہوتی۔ اس لیے سب سے لیے دیے انداز میں رہتی ہے۔ کیمرا مین اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جس پر وہ شدید رد عمل کا اظہار کرتی ہوئی ایک ایشو کھڑا کردیتی ہے جو کہ ساحر عباس کی آمد کے بعد ہی حل ہوتا ہے ساتھ ہی عباس اس پر اس کی حیثیت بھی کردیتا ہے کہ اس کے لیے تمام ورکرز ایک جیسے ہیں [illegible] کی بے رخی پر کٹ کے رہ جاتی ہے۔ امامہ نے بچی عمر [illegible] وقاص کے حوالے سے جو خواب دیکھا تھا وہ ایک چھناکے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ شادی کی رات ہی وہ امامہ پر اس کی حیثیت اور اپنے انتقام کی وجہ واضح کردیتا ہے جس سے ٹوٹ کر رہ جاتی ہے مگر بابا سائیں کی طبیعت کی وجہ سے خاموشی اختیار کرلیتی ہے۔ لاریب امامہ سے ملنے آتی ہے جس پر اس کی وقاص سے خاصی تلخ کلامی ہوجاتی ہے [illegible] امامہ کو ایک ڈھارس سی ملتی ہے۔ ساحر نندنی کو ایڈوائس منٹ کرتے ہوئے اس پر اس کی حیثیت مزید واضح کرتا ہے جس کا کافی اثر لیتے ہوئے وہ بیمار پڑ جاتی ہے اس کی [illegible] دن کی غیر حاضری عباس کے لیے کافی تشویش کا باعث ٹھہرتی ہے جب ہی وہ شیراز کی اطلاع پر نندنی کے گھر [illegible] ہے جس پر نندنی ایک بار پھر خوش فہمی کا شکار ہوتے ہوئے کھل اٹھتی ہے۔ دوسری جانب زینب اس کی یہ حالت [illegible] کر افسوس کرتی ہے۔ دوسری جانب عباس محبت سے عریشہ کو اپنے ساتھ شوٹنگ پر چلنے کو کہتا ہے جس پر وہ اسے سہولت سے انکار کردیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

......☆☆☆......

عباس حیدر بہت آرام دہ حالت میں نیم دراز [illegible] ناگواری سے کہتا اٹھ بیٹھا۔

"حد ہے یار تم سے بھی، کم از کم تمہیں تو یہ بات نہیں [illegible] چاہیے۔" اس کا چہرہ غصے سے دہک اٹھا۔ عریشہ پہلے حیران ہوئی پھر خفت زدہ سی ہنسی۔

"بھئی یہ کا سن انداز ہے بات کرنے کا آپ کیوں ڈیپ لی سوچتے ہیں بلکہ آپ نے ڈیپ لی سوچا ہی کیوں؟" آخر میں اس کا لہجہ تیکھا اور ترش ہونے لگا۔

"وہاں بھی لوگ ایسی ہی فضول بات کرتے ہیں۔ بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا چھوڑیں، یہ بتائیں آپ اس لڑکی کو اتنا چھپا کے کیوں رکھ رہے ہیں۔ جبکہ اخبارات اور ٹی وی چینلز پر آپ کی آنے والی مووی کا ابھی سے ڈنکا بجنا شروع ہوگیا ہے لوگ پر یقین ہیں کہ فلم سپر ہٹ ہوگی، مگر آپ نے اس لڑکی کو کسی سے متعارف نہ کراکے سسپنس پھیلایا ہوا ہے۔" عریشہ کی بات کے جواب میں عباس کے ہونٹوں کی تراش میں مبہم سی مسکان اتر آئی۔ جب بولا تو اس کا لہجہ مخصوص قسم کی بے نیازی لیے ہوئے تھا۔

"یہ تو میری پرانی عادت ہے۔ میں اس لڑکی کی رونمائی کراؤں گا بھی نہیں، جب تک یہ فلم آن ائیر نہیں ہوجاتی۔" عریشہ نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں چبھن اور شک کا عنصر تھا۔ جبھی عباس حیران ہوتا اسے تکنے لگا۔

"واٹ ہیپنڈ؟" اس کے استفسار پر عریشہ کے چہرے پر زہرخند پھیل گیا۔

"اس احتیاط کی وضاحت کرنا چاہیں گے آپ؟ یاد ہے آپ کا یہ رویہ صرف میرے لیے مخصوص تھا۔ کسی اور لڑکی کا آپ کو اس طرح اہمیت دینا مجھے اچھا نہیں لگا عباس۔" صاف گوئی اور شک کا یہ انداز عباس کا موڈ کافی آف کر گیا۔

"کم آن عریشہ، تم ایک معمولی لڑکی کو خود سے کیوں کمپیئر کررہی ہو؟" اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"آپ غور تو کریں، یہ کام میں نہیں آپ کرچکے ہیں۔ میں نے تو بس آپ کو احساس دلایا ہے اس بات کا جس کے متعلق شاید آپ کا گمان بھی نہیں تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ غیر معمولی حسن اس طرح کے کرشمے دکھا ہی دیتا ہے۔" عریشہ کا لہجہ کافی تلخ اور بے لحاظ تھا۔ عباس تو دکھ کی شدت سے چور ہونے لگا۔

"تم شک کررہی ہو مجھ پر؟" اس نے بامشکل خود کو اس سوال کے پوچھنے کے قابل بنایا تھا۔

"عباس میں جانتی ہوں، میں خوبصورت نہیں ہوں، کسی بھی لحاظ سے آپ کے قابل نہیں تھی مگر آپ نے......"

"اف عریشہ یہ کیا فضول بات شروع کرتی ہو تم۔" اس نے ناگواریت سے اسے جھڑکا مگر عریشہ کے آنسو بہتے چلے گئے۔

"آپ بھلا کیسے اندازہ کرپائیں گے میری اس مشکل کا جو آپ سے شادی کرنے کے بعد میری جان کو آ گئی ہے۔ خوبصورت لڑکی ہی خوبصورت شوہر ڈیزرو کرسکتی ہے۔ ورنہ ہر کوئی باتیں ہی بناتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے اس ان میچ کپل کے لیے کہ میں نے آپ پر کوئی جادو کردیا ہے۔" عریشہ کی بے بسی عروج پر تھی۔ وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی لوگوں کے نوکیلے تبصرے اسے اتنا ٹارچر کرتے تھے کہ اس نے عباس کے ساتھ کہیں آنا جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اس بات پر بھی شکر ادا کرتی تھی کہ دونوں بچے اس پر نہیں گئے تھے۔ عباس کی طرح ہی خوب صورت تھے۔

عباس عریشہ کو روتے پاکر سارا غصہ بھول گیا۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ اسے اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عباس کو یہ کبھی خیال ہی نہ آسکا تھا کہ عریشہ اس معمولی بات کو لے کر اس قدر ذہنی دباؤ میں بھی آسکتی ہے۔

"تمہیں ضرورت کیا ہے لوگوں کی بے تکی فضول باتوں پر کان دھرنے کی۔ بے وقوف ہو بالکل۔" عباس نے ہزار جتن کرکے اس کا دھیان بٹایا تھا اسے ساتھ لگائے تھپکتا رہا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اپنی لودیتی نظروں سے تکتے ہوئے پوری سچائی سے گویا ہوا تھا۔

"کیا تمہیں میری محبت میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوئی؟ میں تمہیں اتنا چاہتا ہوں عریشہ کہ تمہاری خاطر میں نے وہ کام بھی کیے ہیں جن کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ تم مجھے عزیز ہو جبھی میں اس کام کے نزدیک بھی نہیں جاتا جو تمہیں پسند نہیں، تمہیں لوگوں کو نہیں مجھے دیکھنا چاہیے۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے وہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ اور سنو اگر وہ لڑکی نندنی...... اس کے حوالے سے تمہیں خدشات ہیں تو انہیں جھٹک دو وہ میرے لیے ایک اداکارہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے اگر شوبز سے وابستہ لڑکی کو اپنانا ہوتا تو تم میری بیوی نہ ہوتیں۔"

"اگر میں کہوں آپ نندنی کو نظر انداز کردیں تو آپ ایسا کرلیں گے عباس؟" عریشہ کو جانے کیا سوجھی تھی کہ اس

نے یہ انوکھا اور عجیب سا سوال کر کے عباس کو پھر سے آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ عباس بری طرح چونکا' پھر گہرا سانس بھرا۔ اسے لگا تھا عریشہ کو آج بھی اس پر اعتماد نہیں اور نہ ہی اس کی محبت کا یقین ہے۔ وہ اندر سے تھک سا گیا مگر بظاہر خود کو بشاش رکھا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''ہاں کہہ دوں گا۔'' وہ سنجیدہ تھا' عریشہ اسے دیکھتی رہی' پھر روتے ہوئے ہنس دی۔

''آپ ایڈوانس پے منٹ کر چکے ہیں' اس طرح آپ کی رقم ڈوب جائے گی۔ اتنا نقصان برداشت کر لیں گے آپ۔'' عباس گہرا سانس لے کر کراہ گیا۔

''اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میرے نزدیک اپنا نقصان نہیں تمہاری خوشی' تمہارا اعتماد حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔ جب تمہارے کہنے پر میں نے شوبز کو خیرباد کہا اس وقت میرے پاس دس فلمیں تھیں جو میں سائن کر چکا تھا۔ وہ سب پے منٹ بھی میں نے واپس کی تھی۔ اور ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز کی سخت سست سنی وہ الگ' یہ بات یہاں کہنے کا مقصد تم پر احسان جتلانا نہیں ہے۔ محبت کی تجدید اور یاددہانی کا ایک انداز ہے۔ عریشہ تم جیسی کل تھیں میرے لیے ویسی آج بھی ہو اور ہو گی بھی' محبت موسم نہیں ہوتی کہ بدل جائے...... پلیز میری طرف سے شکوک کو دل میں جگہ نہ دیا کرو۔''

یہ وہ عباس حیدر تھا جو لوگوں کے لیے سنگلاخ چٹان تھا۔ بے نیاز' روکھا اور خود پسند' مگر عریشہ کے لیے اس کا ہر روپ محبت بھرا تھا۔ دل نواز اور خلوص چھلکاتا ہوا۔ وہ ان لوگوں میں سے بھی نہیں تھا جو وقتی کشش سے متاثر ہو کر ناپائیدار فیصلے کرتے ہیں۔ وہ عریشہ سے صرف متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسیر تھا اس کی اور اسیری میں نہ پھر بے زاری کا مرحلہ آتا ہے نہ رہائی کی خواہش کا کوئی در کھلتا ہے۔ اس نے اگر محبت کی تھی تو پھر اسے نبھانے کے طریقوں سے بھی آگاہی حاصل کی تھی اور عریشہ...... وہ تو جیسے یہی تجدید چاہتی تھی۔ جبھی اس کی سرشاری کا انداز بھی بہت آسودگی بھرا تھا۔ عباس اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے گیا۔ نیند میں اس نے کروٹ بدلی تھی جبھی اس کی کلائی میں موجود چوڑیاں جلترنگ بجا اٹھیں۔ عباس اپنے خیال سے چونکا۔ سانولی سلونی کلائی میں دہکتے سرخ نگینوں سے مرصع سونے کی نفیس چوڑیاں بہار دکھا رہی تھیں۔ یہ عریشہ عباس کا شوق تھا۔ اسے عریشہ کی کلائیوں میں چوڑیاں اچھی لگتی تھیں۔ ان کی کھنک اس کی روح تک میں تازگی بھر دیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ آہستگی سے جھکا اور آہستگی سے عریشہ کی پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔ پتہ نہیں اس کے خوشبودار لمس میں اتنا اثر تھا یا یونہی عریشہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عباس خفیف سا ہو کر سیدھا ہوا۔

''اوہ...... سوری یار...... میرا مقصد تمہیں ڈسٹرب بالکل نہیں تھا' سو جاؤ۔''

''جا رہے ہیں آپ؟'' عریشہ تکیے کے سہارے سے اونچا ہوئی۔

''ہاں' تم سو جاؤ' میں ملازمہ سے کہہ دوں گا تمہیں ڈسٹرب نہ کرے۔'' عریشہ اس اپنائیت کے مظاہرے پر آسودگی سے مسکرا دی۔

''آپ کی طرح آپ کی اولاد بھی بڑے دھڑلے سے یہ کام کر لیتی ہے۔ انہیں بھی کچھ سمجھا دیں۔'' عباس نے بزرگی کے مظاہرے پر خوشگواریت سے مسکرا دیا۔ پھر باری باری جھک کر دونوں بچوں کو پیار کیا۔

''سلطنت کے شہزادہ عالم اور شہزادی صاحبہ کو کچھ کہنے کی ہمیں مجال کہاں' انہیں بڑا ہو لینے دو' پھر خود اپنی والدہ محترمہ کا خیال رکھ لیں گے۔'' عباس کی آنکھوں میں مستقبل کے بے شمار سہانے خواب جھلملا رہے تھے۔

''عباس آپ نے پھر ٹرائی کیا حویلی کا نمبر؟''

عریشہ کے انداز میں بے چینی اور اضطراب اتر آیا تھا۔ عباس چپ سا ہو گیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتا صرف اس کی خاطر اس نے اپنی انا کو داؤ پر لگا کر حویلی کال کی تھی۔ لیکن اس کی قسمت تھی کہ اس کی بات ہی وقاص سے ہوئی۔ وہی روکھا اور اہانت آمیز انداز تھا اس کا بات کرنے کا۔ جیسے اس کا بھائی نہیں ہو تیسرے درجے کا غلام ہو۔ اس نے بات ہی طعنہ دینے کے انداز میں شروع کی تھی جس کا لب لباب یہ تھا کہ اسے باہر کی دنیا کے جوتے کھا کر آخر پلٹ کر آنا ہی تھا۔ اس کے بغیر اس کا گزارا ممکن ہی کہاں تھا وغیرہ۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ عزت رکھتا ہے تو پلٹ کر یہاں نہ آئے۔

عباس کا انا اور پندار بری طرح زخمی ہوا تھا کہ کیسے

سنبھل نہیں سکا تھا۔ وقاص کو اس سے محبت نہیں تھی وہ تک وہ جانتا تھا مگر وقاص کو اس سے اتنی نفرت ہو گی یہ تو کبھی وہ جان ہی نہ سکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر پلٹ کر نہ دیکھنے کا عہد خود سے کیا تھا۔ اب وہ عریشہ کی خاطر بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے خود سے فرض کر لیا کہ وقاص اس کی غیر موجودگی میں گھر کے دیگر افراد کو بھی نفرت کے اس زہر سے نیلا کر چکا ہے جو اس کے دل میں اس کے لیے تھی۔ جبھی تو بابا جان نے اسے معاف نہیں کیا تھا' جبھی تو اماں جان نے اس کی دائمی دوری اور جدائی برداشت کر لی تھی۔

''دیکھیں نا آپ کو اب شہر سے باہر جانا ہے' اتنے لمبے عرصے کے لیے پیچھے میں اکیلی' نوکروں پر اتنا اندھا بھروسہ آپ کو ہو گا' مجھے نہیں ہے۔ سچی بات ہے مجھے آپ کے بغیر بہت ڈر لگتا ہے' اگر ہماری صلح ہو جاتی ہے آپ کے والدین سے تو میں آرام سے حویلی میں رہ لیا کروں گی' آپ کے اپنوں میں' نہ کوئی فکر نہ پریشانی۔ آپ بھی اطمینان سے اپنا کام کر سکیں گے۔'' عریشہ نے بہت سکون سے بات کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ عباس اس کی بات ماننے پر آمادہ ہو جائے۔ وہ جانتی تھی عباس بہت انا پرست ہے۔ اس کی خاطر پیسے اور شوق کی بڑی بڑی قربانیاں دینے والا عباس اپنی انا کو چاہنے کے باوجود سرنگوں نہیں کر رہا تھا۔ عباس اب بھی خاموش تھا۔ عریشہ جھنجلانے لگی۔

''آپ بولتے کیوں نہیں؟'' اس نے چڑ کر کہا۔

''تم اپنی امی اور بہن کو بلوا لینا۔'' عباس بولا بھی تو کچھ ایسا کہ عریشہ کا اپنا سر پیٹنے کو دل چاہا۔

''امی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ میرے پاس آ کر رہیں۔'' عباس نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

''تو پھر تم ساتھ چلو میرے' بے فکر رہو تمہیں وہاں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔''

''آئی ایم سوری' میرا خوار ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔ کوئی تک نہیں بنتی اس کی کہ میں خانہ بدوشوں کی طرح یہاں وہاں ڈیرے ڈالتی پھروں۔'' من پسند جواب نہ سن کر عریشہ کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اسے اپنے جذبات پر ہرگز اتنا کنٹرول نہیں تھا کہ کسی ناگواری کو دبا جائے۔

''پھر اس کا حل کیا ہے؟ مجھے تم بتاؤ۔'' عباس نے راہ نکالی۔ عریشہ کا ہر معاملے میں اپنی مرضی مسلط کرنا اور اس کے مسائل کو نہ سمجھنا اسے ہرٹ کر گیا تھا۔

''شاباش ہے آپ پر' اس بے نیازی پر کون نہ قربان ہو گا' ارے بابا بتایا تو ہے حل' مگر آپ کو میری بات سے زیادہ اپنی انا کی پروا ہے۔'' عریشہ چیخ پڑی تھی۔ عباس ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے عریشہ! ابھی میں لیٹ ہو رہا ہوں' ٹیک کیئر۔'' وہ اس کا گال سہلاتا پلٹ کر نکل گیا۔ عریشہ کا چہرہ ضبط کی شدت سے دہک کر انگارہ ہونے لگا۔ اشتعال کو دبائے بغیر اس نے بے حد قیمتی کرسٹل واز اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ ایک مہین سا چھناکا ہوا اور کرچیاں ہر سو بکھر گئیں۔ دیا نیند میں کسمسائی تھی پھر ہاتھ پیر چلاتے ہوئے اس نے رونا شروع کر دیا۔ عریشہ جھلتی نظروں سے بلکتی بچی دیکھتی رہی۔

(روئے جاؤ' میں نے بھی ٹھیکا نہیں لے رکھا تمہاری خدمت گزاری کا' اسی بے حس انسان کی اولاد ہو تم بھی جو پتھر سے بنا ہوا ہے' جس نے مجھے جلانے کلسانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اونہہ محبت...... صرف محبت سے پیٹ نہیں بھرتا' مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔ اور اس جاگیردار باحیثیت مضبوط اعلیٰ فیملی میں اپنی حیثیت منوانا اپنا حق وصول کرنا اپنی وراثت پانا ہے اس پر کوئی کمپرومائز نہیں۔)

بچی کا بلکنا شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور عریشہ کی بے حسی اور رعونت بھی۔ اس وقت وہ ایک ماں نہیں تھی' صرف مفاد پرست عورت تھی' جس کے نزدیک اپنی زندگی کی طے کردہ ترجیحات سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔ اپنی اولاد بھی نہیں۔ اسے یہ سفاکیت اور خود غرضی اپنی ماں سے ملی تھی' بلاشبہ وہ بے حد مفاد پرست ماں کی لالچی بیٹی تھی۔

***

اس نے گہرا سانس بھرا اور کھڑکی کے شیشے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ سب کچھ بدل گیا تھا' وہ کھیت وہ باغات جہاں وہ سنگترے توڑنے جایا کرتی تھی اب کہیں نہ تھے' نہ یہاں سے کھڑے ہونے پر دربار کا وہ سفید گنبد نظر آتا تھا' نہ ہی بے تحاشا درختوں میں چھپا شہر خموشاں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا' جب عباس حیدر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جا رہا تھا' اس روز بڑی حویلی میں بہت گہما گہمی تھی۔ تایا سائیں نے دور و نزدیک کے سارے رشتہ داروں کی دعوت کی تھی۔ ایک

طرح سے عباس کو انسی خوشی رخصت کرنے اور دعاؤں سے نوازنے کا ایک انداز تھا۔ تب ہی لاریب نے اڑتی اڑتی یہ خبر بھی سنی تھی کہ تایا سائیں کی خواہش عباس کا نکاح کر کے بھیجنے کی تھی ہر باپ کی طرح وہ بھی بیٹے کو پابند کرنا چاہتے تھے کہ وہ وہاں کوئی غلط انتخاب نہ کر بیٹھے۔ یہ بات اسے وقت پہ چلی تھی جب مہرو آپا بڑی رازداری سے ایمان کو بتا رہی تھیں' کہ تم دعا کرو' ایسا ہو جائے' عباس آمادہ نہیں ہے نا۔" اور چودہ سالہ لاریب کا دل دھک سا رہ گیا تھا۔

عباس کی لاتعلقی' بے اعتنائی کے بعد یہ بہت بڑا رنج اور بےکلی سے دوچار کر دینے والا انکشاف تھا۔ وہ کچی کلی تھی' نوخیز تھی' پہلی محبت کا تازہ احساس' گویا وہ من پسند کھلونا تھا جس کے دسترس میں آنے سے قبل ہی دور ہونے کا امکان بھی پیدا ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی ایسی کون سی جادو کی چھڑی گھمائے کہ سب کچھ حسب منشا ہو جائے' یہی شدید خواہش اسے اس دربار تک لے آئی تھی۔

مگر واپسی پر اس کا سامنا بالکل غیر متوقع طور پر عباس حیدر سے ہو گیا تھا۔ وہ عباس کو دیکھ کر گنگ ہونے لگی تھی۔ نوجوانی کے جوبن کا سنہرا پن لیے حسن اور سحر انگیز سراپا ٹھٹکا دینے کی حد تک شاندار تھا۔ اس پر گریش بلیک سوٹ' میچنگ ٹائی' بے حد قیمتی رسٹ واچ' اس کا معیار' اس کا انداز سرتاپا شاہانہ تھا۔ وہ واقعی کسی ریاست کا شہزادہ لگتا تھا۔ لاریب کے اندر اس کی ملکیت کا احساس فخر بھرتا چلا گیا۔

"تم...... کیا کر رہی ہو یہاں پر......؟" عباس کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بے حد خفا ہوا۔ اس کا لہجہ سرد تھا۔

"ہم...... میں یہاں دیا جلانے آئی تھی۔ منت مانگنے......" اس کی دراز ریشمی پلکیں جھک گئی تھیں اور ان میں لرزش اتر آئی تھی۔

"واٹ...... ربش' یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھ لیں؟ یو نو واٹ' خواتین کا مزاروں پر آنا منع ہے' گھر چلو' اور آئندہ مجھے کبھی یہاں نظر نہ آنا۔" اس نے لاریب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔ یہ جانے اور سوچے بغیر کہ وہ کیا منت مانگنے آئی ہے' اس بات پر بھی دھیان دیئے بغیر کہ اس کے لمس نے لاریب کے پورے بدن میں جیسے بجلیاں کوندی تھیں۔ وہ اتنی کنفیوز تھی کہ ہزار کوشش کے باوجود اس پر اپنے دل کا حال بیان نہ کر سکی' کہ وہ اس کو پانے کی خواہش میں وہاں آئی ہے۔

"کاش...... اے کاش میں نے اس وقت تمہیں ... ہوتا عباس! شاید تم مجھ پر رحم کھا لیتے' تو میں آج اتنی دکھی اور ادھوری نہ ہوتی' تمہاری ہمدردی میں دی گئی ... مجھے کسی تمغے کسی اعزاز سے کم نہیں لگ سکتی تھی۔" گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا اور اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکلی۔ سکندر نے اسے چونک کر دیکھا لاریب کا سارا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ اسے جب واپس لینے آیا تو سب سے ... خوشی اسے دیکھ کر اماں ہی ہوئی تھی۔

"شام ڈھل رہی تھی سکندر بھائی! حویلی پہنچتے پہنچتے ... ہو جاتی' مجھے ان کی فکر رہتی تھی' آپ نے بہت اچھا ... لینے آ گئے۔"

"مجھے بابا سائیں نے بھیجا ہے۔" سکندر نے لاریب کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی' جو اسے ... نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اتنی فرمانبرداری اور سعادت مندی نہ شو کیا کرو میرے سامنے سمجھے۔ تمہاری اچھائی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" گاڑی میں بیٹھنے کے بعد زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے لاریب نے اپنی برہمی ظاہر کی تھی۔

"شو کرنے کی ضرورت نہیں ہے' مجھ میں الحمدللہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔" اس نے مسکراہٹ دبائی تو لاریب کی جان جل کر خاک ہونے لگی۔

"اچھا! مثلاً کیا کچھ کر سکتے ہو تم بابا جان کے کہنے پر؟" سکندر نے احتیاط سے موڑ کاٹا پھر اس کے چہرے کو نظروں سے دیکھا تھا اور اسی سکون سے گویا ہوا۔

"سب کچھ' جو بھی وہ مجھے حکم دیں' آپ کو اتنا بھی شک نہیں کرنا چاہیے میرے خلوص پر۔" جواباً اس کا انداز بھی جلاتا ہوا تھا۔ لاریب واقعی جھلس کر رہ گئی۔

"گڈ...... تو تم سب کچھ کر سکتے ہو بابا جان کے کہنے پر؟" لاریب نے رخ اس کی جانب پھیر کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے گویا اسے آزمائش میں مبتلا کیا۔

"آزمائش شرط ہے۔"

"اب اگر کسی غیرت مند باپ کی اولاد ہو گے تو ... گے نہیں اس بات سے' بتاؤ مجھے بابا جان کے کہنے پر طلاق دے دو گے؟" اس نے بہت سکون آمیز انداز میں زہر بجھے تیر سکندر کے وجود میں پیوست کر دیئے تھے۔ سکندر کا صرف چہرہ متغیر نہیں ہوا' وجود کسی شدید دھچکے کی زد میں آ گیا تھا۔ اس نے خشک ہوتے ہونٹوں کو تر کر کے کچھ کہنا چاہا مگر اسے بے حد کٹیلی نظروں سے تکتی لاریب نے قطعی انداز میں ہاتھ کھڑا کر کے اسے ٹوک ڈالا۔

"اونہہ...... مکرنا نہیں' تم عہد کر چکے ہو سکندر' کچھ اپنی مردانگی کا ہی خیال کر لو۔"

تضحیک آمیز لہجہ صرف طنزیہ نہیں تھا' سرد پن اور نوکیلی کاٹ بھی لیے ہوئے تھا۔ سکندر کے چہرے پر آن واحد میں کتنے رنگ آ کر گزر گئے۔ گاڑی اس نے روک دی تھی۔ یہ نہر کا پل تھا' آہنی ہیوی گرل کے پار پل کے نیچے نہر کا گدلا پانی بہت روانی اور جوش سے بہتا دکھائی دے رہا تھا' سطح آب پر نہر کنارے لگے درختوں کا سبز عکس ڈولتا تھا۔

"بابا سائیں اس حقیقت سے لاعلم ہیں' جب وہ کچھ جانتے نہیں تو......"

"اس بات کو چھوڑ دو سکندر' یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے سمجھے؟" لاریب نے اسے جھڑک کر رکھ دیا۔ عجیب مشکل میں سکندر کی جان آ پڑی تھی۔ لاریب اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ بابا سائیں کے سامنے یہ حقیقت بیان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں تو پھر مجھے بھی ان کے حکم پر سر جھکانا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ آپ نے زبردستی مجھے اپنے سر کا تاج بنایا تھا۔ اس میں جتنا بھی ناگواری و مجبوری کا عنصر ہوگا آپ کی طرف سے' میں اس سے غرض نہیں رکھتا تھا۔ حیثیت بدلی تھی تو تقاضے فطرت کے عین مطابق تھے مگر بابا سائیں کی حیثیت میرے لیے آج بھی مالک و حکمران کی سی ہے۔ میں اسی باعث ان کا کہا نہیں ٹال سکوں گا' چاہے مجھے اپنے جذبات اپنے دل اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی کیوں نہ ہارنی پڑے۔" سکندر نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد یوں آنکھیں بند کر لیں' جیسے بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا ہو خود کو۔ جبکہ اس کے برعکس لاریب کے اندر شام غریباں اتر آئی تھی۔ بے مائیگی اور بےکلی کا احساس اتنا شدید تھا کہ اسے اپنے وجود میں زہر دوڑتا محسوس ہونے لگا تھا۔ یعنی وہ اتنی اہم اتنی خاص تھی ہی نہیں کہ کوئی اس کی خاطر بغاوت یا سرکشی پر اتر آتا۔ عباس حیدر کے بعد وہ سکندر جیسے بے حد عام سے مرد کے لیے بھی اتنی ہی بے حیثیت بے مایا تھی کہ وہ اسے کسی بھی احساس زیاں کے بغیر آسانی سے چھوڑ سکتا تھا۔ یعنی حد تھی ذلت و تذلیل کی۔ اس کا روم روم جل اٹھا تھا۔

......

اگلے کچھ دنوں میں اس کا عباس حیدر کے ہمراہ شوٹنگ پر جانے کا پروگرام تقریباً کنفرم ہو چکا تھا۔ عباس ان سب کو اپنی تیاری مکمل رکھنے کا کہہ چکا تھا۔ تبدیلی اسی سلسلے میں شاپنگ کے لیے معروف مارکیٹ آئی تھی۔ خریداری کے دوران وقت گزرنے کا اسے احساس ہی نہ ہوا۔ جب مارکیٹ سے باہر آئی تو تیزی سے پھیلتی شام کی سیاہی اور تیز چلتی ہوائیں بارش کی آمد کی خبر دے رہی تھیں۔ ابھی اس نے چند قدم کا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ٹپ ٹپ برستی بوندوں نے اسے کچھ اور بھی پریشان کر ڈالا۔ ماحول میں بھیگی مٹی کی سوندھی مہک اور گھنگھروؤں کی طرح بجتی ہوائیں' اس بے موسم کی دلفریبی و دلکشی بڑھا رہی تھیں۔ ایک تواتر سے گرتی پھوار گویا سماں باندھ رہی تھی۔ خوبصورتی کا' رعنائی کا' اس نے بالوں سے شفاف بوندوں کو جھٹکا اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنا چاہا مگر بوندوں کے تسلسل نے اس کوشش کو ناکامی سے دوچار کر ڈالا۔ بھاگ کر کسی سایہ دار جگہ پر پناہ لیتے بھی وہ اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ پریشانی کا باعث صرف یہی نہیں تھی بلکہ اس پل ایک اور افتاد بھی آن پڑی۔ تیز رفتار بائیک پر سوار موسم کا لطف اٹھاتے من چلے نوجوان لڑکوں کو اس خراب موسم میں تنہا لڑکی مفت کی تفریح اور مال غنیمت محسوس ہوئی تو اس کی جانب لپک آئے۔

"ہائے...... بیوٹی کوئین...... آ جاؤ...... اگر لفٹ چاہیے۔"

بائیک کو اس کے گرد بڑے خوفناک انداز میں گھما کر چکر کاٹتے ہوئے ان میں سے ایک نے ہانک لگائی۔ تبدیلی کا دل اڈ کر حلق میں آ گیا۔ اگر وہ بروقت اچھل کر فاصلے پر نہ ہو گئی ہوتی تو بائیک سے ٹکرانے کے باعث اوندھے منہ پڑی ہوتی۔ بچت تو اب بھی نہیں ہوئی تھی۔ توازن برقرار نہ رہنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز چھوٹے تھے جنہیں اٹھانے کو جھکی تو گلے میں لپٹا اسٹائلش سا مختصر اسکارف بھی پھسل کر بارش کے پانی میں گر کر اپنی اہمیت ہی

گنوا بیٹھا۔ ان آوارہ لڑکوں کے قہقہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ نندنی شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ بے بسی اور بیکسی کا احساس اسے ادھیڑ ڈالنے کو کافی تھا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی اس صورتحال سے کیسے نپٹے۔

"اوئے کھڑے منہ کیا دیکھتے ہو پکڑوا سے۔"

ان میں سے ایک نے باقی ساتھیوں کو مکروہ اشارہ کیا' جو نندنی کی گھبراہٹ کو دوآتشہ کر گیا۔ انہیں اپنی جانب لپکتے دیکھ کر وہ پدک کر فاصلے پر ہوئی اور اس سے قبل کہ کوئی دفاعی انداز اپناتی سیاہ مرسڈیز کے ٹائر ان سے کچھ فاصلے پر بہت زور سے چرچرائے۔ پھر کوئی عجلت بھرے انداز میں نکل کر قہر آلود انداز میں اس کی جانب لپکا۔ لڑکے بروقت ہوش میں آئے اور اگلے لمحے بائیک لے اڑے۔ نندنی نے آنسوؤں سے جل تھل پلکیں اٹھائیں تو عباس حیدر کو روبرو پاکے جیسے زمین میں گڑھ گئی تھی۔

"چلنے کا ارادہ ہے یا پھر آپ کسی مزید ایسے فلمی سین کے کری ایٹ ہونے کی منتظر ہیں؟" عباس کا موڈ بے حد خراب تھا۔ چہرے و آنکھوں کا استہزائیہ تاثر آگ بن کر نندنی کے جسم و جاں کو جلا کر خاکستر کرنے لگا۔ اس حد تک ذلت کا تو اس کے پاس تصور بھی نہیں تھا۔ عباس کے ہمراہ وہ گاڑی میں آبیٹھی تب بھی عباس کے چہرے پر شدید قسم کی ناپسندیدگی و ناگواری تھی' جبکہ اس کے برعکس نندنی کی خوشنما آنکھیں باہر موسم کی طرح تسلسل سے برس رہی تھیں۔ عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی۔ ڈل گولڈن نازک کڑھائی سے سجا ٹاپ اور نیوی بلیو بے حد اسٹائلش اسکرٹ میں ملبوس وہ بے حد نازک مگر چاندنی سا روپ لیے لڑکی اپنے اندر کچھ ایسا طلسمی تاثر دلکشی اور سحر انگیزی رکھتی تھی کہ عباس حیدر کا شدید ترین اشتعال بھی دھیرے دھیرے اپنا اثر کھو رہا۔

"آخر ضرورت کیا تھی' آپ کو اس طرح گھر سے اکیلے باہر آنے کی؟" اس نے ٹیشو نندی کی جانب بڑھایا نندنی نے جھکی آنکھوں سے اس کے بڑھائے سفید مہکتے ٹشو کو دیکھا اور بہت آہستگی سے تھام لیا۔

"سوری...... میں آئندہ احتیاط کروں گی۔" بغیر کسی ہچکچاہٹ کے غلطی کا اعتراف اور معذرت' یہ فرمانبرداری کا بے مثال اور اعلیٰ ترین مظاہرہ تھا۔ جبھی عباس نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ اسی کی جانب ملتجی نظروں سے تکتی نندنی کی اس سحر انگیزی دلکشی و رعنائی کو کچھ اور بھی ابھار کر گیا تھا۔ سرخی مائل گلابی ہونٹ' جگنوؤں کی مانند چمکیلی روشن آنکھیں' بلاشبہ وہ چلتی پھرتی قیامت تھی۔ عباس کی نظر کا اٹھنا پھر ٹھہر جانا نندنی نے محسوس کیا تو اس کا چہرہ گلابی ہو کر دہکنے لگا۔ عباس احساس ہوتے ہی چونکا' اپنی نگاہ کا زاویہ بدلا' کچھ دیر بعد وہ بولا تو لہجہ کافی سرد تھا۔

"دیکھیے محترمہ! آپ اپنا اچھا برا خود بہتر سمجھتی ہیں' آپ کی جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی جسے میں جانتا بھی نہ ہوتا تو اس کی مدد کرنا بھی میرا اخلاقی فرض تھا بلکہ سچ پوچھیں تو جب ان فضول لڑکوں کے نرغے میں آپ کو پایا تو میں ہرگز نہیں جانتا تھا کہ میری آپ سے ملاقات ہونے والی ہے۔" عباس کا ہرگز ارادہ نہیں تھا اسے یہ بات جتلانے کا مگر اب مقصد اس پر اس کی حیثیت واضح کرنا تھا کہ وہ اپنی نظروں کی بے اختیاری اور اس بے اختیاری کے جواب میں نندنی کی کیفیت کو نوٹ کر کے عجیب سی خجالت محسوس کر رہا تھا۔

نندنی کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔ اس نے بے اختیار لرزتی نم پلکیں اٹھا کر عباس کا بے حد پرکشش اور وجیہہ چہرہ دیکھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس' دراز قامت بے حد شاندار نظر آتا عباس اسے اس سے بھی زیادہ برے طریقے سے جھڑکتا تو بھی اس کا دل برا ماننے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اتنا ہی مجبور تھا اس کی محبت میں۔ یہی عشق ہے یعنی اپنی مرضی' اپنی سوچ' حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی دستبرداری' انا کو رخصت کرنے کا وقت یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ خود کو نظر انداز کرنے کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔

گاڑی رکی تو وہ ہوش کی دنیا میں لوٹی اور اتنی خائف ہوئی کہ اسے دیکھنے کی بجائے کھڑکی سے باہر دیکھا اور اگلے لمحے آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئی تھیں۔ عباس اسے زینب کے گھر نہیں لایا تھا بلکہ اس کی گاڑی اپنی عظیم الشان رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔ نندنی نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ ہارن پر ہاتھ رکھے وہ گیٹ کھلنے کا منتظر تھا نندنی کی پریشانی گھبراہٹ سے اسے قطعی کوئی سروکار نہیں تھا۔

"یہ...... یہ میرا گھر نہیں ہے۔" گیٹ کھل گیا' عباس گاڑی بڑھا کر پورٹیکو میں لایا۔ نندنی کی بے قراری کچھ اور

بڑھی جب عباس نے گاڑی کا دروازہ ان لاکڈ کرنے اور پھر سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے بہت سکون آمیز انداز میں اسے دیکھا پھر اسی رسان سے مخاطب کیا جس کا مظاہرہ وہ اس وقت ہر انداز سے کر رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں مس نندنی کہ آپ اپنی دوست کے پاس قیام پذیر ہیں۔ جس قسم کی آپ جذباتی کیفیت میں تھیں مجھے نہیں لگتا تھا آپ خود کو اتنی جلدی نارمل کر پاتیں۔ مجھے مناسب محسوس نہیں ہوا کہ آپ کی دوست آپ کے متعلق کچھ غلط اندازہ قائم کر لیں۔ یہاں لانے کی وجہ یہی ہے' کچھ دیر رکیں' چائے پی لیں' نارمل ہو جائیں گی تو میں آپ کو چھوڑ آؤں گا اگر آپ کو مجھ پر اعتماد ہو تو۔" اتنی طویل وضاحت' اس قدر اپنائیت آمیز انداز' یہ کیئرنگ اسٹائل' کیا وہ واقعی اسے اتنی اہمیت دے چکا تھا کہ اس کی دل جوئی یا پھر عزت نفس کی حفاظت کی خاطر اتنا حساس ہو کر سوچے؟ اسے یقین نہیں آسکا اور جب یقین آیا تو اس کی آنکھوں میں تحیر کی جگہ آہستہ آہستہ مسرت کے جگنو اترنے لگے۔

"مائی پلیژر......!" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی' عباس نے کچھ حیران نظروں سے اس عجیب لڑکی کو دیکھا' جس نے آج اسے نہ صرف حیران کیا تھا بلکہ بہت زیادہ الجھا بھی دیا تھا۔ جب وہ اسے ملی تھی تو بے حد کنفیوژ تھی۔ پھر اس کے بعد بتدریج گھبراہٹ و وحشت کا احساس' اس پر بغیر کسی وجہ کے رونا' اور اس کے بعد کسی اہم بات کے بغیر گلاب کی مانند کھل اٹھنا' وہ بلاشبہ بہترین اداکارہ لگی تھی اسے۔ کم از کم وہ تو یہی سوچ پایا تھا۔ اپنے ہمراہ گاڑی سے نکل کر اندرونی حصے کی جانب بڑھتی نندنی کو اس نے پھر ترچھی نظروں سے دیکھا' جس کے چہرے پر خوشی کا تاثر چاندنی بن کر پھیلا ہوا تھا۔

"حاجراں انہیں گیسٹ روم میں لے جائیں۔ اس کے بعد انہیں عریشہ کا کوئی لباس پہننے کو دے دیجیے گا' بارش کی وجہ سے ان کا لباس گیلا ہو چکا ہے۔" راہداری کے موڑ پر رک کر اس نے ملازمہ کو آواز دی اور کچھ ہدایات دیں پھر پزل نظر آتی نندنی کی جانب متوجہ ہوا۔

"مس نندنی آپ ان کے ساتھ جائیں' ابھی کچھ دیر میں آپ کو اپنی وائف سے ملواتا ہوں۔" عباس کا لہجہ نارمل تھا مگر نندنی دھک سے رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں اس کی بیوی کس مزاج کی تھی اور اس سے کس انداز میں ملتی۔ عباس چلا گیا' ملازمہ منتظر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اسی پل جیسے سارا ترنگ اور خمار جاتا رہا' اس کی جگہ عجیب سا سناٹا اسے گھیرنے لگا۔ وہ گم صم کھڑی رہ گئی۔ جانتی بھی تھی' وہ شادی شدہ ہے پھر بھی اب اس لمحے یہ بات یہ سوچ گویا کند چھری تھی جو بے حد بے دردی سے اسے ذبح کرنے میں مشغول تھی۔

"چلئے بی بی جی۔" ملازمہ جو اس کے تباہ کن سراپے کی حشر سامانیوں کے آگے مبہوت کھڑی تھی' سنبھل کر بولی۔ نندنی اسی پل چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی اور آہ بھر کے خود کو سنبھالا۔

"تھینکس...... بٹ مجھے ڈریس نہیں چاہیے' صرف ایک شال لا دیں' کپڑے ٹھیک ہیں میرے۔" عریشہ کا حوالہ ہی اسے رقابت کے جاں گسل احساس سے دوچار کر گیا تھا۔

عباس بیڈ روم میں آیا تو عریشہ گیلے بال پشت پر بکھرائے ایزی چیئر پر جھولتی کسی میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ' ہاؤ آر یو؟" عباس نے نزدیک آ کر اس کا ماتھا چوما۔ عریشہ مسکرائی اور میگزین بند کر کے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"بہت دیر کر دی آج آپ نے۔"

"ہوں' وہ ایک پرابلم کری ایٹ ہو گئی تھی۔" عباس نے کچھ بے زاری سے کہتے کوٹ اتارا تو عریشہ پوری طرح اس کی طرف ایسے متوجہ ہوئی جیسے تفصیلات جاننے کی متمنی ہو۔ عباس جھک کر بچوں کو پیار کر رہا تھا' اس کی نظروں کو محسوس کر کے گہرا سانس کھینچا۔

"بتاتا ہوں یار' بلکہ ملواتا ہوں' فریش ہونے دو مجھے۔" وہ اسی بے اعتنائی سے کہتا پلٹ کر واش روم میں بند ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بلیک ٹراؤزر اور گرے آدھے بازوؤں والی شرٹ پہنے ہاتھ میں تولیہ پکڑے باہر آیا تو اس کے ماتھے پر بکھرے گیلے بالوں سے پانی کے شفاف قطرے ٹپک رہے تھے۔

"اُفوہ ابھی بتائیں نا کسے اٹھا لائے ہیں ساتھ؟ حاجراں بتا رہی ہے کوئی لڑکی ہے بہت خوبصورت سی آپ نے اسے میرے کپڑے پہننے کو کیوں کہا؟ ابھی شال لے

کرگئی ہے وہ۔" عریشہ کے لہجے میں از حد ناگواری و سرد مہری کا عنصر تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ خدشات شک اور ہراس بھی خصوصی طور پر محسوس ہوتا تھا۔ جبھی عباس نے آگے بڑھ کر بے اختیار انہیں شگفتگی آمیز انداز میں تھام کر اپنے کسرتی مضبوط بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا۔

"کیا تم اس وجہ سے پریشان ہو کہ وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے؟" عباس نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا تو عریشہ جھلاہٹ میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"مجھے کیوں پریشانی ہوگی بھئی! میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ صرف میرے ہیں مجھے کسی کی خوبصورتی سے کیا لینا دینا؟" اور عباس حیدر جو اس کے اعتماد کی یہی بلندی دیکھنے کا خواہاں تھا سرشاری کی کیفیت میں ہنستا چلا گیا پھر اسی خوبصورت ہنسی کے دوران اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

"میں تم سے یہی بات سننے کی خواہش میں اسے یہاں لایا ہوں۔" اس کے انداز میں بے پناہ شرارت غالب تھی۔ عریشہ اسے بے دریغ گھورنے لگی۔

"ہے کون وہ؟"

"نندنی گریوال تم ملنا چاہتی تھیں نا اس سے میں نے کنیز کو ملکہ عالیہ کے دربار میں پیش کردیا ہے۔" عباس کا لہجہ ہنوز شرارتی اور شوخ تھا اس نے بالوں میں برش چلایا پھر اسے بازو کے حلقے میں لیے ڈرائنگ روم کی جانب آ گیا۔ جہاں مضطرب و بے چین نندنی اس کی منتظر تھی۔ اس نے عباس کے ہمراہ چلتی اس عورت کو دیکھا اس کی قربت کو محسوس کیا اور ان کے بیچ رشتے کے متعلق آگاہی کو پا کر اس کے چہرے پر سرسوں کا رنگ پھیلتا چلا گیا۔

عباس عریشہ کا تعارف کرا رہا تھا اور نندنی کی سانسیں ہر لحظہ بے ہنگم ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے عریشہ کو دیکھ رہی تھی جس کی شکل جتنی بھی عام تھی مگر اس کا نصیب سب سے زیادہ چمکدار روشنائی سے لکھا گیا تھا۔ اسے لگا اس کے اندر بھڑک اٹھنے والی آگ نے کمرے کی ہر شے کو بھی اس کے ساتھ بھسم کرنا شروع کردیا ہو۔ اس نے نظریں جھکالیں اور اپنے آنسوؤں کو چھپانا چاہا۔

"اور عریشہ یہ......"

"میں جانتی ہوں یہ نندنی ہے مگر سچ یہ ہے کہ نندنی کی بجائے جلاوطن شہزادی لگتی ہے۔ ویسا ہی حسن و جمال ویسی ہی تمکنت اور دلکشی۔" عریشہ کھلکھلائی تھی۔ اس نے اعتماد سے عباس کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ ایسے گناہ کی مرتکب ہوئی تھی جو نندنی کے نزدیک سراسر گستاخی کے زمرے میں آتا تھا۔

"بلاشبہ جیسا سنا اس سے کہیں بڑھ کر پایا آپ کو۔" عریشہ نے اس کا رخسار چھو کر کتنی خوشی کتنے جوش سے کہا تھا۔ نندنی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا اور ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں اس کے ہونٹ خوش بختی کی انتہا نہیں تھی ان کے نزدیک عریشہ کے خدوخال میں اس کے لیے وہ نصیب کی ملکہ تھی۔ اسے وہ ملا تھا جس کی چاہ اور تڑپ رکھنے کے باوجود وہ تہی داماں تھی۔ اسے حیرت انگیز طور پر عریشہ سے حسد اور جلن محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس پر بے حساب رشک آیا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور چہرا حسین ہوسکتا تھا جسے عباس نے پیار سے دیکھا تھا۔ جسے عباس نے اپنی مہر محبت سے نوازا تھا۔

"پتہ نہیں ویسے سنا ہے حسن تو دیکھنے والے کی نگاہ میں ہوتا ہے اور میری نظر میں حسین ترین چہرہ اس دنیا میں صرف ایک ہے تمہارا چہرہ۔" عباس کی آنکھیں عریشہ کو تکنے دینے لگیں۔ اس نے اس پل جیسے نندنی کی موجودگی کو فراموش کردیا تھا۔

نندنی نے دیکھا عباس کی آنکھوں میں سچائی تھی۔ زندگی کی سب سے بڑی سچائی یعنی محبت...... عریشہ اس تعریف پر بے ساختگی کے اس مظاہرے پر نوخیز لڑکی کی مانند شرمائی اور عباس اسے وارفتہ نظروں سے تکنے لگا تھا۔ نندنی کو لگا کسی نے اس کے وجود میں زہر سے بجھی سوئیاں گاڑھ دی ہوں۔ یہ سب ناقابل برداشت تھا جبھی وہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہوگئی عریشہ نے بوکھلا کر اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔

"ارے...... کہاں جا رہی ہو پیاری لڑکی بیٹھو نا ابھی چائے بھی نہیں پی تم نے۔" نندنی نے ہونٹ سختی سے بھینچے آنسوؤں کا گولہ حلق سے نیچے اتارا اور متغیر چہرے کو جھکا لیا۔

"آئی ایم سوری! میں مزید نہیں رک سکتی۔ ممی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" اس نے جان چھڑانے کو

گھڑا اور آگے کی سمت قدم بڑھا دیئے۔ عریشہ نے کاندھے جھٹکے تھے۔

"رکیں نندی صاحبہ! میں ڈراپ کردیتا ہوں آپ کو۔" عباس کی مداخلت پر وہ رکی ضرور مگر پلٹ کر اسے نہیں دیکھا بلکہ مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"نو تھینکس آپ کو زحمت ہوگی میں چلی جاؤں گی۔" نندنی کی آواز میں نمی کا احساس گہرا ہوتا جا رہا تھا بلاشبہ یہ سب کچھ اس کی ہمت اور حوصلے سے بہت زیادہ تھا۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ پھر سے اسی سچویشن کا شکار ہوں تو چلی جائیے۔ مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہوگا۔" نندنی کو قدم بڑھاتے پا کر وہ جس طرح بھڑک کر بولا تھا اس انداز نے نندنی کے تو حواس سلب کیے ہی تھے عریشہ بھی اچھا خاصا چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔ اس کی نظریں کھوجتی ہوئی اور آنچ زدہ تھیں۔

"کیا ہوا ہے اس سے قبل؟" اس کا لہجہ کھوجتا ہوا تھا مگر غصے میں مبتلا عباس محسوس نہیں کر پایا۔

"کیا ہوسکتا ہے اکیلی لڑکی خراب موسم اور ایسے مواقع کے متلاشی آوارہ مزاج لوگ۔" عباس کا لہجہ زہر خند تھا نندنی پتھرائی ہوئی سی کیفیت میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔

"آئی ایم سوری! میرا مطلب تھا کہ آپ کو زحمت......"

"اس وقت مجھے زحمت نہیں ہوئی جب میں آپ کو اس کریٹیکل سچویشن سے نکال کر لایا تھا؟" اس کی معذرت نے عباس کے موڈ کو کچھ اور بھی شدید کردیا تھا۔ نندنی لاجواب خائف اور سراسیمہ ہوگئی۔

"اچھا چھوڑیں کیوں فضول میں اہمیت دے رہے ہیں۔" عریشہ نے تنگی سے کہا اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔ عباس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر قدم آگے بڑھا دیئے۔ نندنی کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی تقلید کرتی۔ مگر اس طرح کہ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ اس شخص کی امیدوں پر پوری نہیں اتر پائی تھی۔ اس کے لیے یہ احساس بھی کسی شدید اضطراب کا باعث تھا۔

......❀......

سورج ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا نہ ہی آسمان پر اڑتے پرندوں کے پروں پر تھکن وارد ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ یہ تھکن صرف وجود کی تھکن نہیں ذہنی اعصابی بھی تھی۔ ہر لحاظ سے ہی ہار گئی تھی وہ اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ اس نے کروٹ بدلی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ دیں تو نظر گود میں دھرے البم پر پھر سے آ ٹھہری ایک چھوٹی بچی خوبصورت فراک میں ملبوس کلر فل بال کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

یہ امامہ تھی اس نے اگلی تصویر پر نگاہ کی جہاں چھ سالہ لاریب لہنگا سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان نظر آتی تھی۔ معصوم اور بے حد پیارے چہرے پر بسورتا ہوا تاثر تھا۔ ایمان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں تو یہ عکس دھندلا سا گیا۔

اس نے ہچکی لی اور البم دیکھتے ہوئے آنکھوں کو آستین سے رگڑا۔ اب جو تصویر سامنے تھی اس میں امامہ تتلیاں پکڑ رہی تھیں۔ اس کی انگلی کی نرم پوروں پر تتلی کے رنگ اتر آئے تھے۔ وہ کتنی معصوم حیرت آنکھوں میں لیے اڑتی ہوئی تتلی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی ہوگئی تھی مگر ان آنکھوں کی معصومیت بھری حیرت ہنوز قائم تھی۔ ایمان بری طرح سسکنے لگی۔ اسے لگا بچپن میں جو رنگ تتلی کے پروں نے اس کے ہاتھوں پر چھوڑا تھا اس کی جگہ خون نے لے لی ہو۔ یہ خون امامہ کے ارمانوں کے قتل کا خون تھا اور کرنے والی ایمان خود تھی۔ وہ تتلی کو نہیں اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر یہ حیرت رنج میں تبدیل ہوئی اور رنج شدید ترین نفرت میں ڈھل گیا۔ ایمان کے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا۔ جس پل ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا شرجیل بریف کیس اٹھائے اندر داخل ہوا تب تک ایمان کی حالت غیر ہوچکی تھی۔

آنسو...... سسکیاں آہیں شرجیل کی سرسری طور پر اٹھی ہوئی نظر اس پر پڑتے ہی چونک کر رہ گئی۔

"ایمان...... کیا ہوا تمہیں؟" بیگ صوفے پر اچھالتا وہ سب کچھ بھلائے اس کی جانب بڑھا۔ ایمان کچھ جواب دیئے بنا روئے گئی تھی۔ وہ خزاں زدہ پتے کی طرح کانپتی تھی اور گھٹ گھٹ کر روتی تھی۔ شرجیل کا سوال بھی اس وحشت اور بے قراری کی نذر ہوگیا۔ شرجیل نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

"پھر کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟" وہ بے زار سا بولا۔ ایمان نے محض سر کو نفی میں ہلا کر تردید کی جواب نہ دے کر وہ

اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی مگر شرجیل کی نظر اس کی گود میں موجود البم پر پڑی تو صرف آنکھیں ہی نہیں سلگیں چہرہ بھی جیسے تانبے کا بن گیا۔

"اوہ...... تو یہ وجہ تھی آپ کے سوگ کی' کتنی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اپنے پچھلوں کو یاد کرکے نحوست پھیلانا چھوڑ دو۔ اتنا ہی ملال ہے اس جدائی کا تو چلی جاؤ واپس' روکا کس نے ہے؟" وہ غصے میں آؤٹ ہوتا ہوا زور سے چلایا۔ ایمان اس کے موڈ کی تباہی کو دیکھتی بری طرح سہمی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس کی پیشانی اس ذلت آمیز سلوک پر یوں جل اٹھی تھی جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

اسے اور کچھ نہیں سوجھا تو مضطربانہ انداز میں تصویروں کا البم ہی اٹھا کر دراز میں رکھنا چاہا کہ اس سے محترم کا پارہ ہائی ہوا تھا مگر شرجیل کو اس کا پھر سے خود کو نظر انداز کرکے تصویروں کی فکر کرنا بھڑکا کر بالکل آپے سے باہر کر گیا۔

"ادھر دو مجھے یہ' ان کا بھی قصہ تمام کرتا ہوں' اسی طرح جان چھوٹے گی۔" شرجیل نے تصویروں پر جھپٹا مارا اور اگلے چند لمحوں میں ایمان کی وہ آخری پونجی بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر کارپٹ پر گری پڑی تھی اور خود شرجیل تنتناتا ہوا واش روم میں جا گھسا تھا۔ ایمان ایسے پتھرائی ہوئی بیٹھی تھی جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ اس نے منجمد نظروں سے ٹکڑوں میں بدل جانے والی تصویروں کو دیکھا' کچھ دیر یونہی تکتی رہی' کوئی اس کے دل کو مٹھی میں لے کر اتنی بے دردی سے بھینچ رہا تھا کہ یہ تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی۔ اس کا سن ہوتا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا' اگلے لمحے وہ خود بھی لہرا کر کارپٹ پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

چینج کرکے باہر آتے شرجیل کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ مکمل طور پر غافل ہو چکی تھی۔ شرجیل نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ نگاہ اس کے سر کے پچھلے حصے سے فوارے کی مانند پھوٹتے خون پر ٹھٹک کر تھم گئی۔ اس کے حواس یکدم کام کرنا چھوڑنے لگے۔ ایمان کو بستر پر الٹا سیدھا لٹا کر وہ بوکھلایا ہوا باہر دوڑا' پہلا سامنا ہی سمعیہ سے ہوا تھا۔ وہ اسے حیرانی سے تکنے لگی۔

"خیریت ہے نا بھائی؟" شرجیل نے تیز قدموں سے چلتے لمحہ بھر کو رک کر اسے دیکھا اور فوری نبیل کو بلا کر لانے کا کہتا خود پھر واپس کمرے کی جانب دوڑا۔ نبیل میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھا۔ اس قسم کی ہنگامی صورتحال میں اس سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ شرجیل واپس کمرے میں آیا تب بھی ایمان یونہی بے سدھ پڑی تھی۔ البتہ اس کے سر سے بہتے ہوئے خون سے بستر کی سفید چادر تیزی سے رنگین ہوتی جا رہی تھی۔

"ایمی! آنکھیں کھولو۔" شرجیل کی فکر مندی اور تشویش میں گھبراہٹ شامل ہونے لگی۔ جس وقت وہ جھک کر اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا اسی پل نبیل فرسٹ ایڈ باکس سمیت عجلت میں اندر داخل ہوا۔ ساتھ میں سمعیہ بھی تھی۔

"مائی گاڈ! یہ سب کیسے ہوا؟" نبیل بھی خون دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے انہیں پھر چکر آیا ہوگا' کل بھی سیڑھیاں اترتے ہوئے بہت بری طرح سے گرنے سے بچی تھیں۔" سمعیہ بے حد دکھی ہو کر کہہ رہی تھی۔ شرجیل بھنچے ہوئے ہونٹوں اور خاموش نظروں سے نبیل کو ایمان کی مرہم پٹی کرتے دیکھتا رہا۔

"سمعی تم پلیز دودھ گرم کرکے لاؤ۔" نبیل نے ایمان کے سر پر پٹی باندھ کر گرہ لگاتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے سمعیہ کو مخاطب کیا پھر متاسفانہ نظروں سے گم صم کھڑے شرجیل کو دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہاں سے دھکا دیا تھا آپ نے انہیں پورے چھ ٹانکے آئے ہیں انہیں۔" شرجیل کے اعصاب کو ٹانکوں کا سن کر نہیں' اس الزام پر شاک لگا تھا۔ اس نے ناگواری چھلکاتی نظروں سے نبیل کو دیکھا۔

"واٹ نان سینس۔"

"آپ کو میری بات اتنی بری کیوں لگی بھائی! حیرت ہے حالانکہ جو یہاں ان کے ساتھ سلوک ہو رہا ہے وہ......"

"تم آخر کیا کہنا چاہتے ہو؟" شرجیل نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہکنے لگی تھیں۔ نبیل نے جواباً دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور سرد آہ بھری۔

"آپ کے بھابی پر چلانے کی آواز کچھ دیر قبل میں نے خود سنی تھی' مر جائیں اس سے بھی ایک بار مار کر انہیں اس بار بار کی اذیت سے کیوں نجات نہیں دے دیتے آپ۔" شرجیل کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا تھا۔

"آئی سویئر نبیل میں نے دھکا نہیں دیا اسے' مجھے غصہ تھا جبھی کچھ شاؤٹ ہو گیا بٹ......"

"شاؤٹ ہو گئے...... بٹ واٹ؟ یاد رکھا کریں بھائی کہ انہیں یہاں اس مقام تک لانے والے بھی آپ تھے۔ یہ بھی مت بھولیں کہ آپ کی وجہ سے وہ یہ عذاب بھگت رہی ہیں' ورنہ جوان کا بیک گراؤنڈ ہے یہ اس قسم کا بی ہیویئر ڈیزرو نہیں کرتی اور مزید یہ کہ عورت ہمیشہ مرد کے سہارے ہی مضبوط ہوتی ہے اگر آپ نے ان پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا تو چند دن میں ختم ہو جائیں گی۔ انہیں غور سے دیکھیں بھائی' پھر فیصلہ کیجیے گا یہ ویسی ہی ہیں؟ جیسی آپ انہیں لے کر آئے تھے۔" شرجیل کا جھکا سر اٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ نبیل اس سے کئی برس چھوٹا ہو کر اسے سمجھانے' راہ راست پر لانے کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ وہ عرق ندامت میں ڈوبنے لگا۔

"عورت سے محبت بہت سے مرد کرتے ہیں مگر محبت کے ساتھ عزت بہت کم مرد کر پاتے ہیں۔ بھائی زندگی کا جو ڈھب سامنے ہے وہاں بھابی کو آپ سے محبت سے زیادہ عزت کی خواہش ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟" نبیل نے نرمی و آہستگی سے کہہ کر اس کا کاندھا تھپکا پھر دوا کا طریقہ استعمال سمجھا کر باہر چلا گیا۔ تبھی سمعیہ دودھ لیے چلی آئی اور ایمان کو بدستور بے خبر پا کر اس کی تشویش مزید بڑھ گئی تھی۔

"بھابی ٹھیک تو ہیں نا بھائی؟" وہ جیسے روہانسی ہو کر پوچھ رہی تھی۔ شرجیل جو ہاتھوں پر سر گرائے جانے کس سوچ میں گم تھا' چہرہ اٹھا کر اسے خالی نظروں سے تکنے لگا۔

"آں...... ہاں...... ہاں آجاتی ہے ابھی ہوش میں' انجکشن دیا ہے نبیل نے۔" اس کا لہجہ بھی اس کے ذہن کی طرح سن تھا۔ سمعیہ نے گہرا سانس کھینچا اور آگے بڑھ کر ٹرے میز پر رکھ دی۔

"چائے بناؤں آپ کے لیے؟" سمعیہ کی نظریں سوالیہ تھیں' شرجیل نے بددلی سے سر کو نفی میں ہلایا۔

"نہیں' دل نہیں چاہ رہا۔ بس جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔"

"لیکن چچی جان آپ کا پوچھ رہی تھیں۔" سمعیہ کے دبے ہوئے انداز میں کہنے پر شرجیل نے ہونٹ بھینچے۔

"اوکے...... آ رہا ہوں میں۔" اس نے ایک نظر غافل نظر آتی ایمان کو دیکھا پھر سمعیہ کو اس کے پاس رکنے کا کہتا خود اٹھ کر باہر آ گیا۔ جس وقت وہ مما کے پاس لاؤنج میں آیا انہیں تائی ماں کے گھٹنے سے لگے دیکھ کر گہرا طویل سانس بھر کے رہ گیا۔

"مل گئی فرصت' ماں کو سلام کرنے کی؟ آتے ہی بیوی کو ہار بنا کے گلے میں ڈال کر بیٹھ جاتے ہو۔ یہ ہار آفس میں بھی ساتھ لے جایا کرو۔" تائی ماں نے اسے دیکھتے ہی تیوری چڑھا کر طنز کا تیر چلایا۔ مما بھی منہ پھلائے بیٹھیں ناراض لگ رہی تھیں۔

"آپ نے بلایا تھا ممی؟" شرجیل کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ جسے محسوس کرکے ہی مما سیخ پا ہوئیں اور اسے جھاڑنا شروع کیا۔

"بیٹا' وہیں سے کیوں نہ پوچھ لیا کام؟ آنے کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔" شرجیل صبر کا گھونٹ بھر کے رہ گیا' وقت...... وقت کی بات ہوتی ہے' کبھی اس کے ماتھے کا خفیف سا بل بھی مما کی جان پر بنا دیا کرتا تھا۔ بڑا بیٹا تھا اس کا غصہ انہیں سہمائے رکھتا' مگر اب صورتحال الٹ تھی۔ پسند کی شادی اس کی آزمائش اور کٹھن امتحان ثابت ہو چکی تھی۔ وہ ان سے دبتا نہیں تھا۔ بس انہیں مزید اپنی طرف سے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے اپنی وجہ سے ماحول میں تناؤ اچھا نہیں لگتا تھا مگر ہمیشہ سے یہی طریقہ کار رہا ہے' ڈھیل سرکشی اور دباؤ کو بڑھاتی ہے' مما بھی اسے سرنگوں دیکھ کر اس پر چڑھائی بڑھائے جاتی تھیں۔ دبے ہوئے کو دبانے میں ویسے بھی انوکھا لطف محسوس ہوتا ہے۔

"کدھر ہے وہ مہارانی؟ اتنی دیر ہوئی تمہیں گھر آئے' کھانے پینے کی اسے فکر نہ ہوئی تمہاری۔ ذرا پوچھو یہی تربیت لے کر آئی ہے؟ بسا چکی پھر تو گھر۔" ان کی تلخ کلامی شروع ہو چکی تھی۔ شرجیل نے کانوں میں جیسے روئی ٹھونس لی۔

"ان دیواروں سے نہیں تم سے مخاطب ہوں شرجیل! یا پھر لاڈلی کے متعلق کچھ خلاف مزاج سننا گوارا نہیں؟" ان کا لہجہ برہم تھا۔ سرخ ہوتی رنگت کے ساتھ شرجیل نے لمحہ بھر کو ان کی جانب نگاہ اٹھائی۔ وہ اس کی ماں تھیں مگر اب انہیں اس کی پریشانی یا کسی اور مسئلے سے شاید کوئی غرض نہیں تھی بلکہ

اگر یہ کہا جاتا کہ وہ اسے خوامخواہ ٹینشن دینے لگی تھیں تو بھی بے جا نہ ہوتا۔

"اے بیٹا منہ میں کنگھیاں ڈال کر نہ بیٹھو کم از کم ماں کی بات کا جواب دے دو بیوی جتنی بھی سر چڑھی اور مغرور ہو مگر ماں سے بہر حال رہتے ہیں کم ہی ہے۔ آئی سمجھ؟ اور بیوی بھی وہ جو بھاگ کر آئی ہو اس کے لیے ماں کو ناراض کاہے کو کرتے ہو؟ ایک چھوڑ ایسی ہزار ملیں گی۔" تائی ماں نے پان کی گلوری منہ میں دبا کر ہاتھ نچاتے ہوئے طعنے مارنے شروع کیے۔ ان کا انداز بھی آگ لگانے والا تھا۔ شرجیل کا دماغ ماؤف ہونے لگا آخر ضبط کی بھی حد ہوتی ہے کوئی۔

"آپ چپ رہیں تائی ماں! میں آپ سے کوئی بات نہیں کر رہا اور مما کو فارگاڈ سیک ذرا کم بھڑکایا کریں' اگر صالحہ سے میں نے شادی نہیں کی تو اس کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ آپ میری یہ سزا تجویز کریں۔" وہ پھنکار کر بولا کہ تائی اماں کا منہ کھلا رہ گیا۔ معاً وہ سنبھلیں اور پھر جو اس کے لتے لیے کہ الامان۔ مما بھی جٹھانی سے ہی پوری پوری ہمدردی نبھا رہی تھیں' حالانکہ اللہ جانتا ہے ماضی میں شاید ہی کبھی مما کی تائی ماں سے بنی ہو۔ ہمیشہ تائی ماں نے مما کو جوتے کی نوک پر رکھا تھا' مگر اب انہوں نے مما کو جانے کیا گیدڑ سنگھی سنگھا دی تھی کہ انہیں تائی ماں کی ہر بات درست لگنے لگی تھی۔

"میں کبھی نہیں بخشوں گی تمہیں شرجیل۔ مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے۔" مما کے چلانے پر شرجیل شدید ترین اضطراب کا شکار ہوا۔

"میری بات تو سنیں مما آپ۔" انہیں اس طرح آپے سے باہر ہوتے دیکھ کر شرجیل بھی گڑبڑایا مگر انہوں نے اسے اک تنفر بھرے انداز میں زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"خبردار ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے اور آج کے بعد مجھ سے کلام نہیں کرنا۔ غضب خدا کا یہی عزت و توقیر رہ گئی تمہاری نظر میں اپنے بڑوں کی۔" انہوں نے مگرمچھ کے آنسو بہاتی جٹھانی پر ایک شرمسار نگاہ ڈال کر بیٹے کو دھتکارا تو شرجیل کا پہلے سے منتشر اور تناؤ زدہ ذہن مایوسی کی انتہا پر جاتا بے تحاشا ہیجان سمیٹ لایا۔ شاید اسے ماں سے اس حد تک انتہا پسندی کی توقع نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اصلاح اور بہتری کا سارا بوجھ اس کے کاندھوں پر تھا۔ اس کے سوا چارہ ہی کوئی نہ تھا کہ وہ بگڑے معاملے کو پھر سے سدھارنے کی کوشش کرتا۔

"آئی ایم سوری' مما! میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں' ایمان کو گرنے سے شدید چوٹ آگئی ہے' اسٹیچنگ ہوئی ہے اس کی۔ تائی ماں سے بھی میں معذرت کر لیتا ہوں۔ دراصل اسی پریشانی میں یہ......"

"شاباش ہے بیٹا! بہت خوب' بیوی کو ذرا سی خراش آ گئی تو تم تائی اور ماں سے متھا لگانے کھڑے ہو گئے کہ جی بیوی کی ٹینشن ہے۔ ارے شرم ہے تو ڈوب مرو چلو بھر پانی میں' ارے لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی حرام زادی پر جس نے اپنے دام فریب میں پھانس کر میرے بیٹے کو اندھا کر دیا عقل سے چھین لیا مجھ سے۔ دیکھنا بھگتے گی لازمی بھگتے گی۔ میری بددعائیں ہیں اس کے ساتھ۔ سکھ کا سانس لینے کو نہ ترسے تو نام بدل دینا میرا۔" مما منہ پر ہاتھ پھیر کر آنچل پھیلا کے کوس رہی تھیں۔ شرجیل سنسناتی سماعتوں کے ساتھ کھڑا انہیں دیکھتا انہیں سنتا رہا۔ پھر پلٹ کر ٹوٹے ہوئے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایمان کو ذرا دیر کو ہوش آیا تھا پھر دواؤں کے زیر اثر غافل ہو گئی۔ غافل تو شرجیل بھی تھا' ایمان سے' خود اپنے آپ سے بھی' مما کے لہجے کی خفگی و تلخی کے ساتھ استہزا کا رنگ آگ بن کر دل کو تپاتا اور بھسم کرتا جا رہا تھا۔ یہ رات بہت بھاری رہی تھی' اس پر نیند تو کیا سکون بھی غارت ہو کر رہ گیا تھا۔

صبح فجر کی اذان کے وقت اس کی آنکھ لگی تو اس سے کچھ دیر بعد ایمان کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ مکمل طور پر ہوش میں آ گئی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی خوابناک روشنی اور ملگجے اندھیرے کا سنگم تھا۔ وہ ساکن اپنی جگہ پر لیٹی رہی۔ اسے فوری طور پر کچھ بھی یاد نہیں آ سکا تھا۔ جبھی خوابیدہ ذہن کے ساتھ آنکھیں جھپکتی کچھ فاصلے پر موجود شرجیل کو دیکھے گئی۔ شرجیل کا چہرہ اس کے کاندھے سے لگ رہا تھا۔ لمبی پلکوں والی بادامی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر سبزہ رواں سا پھیلا ہوا تھا جو اس کی وجاہت و خوبروئی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔ نیم وا ہونٹ اور دراز قامت بھرپور مردانہ وجود' اس نے اس ایک شخص کی خاطر پوری کائنات کو ٹھوکر ماردی تھی اور اس شخص نے اس کائنات کی خاطر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ اس کا دل سسکنے لگا۔ دھیرے دھیرے دماغ میں تیرتا غبار چھٹا تو اسے شرجیل کی بدسلوکی یاد آ گئی پھر اذیتوں کا لامتناہی سمندر تھا جس میں اس کا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس کی انہی سسکیوں کے باعث شرجیل کی آنکھ کھل گئی تھی۔

"ایمی......" وہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی آواز سنتے ہی سن ہونے لگی جانے اب کیا قہر برپا ہو' خوف اس کے وجود کو اپنی بے رحم لپیٹ میں لینے لگا۔

"بہت زیادہ خفا ہو مجھ سے؟" شرجیل نے پیش رفت کی اور درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے ساتھ آ لگا۔ اس کا بازو بہت نرمی سے اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ شرجیل نے اس کا رخ پھیرے بغیر اپنا چہرہ اس کے کاندھے پر رکھ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔

"آئی ایم ساری فار دیٹ' رئیلی ایکسٹریملی سوری ایمی' مجھے اندازہ ہے میں تمہیں بہت ہرٹ کر چکا ہوں۔" اس کے آنسو نرمی سے صاف کرتے ہوئے وہ بہت پشیمان لگ رہا تھا۔ ایمان نے حیران بلکہ غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا۔ عرصہ بیتا وہ اس کا یہ روپ دیکھنے کی خواہش میں ترس گئی تھی۔ شرجیل نے ان نظروں کی حیرت کو انگاروں کی مانند اپنے بدن کو جھلساتے پایا تو مزید خفت کا شکار ہونے لگا۔

"ایسے مت دیکھو ایمی! کہ مجھے اپنی غلطی اور زیادتی کا احساس مار ہی ڈالے۔" شرجیل کے وجیہہ چہرے پر کرب آمیز بے بسی اترنے لگی' ایمان بری طرح سے بلک اٹھی۔ ذرا سی توجہ تھوڑا سا التفات اور محبت...... ایمان کے تو گویا سب زخم ہرے ہیں۔

"آپ نے اسنیپس پھاڑ دیے شرجیل! وہ آخری نشانی تھی میرے پاس میرے اپنوں کی۔ جو مجھے تھوڑی ڈھارس دیتی تھی۔" وہ سسک پڑی' شرجیل نے اسے بازوؤں میں بھر کے خود میں جذب کر لیا۔

"آئی ایم سوری ایمی! پلیز معاف کر دو مجھے۔ پر اس میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں معافی مانگ لوں گا تمہارے بابا جان سے۔" شرجیل نے اپنے تئیں اسے حوصلہ دینا چاہا تھا بہلانے کی کوشش کی تھی مگر ایمان ایسے تڑپی جیسے اسے کانٹوں پر گھسیٹا ہو شرجیل نے۔

"یہ ممکن نہیں ہے اب' میں ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ اب کچھ باقی نہیں وہاں میرے لیے۔" اس کی یاسیت اور دلگیری ایسی تھی کہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کرب کو سہنا اس کا لاچار دل کسی بھی پل پھٹ جانے کو تیار ہو۔

"شرجیل وہاں کچھ بھی ویسا نہیں رہا' یونو میرے جرم کی سزا امامہ کو سنا دی گئی' میری جگہ پر امامہ کو سولی چڑھا دیا گیا۔ وقاص انسان نہیں ہے میں جانتی ہوں اسے' پھر اب تو سبکی اور ذلت کے احساس سے بالکل وحشی ہو رہا ہوگا' اور امامہ...... اس کا تو کوئی بھی قصور نہیں تھا' میں کیسے معاف کروں خود کو۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے زار و قطار روئی تھی۔ شرجیل نے قدرے الجھی ہوئی متفکر نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھ نہیں سکا ایمان؟" اس کی آنکھوں میں استعجاب اور ناسمجھی کا تاثر تھا۔ ایمان نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان سکندر سے ہونے والی اپنی فون کال کی تفصیلات بتا دیں۔ جسے سننے کے بعد شرجیل کے متفکر چہرے پر تغیر پیدا ہو گیا تھا۔

"اوہ...... مائی گاڈ یہ بالکل اچھا نہیں ہوا۔" اس نے سرد آہ بھری' ایمان کے آنسو ہنوز بہہ رہے تھے۔

"مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہی مجھے اب کیا کرنا چاہیے شاید ہمیں یہ جذباتی قدم اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔" ہاتھوں میں پیشانی کے بال جکڑے شرجیل کی مایوسی کا عالم ایمان نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ پچھتا رہے ہیں شرجیل۔" اس کی آواز میں خوف کی سرسراہٹ تھی اور چہرے پر زرد رنگ کی آمیزش بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا ایسی صورتحال میں بھی نہ پچھتاؤں؟ تم سے بھی کہیں زیادہ مشکل میں میری جان آ گئی ہے۔ ایمان تم اپنے گھر والوں کو چھوڑ آئی ہو ان کے مسائل ان کی ٹینشن ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار ہو کر تمہیں شکستہ کرتی ہے۔ جبکہ میں ہر ہر پل یہ عذاب سہہ رہا ہوں۔ بس فیصلہ ہو گیا ہے' میں اب یہاں نہیں رہوں گا' ہم کہیں اور چلیں گے ایمان۔" اس نے اپنی بات کا تاثر دیکھے بغیر تائیدی انداز میں کہتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایمان حواس باختہ بیٹھی رہ گئی۔

"اکیلے؟" اس نے پھنسی ہوئی آواز میں سوال کیا

شرجیل نرمی سے مسکرا دیا۔
"اکیلے کیوں، میں ہوں گا نا تمہارے ساتھ ایمی! میں جانتا ہوں یہاں تمہیں کس اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ تم ان رویوں کی عادی نہیں ہو، میں تمہاری برداشت کا مزید امتحان نہیں لینا چاہتا، تم نے جو قدم محبت کی تکمیل اور فتح کے لیے اٹھایا اسے میں عبرت یا تختۂ مشق نہیں بنانا چاہتا، میں تمہیں اتنی سہولیات جو یہاں میسر ہیں یا پھر جو تم وہاں چھوڑ آئی ہو اگر تمہیں نہ بھی دے سکوں تو بھی ایمی! میں اتنا کما سکتا ہوں کہ ہم باعزت زندگی پورے سکون سے گزار سکیں۔"
ایمان جو اس کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی، سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہو گئی۔ انداز میں خفگی اور گہرے کرب کا تاثر تھا۔
"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" اسے شاک لگا۔ شرجیل بھی حیران ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آسکا کہ اتنا ہرٹ آخر کیوں ہوئی ہے۔ حالانکہ شرجیل کا خیال تھا وہ یہ بات سن کر خوشی سے پاگل ہونے لگے گی۔
"تمہیں اچھا نہیں لگا؟" شرجیل نے اس کی اضطرابی کیفیت کو دھیان سے دیکھا اور اسی حیرانی سے سوال کیا۔
"اس میں اچھا لگنے والی ہی کون سی بات ہے آپ خود بھی تو سوچیں، کیا امیج بنے گا سب کی نظروں میں ہمارا؟" ایمان جتنی روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی شرجیل کو اتنا ہی شدید غصہ آیا۔
"کیا مطلب...... کیا چاہتی ہو ایمان آخر تم...... اور سب کون؟ اگر ان سے تمہاری مراد میرے پیرنٹس ہیں تو اطلاعاً عرض ہے محترمہ انہی کے شاندار سلوک کی وجہ سے میں یہ سوچنے اور یہ فیصلہ لینے پر مجبور ہوا ہوں۔" اس نے بے حد سرد مہر انداز میں جتلایا۔ ایمان گنگ ہونے لگی۔
"آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں شرجیل...... مجھے بتائیں کیا بات ہوئی ہے؟" وہ متوحش و ملتجی ہوئی، شرجیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر اس کے اصرار پر شرجیل کو مما اور بابا کی ساری باتیں اس کے سامنے کھول کر رکھنی پڑی تھیں۔
"اب کیا خیال ہے تمہارا؟" اپنی بات مکمل کر کے شرجیل نے اس کے تاثرات کھوجتے ہوئے نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ انداز اختیار کیا، ایمان نے گھٹا ہوا سانس بھرا پھر زخمی انداز میں مسکرانے لگی۔
"یہ سب آپ کے لیے نیا ہوگا۔ میں جب سے یہاں آئی ہوں ایک دن میں متعدد بار ایسا سلوک برداشت کر رہی ہوں۔" اس کا دکھ کی آنچ میں لرزتا لہجہ بے حد مدھم تھا۔ شرجیل نے نظر پھیر لی۔
"ہاں تو میں نہیں چاہتا نا کہ تم یہ سب سہو، ایمی ہم نے بہرحال کوئی جرم نہیں کیا۔" وہ پھر سے غصے میں آنے لگا۔ ایمان خائف نہیں ہوئی۔
"مگر میں آپ سے متفق نہیں ہوں شرجیل، چاہے مجھے یہاں رہ کر کتنا ہی ہتک آمیز رویہ کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔" جواب ایسا تھا کہ شرجیل حق دق رہ گیا تھا۔
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ایمان سزا دینا چاہتی ہو خود کو؟" وہ بھڑک کر بولا اور اسے تنبیہی نظروں سے یوں گھورنے لگا جیسے شک میں مبتلا ہو چوٹ کا اثر واقعی دماغ پر نہ ہو گیا ہو۔ ایمان کے چہرے پر شکستگی پھیلنے لگی۔
"آپ نہیں سمجھیں گے...... جانے دیں۔"
"کیا مطلب بے وقوف سمجھتی ہو مجھے؟" پھر اسے ڈانٹنے لگا۔ ایمان نے سرد آہ بھری۔ پھر نظریں اٹھا کر بولی۔
"میری حیثیت یہاں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی ہے شرجیل! میں اس سلوک پر شاکی بھی نہیں ہوں اگر خوش قسمتی سے ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو تو پھر اسے چھپانے کی نہیں اصلاح کرنے اور سدھارنے کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ میری فیملی میں میرا تاثر ایک غلط لڑکی کا پڑ چکا ہے، یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ شرجیل میں اپنے بابا جان اور بہنوں کے دلوں سے بدگمانی کے داغ کو نہیں دھو سکتی مگر یہاں اپنے حسن سلوک، اپنی خدمت گزاری سے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں۔ مجھے ان سب کو بتانا ہے شرجیل کہ اگرچہ مجھ سے جذباتیت اور نادانی میں یہ غلط قدم اٹھایا گیا ہے مگر درحقیقت میں غلط لڑکی نہیں ہوں نہ میرا بیک گراؤنڈ ایسا تھا۔" شرجیل ہونٹ بھینچے اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو گہرے دکھ کا شکار ہوتا دیکھتا رہا۔
"تمہاری سوچ مثبت ہے ایمی! مگر تم ان بے حس لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کی خاطر خود کو جتنی بھی اذیت دے لو مگر یہ نہ تو کبھی تمہارا جرم ڈھکیں گے نہ تمہیں قبول کریں گے۔ میں جانتا ہوں یہ بات۔" ایمان بہت مشکل سے مسکرائی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپکا۔
"آپ پریشان نہ ہوں شرجی! میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں، کہتے ہیں نا پتھر پر بھی مستقل پانی کا قطرہ گرے تو سوراخ کر دیتا ہے، یہ تو پھر انسان ہیں۔" شرجیل نے تھکی ہوئی سانس بھری پھر اسے دیکھا۔ پھیکا مگر متورم چہرہ کھلے بالوں کے درمیان بخار کی حدتوں سے دہکتا ہوا مزید دلکشی سمیٹ لایا تھا۔ پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ بظاہر دیکھنے میں جتنی نازک لگتی تھی مگر حوصلہ اور ہمت، کمال تھی۔ شرجیل کے پاس جیسے مزید کہنے سننے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

......❀......

نندنی نے بیگ کی زپ بند کی پھر سیدھی کھڑی ہو کر زینب کو دیکھا، جو فکرمند اور مضطرب لگتی تھی۔ نندنی آہستگی سے مسکرا دی۔ اسے اب زینب کے خلوص پر شبہ نہیں رہا تھا۔ اس کے قریب آنے کے بعد نندنی نے اس کا چہرہ بزرگانہ قسم کی شفقت کے ساتھ سہلایا اور گلا کھنکار کر بولی تو اس کے لہجے میں خفیف سی شرارت کا رنگ خود بخود چھلک آیا تھا۔

کشتیاں یوں بھی ڈوب جاتی ہیں
ناخدا کس لیے ڈراتے ہیں......؟
اک حسیں آنکھ کے اشارے پر
قافلے راہ بھول جاتے ہیں

"یہاں کچھ بھی معاملہ ہے زینب جی! مگر صرف میرے معاملے میں۔
میں جانتی ہوں آپ فکرمند بھی ہیں اور پریشان بھی، مگر زینب بات میری خوشی کی ہے، یہاں شکایت ہی نہیں کہ ذرا دیکھیں۔"

نہ جانے کتنی شکایتیں ان سے
نہ جانے کتنے گلے تھے ان سے
جو ان کو دیکھا تو بھول بیٹھے
سوال سارے جواب سارے

"آپ یہ بھی سمجھ سکتی ہیں، میری محبت عشق کے درجے پر فائز ہو کر اتنی فیاض ہو چکی کہ قرب کی خواہش بھی ناپید ہو رہی ہے جہاں، صرف نگاہ میری مانگی ہے اتنا حق تو ادا کرنے دیں مجھے۔" لجاجت اور یاسیت سے کہتے اس نے زینب کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ پچھلے دنوں جو اس نے زینب سے بدکلامی کی تھی اس کے جواب میں زینب کا تحمل، حلیمی اور بردباری کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کے مظاہرے نے از خود نندنی کو اس کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلا دیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس سے معافی مانگنے پر بھی مجبور ہو گئی تھی کہ ادھر کوئی شکایت اور شکوہ نہیں بلکہ کیئرنگ انداز کی فراوانی تھی۔ نندنی نے جب اس کا گھر چھوڑ کر جانا چاہا تھا، زینب نے کتنے رسان کتنی محبت سے اسے سمجھایا تھا۔
"ٹھیک ہے نندنی! تم اپنی مرضی کے فیصلے کر لو جہاں چاہو رہو اور جاؤ، مگر یہاں سے جانے کی بات نہ کرو نندنی! تم یہاں رہو گی تو ڈھارس رہے گی مجھے۔" اس کے لہجے میں خلوص کی چاشنی تھی۔ نندنی نے ان احساسات کو دل سے قریب محسوس کیا اور اس کے گلے میں بازو حمائل کر کے اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔
"آپ میری پرابلم کو سمجھیں پلیز، میں ساحر کو نہیں چھوڑ سکتی، مجھے ایک کوشش تو کرنے دیں زینب! مجھے عمر بھر زیاں کا یہ احساس تو کچوکے نہ لگائے گا کہ میں نے اپنے لیے ایک کوشش بھی نہیں کی۔" وہ بے بسی، بے چارگی کے احساس کے زیر اثر آ کر بھیگی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ زینب نے کچھ کہے بغیر اسے پُرشفقت انداز میں تھپکا اور پھر پیشانی چوم لی۔ وہ اس سے محض چند سال بڑی تھی، مگر فہم و فراست اور انداز و اطوار میں اتنا ٹھہراؤ اس درجہ بردباری تھی کہ اس سے ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ نندنی نے بھی جذبات سے مغلوب ہوتے ہوئے جھک کر اس کے ہاتھ پر عقیدت مندانہ بوسہ ثبت کیا تھا۔
"تم خوشی سے جاؤ، فی امان اللہ، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

......☆☆☆......

سکندر اپنے دھیان میں مردان خانے سے نکل کر تیز قدموں سے پورٹیکو کی جانب جا رہا تھا جب اس کی نظر لان میں چہل قدمی کرتی لاریب پر جا پڑی۔ اگر اس کی نگاہ ہمیشہ کی طرح اسے روبرو پا کے اختیار سے باہر ہوئی تھی اور قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے تو اس میں کچھ نیا نہیں تھا، وہ ساکن اور بے خود کھڑا اسے تکتا رہ گیا تو اس کی وجہ بھی لاریب کی اس کی جانب سے غفلت تھی جس کا بھرپور فائدہ اٹھانے کے

درپے تھا۔ سبز گھاس پر اس کا دھانی آنچل اس کے پیچھے گویا ہاتھ باندھے کسی غلام کی طرح چلتا تھا۔ وہ کسی عمیق سوچ میں گم تھی۔ چہرے پر تفکر تھا اور ان گنت الجھنوں کا جال' شہزادیوں کا سا طمطراق اور تمکنت رکھنے والی اس لڑکی پر اس کا سرکش نادان دل مکمل رسائی کا خواہاں تھا۔

وہ جو کسی پرشکوہ سی عمارت کی طرح خاموش پراسرار اور جامد نظر آتی تھی پھر ایک معجزہ ہوا اور وہ نعمت خداوندی کی طرح اس کی پھیلی ہوئی جھولی میں ڈال دی گئی۔ وہ اس عنایت پر خوشی وانبساط سے اپنا دل بند ہوتا محسوس کرنے لگتا' وہ اب اس کی ہے یہ خیال ہی اس کے روئیں روئیں میں تحیر و فخر کا ارتعاش گردش کرانے لگتا تھا مگر اس کی ساحرانہ خوشبو کو وہ ڈھنگ سے محسوس بھی نہ کرپایا تھا کہ یہ خوش بختی غم ویاس' تفکر اور گھبراہٹ میں ڈھلتی چلی گئی۔ اس پر ادراک ہوا تھا وہ لاریب بی بی کا محض اک جذباتی اور ناقابل قبول فیصلہ تھا' جس پر وہ بہت جلد ندامت اور پچھتاوے کا بھی شکار ہوگئی تھی۔ لیکن کیا اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ خود کو اس طرح تہی دست' تہی داماں کرلیتا' وہ جو مصور کی بہترین تخلیق تھی' اور اس کی محبت ہی نہیں زندگی کی اولین خواہش بھی تھی ایسی خواہش جو پوری نہ ہو تو زندگی کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے دستبرداری آسان کام تھا۔

سکندر نے تھکا ماندہ طویل سانس اندر کھینچا اور نظروں کو اس کے چمکتے دمکتے چہرے پر ٹکادیں۔ وہ تو بے خبری و بے نیازی کے ایسے خول میں بند تھی کہ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ سکندر کی روح محض ایک نگاہ اس پر ڈال کر لطف وسرور کی کیسے منزلیں طے کرجاتی ہے' اس کا دل محض اس سے بے معنی بات چیت کرکے بھی شوق ہیجان کی کیسی سرحدیں عبور کرآتا ہے۔ اب پھر انوکھا اور جان لیوا مطالبہ کرکے اس نے سکندر کو اضطراب اور وحشت کے لامتناہی سمندروں میں دھکیل دیا تھا۔

معاً لاریب رکی اور گردن موڑ کر اسے دیکھا' یہ یقیناً اس کی نگاہوں کی گستاخانہ گرمی کا ہی تاثر تھا جسے محسوس کرنے کے بعد ہی اس کی پیشانی پر بل پڑنے لگے تھے۔ جبکہ سکندر فی الفور محتاط ہوا اور نگاہ کا زاویہ بدلتے ہوئے چہرے پر کسی قدر نخوت اور بے نیازی طاری کرلی۔

"بابا سائیں کہہ رہے تھے آپ کو شہر جانا ہے کسی کام سے۔ میں گاڑی میں انتظار کررہا ہوں آجایئے۔" اس کے تنے ہوئے چہرے پر محتاط نگاہ ڈال کر وہ بے حد مناسب الفاظ کے چناؤ کے ساتھ متوازن لہجے میں بات کررہا تھا کہ لاریب کی ناراضی کا گراف نہ بڑھے لیکن شاید اس کی کوششوں کو بارآور نہیں ہونا تھا۔

"تمہارے کام تمہاری احسان مندی کے محتاج نہیں ہیں۔ تم جاسکتے ہو میں اکیلی بھی کرلوں گی۔" وہ زور سے پھنکاری تھی۔ سکندر آہ بھر کے رہ گیا۔ وہ بابا سائیں کے کمرے میں آیا تو انہیں ٹرے سامنے رکھے اپنا منتظر پایا تھا۔

"ناشتا کرلو بیٹے' پھر تمہیں نکلنا بھی ہے۔ کوشش کرنا شام کو ٹائم پر واپسی ہوسکے۔" انہوں نے ٹرے سینٹرل ٹیبل سے اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان میز پر رکھی۔ سکندر اتنا بے دھیان تھا کہ اسے خود اس بات کا احساس نہ رہا یہاں تک کہ اس کی جانب سے چائے بننے کے منتظر بابا سائیں نے یہ کام بھی خود کیا۔ اس کے لیے بھی اپنے لیے بھی' پھر مگ اور انڈے کے ساتھ ٹوسٹ کی پلیٹ اس کی سامنے رکھتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"کوئی بات پریشان کررہی ہے سکندر؟ ابھی کچھ دیر قبل تو بالکل ٹھیک تھے تم۔" سکندر چونکا پھر اتنا خفیف ہوا کہ حد نہیں۔

"بابا سائیں! سوری...... ایکچولی میں......" اس کو بے ربط بے اوسان پاکر بابا سائیں نے مخصوص قسم کی نرمی وحلاوت بھرے انداز میں اس کا کاندھا تھپک کر اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کرتے ناشتے کی سمت اس کا دھیان مبذول کرایا۔

"کھالو پہلے...... ٹھنڈا ہورہا ہے سب کچھ۔"

"بابا سائیں لاریب بی بی ڈرائیور کے ساتھ شہر چلی جاتیں ہیں۔ مجھے یہاں زمینوں پر بھی کچھ کام تھا تو......" اس نے بے حد مناسب الفاظ کا چناؤ کرکے لاریب کی خواہش کی تکمیل چاہی تھی۔ جو کچھ جیسے ہورہا تھا اس میں سوائے نقصان کے کچھ بھی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ لاریب کی ناراضی میں اضافے سے خائف تھا۔ لاریب دبنے والوں میں سے نہیں تھی یہ تو واضح ہوگیا تھا۔ وہ سود و زیاں سے ماورا ہوکر فیصلے کرنے کی عادی تھی۔ اسے تو یہ تک پروا نہیں تھی کہ سکندر کے حصے میں نقصان آیا یا پھر لاریب

کے اپنے حصے میں جبکہ سکندر کو یقین تھا کشتی اس کی ڈوبنا تھی۔ خود کو بچانے کی کوشش میں ہی یہ کی گئی تدبیر تھی بابا سائیں نے اس کی بات سے تجاہل برتا اور ناشتے میں مشغول رہ کر اسے بھی کھانے کا اشارہ کیا تھا۔ ملازمہ برتن اٹھانے آئی تو بابا سائیں نے اسے لاریب کو بھیجنے کا کہہ دیا تھا مگر سکندر کو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ بابا سائیں لاریب سے اس موضوع پر بات کریں گے وہ بھی اس کی موجودگی میں۔

"سکندر سے تمہاری کوئی ناراضگی ہے بیٹے؟" لاریب کے کمرے میں آنے کے بعد بابا سائیں نے کس درجہ سکون سے یہ سوال کیا تھا۔ سکندر تو گڑبڑایا ہی لاریب بھی بھونچکی رہ گئی پہلے اس نے بابا سائیں کو استعجابی نظروں سے دیکھا تھا پھر سکندر کو سکندر نے اس کی آنکھوں کی دلکشی کو قہر و غضب کی لپیٹ میں آتے دیکھا اور سرد آہ بھری۔

"کیا مطلب بابا جان! میں کیوں کسی سے خفا ہونے لگی؟" اس کے لہجے کی سرد مہری نے سکندر کے دل میں جیسے غیر محسوس انداز میں کوئی تیر پیوست کر ڈالا۔ وہ نگاہیں جھکائے بیٹھا رہ گیا۔

"دیکھو بیٹے میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ڈرائیور پر اعتماد نہیں ہے لیکن سکندر کی بات ہی الگ ہے میں اس کی آپ کے ساتھ موجودگی سے مطمئن رہتا ہوں آپ سمجھ رہی ہو نا بیٹے؟" انہوں نے رسانیت سے کہا۔ لاریب نے ہونٹ کچلتے محض سر کو اثبات میں ہلایا مگر آنکھوں کی سطح پر نمی پھیلتی چلی گئی تھی۔ کیسا مشکل وقت تھا اور بے بسی کا عجب مقام۔ اس کا دل چاہا آگے بڑھے اور بابا سائیں کے چوڑے سینے سے لگ کر بے تحاشا روئے اتنا کہ دل پر دھرا سارا غم ڈھل جائے...... وہ انہیں بتا دے ان سے معافی مانگ لے ان سے کہے وہ اسے سکندر سے نجات دلا دیں۔ غلطی ہوگئی اس سے مگر اس غلطی کا بوجھ وہ عمر بھر نہیں اٹھا سکتی۔

"تو پھر جاؤ بیٹے! ابھی نکلو گے تو بھی شام ڈھل جائے گی واپسی پر۔" بابا جان نے اس کا سر تھپکا۔ وہ انہیں معمول سے زیادہ خاموش زیادہ غمگین محسوس ہوئی تھی۔ لاریب چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔ سکندر جانتا تھا اب اس کی خیر نہیں ہے۔ لاریب کی خاموشی میں جو طوفان چھپے تھے وہ لازمی اس کی ذات کو درہم برہم کرنے والے تھے۔ وہ مضطرب اور بے حد متفکر انداز میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا جب بابا سائیں کی مدھم اور تھکن زدہ آواز پر چونکا۔

"میں لاریب کی وجہ سے بہت پریشان رہتا ہوں سکندر بیٹے! عباس حیدر کے اس جذباتی فیصلے نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یقینی طور پر لاریب بھی اس طوفان کی زد میں آئی ہے۔ میں اس بات سے سکون نہیں پاتا اگر میری آنکھ بند ہو جائے تو اس کا کیا بنے گا؟ خاندان میں دور نزدیک اس کے جوڑ کا کوئی لڑکا بھی نہیں ایک تم ہو جس کی موجودگی ڈھارس بندھائے رکھتی ہے۔ وعدہ کرو سکندر اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم میری بیٹی کو بکھرنے نہیں دو گے جب تک اسے اس کی منزل نہیں مل جاتی ساتھ نبھاؤ گے۔" بابا سائیں نہ جانے کس اضطرابی کیفیت کے زیر اثر تھے کہ اس سے پہلی مرتبہ اس موضوع پر بات کر گئے تھے۔ سکندر تو جیسے پوری ہستی سمیت ہل کر رہ گیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بابا سائیں! اللہ بہتر کرے گا۔ اللہ پاک آپ کا سایہ رحمت ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے...... آمین۔ امامہ بی بی کی طرح آپ لاریب بی بی کی بھی خوشیاں دیکھیں۔" بے حد اپنائیت اور محبت سے سکندر نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکتے ہوئے تسلی دی۔ بابا سائیں نے اس کے سانولے پرکشش چہرے پر شفقت نگاہ ڈالی اور جیسے اس کا دل بہلانے کی غرض سے مسکرا دیئے۔ سکندر کچھ دیر ان کی تسلی و تشفی کے لیے وہاں بیٹھا رہا پھر انہی کے کہنے پر اٹھ کر پورچ میں آیا تو لاریب کو کڑے تیوروں کے ساتھ وہاں اپنا منتظر پایا۔

"کیا ضرورت تھی سیٹھ صاحب ابھی بھی آنے کی؟ اور انتظار کرایا ہوتا ملازمہ ہوں نا تمہاری کہ تمہارے حکم کی منتظر بیٹھی رہوں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے تیری! کیسے کیسے لوگ کیسے کیسے تیور دکھا رہے ہیں۔" وہ بن بادل برسات کی طرح برس رہی تھی۔ سکندر نے چپ چاپ سب سنا اور جیب سے چابی نکال کر دروازہ ان لاکڈ کیا۔

(ہاں کاش کبھی آپ واقعی میرا انتظار کریں جیسے کرنے کا حق ہے صحیح کہتی ہیں آپ مادام! حسرتوں کے مزار بنیں گے میرے) سکندر نے سرد آہ بھری تھی۔

"پچھلا دروازہ کھولو تمہیں پتہ نہیں بیٹھنا مجھے آگے تمہارے ساتھ۔" وہ زور سے پھنکاری تو سکندر نے بغیر کسی پس و پیش کے تعمیل کر دی مگر جس وقت وہ دروازہ کھول رہا تھا لاریب نے اس کا ہاتھ تنفرانہ انداز میں زور سے جھٹک کر خود یہ کام کیا۔

"فضول فرمانبرداری کا ڈرامہ نہ کرو میرے سامنے اور شرم تو تمہیں آئی ہوگی تمہیں بابا جان سے لگائی بجھائی کرتے۔" وہ بالآخر پھٹ ہی پڑی تھی۔ سکندر کو اس سے زیادہ برداشت کی امید بھی نہیں تھی ایک بے اختیار تبسم کی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھوا تھا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے بابا سائیں سے اگر کچھ کہا تو وہ آپ کے مفاد......"

"بکومت، سمجھے؟" وہ حلق کے بل غرائی پھر تنبیہی انداز میں انگلی کھڑی کر کے مزید گویا ہوئی۔

"مت سمجھنا کہ مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار ہے میں نے آج تک تم سے زیادہ نفس پرست انسان نہیں دیکھا جو اپنی خواہش کی تکمیل کی خاطر کسی حد تک بھی گر سکتا ہے۔" وہ جیسے ایک بار پھر اس کی عزت نفس پر تازیانہ مار چکی تھی۔ ضبط و برداشت کا پیمانہ چھلکا اور سکندر کے ہاتھوں کی گرفت اسٹیرنگ وہیل پر سخت تر ہوگئی۔

"آپ کی بدگمانیوں کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے لاریب بی بی لیکن اتنا ضرور کہوں گا بولتے وقت الفاظ کی سنگینی پر غور ضرور فرما لیا کریں۔ مرد کی طاقت اور اختیار کے ساتھ مردانگی پر تازیانہ مارنے والی عورت کی جھولی میں ہار اور ذلت کے سوا کچھ نہیں آتا۔ بپھرا ہوا مرد یہ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس کی اپنی اوقات کیا ہے یا عورت کتنی اعلیٰ مرتبت ہے۔"

"دھمکی دے رہے ہو مجھے تم درحقیقت ہو کیا؟ اپنی اوقات سے نکل رہے ہو یقیناً۔" سکندر کی بات سن کر تو وہ غم و غصے کی شدت سے پاگل ہی ہو اٹھی تھی۔ بپھرے ہوئے انداز میں سکندر کی قمیص کا کالر پکڑ کر جس طرح اس نے پیچھے سے جھٹکا دیا تھا وہ بے حد اہانت آمیز احساس تھا۔ سکندر کا سانولا چہرہ سبکی اور تذلیل کے احساس سمیت چند لمحوں میں کتنے ہی رنگ بدل گیا مگر اس نے کمال ضبط سے خود کو مشتعل ہونے سے روکے رکھا۔ گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور نرمی سے اس کے ہاتھ سے اپنا کالر چھڑوا لیا۔

"یہ بات آپ بھی جانتی ہیں کہ میری پوزیشن دھمکی دینے والی نہیں ہے محض آگاہ کر رہا ہوں وہ بھی اس لیے کہ آپ بھی مت بھولیں ہاتھی اپنی طاقت کے زعم میں ہی چیونٹی کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی فرار ممکن نہیں کہ چیونٹی اگر انتقام لینے پر آئے تو ہاتھی کی جان بھی لے سکتی ہے۔ بی کیئر فل لاریب بی بی! مجھے آپ کو ہارتے دیکھنا بھی اچھا نہیں لگے گا۔" لاریب کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔ اس نے جواباً کاٹ دار نظروں سے سکندر کو دیکھا جس نے گاڑی کی رفتار اب اس لیے دھیمی کر دی تھی کہ راستے میں بار بار مال مویشی گائے بھینس اور بکریاں آجاتی تھیں ان کے پیچھے ڈانگ کاندھے پر رکھے تو عمر چرواہا تھا۔ گاؤں کے باسی اس وقت اپنے ڈھور ڈنگر ندی اور جنگل کی طرف چرانے کی غرض سے لے جایا کرتے تھے۔ شام میں واپسی ہوتی تو جانور تازہ دم ہوا کرتے تھے۔ یہ ذہنی سکون تو انسانوں کے ساتھ جانوروں کا بھی بنیادی حق ہے۔ مگر یہ طے ہے کہ نصیب کے بغیر کچھ بھی میسر نہیں آتا چاہے وہ ذہنی و قلبی سکون ہو یا پھر محبت کی فتح۔ لاریب نے یاسیت سے سوچا پھر گہرا سانس بھر کے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

تم پیار کسی سے نہ کرنا

اک عشق نگر کی وادی تھی
جہاں پیار کی ندیا بہتی تھی
کچھ دل والے بھی رہتے تھے
جو پیار کی باتیں کرتے تھے
جب بہار کے موسم آتے تھے
اور پیار کے پھول کھلتے تھے
مست نشیلی شاموں میں
پیار سے دو دل ملتے تھے
ایک روز وہ بستی اجڑ گئی
پھر اک دل کو سوگ لگا
جیون بھر کا روگ لگا
دیوانے پھرتے رہتے ہیں
اور ہر اک سے وہ کہتے ہیں
اقرار کسی سے نہ کرنا
تم پیار کسی سے نہ کرنا

نبیلہ یونس...... فیصل آباد

(میں تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کروں گی سکندر تم نے بہت دور تک میرا نقصان کیا ہے)

اس کی سوچوں میں کوئی بپھری ہوئی شیرنی غرائی تھی۔ وہ ایک بار پھر شدت پسندی اور خودغرضی سے صرف اپنے متعلق سوچ رہی تھی۔

❀

عباس حیدر اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد ائرپورٹ پر اترا تو صبح کا اجالا اس قدرتی حسن و جمال رکھنے والے شاہانہ مزاج شہر کے خدوخال کو اجالنے میں مصروف تھا۔ سرد ہواؤں کی کاٹ اور ہلکی بوندا باندی ایک دم سے شروع ہوئی تھی اور سبزے سے ڈھکا ماحول بھیگ کر اور بھی دلکش اور سحر انگیزی سمیٹ لایا تھا۔ یہاں سے انہیں مری کے تک مزید سفر کوچ کے ذریعے طے کرنا تھا۔ سارے مرد حضرات میں نندنی ایک اکیلی لڑکی تھی۔ عباس حیدر کو اسی خیال سے اس کی ہر لحاظ سے زیادہ فکر کرنی پڑ رہی تھی۔ ان کے لیے یہاں پہلے سے لگژری کوچ کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ عباس نے ایک بار پھر کوچ کے ڈرائیور سے فون پر رابطہ بحال کیا تو اس نے تیس منٹ میں پہنچنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

"ہمارے پاس ابھی کچھ ٹائم ہے آپ لوگ چاہیں تو یہاں اپنی پسند اور ذوق کے مطابق وقت گزار سکتے ہیں۔"

وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ جواب میں سب ہی اپنی اپنی رائے سے نوازنے لگے۔ عباس اپنے سیل فون پر مصروف تھا کچھ ای میلز چیک کرتے ہوئے ان کی باتوں کو سرسری انداز میں ہی سن رہا تھا۔ دوسری سمت نندنی تھی' گلابی کلر کے اسٹائلش ٹاپ اور ویلوٹ کے بلیو لانگ اسکرٹ میں ملبوس بے حد خوبصورت اور فینسی جرسی میں ملبوس اپنی تمام تر جاذبیت دلکشی اور سحر انگیزی کے ساتھ صرف عباس ہی کی سمت متوجہ تھی۔ جس کا اونچا لمبا قد اور شہزادوں جیسی وجاہت وخوبروئی کے باعث سیاہ پینٹ کوٹ میں سب سے نمایاں سب سے پرکشش لگ رہا تھا۔ اس کی کھلتی ہوئی سرخ وسفید رنگت سردی کے باعث جیسے دہکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ بلاشبہ وہ کسی ٹھہرے ہوئے فطری منظر کی مانند حسین دلکش اور سحر طراز لگ رہا تھا۔

نندنی اس کی غفلت اور بے خبری کے عالم میں بھی اسے نگاہ بھر کے نہیں دیکھ پائی تھی کہ رعب حسن اسے تاب نہیں لانے دیتا تھا۔ کبھی کبھار اس کے دل میں عجیب و غریب انوکھی خواہش مچلنے لگتی کہ اس جادوگر آنکھوں والے شخص کی سحر طراز چمکیلی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں بند کرے پھر دل کی خواہش کے مطابق جی بھر کے اس کی صورت دیکھ پائے۔ اس کے چہرے کے سب ہی نقوش کو ازبر کرے۔ جبین پر رعب و دبدبے کے باعث اس کی نگاہ اٹھ نہیں پاتی تھی۔ یہ خواہش جتنی دیوانگی لیے تھی اس سے بڑھ کر تشنگی اور بے چارگی کا احساس لیے ہوئے۔ وہ بھلا اتنی خوش نصیب کہاں تھی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

"آئی تھنک آپ کو سردی لگ رہی ہے مس نندنی۔"

اس خیال کے تحت وہ ازحد ملول و رنجیدہ سر جھکائے بیٹھی تھی نارسائی کے احساس سے نبرد آزما نڈھال' جب عباس حیدر اسے تنہا پاکر اس کی جانب چلا آیا تھا۔ نندنی نے چونک کر سر اٹھایا۔ عباس حیدر اسی کی سمت متوجہ تھا۔ یہ نظریں جتنی بھی سادہ اور عام نوعیت کی ہوتیں مگر نندنی کے لیے بے حد خصوصی اہمیت کی حامل ہوا کرتی تھیں۔ جو نہ صرف دل کی دھڑکنوں میں ہی بھونچال اٹھاتی تھیں بلکہ چہرے کو بھی دھنک کے سب رنگوں سے گل رنگ کردیا کرتی تھیں۔ نظروں کا یہ تصادم اس کی جان پر بنا گیا۔ سٹپٹا کر نظریں جھکا گئی۔

"خیریت آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" اس کے سرخی میں ڈوبے چہرے اور پلکوں کی حیا آمیز لرزش کو عباس نے کیا خاک سمجھنا تھا' جبھی کسی قدر تفکر بھرے انداز میں سوال کیا تھا۔ نندنی توجہ کے اس سنہرے خوش گماں جال میں قید ہوتی چلی گئی۔

"جج جی! بس کچھ سردی کا ہی احساس تھا۔" وہ بامشکل ہی الٹا سیدھا جواب دے سکی۔ عباس کی نظریں بدستور اس پر جمی ہوئی تھیں۔

(جاری ہے)

تم میرے ہو

نزہت جبیں ضیاء

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

جو اس کے چہرے پہ رنگِ حیا ٹھہر جائے
تو سانس' وقت' سمندر' ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

بقرعید کی آمد تھی' ہر جانب جانور ہی جانور نظر آرہے تھے یہ بات خاصی حیرت انگیز اور توجہ طلب تھی کہ آج کے دور میں ہر شخص مہنگائی کا رونا روتا نظر آتا ہے' حالات کے مارے اور غربت کی چکی میں پسنے والے لوگوں کی بہتات تھی مگر...... مگر جہاں ذکر قربانی کا آجاتا تو بجائے اس کے لوگ اسے مقدس فریضہ سمجھیں بلکہ مقابلہ اور دکھاوے کے چکر میں پڑجاتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک تندرست اور صحت مند جانور خریدنے کی کوشش کرتے' ہزاروں سے نکل کر بات لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔

"ارے...... ارے! کہاں گھسے چلے آرہے ہو' کیا موصوف بکرے شریف کو ڈرائنگ روم میں بٹھانا ہے؟" خزیمہ کو تیزی سے صحن عبور کرتا دیکھ کر ماویہ زور سے چیخی کیونکہ اس کے ساتھ اس کا پیارا بکرا بھی تھا۔

"ہاں ہاں تو کیا ہوا؟ اگر ڈرائنگ روم کے درشن بھی کروادوں اپنے جگر کو بے چارہ دو چار دن کا تو مہمان ہے اور اگر ایسا ہوا تو کوئی قیامت تو نہیں آجائے گی ناں؟" وہ بدستور آگے بڑھتا ہوا ڈھٹائی سے بولا۔

"خزیمہ! تم کو اللہ سمجھے۔" ابھی صحن دھو کر وائپر لگایا تھا چمچماتے صاف ستھرے فرش پر جابجا بکرے اور خزیمہ کے جوگرز میں لگے گوبر نے عجیب و غریب نقشہ بنادیا تھا۔

"جنگلی انسان! حد ہے گندگی کی قصائی لگ رہے ہو پورے۔" ماویہ اپنی محنت کو اس طرح غلاظت میں تبدیل ہوتا دیکھ کر آپے سے باہر ہوگئی۔

"واہ ناں!" خزیمہ نے ایک بھرپور نظر اپنے سراپا پر ڈالی ریڈ اور بلیک شرٹ پر جینز اس پر جوگرز۔

"اگر اتنے ہینڈسم اور ویل ڈریسڈ قصائی ہونے لگے تو

آج کی ہر لڑکی چاہے گی کہ اس کی شادی صرف قصائی سے ہی ہو۔ ویسے محترمہ! آپ بھی اس وقت کسی ماسی سے کم نظر نہیں آرہیں۔" اس نے ماویہ کو غور سے دیکھا جو اس وقت سی گرین پرنٹڈ شرٹ پہنے وائپر لیے بےزاری کھڑی تھی۔

"اُف خزیمہ! تم تو واقعی پاگل ہوگئے ہو لگتا ہے گائے بکروں میں رہتے رہتے اور منڈیوں کی خاک چھانتے چھانتے تم میں بھی ان کی عادتیں منتقل ہوگئی ہیں اور تم بھی گھاس کھانے لگے ہو اسی لیے دماغ میں بھی بھوسہ بھر گیا ہے تب ہی اول فول بک رہے ہو۔" وہ غصے سے بل کھا کر بولی۔

"ایسا کرو یار! ذرا جلدی سے پانی ہلکا گرم کرکے لے آؤ اور ہاں اپنا شیمپو بھی لیتی آنا' میں ذرا اپنے شہزادے کو فریش کردوں۔" وہ بھی اپنے نام کا ڈھیٹ تھا اس کی سب باتیں نظر انداز کرتا ہوا وہیں صحن میں آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟ میں کیوں دوں اپنا شیمپو اور کیا تمہارے گھر میں صحن نہیں ہے ہاں؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر پیچ وتاب کھا کر بولی۔

"وہ دراصل ابھی ابھی امی نے صفائی کی ہے صحن کی تو میں یہاں آ گیا' اچھا دماغ خراب مت کرو جلدی کرو اور ہاں سنو کنڈیشنر بھی لانا۔" خزیمہ اپنے تر و تازہ موٹے سے بکرے کو سہلاتا ہوا بولا' اس کا اطمینان بدستور برقرار تھا۔

"وہاں صفائی ہوگئی تو کیا ہمارا صحن تمہیں بھینسوں کا باڑہ لگتا ہے یا بکرا منڈی؟ یہاں صاف صحن نظر نہیں آرہا اندھے ہوگئے کیا؟ ابھی میں نے صفائی کی ہے۔" ماویہ اس کی ڈھٹائی پر رو دینے کو تھی۔

"چلو اب تو ہو گیا نا گندہ میں اپنے لاڈلے کو ہاتھ دے لوں پھر ایک بار اور دھو لینا۔" من من کے جو گرز میں لگی ڈھیروں مٹی بمعہ گوبر صحن میں جھٹکتا ہوا وہ اپنے اطمینان کی آخری حدوں پر تھا۔

"اچھا چلو تم ناراض ہوتی ہو تو میں خود لے لیتا ہوں شیمپو واش روم سے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"خبردار! جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔" وہ سامنے آ گئی اس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی تھی۔

"اُفوہ!" خزیمہ نے اس کے جارحانہ ردعمل پر مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"قسم سے تم اس وقت لیڈی ڈان لگ رہی ہو۔" خزیمہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"خزیمہ...... خزیمہ...... تمہیں شرم ورم ہے کہ نہیں تم پر کسی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا۔"

"سچ میں اس وقت بہت پیاری لگ رہی ہو۔" خزیمہ نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپا پر ڈال کر جذب سے کہا۔ "تمہاری ایک تصویر بنالوں ذرا موبائل سے۔ قسم سے بہت اچھی لگ رہی ہو دل میں اتر جانے کی حد تک بکری پوش علاقے کی تعلیم یافتہ ماسی۔" اس نے شرارت سے جملہ مکمل کیا تو وہ غصے سے چیل کی طرح اس پر جھپٹی۔

"تم ہو گے بکرا خصنے والے۔" اس نے موبائل ہاتھ سے چھین لیا' خزیمہ کی کھلکھلاہٹ اسے مزید تپا رہی تھی۔

"تم...... تم...... میرے ہاتھ سے ضائع ہو جاؤ گے خزیمہ! ماردوں گی میں کسی دن تم کو۔" وہ چلائی۔ خزیمہ نے بالکل قریب آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"پرے ہٹو! تمہارے پاس سے گوبر کی بدبو آرہی ہے۔" قدرے سنبھل کر اسے پرے دھکا دیا۔

"میرے سوال کا جواب دو کیا سچ مچ تم مجھے ماردو گی۔" خزیمہ یکلخت سنجیدہ ہوگیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں شرارت کی جگہ گہری سنجیدگی نمایاں تھی۔

"جاؤ نہیں دیتی جواب۔ میری مرضی۔" اب وہ تپا رہی تھی۔

"اپنے لاڈلے سمیت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"او کے۔" خزیمہ کے چہرے پر اچانک سے ہی عجیب سی سنجیدگی آ گئی تھی۔

"تم کو اگر اتنا برا لگتا ہوں تو ٹھیک ہے نہیں آؤں گا"

بکرے کی رسی تھام کر وہ جانے کے لیے مڑا۔

"تھینک گاڈ۔" وہ زور سے بولی۔ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے خزیمہ نے مڑ کر ایک بھرپور نظر ماویہ پر ڈالی۔

"ہونہہ......" ماویہ نے منہ بنالیا' ہمیشہ ہی ایسا ہوتا وہ ناراض ہو کر جاتا مگر تھوڑی دیر بعد دوبارہ آ موجود ہوتا۔ ماویہ نے دوبارہ سے پائپ لگایا اور فرش دھونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ذکیہ بیگم بھی آ گئیں۔

"تم نے خزیمہ سے کچھ کہا؟" آتے ہی چادر اتار کر صحن میں بچھے تخت پر رکھ کر سوال کیا۔

"نہیں تو...... کیوں؟" وائپر کونے میں رکھتے ہوئے معصومیت سے الٹا سوال کر ڈالا۔ "اس کا موڈ خراب لگ رہا تھا گھر آیا تو آتے ہی واپس نکل گیا بکرے کو باندھ کر حالانکہ آپا نے پوچھا بھی مگر اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔" ذکیہ بیگم ابھی اپنے پڑوس سے یعنی جٹھانی کے گھر سے لوٹی تھیں۔

"اماں چائے......!" ماویہ چائے لے آئی تو دونوں ماں بیٹی چائے پینے لگیں۔

چائے پی کر ذکیہ بیگم عصر کی نماز پڑھنے چلی گئیں اور ماویہ نہانے کے لیے چلی گئی۔

❁......❁......❁

احسان احمد اور اظہار احمد دونوں نہ صرف بھائی تھے بلکہ ایک دوسرے کے پڑوسی بھی تھے' یہ لوگ اوسط درجے کی آبادی میں رہائش پذیر تھے اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے دونوں کی بیویاں بھی آپس میں سگی بہنیں تھیں احسان احمد کا ایک بیٹا خزیمہ اور بیٹی سوہا تھی جب کہ اظہار احمد کی ایک بیٹی ماویہ تھی۔ دونوں بھائی گورنمنٹ جاب کرتے تھے خزیمہ نے بی کام کرلیا تھا اور ایک فرم میں جاب کرتا تھا جب کہ سوہا اور ماویہ دونوں بی ایس سی کر رہی تھیں اور ایک ہی کالج میں تھیں۔ سوہا اور ماویہ تقریباً ہم عمر بھی تھیں اس لیے دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ خزیمہ ان کے سامنے ہوتا تو خود کو بہت اکیلا محسوس کرتا' ان دونوں کی دوستی سے جیلس ہوتا' دونوں کو تنگ کرتا رہتا ان کے کھیل بگاڑ دیتا۔ کبھی سوہا کے بال کھینچ لیتا تو کبھی ماویہ کی پونی کھول دیتا۔

"مجھے بھی کھلاؤ ناں" کبھی کبھی وہ عاجزی سے کہتا۔

"یہ کھیل لڑکیوں کا ہے تم لڑکے ہو تم گڈے گڑیا سے نہیں کھیل سکتے۔" اگر سوہا کھلانا بھی چاہتی تو ماویہ جھٹ سے بول دیتی۔

"ہاں ماویہ ٹھیک کہتی ہے۔" سوہا کا ارادہ بھی فوراً بدل جاتا تب خزیمہ کو غصہ آ جاتا اور وہ ان دونوں کے گڈے گڑیا کو اٹھا کر بھاگ جاتا۔ "امی...... امی" دونوں منہ بسور کر روتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑتیں' کبھی ذکیہ بیگم تو کبھی رفیعہ بیگم آ کر بیچ بچاؤ کرواتیں' بچپن میں بھی رفیعہ بیگم نے خزیمہ کے لیے گڑیا جیسی ماویہ کو مانگ لیا تھا بھلا احسان احمد اور اظہار احمد کو کیا اعتراض ہوتا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی آپس کی نوک جھونک بڑھتی رہی' شعور کی منزل پر قدم رکھا تو ذکیہ بیگم نے ماویہ کو سمجھایا کہ وہ خزیمہ سے بدتمیزی نہ کیا کرے کل کو وہ تمہارا مجازی خدا بن جائے گا۔

"نہیں امی جی! اس بدتمیز سے کون شادی کرے گا۔" وہ تنک کر جواب دیتی۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟ زبان سنبھال کر بات کیا کرو۔" ذکیہ بیگم جھڑکتیں پر وہ ہنس دیتی۔

"پاگل تو میں تب ہوں گی جب اس پاگل سے شادی ہوگی۔" وہ منمنائی۔

"کیا...... کیا؟" ذکیہ بیگم گھورتیں۔

"کچھ نہیں امی! میں نے کہا تایا ابو تائی امی اور سوہا تو بہت بہت اچھے ہیں مگر یہ خزیمہ...... اسے ہضم کرنا مشکل ہے۔" وہ منہ بنا کر کہتی۔

"ہائیں...... تو آدم خور ہے کیا؟" ذکیہ بیگم اسے چپت لگا کر کہتیں۔

"نہیں امی جی! وہ بہت سخت ہے کوئی آدم خور بھی ہضم نہیں کرسکتا اسے بھی ڈائریا ہو جائے گا۔" وہ کہہ کر قہقہہ لگا کر بھاگ جاتی' پیچھے سے ذکیہ بیگم صلواتیں سناتی رہتیں۔

❁......❁......❁

اس روز شام کے وقت سب لوگ صحن میں بیٹھے تھے خزیمہ نے نئی بائیک خریدی تھی تو مٹھائی لے کر آیا تھا۔ اظہار احمد، رفیعہ بیگم اور سوہا بھی آ گئے۔ سوہا اور ماویہ کچن میں چائے بنانے آ گئیں تو باقی سب لوگ صحن میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ وہ دونوں کچن سے آئیں تو سموسوں، پکوڑوں اور شامی کبابوں کی پلیٹیں بھی ساتھ تھیں۔

"ارے واہ! پکوڑے زبردست......" خزیمہ نے پکوڑے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

"توبہ اندیدے ہیں کے۔" ماویہ کی آواز ذکیہ بیگم تک پہنچ گئی تھی انہوں نے ماویہ کو غصے سے گھور کر دیکھا۔

"نہیں ذکیہ! یہی نوک جھونک اور شرارتوں سے تو ہمارے آنگن آباد ہیں۔" رفیعہ بیگم نے محبت پاش نظروں سے ماویہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں چچی جان! یہ تو ایب نارمل ہے ناں میں کون سا دھیان دیتا ہوں اس کی باتوں پر۔" خزیمہ نے گرم گرم شامی کباب کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے لاابالی انداز سے کہا تو ماویہ نے اسے زبان چڑا دی تو خزیمہ نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھ کر اس کے پاگل ہونے کا سگنل دے دیا، سب لوگ ہنس دیئے۔

سوہا کے لیے اچھا رشتہ آ گیا تو اس کی بات بھی طے کر دی گئی بقر عید کے بعد منگنی کی رسم کرنے کا ارادہ تھا۔

خزیمہ کو بچپن سے ہی جانوروں کا بڑا شوق تھا جیسے ہی بقر عید قریب آتی وہ منڈیوں میں چکر لگانا شروع کر دیتا ہر دوست کے ساتھ جا کر اسے جانور دلاتا حالانکہ دونوں بھائی مل کر ایک بچھیا لیتے تھے سب کے حصے ہو جاتے مگر وہ بکرا ضرور لے آتا اور بچوں کی طرح بکرے اور بچھیا کو نہلاتا، صفائی کرتا، گھماتا پھراتا۔ سب سے زیادہ سوہا اور ماویہ کو تنگ کرتا وہ دونوں جانوروں سے خوف کھاتیں دیکھ کر ہی بھاگ کھڑی ہوتیں وہ اتنا ہی تنگ کرتا پھرتا بکرے کی گندگی سے ماویہ بہت چڑتی تھی وہ صفائیاں کرتی رہتی اور خزیمہ گندگی پھیلاتا تھا۔

مغرب کی اذان ہوئی تو ماویہ نے چونک کر گھڑی دیکھی خزیمہ کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی وہ اب تک تو آ جاتا تھا۔ نماز پڑھتے جاتے جاتے ایسے ہی اپنا موبائل اٹھا کر چیک کیا خزیمہ کا میسج آیا ہوا تھا۔

"خوش ہو جاؤ تم ہو گیا ہوں دفع تمہاری زندگی سے ہاہاہا......" ماویہ کو ہلکا سا دھچکا لگا عجیب سا میسج تھا وہ تو ہمیشہ ہی لڑتے جھگڑتے رہتے ایسا تو کبھی نہ کیا تھا اس نے۔ وہ بجھے بجھے دل کے ساتھ نماز ادا کرنے لگی۔

آج ذکیہ بیگم نے کوفتوں کا سالن اور دم کا قیمہ بنایا تھا جو خزیمہ کو بہت پسند تھا۔ رات کو انہوں نے سوہا اور خزیمہ کو کھانے پر بلا لیا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر ماویہ روٹیاں بنانے کچن میں آ گئی تب ہی سوہا بھی آ گئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" آتے ہی سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے کب آئیں تم؟" وہ چونکی۔

"ابھی ابھی محترمہ کہاں گم ہیں آپ؟" وہ مسکرائی۔

"تم اکیلی ہو مطلب خزیمہ کیوں نہیں آیا؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

"ہاں پتا نہیں شام سے کہاں ہے کچھ بتایا بھی نہیں موڈ بھی کچھ آف لگ رہا تھا میں نے چائے دی وہ بھی نہیں پی بس چپ چاپ نکل گیا شام کو میں نے میسج بھی کیے کال بھی ملائی نہیں آیا ہوں گے کسی منڈی میں دوستوں کے ساتھ جانوروں کی تلاش میں۔" سوہا نے خوش گوار لہجے میں کہا اور گاجر اٹھا کر منہ میں رکھی۔

رات کے آٹھ بج گئے تھے ذکیہ بیگم اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھیں وہ دونوں بھی وہیں بیٹھ گئیں۔ اظہار احمد کا انتظار تھا وہ آ جاتے تو پھر ڈنر ہوتا مگر ابھی تو خزیمہ بھی نہیں آیا تھا وہ عجیب سی بے چینی کا شکار تھی رہ رہ کر میسج کا خیال آ رہا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیا وہ واقعی ناراض ہو گیا ہے؟ سوچ سوچ کر عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ کافی دیر انتظار کرتے رہے اظہار احمد بھی آ گئے تھے تب سوہا کے کہنے پر کھانا لگا دیا گیا۔ سالن دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کا دل بھر آیا خزیمہ کو بہت پسند تھے کوفتے اس کا دل بھی

کھانے سے اچاٹ ہو گیا پیٹ کے درد کا بہانہ کر کے وہ کھانے سے اٹھ گئی۔

ابھی دوپہر میں جب وہ کوفتوں کا قیمہ پیس رہی تھی تب وہ آیا تھا اس نے ڈھیر سارا پسا ہوا مصالحہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا۔

"ہٹ ندیدے!" اس نے اس کے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا کرو جلدی سے دو چار مجھے فرائی کر دو کوفتے بعد میں تم بناتی رہنا ورنہ میں کچا بھی کھا جاؤں گا۔" اس نے دوبارہ قیمہ اٹھاتے ہوئے دھمکی دی۔

"کیا ہوا بیٹا!" اظہار احمد نے اسے خاموش گم صم دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ابا جی! وہ میں پانی لاتی ہوں۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو چھپائے پانی لانے کے بہانے اٹھ گئی۔ سوہا اسے غور سے دیکھتی رہ گئی۔ کھانا کھا کر سوہا تو چلی گئی مگر وہ مزید بے چینی کا شکار ہو گئی عجیب سی کسک تھی دل میں۔

"یاخدا! خزیمہ کو اپنی امان میں رکھنا۔ میں نے کچھ زیادہ کہہ دیا شاید مگر...... مگر ایسا تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔" خود سے سوال کرتی اور خود ہی جواب دیتی۔ رات سب پر قیامت بن کر ٹوٹی تھی یہ خبر خزیمہ کے کسی دوست کا فون آیا ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ اسپتال میں ہے۔

سوہا بری طرح رو رہی تھی، رفیعہ بیگم، احسان احمد بھی رونے لگے۔ ذکیہ بیگم اور اظہار احمد بھی چلے آئے عجیب سا مکدر ماحول ہو گیا تھا سب اسپتال جا رہے تھے۔

"نہیں سوہا! میں نہیں دیکھ سکتی اس کو میں نہیں جاؤں گی۔" سوہا نے اسے چلنے کا کہا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ لوگ چلے گئے تو ماویہ چھت پر آ گئی صحن میں بندھے بکرے کو دیکھ کر بلک اٹھی۔

"یااللہ خزیمہ کو صحت اور زندگی عطا کرنا میرے مولا!" عشاء کی نماز ادا کر کے وہ اپنے رب کے حضور کتنی دیر گڑگڑاتی رہی۔ اپنی زیادتیوں کا سوچ سوچ کر آنسو بہاتی

رہی۔ خزیمہ کی ایک ایک بات اسے یاد آتی رہی، جاتے جاتے مڑ کر دیکھنا اور پھر...... میسج کا آنا۔

"خدا نہ کرے کہ تم میری زندگی سے دور جاؤ خزیمہ! پلیز ایک بار میرے پاس آجاؤ، میں کبھی بھی تم سے نہیں لڑوں گی۔ تم دور گئے تو تمہاری ضرورت کا احساس ہوا ہے خزیمہ میں...... نہیں رہ سکتی تمہارے بنا۔ مجھے معاف کردو پلیز...... تم میری زندگی ہو......" آنکھیں بند کیے وہ اپنے آپ میں مسلسل بولے جارہی تھی، تڑپ رہی تھی، سسک رہی تھی۔

"خزیمہ پلیز...... آجاؤ......" وہ جذب میں باربار کہے جارہی تھی۔ "پلیز آجاؤ...... آجاؤ خزیمہ......" ہلکی سی آواز پر چونک کر آنکھیں کھولیں، خزیمہ کو سامنے دیکھ کر اپنے حواسوں پر قابو نہ رکھ سکی، وہ دشمنِ جاں سامنے کھڑا تھا۔ خوب صورت، لمبا چوڑا، چہرے پر کھلی مخصوص مسکراہٹ......

"خزیمہ...... خزیمہ...... یہ تم ہو......؟" وہ آنکھیں پھاڑے حیرت، غیر یقینی اور خوشی کے ملے جلے اثر میں تھی۔ دوڑ کر اس تک پہنچی اور اسے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ "تم ٹھیک ہو؟" آنکھیں جھپکائے، آنسو بھری آنکھوں سے سراپا سوال تھا۔

"ارے، ہاں یار! میں ہوں اس بری طرح جھنجوڑا تو یقیناً کچھ ہوجائے گا مجھے۔" وہی شرارت تھی خوب صورت آنکھوں میں اور مسکراتے لبوں پر۔

"تو وہ کیا تھا؟ تم...... تمہارا ایکسیڈنٹ......" وہ مجسم حیرت تھی۔

"وہ سب...... وہ چھوٹا سا مذاق تھا جانو! تمہاری دلی کیفیت، تمہارے پیار کا اندازہ لگانے کے لیے۔" خزیمہ قدرے جھک کر مسکراتا ہوا بولا۔

"وہ مذاق تھا...... تمہارا دماغ خراب ہوگیا کیا؟ مطلب کیا تھا یہ کرنے کا...... ہاں پاگل بنایا مجھے...... کوئی پیار ویار نہیں مجھے تم سے...... سمجھے تم......" وہ ایک لمحے میں پینترا بدل کر خاصی برہمی سے بولی۔

"پھر...... پھر یہ سب کیا ہے؟" خزیمہ نے بھیگی پلکوں کو نرمی سے چھوا۔ "شام سے مضمحل اور پریشان رہنا، کھانا نہیں کھانا، رو رو کر چہرے کا نقشہ بگاڑ لینا، سلامتی اور زندگی کے لیے آنسوؤں کی جھڑی لگا کر دعا مانگنا، ہاں...... یہ کیا ہے سب؟ کیا تمہیں مجھ سے کوئی نہیں، انسیت، محبت نہیں...... بولو جواب دو......" خزیمہ نے اس کے بازو تھام کر اپنی جانب رخ موڑا اور اس کے چہرے کو آہستگی سے اوپر اٹھایا۔

"اُف......" ماویہ نے ایک لمحے کے لیے نظریں اٹھائیں۔ خزیمہ کی آنکھوں میں بے تحاشا خوب صورت جذبے مچل رہے تھے۔

"تم...... تم بہت برے ہو خزیمہ!" نگاہیں جھکا کر خزیمہ کے سینے سے لگ کر رو دی۔ "میں نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر۔" لرزتی پلکوں کو گرا کر خوب صورت اقرار کیا اور خزیمہ کے دل میں اترتی چلی گئی۔ "اس کا مطلب سب نے مل کر مجھے پاگل بنایا۔" دفعتاً اسے جیسے کچھ یاد آیا اور وہ غصے سے بولی اور اپنی ناک رگڑی۔ خزیمہ کو ہنسی آگئی۔ وہ سب لوگ شاپنگ کرنے گئے ہیں پاگل حسینہ! ہماری منگنی کی تیاری ہورہی ہے باؤلی خاتون!" خزیمہ اپنی پرانی روش پر واپس آیا۔

"مجھے تم سے شادی وادی نہیں کرنی ہے جاؤ! خربوزے!" وہ بھی جواباً اسی طرح کہہ کر منہ چڑاتی ہوئی نیچے کی طرف بھاگی۔ پیچھے خزیمہ کا بھرپور قہقہہ ابھرا اور وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔

نیچے سب لوگ اس کے منتظر تھے اور ڈھیر سارے کپڑے پھیلے ہوئے تھے اسے آج سب سے بے تحاشا شرم آرہی تھی وہ اپنے کمرے کی طرف چل دی، مطمئن اور بے تحاشا خوشی کے ساتھ۔

اترن

سویرا ملک

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

جاگا نہیں گیا، کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر بھی رکھا نہیں گیا
اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
اُن سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

"افوہ! کیا مصیبت ہے اماں! کیوں ہر بار یہاں گھسیٹ لاتی ہو مجھے۔" اسے تیسری بار کسی چیز سے ٹھوکر لگی تھی اور وہ بری طرح جھنجلا گئی تھی۔

ہر جمعرات کی طرح اماں، فرح کو ہفتہ وار خریداری کے لیے بچت بازار لے آئی تھیں۔ چھوٹی سی جگہ پر دکان داروں اور گاہکوں کے رش کے باعث تل دھرنے کی جگہ نہ تھی بقول اماں کے مارکیٹ کی بہ نسبت بچت بازار سے سستی خریداری ہوجاتی ہے۔ اس لیے وہ گھر سے ایک اسٹاپ دور لگنے والے اس بچت بازار کا ہر ہفتے چکر لگاتی تھیں۔

"ہاں تو گھر میں ہانڈی روٹی کرلیا کر، میں ثریا کو لے آیا کروں گی مگر گھر کے کاموں سے تیری جان جاتی ہے۔ ایک تو اچھی اور سستی چیزیں ڈھونڈنے میں ہلکان ہو پھر دکان داروں سے مغز ماری کر کے دماغ خالی کرو اوپر سے تیری چڑ چڑ بھی سنو۔ اکیلی سامان اٹھا سکتی تو تجھے کیوں ساتھ لاتی۔" اماں کو فرح کے ساتھ ساتھ گرمی اور حبس نے پریشان کیا تو وہ اس پر چڑھ دوڑیں اور وہ منہ بنانے لگی تو اماں نے اس کی اور خبر لی۔

"بات سن یہ نئے نئے فیشن کے کپڑوں اور طرح طرح کے کھانوں کی فرمائشیں کرتے وقت نہیں بنتا تجھ سے ایسا ٹیڑھا میڑھا منہ، بس کام کا نہ بولو مہارانی جی کو۔ چل اب باہر نکلنے کا راستہ دیکھ۔"

اماں کی گھن گرج پر آس پاس چلتی عورتوں نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا تو فرح خریداری کے تھیلے سنبھالتی تیزی سے باہر کی جانب چل دی۔

فرح کا تعلق تو متوسط گھرانے سے تھا مگر اس نے اپنے ماحول کو کبھی دل سے قبول نہ کیا تھا۔ "چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ" بچت کی عادت ڈالو وغیرہ" کھینچ تان کر گزارہ کرنے والی اماں

کی نصیحتیں اسے سخت زہر لگا کرتی تھیں۔ خوش شکل ہونے کے باعث اسے یہ گمان بھی تھا کہ وہ غلطی سے اس گھر میں بھیج دی گئی ہے' دراصل اس کا اصلی ٹھکانہ تو کسی وسیع وعریض کوٹھی اور امیر کبیر خاندان میں ہونا چاہیے تھا۔ حرا جو اس کے کالج کی ساتھی تھی اس کے اس خیال کو تقویت دینے میں اپنا کردار خوب نبھایا تھا خود اس کا تعلق متمول گھرانے سے تھا جہاں پیسے کی فراوانی کے ساتھ ہر طرح کی آزادی کا راج تھا۔ دونوں کی دوستی کے بڑھاوے میں حرا کی خوشامد پسندانہ طبیعت اور فرح کی چاپلوسی کی عادت ہی کا ہاتھ تھا ورنہ آسمان اور زمین میں یارانہ کب ہوا کرتا ہے بھلا؟

حرا کے ہر الٹے پلٹے فیشن کی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے ملانا اور اس کی ہر جائز وناجائز بات کی تائید کرنا گویا فرح کے لیے لازم بن گیا تھا اور اس اطاعت گزاری کے نتیجے میں حرا اس کو اپنے پرانے کپڑے' جیولری اور استعمال شدہ میک اپ کی چیزیں دے کر اپنے تئیں مہربانیاں کرتی رہتی۔ حرا کی ان نوازشوں اور عنایتوں کو فرح اپنی الماری میں خوب چھپا کر رکھتی کیونکہ اس نے صرف ایک بار اماں کو حرا کا دیا ہوا اسٹائلش جوڑا پہن کر دکھایا کہ آئینے کے بعد اماں اس کی بلائیں اتاریں گی تو اماں نے اسے جھوٹن پہننے اور ناجائز صدقہ' زکوٰۃ لینے کے عتاب گنوا کر خوب لتے لیے مگر جب آنکھوں کے آگے تیز روشنیوں کی بھرمار ہو تو آگے کے سارے منظر دھندلا جاتے ہیں۔

❀……♥……❀

"تو تم آ رہی ہو نا میری منگنی پر۔" حرا نے کوئی تیسری بار [illegible] کنفرم کیا اپنی تعریفیں کروانے اور امارات کا مکمل رعب ڈالنے کا یہ موقع وہ ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے بار بار فرح سے اصرار کر رہی تھی۔

"میں دل سے آنا چاہتی ہوں حرا! مگر تم ہی بتاؤ میں اماں کو کس طرح مناؤں وہ نہیں مانیں گی پھر صحیح بھی تو ہے تمہارا گھر اتنی دور ہے رات گئے واپسی ہوگی تو کون سی بس ملے گی آنے جانے کا بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔" فرح نے بے بسی سے جواب دیا۔

"اوہو! بے وقوف لڑکی! تم بسوں میں اور رکشے ٹیکسیوں میں آنے کی غلطی بھی مت کرنا' مذاق اڑوا دو گی کیا! [illegible] علاقے میں رہتے ہیں وہاں سب کی اپنی گاڑیاں ہیں' تمہیں بھی گاڑی بھیج کر پک کروالوں گی اور ڈراپ کروادوں گی اور تمہاری اماں سے بات کرکے میں خود راضی کرلوں گی' ڈونٹ وری! کہوں گی کہ میری دوست میرے اہم موقع پر نہیں آئے گی تو مجھے خاک مزا آئے گا اور سنو! بلو نیٹ کا سوٹ پہننا جو تمہیں لاسٹ ویک دیا تھا۔ بہت [illegible] گا تم پر۔" حرا نے ایک بار پھر بہانے سے اپنی نوازشات دلائیں تو فرح نے بھرپور مسکا لگایا۔

"ہاں یار شکریہ' تم نے یاد دلایا' نہیں تو میری سمجھ [illegible] آرہا تھا کہ کیا پہنوں۔" اور حرا مسکرا دی۔

کچھ اماں کی منتیں کرکے' کچھ جھوٹ سچ بول کر اس نے [illegible] کو راضی کر ہی لیا۔ حرا کی امی نے بھی پک اینڈ ڈراپ کا [illegible] دلا دیا تو اماں کا دور کے آنے جانے کا اندیشہ تھوڑا کم ہوا۔

حرا گہرے کلر کے مدار بھوپالی ڈریس میں واقعی بہت [illegible] لگ رہی تھی۔ فرح نے بھی خوب دل کھول کر اس کی تعریف کی۔ کھانے کے بعد حرا نے فرح کو اپنے منگیتر واصف سے ملوانے اسٹیج پر بلوالیا۔

"واصف! یہ میری فرینڈ فرح! تمہاری طرح یہ بھی مجھ سے ملے بنا' مجھ سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کالج سے [illegible] اس کو تاکید کرنا پڑتی ہے۔" حرا نے پھر اپنی اہمیت جتائی۔

"کیا کریں واصف بھائی! ہماری حرا ہے ہی ایسی! اس سے دور رہنا جان کا روگ لگتا ہے' کیوں؟ آپ بھی [illegible] کرتے ہیں نا میری بات سے۔" فرح نے اپنے مخصوص چاپلوسانہ انداز میں واصف کو مخاطب کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور حرا کا فرح کو اس پارٹی میں بلانے کا اصل مقصد پورا ہو گیا۔ کھانے کے بعد فوٹو سیشن کا دور [illegible] ہو گیا۔ اس لیے فرح نے حرا سے اجازت طلب کرتے [illegible] اس کا وعدہ یاد دلایا تو حرا نے امی سے کہہ کر ڈرائیور کے [illegible] اسے گھر ڈراپ کرا دیا۔

حرا کی شادی چار چھ ماہ بعد ہی ہونی تھی' اس لیے تیاریاں زور وشور سے کر رہی تھی۔ وہ اکثر فرح کو بھی

ساتھ بازار لے جاتی۔ پارٹی سے وقت پر اور ساتھ خیریت کے آنے کے باعث اماں بھی فرح کو حرا کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتی تھیں۔ حرا کو بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز سے ہزاروں کی قیمتی چیزیں خریدتے دیکھ کر فرح کی رال مزید ٹپکنے لگی تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ حرا سے یہ چیزیں چھین لے۔ فرح کے خواب اب مزید رنگین ہو گئے تھے اسے اپنے ماحول سے مزید نفرت ہوتی جا رہی تھی' کہاں اماں کا سستی چیزوں کی تلاش میں مٹی دھول اور گرمی میں رلنا پھرنا اور کہاں حرا کا ائیر کنڈیشنڈ شاپنگ سینٹرز میں من پسند چیز کو ایک جست میں حاصل کر لینا۔ فرح کی بلند ترین اڑان کی خواہش شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

"سوچ لو فرح! بہت خوش نصیب ہو تم' جو عادل جیسے ہینڈسم اور امیر لڑکے نے تمہیں پسند کیا ہے۔ دن پھر جائیں گے تمہارے۔" حرا نے کولڈ ڈرنک کا خالی گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا وہ لوگ شاپنگ کے بعد فوڈ کورٹ میں بیٹھے تھے۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے حرا! مگر میں ان سے کس طرح ملوں گی' اگر میں انہیں پسند ہوں تو رشتہ بھجوادیں۔ اماں کو پتا چل گیا تو مار ڈالیں گی مجھے۔" فرح سمنائی۔

"توبہ ہے بھئی بہت بے وقوف لڑکی ہو تم' رشتے ایسے ہی تھوڑے طے ہو جاتے ہیں' ٹائم لگتا ہے اور تم مل کر خود کو کیوں بیک ورڈ ثابت کرنا چاہ رہی ہو جب کہ عادل آزاد خیال بندہ ہے' یہ موقع ہاتھ سے نہ گنواؤ اور ہاں اب میں کبوتر کی طرح تم لوگوں کے لیے مزید پیغام رسانی کا کام نہیں کر سکتی۔ ایک ہفتہ ہو گیا مجھے اور بھی بہت کام ہوتے ہیں یہ لو پکڑو اسے۔" حرا نے اپنا موبائل سیٹ فرح کے ہاتھ میں تھمایا تو وہ چونک گئی۔

"یہ کیا تم اپنا موبائل مجھے کیوں دے رہی ہو؟"

"واصف نے منگنی کے گفٹ کے طور پر مجھے نیا موبائل لے کر دیا ہے' اب تم دونوں اپنے معاملات خود سیٹل کرو' آج رات ایک بجے کے بعد وہ تمہیں کال کرے گا تاکہ تم آسانی سے بات کر سکو' اب کچھ نہیں کہنا۔ جلدی چلو مجھے پارلر جانا ہے۔ مما میرا انتظار کر رہی ہیں' تین مسڈ کالز آ چکی ہیں۔" حرا اٹھ کھڑی ہوئی تو چار و ناچار فرح کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

❀……♥……❀
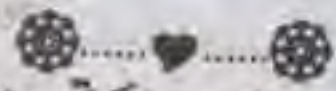
اماں نماز پڑھ کر کب کی لیٹ چکی تھیں فرح کی بہن فاخرہ اور چھوٹا بھائی عمران بھی گہری نیند کے باعث خراٹے لے رہا تھا۔

فرح کی آنکھوں سے نیند البتہ کوسوں دور تھی وہ لمحہ لمحہ گن کر عادل کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ عادل حرا کا کزن تھا بقول حرا کے وہ دبئی میں رہتا ہے اور تقریب میں شرکت کے لیے آیا ہوا تھا اور فرح کو حرا کی منگنی میں دیکھ کر وہ اس پر فدا ہو گیا تھا۔ بہانے بہانے سے کبھی کولڈ ڈرنک اور کبھی کھانے کا پوچھنے والا خوبرو عادل اسے بھی اچھا لگا تھا۔ مگر دل کی خواہش یوں پوری ہو جائے گی یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ جاگتی آنکھوں سے سپنے بننے لگی تھی کہ تب ہی اچانک موبائل کی اسکرین پر عادل کالنگ کے لفظ چمکنے لگے وہ تیزی سے اٹھ کر کچن کی جانب آ گئی اور کانپتے ہاتھوں سے اوکے کا بٹن پریس کر دیا۔

"عاشق کا سلام قبول کیجیے۔" عادل کی گمبھیر آواز نے فرح کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دیں۔

"وعلیکم السلام!" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں ٹھیک ہوں' اور آپ؟" فرح نے گویا اخلاقی فرض نبھایا۔

"آپ نے میرا کام تمام کر دیا اور اب حال پوچھ رہی ہیں' فرح پہلی نظر کی محبت کسے کہتے ہیں اس کا ادراک مجھے آپ کو دیکھنے کے بعد ہوا۔ میں جانتا ہوں آپ کی اور میری' ہم دونوں کی کچھ مجبوریاں ہیں مگر یقین مانیے آپ کی خاطر' ہمارے پیار کی خاطر میں ہر دیوار گرانے کو تیار ہوں مگر اس کے لیے مجھے آپ کا ساتھ درکار ہے۔ بولیں دیں گی نا میرا ساتھ؟ پلیز انکار نہیں کیجیے گا۔ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں فرح! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" عادل نے مخمور لہجے میں حال دل بیان کیا تو آنکھیں بند کیے بیٹھے لفظوں میں کھوئی فرح کے لب خود بخود کھل گئے۔

"میں بھی آپ سے بہت پیار کرتی ہوں عادل!"

"پھر ہم کب مل رہے ہیں؟" عادل نے پوچھا تو وہ مشکل میں پھنس گئی۔

"عادل ملنا تو......؟" وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ عادل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں کل کالج کے بعد آپ کو پک کرلوں گا' گھر پر کہہ دیجیے گا آپ حرا کے ساتھ شاپنگ پر جارہی ہیں' اچھا کوئی آرہا ہے میں فون بند کررہا ہوں' بائے۔" عادل نے تیزی سے پروگرام بنا کر موبائل آف کردیا اور فرح نے ٹھنڈے سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

اگلے دن عادل' فرح کو سی ویو لے آیا' چاٹ اور برگر کھلا کر وہ ساحل سے دور اس کنارے پر لے آیا جہاں عموماً لوگ کم تھے' وہ دونوں ساحل پر چہل قدمی کرنے لگے۔ عادل بار بار اس سے اظہارِ محبت کرتا رہا وہ مسکراتی اور شرماتی رہی۔ چلتے چلتے عادل نے فرح کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہمارا بندھن اٹوٹ ہے' جیسے ہمارے ہاتھ جڑے ہیں ایسے ہی ہمارا رشتہ ہمیشہ قائم رہے گا۔" عادل نے گرفت مضبوط کی تو وہ دل ہی دل میں اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہونے لگی۔

اسی عرصے میں حرا کی شادی ہوگئی اور وہ واصف کے ساتھ دبئی شفٹ ہوگئی تھی۔ بقول عادل کے وہ اسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا سو عادل کے ساتھ کسی نہ کسی بہانے وہ نکل ہی جاتی آج بھی وہ اس کی فرمائش پر نک سک سے تیار ہوکر خود کو برقعے میں چھپا کر نکلی تھی۔ نقاب تو وہ کرتی ہی تھی سو میک اپ زدہ چہرہ نقاب میں چھپ گیا مگر دل میں تو چور تھا اس لیے اماں کے کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن سے ہی انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی اور اماں کہتی ہی رہ گئیں۔

"حصار تو کرالے بیٹا!" گلی کے موڑ پر عادل حسب وعدہ موجود تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر عادل کی خواہش پر اس نے نقاب ہٹادیا' عادل بار بار اپنی وارفتہ نگاہوں سے اس کے چہرے کا حصار کرتا رہا اور وہ مسکراتی رہی۔ ٹریفک کا ہجوم کراس کرتے ہوئے عادل نے گاڑی نسبتاً سنسان سڑک پر ڈال دی یہ پوش علاقہ تھا' عادل نے ایک سیاہ شیشوں سے بنی عمارت کے سامنے گاڑی روک دی۔

"بہت بھوک لگ رہی ہے یار! چلو پہلے ناشتا کرلیں۔" عادل نے کار کا دروازہ کھولا۔

"آئی ایم سوری عادل! میں تو ناشتا کرکے آئی [illegible] دراصل اماں بغیر ناشتے کے گھر سے نکلنے نہیں دیتیں [illegible] نے بتایا بھی نہیں تھا ورنہ میں کچھ بہانا کرلیتی۔" فرح نے وضاحت کی۔

"اٹس اوکے یار! تم چائے پی لینا' میں تو کچھ سینڈوچ وغیرہ لے لوں' آجاؤ۔" گاڑی لاک کرکے عادل عمارت [illegible] دروازے کی طرف بڑھا' اس نے فرح کا ہاتھ تھام کر [illegible] کیبن میں بٹھادیا۔

"تم ایزی ہوکر بیٹھو' میں ناشتا لے کر آتا ہوں۔" [illegible] نے اس کے برقعے کی طرف اشارہ اور خود باہر نکل گیا۔

فرح نے برقعہ اتار کر آس پاس نظریں دوڑانا شروع کیں [illegible] ریسٹورنٹ میں مختلف کیبنز بنے ہوئے تھے اور باقاعدہ کیبن پر پردے ڈلے ہوئے تھے۔ مدھم روشنی اور دھیمی موسیقی ماحول کو خوابناک بنارہی تھی ابھی وہ یہ کھوجنے کی کوشش کررہی تھی کہ اس وقت یہاں اور کتنے لوگ موجود ہیں کہ عادل آگیا۔ اس نے کافی اور سینڈوچز کی ٹرے ٹیبل پر رکھی [illegible] سامنے رکھی مانیٹر اسکرین آن کردی۔

"ارے یہاں ٹی وی بھی ہے۔" فرح نے چونک کر عادل کو دیکھا۔

"تو یار یہ اسٹینڈرڈ کا ریسٹورنٹ ہے' اچھا سنو تھوڑا قریب ہوکر بیٹھو نا تمہاری رفاقت کو مکمل طور پر محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" فرح کچھ جھجکی تو عادل نے شانوں سے پکڑ کر اسے پہلو میں بٹھالیا۔

"یہ دیکھو ایک نئی موووی آئی ہے' بہت مزاحیہ ہے۔ میں نے سوچا ہم لوگ تھوڑا ریلیکس ہوجائیں گے کھل کر ہنس بول سکیں گے ورنہ باہر تو یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے میرا تو کچھ نہیں تم لڑکی ہو' تمہاری عزت کی فکر لگی رہتی ہے۔" عادل نے سی ڈی لگا کر سیٹ سے پشت ٹکائی تو فرح نے بھی مطمئن ہوکر عادل کے شانوں سے سر ٹکادیا۔ یہ خیال ہی کتنا اطمینان بخش تھا کہ عادل اس کی اتنی فکر اور کیئر کرتا ہے۔

فلم اسٹارٹ ہوگئی تھی' کارٹون کریکٹر کی اوٹ پٹانگ حرکتیں دیکھ کر دونوں ہی محظوظ ہونے لگے۔ عادل کبھی فرح

کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا تو کبھی گال پر یوں انگلیاں پھیرتا کہ وہ مسحور و مسرور ہوجاتی اور عادل کی قربت کے امر ہوجانے کی شدت سے دعا کرنے لگتی یکایک اسکرین پر سین چینج ہوگیا' انگلش مووی کے ہوش ربا اور بے ہودہ مناظر دیکھ کر فرح کو گویا کرنٹ لگ گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی مگر عادل نے اسے شانوں سے تھام کر بٹھالیا۔

"کچھ نہیں ہے جان! گھبراؤ نہیں دیکھو نا ہم بھی ان کی طرح ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ جب ہم ایک دوسرے کے ہیں تو یہ دوری کیسی اور آج تو تمہارا یہ قیامت خیز روپ مجھ پر بجلیاں گرارہا ہے' اپنے عادل کو تشنہ مت رکھو گی تم۔" اپنے ہاتھوں کی گرفت اس پر تنگ کرتا چلا گیا اور عادل کے ہاتھوں کا لمس اور قربت فرح کو بے خود کرگیا اور وہ ہوگیا جس کا فرح کا گمان بھی نہ تھا وہ سارے راستے روتی رہی اور عادل اسے دلاسا دیتا رہا' وعدے اور قسمیں کھا کر اپنی ہمراہی کا یقین دلاتا رہا۔

وہ دل ہی دل میں ماتم کرتی گھر آگئی اب تو حرا سے بھی رابطہ نہیں تھا کہ دل کی بات اس سے کہہ پاتی۔ آنکھوں کی نمی اور چہرے کی اداسی اماں اور بہن بھائیوں سے چھپاتے چھپاتے وہ تھک گئی بالآخر رات ہوگئی' سب سو گئے تو اس نے عادل کی کال کا انتظار کرنا شروع کردیا۔

"بہت غلط ہوگیا ہے یہ مگر عادل وہ بھی کیا کرتے' بہک گئے تھے مگر میری پروا ہے انہیں۔ بس اب ملنا بند' صاف کہہ دوں گی کہ اب تو شادی کے بعد ہی ملیں گے بس اب رشتہ بھجیں۔" وہ خیالوں میں خود سے ہی مخاطب تھی۔ بار بار بے چین ہوکر تکیے کے نیچے سے موبائل نکال کر چیک کرتی کہ شاید وائبریشن ہوئی ہو اور اس نے محسوس نہ کی ہو۔ آج دیر ہوگئی تھی یا اسے محسوس ہورہی تھی' اس نے ٹائم دیکھا دو بج رہے تھے جب کہ عادل اسے ایک بجے کال کیا کرتا تھا۔ آخر کار اس نے عادل کو خود ہی کال ملائی مگر اس کا فون بند تھا۔ اس نے پھر ٹرائی کیا' چوتھی' پانچویں' چھٹی مرتبہ مگر دوسری طرف ہنوز نو رسپانس کا میسج تھا۔ وہ موبائل کو پکڑے بیٹھی رہی فجر کی اذان کی آوازیں آنے لگیں اس نے حلق کی نمی کو بمشکل سینے میں اتارا اور دل سے اللہ کو پکارا۔

آج چھٹی رات تھی' موبائل کی خاموشی ہنوز قائم تھی' فرح کے اندر بھی سناٹا براجمان ہوگیا تھا۔ دل کا شک یقین میں تبدیل ہوچکا تھا' واہمے حقیقت میں ڈھل گئے تھے' اس کے چہرے کی رونق ماند پڑنے لگی تھی اور آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی تھی۔ اماں کے پوچھنے پر اس نے فائنل امتحان کی ٹینشن کا بہانا بنادیا۔ امتحان کی تیاری ہی کا بہانہ بنا کر وہ سب سے کترا کر گھنٹوں کمرے میں گھسی رہتی تھی۔ راتوں کی نیند تو شاید اب زندگی بھر اس کے نصیب میں نہ تھی۔ وہ رات بھر جانے کس آس میں موبائل تکتی رہتی۔ اس رات بھی وہ موبائل کے مختلف آپشنز کھول بند کرکے کھیلتی رہی۔ حرا کے کچھ میسجز سم کے بجائے فون میں سیو ہوگئے تھے وہ یوں ہی انہیں پڑھنے لگی' یہ میسج عادل کی طرف سے تھا۔

"حرا ڈیئر! یہ تم نے اچھا نہیں کیا' مانا کہ میں واصف کی طرح کسی بڑی فیکٹری کا مالک نہیں مگر ہمارا الیکٹرونکس کا بزنس بھی ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے' تمہارے بغیر میرے روز و شب بالکل پھیکے اور ویران ہوگئے ہیں۔ اب تو تمہارے پاس بھی مجھ سے ملاقات کرنے کا بھی ٹائم نہیں اور پھر شادی کے بعد تم باہر چلی جاؤ گی تو تم سے ملاقات تو کجا میں تمہارے دیدار سے بھی محروم ہوجاؤں گا۔ تم خود تو واصف کے ساتھ مزے کررہی ہو اور مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے' یہ ٹھیک نہیں ہے' زندگی تمہارے بغیر بور گزرے گی۔ بتادو میں تمہارے بغیر کیا کروں؟" حرا نے تو نہ جانے عادل کے اس میسج کو ریپلی کیا تھا یا نہیں مگر فرح کو اس کے خود سے کیے گئے تمام سوالوں کے جواب مل گئے تھے۔

"تو حرا نے اسے عادل کا ٹائم پاس بنا کر بھیجا تھا اور عادل حرا کی جانب سے فرح پر ایک اور عنایت تھی۔ اس کی زکوٰۃ' اس کی جھوٹن' جس بخشش پر فرح نے ہمیشہ فخر محسوس کیا آج اسے حرا کی اس اترن سے نفرت محسوس ہورہی تھی۔ آج پہلی بار اسے اپنے وجود سے گھن آئی' اسے ایک دم اپنے وجود سے تعفن اٹھتا محسوس ہوا' اسے ابکائی سی آگئی۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ وہ حرا کو فون کرکے سناڈالے' اس سے پوچھے کہ اس نے اپنی دوست کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ مگر اپنی ہی عزت کو

مزید نیلام کرنے کا حوصلہ اس میں نہ تھا۔

وہ عادل سے بدلہ تو نہیں لے سکتی تھی مگر اسے لعن طعن تو کرسکتی تھی شاید اس طرح اس کا غبار کچھ کم ہوجائے' مگر اس سے کیا ہوگا؟ اس طریقے سے اس کی تار تار ہوئی عزت تو واپس نہیں آجائے گی۔

"نہیں...... میں عادل کی منتیں کروں گی' اسے اللہ رسول کا واسطہ دوں گی' کاش ایک بار...... صرف ایک بار مولا میرا اس سے رابطہ ہوجائے۔" وہ بے آواز رو رو کر فریاد کررہی تھی' دل سے اٹھتی زبان پرآنے والی آہوں' سسکیوں اور چیخوں کو دبا دبا کر اس کا حلق خشک ہونے لگا۔ ٹینشن سے سر پھٹا جارہا تھا' مسلسل رونے سے آنکھوں میں جلن ہوگئی تھی' اسے پانی کی شدید طلب محسوس ہوئی۔ وہ ابھی چہرہ دھونے اور پانی پینے کی غرض سے اٹھنے ہی والی تھی کہ اچانک موبائل میں وائبریشن ہوئی اس نے چونک کر اسکرین دیکھی' کال کسی انجان نمبر سے تھی۔ اس نے ٹائم دیکھا رات کے تین بج رہے تھے یکایک اسے خیال آیا کہ کیا پتا یہ عادل ہی ہو' مبادا اس کے ساتھ کوئی پرابلم ہوگیا ہو یا شاید اس کا موبائل چوری ہوگیا ہو' ایک لمحے میں کئی خیال اسے دلاسہ دے گئے۔

"کاش ایسا ہی ہو۔" اس نے دعا مانگتے ہوئے اوکے کا بٹن پریس کردیا۔

"ہیلو۔" فرح نے بمشکل آواز نکالی۔

"فرح؟" مردانہ آواز نے بھی انتہائی دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کون؟" فرح نے کنفرم کرنا چاہا کہ یہ عادل ہے یا کوئی اور۔

"میں کاشف ہوں فرح!" اس بار دوسری جانب سے آواز واضح تھی اور شاید فرح کی ہچکچاہٹ کے باعث اسے بھی یقین تھا کہ وہ مطلوبہ لڑکی سے ہی مخاطب ہے اس لیے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں فرح! جب سے آپ کی تصویر دیکھی' آپ کی من موہنی صورت نے میرے دل میں ہلچل مچادی ہے۔ مجھے آپ سے ملنا ہے' وہیں جہاں آپ آخری بار عادل سے ملی تھیں' بتائیں نا کب آرہی ہیں؟"

شکست اور ذلت کے شدید احساس نے فرح کو ہلا دیا' اس کا خود پر سے اختیار ختم ہوگیا۔

"ذلیل' کمینے انسان! تیری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے ایسی بات کرنے کی' میں تجھے اور اس عادل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ گرد و پیش سے بے نیاز زور زور سے چلا کر بول رہی تھی۔

"بات سنو' اپنی حد میں رہو۔ مجھے گالیاں دینے سے پہلے اپنی شکل آئینے میں دیکھ لو اور ہاں میری جان! آ گئیں تو تمہارے اچھے بھی ورنہ میں وہ تمام تصویریں اور مووی جس میں تمہارا اور عادل کا کارنامہ محفوظ ہے شہر بھر کے موبائلز میں سینڈ کردوں گا اور ہاں انٹرنیٹ پر بھی لوڈ کردوں گا' کل شام چار بجے پہنچ جانا۔" کاشف نے فرح کے کانوں میں صور پھونک کر موبائل آف کردیا۔ فرح کو یہ تو سمجھ آ گیا تھا کہ وہ کس جال میں پھنس گئی ہے مگر اس جال سے آزادی کی راہ اسے سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے ہر طرف ویرانہ نظر آرہا تھا' اس پر وحشت طاری ہونے لگی تھی یکایک اسی اثناء میں اس کی نظر اماں اور بہن بھائیوں پر پڑی جو اس کے چیخنے چلانے کی آواز پر اس کے کمرے کی طرف دوڑے آرہے تھے۔ اس نے خوفزدہ ہوکر موبائل کمرے میں ٹرنک کے پیچھے پھینک دیا اور اماں کی طرف لپکی۔

"مجھے بچالو اماں وہ...... وہ...... آرہا ہے۔ وہ دیکھو اماں!" وہ اماں سے لپٹ کر بے تحاشا رونے لگی۔

اماں نے اس کی ویران آنکھیں اور زرد پڑتا چہرہ دیکھ کے روتے ہوئے دم کرنا شروع کردیا۔

"میں کہتی تھی نا تجھ سے بغیر حصار کے باہر نہ نکلا کر' چمٹ گئیں نا بدروحیں تجھ سے۔ آجا میری بچی میرے پاس آجا۔" مگر وہ ہمیشہ کی طرح اماں کی سنی ان سنی کرکے ہر حصار توڑ کر چلی گئی اور اماں بانہوں میں جھولتی بیٹی کو پکارتی رہ گئیں۔

عید قرباں ہم قرباں یار

سمیرا غزل صدیقی

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

آہٹ پہ میرے پاؤں کی دھیرے سے چونک کر
دیکھا ہے اُس نے مڑ کے مجھے اس ادا کے ساتھ
پھیلی ہے جسم و جاں میں عجب ایک سرخوشی
خوشبو سی کوئی اُڑنے لگی ہے ہوا کے ساتھ

موراسیاں موسے بولے ناں
میں لاکھ جتن کرہاری......
موراسیاں موسے بولے ناں

مدھم آواز میں شفقت امانت علی کی خوب صورت آواز اپنا جادو جگارہی تھی اور وہ اس ماحول میں ارد گرد سے بے نیاز اپنے چہرے پر معروف کمپنی کا ماسک لگائے خوابوں کی بے لگام دنیا میں محو سفر تھی پورا کمرہ اس کی بدسلیقگی کی داستانِ عظیم پیش کررہا تھا حسب معمول بیڈ کی چادر نیچے گری پڑی اس کی حسنِ نظر کی طلب گار تھی اور ڈریسنگ ٹیبل پر معروف کمپنیوں کا تیار کردہ میک اپ کا ساز و سامان بڑی ہی بے دردی سے دھرا تھا۔ مریم نے ایک تاسف بھری نگاہ بے پرواسی اریبہ پر ڈالی اور آگے بڑھ

کے میوزک سسٹم بند کردیا۔
"ڈیئر کزن! اگر ایسی ہی حرکتیں رہیں نہ تمہاری تو تمہارے سیاں جی عرف ہٹلر خان تم سے ساری زندگی ہی بات کرنا پسند نہیں کریں گے۔"
"اُف آ گئیں میری آرام کی دشمن! تمہیں کوئی الہام ہوتا ہے کیا جب بھی میں آرام کررہی ہوتی ہوں ٹپک پڑتی ہو۔" اریبہ نے نہایت بدمزاجی سے مریم کو دیکھا اور پھر ماسک صاف کرنے لگی اس وقت اسے مریم کی آمد شدید ناگوار گزری تھی۔
"ویسے تم یہ بتاؤ کہ آرام کس وقت نہیں کررہی ہوتیں تم اور میری بات مانو تو یہ فضول بیوٹی ٹپس چھوڑو اور کچن کی راہ لو آخر مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہوکر گزرتا ہے۔" مریم نے شرارت سے آنکھ دبائی' اریبہ نے پاس پڑا کشن اسے کھینچ مارا' جسے باآسانی مریم نے کیچ کرلیا۔
"جب ازہان میرے آگے پیچھے ہوں گے نہ تب تمہیں ان ٹپس کا کمال سمجھ میں آئے گا یہ کچن وغیرہ میں گھس کے مجھے اپنی اسکن خراب کرنے کا شوق نہیں۔" اس نے خوش فہمی کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے کہا تو مریم محض سر ہلا کے رہ گئی' اسے اپنی یہ کزن بہت عزیز تھی مگر جس روش پر وہ چل نکلی تھی مریم کو اس کی کم عقلی پر ملال سا ہوا' وہ وقتاً فوقتاً اسے سمجھاتی رہتی تھی مگر وہ اریبہ ہی کیا جو اس کی نصیحتوں کا اثر لے لے۔
"اچھا چھوڑو تائی جان بلا رہی ہیں تمہیں جلدی باہر آجاؤ۔"
"ہاں تم چلو میں آتی ہوں۔" اریبہ بے پروائی سے کہتی واش روم میں گھس گئی' مریم نے بڑی بے بسی سے اس کی پشت کو تکا تھا۔

❁......❁......❁

"تم یہاں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہو جبکہ میں نے ہی بڑی بہو سے کہہ کر تمہیں کچن میں بلوایا تھا' شام ہو چلی ہے بچے سب گھر آنے والے ہیں تمہاری تائی اور چچی وغیرہ شاپنگ سے ابھی آئی ہیں تم گھر پر تھیں ذرا کچن کا ہی حال دیکھ لیتیں مگر تمہیں تو اپنے کاموں سے ہی فرصت نہیں۔" اریبہ کو فرصت سے چپس اور ٹی وی کے ساتھ لطف اندوز ہوتے دیکھ کر دادی جان نے طنزیہ جملہ کہا تو وہ کھسیا گئی' نجانے کیوں اسے لگتا تھا کہ اس گھر کے سب مکینوں ماسوائے اس کے بابا اور بڑی تائی' زرینہ کے اس کے آرام وسکون کے ہی دشمن ہیں' بھلا ایک بن ماں کی بچی پر اس قدر پابندیاں کہاں اچھی تھیں۔
"دادی جان وہ میں تو بس جا ہی رہی تھی۔" اریبہ مسکین سی شکل بنائی سامنے کچن سے آتی امبر کی طرف دیکھنے لگی۔ پیچھے تائی جان بھی تھیں۔
"ارے اماں بس کریں نا بچی ہے کوئی بات نہیں اریبہ بیٹا! آپ دیکھ لو ٹی وی۔" حسب معمول تائی جان نے اس کی سائیڈ لی تھی جس پر دادی جان جل کے رہ گئیں۔
"ہاں ہاں اور بگاڑ لو اس کی عادتیں تم ارے منگنی ہے اب اس کی اور منگنی کے بعد لڑکیاں گھر داری سیکھتی اچھی لگتی ہیں ناکہ مستیاں کرتیں۔"
"رہنے دیں نا اماں! یہی تو عمر ہے اور پھر اریبہ نے کون سا شادی کرکے باہر جانا ہے' یہ تو میری بیٹی ہے میرے ازہان کی دلہن!" تائی جان نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دادی جان سے کہا تو وہ صبر کے گھونٹ پی کے رہ گئیں۔ ان کی بہو کی بھی عجیب ہی منطق تھی ایک تو اریبہ کچھ سیکھنے کے لیے تیار نہیں تھی اور جہاں وہ اس پر ذرا سختی کرتیں زرینہ اس کو بچا لیتیں۔ دادی جان کے خیال میں لڑکی کے لیے گھر داری نہایت ضروری ہے۔ تعلیم سے بھی زیادہ مگر ان کی اس رائے سے اریبہ کو قطعاً اتفاق نہیں تھا۔ اریبہ کو دل سے اپنی عزیز از جان تائی پر پیار آیا۔
"اچھا ٹی وی دیکھنا ہی ہے تو دیکھ لو مگر کچن سے سبزی اٹھا لاؤ اور جلدی جلدی سے امبر کے ساتھ بیٹھ کے مٹر وغیرہ کاٹو۔" اسے فرصت سے ٹی وی پر نظریں جمائے دیکھ کر دادی نے حتمی انداز میں کہا' ابھی اریبہ کا ارادہ کچھ کہنے کا تھا ہی کہ لاؤنج میں داخل ہوتے آف وائٹ ٹی شرٹ

بلیو جینز میں غضب ڈھاتے ازہان کو دیکھ کے اس نے چپ چاپ دادی کے حکم کی تعمیل کی کم از کم اپنے ہونے والے سرتاج کی نظروں میں وہ اپنا مزید مقام گرانا نہیں چاہتی تھی۔ مریم نے شرارت سے اسے دیکھ کے آنکھ دبائی جب کہ تائی جان ازہان کو کپڑے دینے چلی گئیں جو اس وقت تھکا ہارا گھر لوٹا تھا' ازہان نے ایک نگاہِ غلط بھی اریبہ پر ڈالنا گوارا نہ کی تھی۔
"ہونہہ ظالم نہ ہو تو۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کلس کے رہ گئی اور بجھے دل کے ساتھ پیاز کاٹنے لگی۔

❁......❁......❁

چار مرلہ پر مشتمل اس گھر کے مکینوں میں بڑی ہی محبت ویگانگت پائی جاتی تھی اس گھر کی بنیاد مرحوم اصغر احمد نے اور ان کی زوجہ تاحیات آمنہ بیگم نے رکھی تھی جن کے رعب ودبدبہ کے آگے کبھی کسی کی نہیں چلتی تھی۔ خدا نے انہیں تین بیٹوں کبیر' نذیر اور ظہیر سے نوازا تھا یہ خدا کی قدرت ہی تھی کہ بہوؤں کے معاملے میں بھی اللہ نے انہیں خوب اپنی رحمتوں سے نوازا اور زرینہ (بڑی بہو) شازیہ (منجھلی بہو) نعیمہ (چھوٹی بہو) کی صورت میں انہیں تین بیٹیاں مل گئیں۔ گھر کا نظم وضبط ان کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت تھا' کبیر اور زرینہ کے دو ہی بچے تھے بڑا ازہان اور چھوٹی مریم جب کہ نذیر اور شازیہ کو خدا نے ایک ہی بیٹی اریبہ سے نوازا تھا مگر یہ قسمت کی ستم ظریفی ٹھہری کہ شازیہ جلد ہی اپنی ننھی سی بیٹی کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملیں جس کے بعد دادی جان اور نذیر نے اریبہ کو سنبھالا ان کے بے جا لاڈ پیار نے اسے کافی آرام پسند بنادیا تھا ہر معاملے میں بے جا ڈھیل وآزادی اسے کافی بدسلیقہ وکام چور بنا گئی تھی اسی وجہ سے دادی جان نے اسے اس عید الفطر پر ازہان کے سنگ منسوب کردیا تھا تاکہ وہ کچھ گھر داری ہی سیکھ لے مگر انہیں ایسا ہوتا قطعی نظر نہیں آرہا تھا الٹا وہ اپنی چند دوستوں وڈراموں سے متاثر ہوکر منگنی شدہ ہونے کے بعد ہر وقت ازہان کو اپنے خیالوں کی سیج پر بٹھائے رکھتی اور اس کی التفات وحسن نظر کی متلاشی رہتی جب کہ سدا کا سنجیدہ ازہان اس سے صرف برائے نام ہی بات کرتا۔
اریبہ چونکہ پڑھائی میں اتنی دلچسپی نہیں لیتی تھی اس لیے اس نے مریم کے ساتھ ہی بی اے کیا تھا اور اب فارغ التحصیل تھی۔ مریم اریبہ کی نسبت کافی سلیقہ مند اور سمجھ دار لڑکی تھی جب کہ ازہان ایک سوفٹ ویئر انجینئر تھا۔ چھوٹی بہو نعیمہ اور ظہیر کا ایک ہی تیرہ سالہ بیٹا تھا علی جو نہ صرف چھوٹا تھا بلکہ گھر بھر کا لاڈلہ تھا۔ گھر بھر کی رونق اسی کے دم سے تھی۔

❁......❁......❁

"تمہاری شکل دیکھ کے تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے اب تک تمہارے ہٹلر خان تمہاری مٹھی میں نہیں آئے۔" حرا نے شرارت سے کہتے اسے چھیڑا۔
"بس کرو تم اب ایک تو اب تک تمہاری کوئی ترکیب کام نہیں آئی اوپر سے تم آ گئیں جلے پر نمک چھڑکنے۔" اس نے معصومیت سے اپنی اکلوتی وعزیز سہیلی سے کہا۔
"کریں گی ساری ترکیبیں کام کریں گی ڈیئر بس ذرا صبر کرو ویسے تمہاری منگنی عید الفطر پر تھی ورنہ ہو سکتا تھا وہ تمہیں کوئی گفٹ وغیرہ ہی دے کر اپنے جذبات سے آگاہ کردیتا خیر تم پریشان مت ہوا ابھی عید الاضحیٰ قریب ہے تم خود ہی اسے کوئی گفٹ یا کارڈ دے دو اور تم دیکھنا یہ ترکیب ضرور کام کرے گی۔" اس نے ایک ادا سے کہتے ہوئے اپنی نازک سی انگلی میں انگوٹھی گھمائی جو کافی اچھی مہنگی اور نئی لگ رہی تھی۔
"واؤ یہ رنگ تمہیں کس نے دی' کتنی زبردست لگ رہی ہے دکھاؤ۔" پلان کے مطابق وہ اریبہ کی توجہ اپنی نئی رنگ کی طرف مبذول کرواچکی تھی۔
"یہ میرے فیانسی نے مجھے عید پر گفٹ کی تھی۔" حرا کی آنکھوں میں کئی رنگ محبت کے جگنو بن کے اترے تھے اریبہ حسرت سے اسے دیکھتی رہ گئی یہ حرا کا معمول تھا جب بھی اریبہ سے ملنے آتی اپنے منگیتر ریاض جو بقول اس کے کافی اچھا اور محبت کرنے والا تھا اس کی شان میں قصیدے پڑھتی رہتی اس کی منگنی ایک سال قبل سادگی سے

ریاض سے ہوئی تھی۔ تھی تو وہ سراسر گھر والوں کی مرضی سے مگر موبائل فون کے بے دریغ استعمال سے اب ان کا رشتہ محبت میں تبدیل ہوچکا تھا آئے دن تحفے تحائف ریاض سے لینا اور اس کی اریبہ کے سامنے نمائش کرکے اس کے کچے ذہن کو محبت کے سپنے دکھا کے اس نے اسے ایک الگ ہی دنیا کا باسی بنادیا تھا نتیجتاً وہ بھی اب ازہان سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی۔

"رنگ بہت اچھی ہے تمہارا فیانسی بہت لونگ اور کیئرنگ ہے۔" اس نے بجھے دل سے کہا اور ازہان کے متعلق غور کرنے لگی جب ہی مریم دستک دے کے لوازمات سے بھری ٹرے لائی تھی' خلاف توقع اس نے حرا اور اریبہ کی ساری گفتگو سن لی تھی اور آج اسے اریبہ کے رویئے کی تبدیلی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی تھی جب کہ اریبہ اس بات سے بے خبر تھی کہ مریم سب جان گئی ہے۔ فیشن پرستی کی دلدادہ حرا مریم کو کچھ خاص پسند نہیں تھی لیکن ایک ہی محلہ ہونے کی وجہ سے اس کی اریبہ سے دوستی اب تک قائم تھی وہ اریبہ کی اسکول فرینڈ تھی' سو مریم کو بھی زیادہ اعتراض نہ ہوا لیکن ان کی دوستی اریبہ کے لیے اب خطرناک ثابت ہورہی تھی۔ مریم نے کچھ سوچتے ہوئے خود کو پُرسکون و بے پروا ظاہر کیا اور سامان دے کر باہر آ گئی اب جو کرنا تھا اسے ہی کرنا تھا۔

❀......❀......❀

"اماں مریم کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی اب اپنے گھر کی ہوجائے اریبہ اور مریم کی شادی ایک ساتھ کرنے کا ارادہ ہے کبیر بھی یہی چاہ رہے ہیں۔" زرینہ اس وقت دادی جان کے کمرے میں بیٹھیں ان کی رائے جان رہی تھیں وہ ماں تھیں جب ہی چاہتی تھیں کہ مریم بھی جلد از جلد اپنے گھر کی ہوجائے۔

"ماشاء اللہ بہت نیک خیال ہے میں خود یہی سوچ رہی تھی ویسے بھی میری مریم نے پورا گھر سنبھالا ہوا ہے اس کی طرف سے مجھے کافی اطمینان ہے۔" دادی جان نے پان بناتے ہوئے کہا ساتھ ہی ایک پان زرینہ کی طرف بڑھایا۔

"لیکن اماں کوئی رشتہ بھی تو ہو نظر میں اب ایسے کسی سے کہہ سکتے ہیں آج کل تو اچھے رشتوں کا قحط پڑا ہے۔" ان کے لہجے میں فکر مندی عیاں تھی جب چھوٹی بہو نعیمہ ٹرے میں چائے لیے اندر آ گئیں وہ ان کی بات سن چکی تھیں۔

"ارے بھابی آپ فکر نہ کریں اتنی سلیقہ مند اور پیاری بچی ہے ہماری' کیسے رشتہ نہیں ملے گا اور پھر میری بڑی بہن بھی اپنے بڑے بیٹے فائق کے لیے آج کل لڑکی تلاش کررہی ہیں آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں فائق کو اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان سے بات کرلیتی ہوں۔ عید بھی قریب ہے آج کل میں ذی الحج کا چاند نظر آجائے گا پھر عید پر سب کو بلا کے بات چیت طے کرلیں گے۔" انہوں نے کپ زرینہ اور دادی کو پکڑاتے ہوئے کافی رسان سے کہا زرینہ کا چہرہ کھل اٹھا فائق جیسا سنجیدہ و ہونہار داماد وہ اپنے مریم کے لیے چاہتی تھیں مگر کچھ بھی کہنے سے قبل انہوں نے سعادت مند بہو ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے دادی جان کی تائید چاہی۔

"کیوں نہیں چھوٹی بہو آج بچے آجائیں ذرا ان سب سے مشورہ وغیرہ کرلیں پھر تم بات کرلینا' فائق ماشاء اللہ اچھا بچہ ہے میری مریم کے ساتھ بچے گا بھی۔" زرینہ کا اشارہ پا کے دادی جان نے محبت سے کہا اور چائے پینے لگیں۔

"عید سے یاد آیا اماں آپ اس بار عید کے حوالے سے کیا کہہ رہی تھیں اس دن کہ چاند نظر آنے سے پہلے یاد دلانا۔" کچھ یاد کرتے ہوئے زرینہ نے دادی جان کی توجہ دوسری جانب مبذول کرائی' نعیمہ نے بھی کافی دلچسپی سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں اچھا یاد دلایا بڑی بہو تم نے' جاؤ چھوٹی بہو جا کے مریم اور اریبہ کو بلا لاؤ پھر بتاتی ہوں۔" انہوں نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا نعیمہ جھٹ اٹھ کے دونوں کو بلا لائیں۔

اریبہ کی چھٹی حس اسے خطرے کا الارم سنا رہی تھی جب کہ مریم کے چہرے پر تجسس تھا۔

"ارے یہ ہونق شکلیں کیوں بنا رکھی ہیں بیٹھ جاؤ ادھر دونوں۔" دادی جان نے اپنے پاس جگہ بناتے ہوئے کہا دونوں نے فوراً حکم کی تعمیل بجالائی دونوں بہوئیں دادی جان کے انداز پر مسکرا کے رہ گئیں' ان کے بیٹھتے ہی دادی جان نے تمہید باندھی۔

"جیسا کہ تم دونوں کو پتا ہی ہے ہر عید پر ماشاء اللہ ہمارے ہاں قربانی کی جاتی ہے اور تمہاری چچی اور تائی سارا انتظام سنبھالتی ہیں اس بار تم دونوں اپنی پڑھائی وغیرہ سے فارغ ہوچکی ہو ازہان اور تمہارے بابا وغیرہ بھی آج کل میں بکرا لے آئیں گے اس لیے میری خواہش ہے کہ کچن وغیرہ کا سارا انتظام و امور تم دونوں سنبھالو اور بڑی بہو اور چھوٹی بہو شاپنگ وغیرہ کرلیں گی سب آخر کو تم دونوں کی بھی شادی کرنی ہے۔" دادی کی بات کے اختتام پر اریبہ کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا باقی سب کو تو ان کی بات ٹھیک سمجھ میں آ گئی تھی۔

"دادی مگر......" اس نے عاجزی سے کہا۔

"بس اریبہ! کوئی اگر مگر نہیں مریم تمہارے ساتھ ہے باقی کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم سے پوچھ لینا۔" انہوں نے قطعی انداز میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کردی اس کا دل اپنی اس جلاد ٹائپ دادی کے اس فیصلے سے بجھ سا گیا تھا۔

❀......❀......❀

"اریبہ آپی! آپ کو پتا ہے ازہان بھائی کے ساتھ کل میں بھی بکرا لینے جاؤں گا۔" علی نے ٹی وی پر نظریں جمائے ٹام اینڈ جیری سے لطف اندوز ہوتی اریبہ کو کہنی مار کے مخاطب کیا۔

"اُف علی تم بھی نہ کوئی دسویں بار مجھے یہ بات بتا چکے ہو مجھے پتا ہے تم جا رہے ہو اس بار۔" کل رات ہی ذی الحج کا چاند دکھا تھا اور جب سے ہی علی نے شور مچایا ہوا تھا کہ اس بار وہ بھی بکرا جائے گا اس کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"آپی پہلے پوری بات تو سن لیں۔" اب کی بار وہ ٹی وی اسکرین کے سامنے اپنی نوٹ بک لے کر کھڑا ہوگیا تھا مجبوراً اریبہ کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"بولو اب کیا بات ہے؟" اس نے دنیا جہاں کی بے زاریت اپنے لہجے میں سمو کر کہا جب کہ اس حسن نظر پر علی کی باچھیں کھل گئی تھیں وہ نوٹ بک لے کے اس کے برابر میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ دیکھیں میں نے کیا زبردست قطعہ لکھا ہے بکرے پر۔" اس کے نئے انکشاف پر اریبہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں اس نے غور سے علی کا جائزہ لیا آخر 8th کلاس کا اسٹوڈنٹ کس طرح شاعری کرسکتا ہے اس سے تو بی اے کر کے بھی ازہان کو لبھانے کے لیے ایک شعر نہ لکھا گیا تھا کافی دیر تک اریبہ کو کچھ نہ بولی تو وہ خود ہی با آواز بلند اپنا لکھا گیا قطعہ سنانے لگا۔

ریٹ تیرے سن کے میں حیران ہوگیا
قصائی کی فیس پوچھی تو پریشان ہوگیا
تیری قربانی تو عید کو ہوگی بکرے میاں

غزل

درد ہوتے ہیں کئی دل میں چھپانے کے لیے
سب کے سب آنسو نہیں ہوتے دکھانے کے لیے
عمر تنہا کاٹ دی وعدہ نبھانے کے لیے
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لیے
کچھ دیے دیوار پر رکھتے ہیں وقت انتظار
کچھ دیے لایا ہوں پلکوں پر سجانے کے لیے
لوگ زیرِ خاک بھی تو ڈوب جاتے ہیں عدیم
اک سمندر ہی نہیں ہے ڈوب جانے کے لیے
وہ بظاہر تو ملا تھا اک لمحے کو عدیم
عمر ساری چاہیے اس کو بھلانے کے لیے
کوئی غم ہو' کوئی دکھ ہو' درد کوئی ہو عدیم
مسکرانا پڑ ہی جاتا ہے زمانے کے لیے

ساجدہ عاشق...... ٹوبہ ٹیک سنگھ / جھونان گڑھ

میں تو مگر عید سے پہلے قربان ہوگیا

"زبردست لکھا ہے نا' آج کل کی مہنگائی کے حساب سے۔" اس نے شعر ختم کرکے داد چاہی۔

"بھئی بہت زبردست تم تو بڑے چھپے رستم نکلے۔" اریبہ کی بجائے کچن سے آتی مریم بولی جب ہی اریبہ نے بھی تائیداً میں سر ہلایا یوں کہ گویا احسانِ عظیم کیا ہو' علی اسی پر بہت خوش ہوگیا تھا جب ہی اس کی نظر اندر داخل ہوتی حرا پر پڑی علی نے کہنی مار کے اریبہ کا رخ اس طرح کیا۔

"ارے حرا تم' آؤ نا بھئی میں تمہیں ہی یاد کررہی تھی۔" جدید ترین لباس میں ملبوس اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتی ہوئی وہ اندر داخل ہوئی تھی' پورے ماحول میں ایک دلفریب سی مہک پھیل گئی تھی اریبہ نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگایا اور کمرے میں لے آئی جہاں پر وہ دونوں سہولت سے باتیں کرتی تھیں۔

"اور سناؤ آج کل تم بہت چہک رہی ہو اور یہ نیو ہیئر کٹ کب بنوایا' تم پہ تو اچھا لگ رہا ہے۔" اریبہ نے ستائش سے اس کے کھلتے چہرے کو دیکھ کے استفسار کیا۔

"ارے بھئی تمہیں تو پتا ہی ہے ریاض کو فیشن ایبل لڑکیاں اپیل کرتی ہیں نہ کہ ہر وقت کچن میں گھسی ہوئی بڑے بڑے دوپٹوں میں لپٹی ہوئی بس اس لیے میں نے خود کو ان کی پسند میں ڈھال لیا۔" اس نے کمال مہارت سے کہا۔

"گڈ چلو اچھا ہے تم لوگ خوش رہو یہاں تو مجھے لگتا ہے ازہان کا دل کبھی نہیں پگھل سکتا۔" اریبہ نے یاسیت سے کہا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"کیوں نہیں ہوسکتا میں نے تمہیں مشورہ دیا تو تھا اس عید پر تم ایک کارڈ اور گفٹ لو اور اس میں سب لکھ کے دے دو۔" اس نے اپنا پچھلا دیا گیا مشورہ دہرایا۔

"رہنے دو حرا! بلاوجہ ہی کچھ مسئلہ ہوجائے گا بہرحال میں کوشش کروں گی۔" اس نے حرا کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی۔

"اور تم نے یہ کیا حال بنایا ہوا ہے ذرا چینج کرو خود کو اتنا کھانے لگی ہو ڈائٹ کا خیال رکھو ورنہ موٹی ہوجاؤ گی اپنے یہ بال بھی ٹھیک کرو' کیا فائدہ اتنی لمبی چوڑی چوٹی کا' ہاں ویسے بھی آج کل لڑکوں کو فیشن اپیل کرتا ہے تم پرسوں کل میرے ساتھ پارلر میں اپائمنٹ لے لوں گی پھر دیکھو بالکل بدل جاؤ گی اور جب ازہان بھائی تمہیں اتنا چینج اور اچھے انداز میں دیکھیں گے تو یقیناً تمہارے اسیر ہوجائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بڑی ہی سہولت سے سیدھی سادی اریبہ کو غلط راہ دکھائی جس پر اریبہ نے ہامی بھرلی' حرا کی آنکھوں میں چمک تھی شیطانیت کی وہ مسکرائی تھی۔

❀.......❀.......❀

اگلے دن اریبہ نہایت مسرور تھی حرا کے بتائے گئے مفید مشوروں نے اس کے دل میں موہوم آس سی جگادی تھی آج دوپہر سے ہی وہ بار بار گھڑی کی جانب دیکھتی حرا کا انتظار کررہی تھی جب ہی اسے حرا کا میسج موصول ہوا تھا کہ وہ خود اس کے گھر آجائے جواباً وہ فوراً تیار ہونے چل پڑی تھی مریم صبح سے ہی اس کی حرکات وسکنات نوٹ کررہی تھی جب وہ تیار ہوکے باہر آئی تو خلاف توقع پہلا سامنا دادی جان سے ہوا۔

"اس سہ پہر میں تم کہاں جارہی ہو؟" انہوں نے سرتاپیر اس کا جائزہ لے کے پوچھا۔

"دادی حرا کی طرف جارہی ہوں علی کے ساتھ۔" اس نے بڑے ہی آرام سے مدعا پیش کیا تھا۔

"لڑکی تم سے بھی حد ہے کل ہی تو وہ آئی تھی گھر پھر آج جانے کی کیا تک بنتی ہے' جب کہ میں نے تمہیں کہہ دیا تھا کہ اس بار گھر تم نے اور مریم نے سنبھالنا ہے وہ بچی سارا دن کولہو کے بیل کی طرح لگی رہتی ہے اور تمہیں اپنے کھانے پینے' سونے اور ٹی وی دیکھنے سے فرصت نہیں۔" انہوں نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی' وہ تلملا کے رہ گی۔

"دادی مجھے کٹنگ کروانی تھی اس لیے جارہی ہوں۔" اس نے دھیمی آواز میں نظریں جھکا کے کہا' دراصل دادی جان نے اسے کبھی کٹنگ وغیرہ کروانے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے بالوں کی حفاظت وہ خود کرتی تھیں' تیل لگاتیں ہر طرح سے اس کا خیال رکھتی تھیں' ان کے خیال میں لڑکیوں کے بال ہمیشہ لمبے ہی ہونے چاہیے تھے۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا یہ بیٹھے بٹھائے کیا سوجھ لگائی تم نے اور چلو اگر سوچ بھی لیا تو کیا تم میں اتنی عقل نہیں کہ اب چاند نظر آگیا ہے 2 تاریخ ہے آج اور جن کے گھر قربانی ہوتی ہے وہ چاند نظر آنے کے بعد ناخن اور بال نہیں کٹواتے' جاؤ اپنے کمرے میں آئندہ ایسی خرافات نہ سنوں' یہ تمہارے ابا اور تائی نے تو مل کے تمہیں بگاڑ ہی دیا ہے۔" اپنی شامت کو اس نے خود آواز دی تھی دادی جان اس کی کلاس لینے کے بعد سر پہ ہاتھ مار کے افسوس کرتی ہوئی چلی گئیں اور وہ غصے سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگی اب حرا کو کیا جواب دیتی وہ جو اس کا انتظار کررہی تھی اسے کب سے واک کرتے دیکھ کر مریم اس کے پاس چلی آئی۔

"کب سے واک کررہی ہو ڈائٹنگ کرنے کا ارادہ ہے یا پھر نیا پاکستان بنانے کا؟" مریم نے شرارت سے ہنستے اسے چھیڑا۔

"بس کردو ظالم لوگو! ہونہہ ظالم بھائی کی ظالم بہن سب ہی بس میرے دشمن بن گئے ہیں۔" اس کی شرارت کے جواب میں گہرے طنز کو مریم نے بڑی آسانی سے محسوس کیا تھا جب ہی فوراً سنجیدہ ہوئی۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے اریبہ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں اور پاگل ہم تمہارے دشمن کیوں بنیں گے اور تم بھائی کے بارے میں اتنا مت سوچو تمہیں پتا تو ہے وہ کافی ریزرو اور سنجیدہ ہیں تم جو اُن سے توقع کررہی ہو وہ ابھی شادی سے پہلے ان کے لیے صحیح نہ ہو اور ہو تو ہو' تم ان کی کزن ہو' انہیں بچپن سے جانتی نہیں ہو کیا کہ وہ کیسے ہیں اور رہی بات منگنی کے بعد اس طرح قریب آنے کی تو وہ میری اور سب کی نظر میں بھی صحیح نہیں تم بلاوجہ خود کو ہلکان مت کرو' ایک بار شادی ہوجانے دو پھر دیکھنا سب اچھا ہوجائے گا۔" وہ اپنے بھائی اور اریبہ کو اچھی طرح جانتی تھی جب ہی اس نے اسے سمجھانے کی سعی کی وہ جانتی تھی کہ آخر کس کے بہکاوے میں آکر وہ بہک گئی ہے' فارغ دماغ ویسے بھی شیطان کا گھر ہوتا ہے جہاں بآسانی سے شیطان اپنا قبضہ جما چکا تھا اپنی عزیز از جان' بہن و کزن کے لیے اب سب مریم کو ہی کرنا تھا مگر وہ بھی کے نہ سمجھنے کے در پے تھی۔

"مریم پلیز اس وقت مجھے یہ سب نہیں سننا۔" وہ نہایت بے رخی سے کہتی وہاں سے واک آؤٹ کرگئی تھی' سچ شاید اسے برداشت نہیں ہوا تھا' مریم تاسف سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

❀.......❀.......❀

جھانجھریا اس کی چھنک گئی
چنری بھی سر سے سرک گئی
میری نظر اس سے ملی تو
اس کی نظر شرما کے جھک گئی

دور سے بجتی تیز ترین میوزک کی آواز ان کے گھر کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی اریبہ اور مریم دونوں کو شدید کوفت ہوئی اگلے ہی پل میوزک ایک جھٹکے سے بند ہوا تھا اور علی تقریباً ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا تھا۔

"اریبہ آپی .... مریم آپی .... جلدی آئیں۔" وہ تقریباً چیختا ہوا ان کے پاس آیا تھا اتنا تو وہ دونوں جانتی تھیں کہ وہ سب بکرا لینے منڈی گئے ہیں لیکن علی کا اس قدر چلانا دونوں کو ہی پریشان کررہا تھا' اندر سے تائی' چچی اور دادی جان بھی باہر آگئی تھیں۔

"اُف کیا ہوگیا علی کے بچے! کیوں ڈرا رہے ہو؟" اریبہ نے چیونگم چباتے ہوئے بڑی ہی بے زاری سے پوچھا تھا۔

"ارے مت پوچھیں باہر آئیں اتنا پیارا بکرا لے کر آئے ہیں ہم لوگ کہ حد نہیں۔" موصوف کو بکرا لانے کی شاید زیادہ ہی خوشی تھی جب ہی مریم اور اریبہ کو اپنے ہاتھوں سے بمشکل کھینچتے ہوئے اس نے اٹھانا چاہا بکرے کا سن کے وہ بھی اٹھ گئی تھیں۔

"یہ میوزک تم لوگوں نے لگایا ہوا تھا گاڑی

میں۔" اریبہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں نہ اب بکرے کی جا بھر یا پر یہ سونگ ہی سوٹ کر رہا تھا آپی! کیا بتاؤں بس بہت مزا آیا آج پہلی دفعہ جا کے قسم سے اتنا خوب صورت بکرا بالکل الہڑ مٹیار کی طرح چلتا ہے اور اس کا وائٹ کلر اُف آپی! بس نہ پوچھیں دیکھ لیجیے گا اس دفعہ پورے محلے میں سب سے اچھا بکرا ہمارا ہوگا۔" اس نے عجیب سی خوشی و جوش و جذبے سے کہا، دونوں کی ہنسی نکل گئی اس کا بکرا نامہ دونوں کو کافی پسند آیا تھا اور جب انہوں نے صحن میں آ کے بکرے کو دیکھا جسے ازہان اپنے ہاتھوں سے پکڑ کے اندر لا رہا تھا، ان کا دل واقعی علی کی باتوں پر ایمان لے آیا، دونوں نے آگے بڑھ کے بکرے کو پیار کیا تھا اور بے ساختہ ماشاء اللہ کہا۔ علی کا بکرا نامہ ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا جس سے سب ہی محظوظ ہو رہے تھے۔ اریبہ نے چپکے سے ازہان کی جانب دیکھا جو اتفاقاً اسی کی جانب متوجہ تھا وہ نروس ہو کے سر جھکا گئی۔

❀....❀....❀

گھر کے کام سمٹنے کے بجائے بڑھتے چلے جا رہے تھے گھر کی مکمل ڈسٹنگ اور پردوں وغیرہ کو دھونے کا کام ابھی باقی تھا اور اس پر موسم کے تیور بادل کسی بھی وقت برسنے کو تیار بیٹھے تھے اور اس پر افتاد یہ کہ مریم کو بخار نے آن گھیرا تھا، جس میں سراسر نقصان اریبہ کا ہوا تھا تائی اور چچی نے اس دن ڈسٹنگ اور کپڑے دھونے وغیرہ کی ذمہ داری لے لی تھی جب کہ مریم کو مکمل آرام کا مشورہ دیتے ہوئے کچن کی ذمہ داری اریبہ کے ناتواں کندھوں پر آن گری تھی اس کے بابا اور چچا، تایا تو آفس لیٹ ہی جاتے تھے مگر ازہان اور علی جلدی جاتے تھے۔ ازہان علی کو اسکول کو چھوڑتا ہوا آفس چلا جاتا تھا سو مجبوراً اسے علی الصبح اٹھنا پڑا تھا جو بھی تھا لیکن کم از کم وہ ازہان کے سامنے سبکی نہیں اٹھانا چاہتی تھی اس لیے دل و جان سے اس نے ناشتا تیار کر کے سرو کر دیا۔
"اریبہ آپی! یہ آپ نے توس تلے ہیں یا فل براؤن کیے ہیں، جیسے قورمے کے لیے پیاز براؤن کی جاتی ہے۔"
علی نے توس دیکھتے ہی بُری سی شکل بنا کے کہا اور واپس رکھ دیا، اریبہ کا دل چاہا اسے تھپڑ لگا دے آخر ازہان کے سامنے ایسا کہنے کی کیا ضرورت تھی جو بھی تھا اس نے محنت سے بنائے تھے۔
"ہونہہ...... یہاں تو قدر ہی نہیں ہے محنت کی۔" من ہی من وہ بڑبڑائی تھی مگر کہنے کی جرأت نہ کر سکی کیونکہ سامنے بیٹھا ازہان کبھی اس کو اور کبھی توس کو دیکھ رہا تھا پھر ازہان نے چائے کا کپ اٹھا کے گھونٹ بھرا اور اگلے ہی پل واپس رکھ دیا۔
"علی تم چلو دیر ہو رہی ہے میں راستے میں تمہیں حلوہ پوری کھلا دوں گا۔" اس نے بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے علی کو اشارہ کیا۔
"واؤ یہ ہوئی نہ بات ورنہ میں تو سمجھا تھا آج ان جلے ہوئے توسوں پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔" وہ نہایت خوشی سے اچھلتا ہوا ازہان کے ساتھ نکلا تھا اریبہ بس دیکھ کے رہ گئی پھر اس نے ازہان کا کپ اٹھا کے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اگلے ہی پل کلی کر دی چائے میں چینی کی جگہ وہ بے دھیانی میں نمک ڈال گئی تھی اور پتی بھی کافی تیز تھی اسے جی بھر کے خود پر شرمندگی ہوئی کہ آخر ازہان کیا سوچتا ہوگا آج پہلی بار اسے اپنی کچن سے غیر دلچسپی پر رونا آیا تھا۔

❀....❀....❀

عید قرباں میں دو دن باقی تھے آج جمعرات تھی اور بروز ہفتہ عید قربان تھی اسے ازہان کے حوالے سے گفٹ کا خیال آیا تو از خود حرا کو کال کی تو اسے اس کا نمبر بند ملا وہ کافی دن سے گھر نہیں آئی تھی نہ اس کے میسجز کا جواب دے رہی تھی۔
اریبہ کو خاصی تشویش ہوئی کہ کہیں وہ اس دن اس کے ساتھ نہیں گئی شاید اس لیے وہ ناراض ہے اپنی دانست میں فی الحال وہ یہی سمجھ پائی تھی سو دوپہر کو جب دادی جان آرام کرنے چلی گئیں تو وہ تائی سے اجازت لے کر حنا کے گھر چلی آئی حسب معمول اس کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہی تھا نجانے کیوں اسے ہمیشہ حنا کی امی کے دروازہ کھلا رکھنے والی عادت پر ہمیشہ ہی غصہ آتا تھا وہ بنا اجازت ہی اندر چلی آئی سامنے ہی اس کی والدہ صوفے پر بیٹھیں ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھیں وہ انہیں سلام کر کے اجازت لیتی حنا کے کمرے کی طرف چلی آئی دروازہ ادھ کھلا تھا اور اندر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس نے موضوع گفتگو خود کو جانا تو مارے تجسس کے دروازے پر ہی رک گئی۔
"ارے وہ حنا تو ہے ہی سدا کی بے وقوف بلاوجہ ہی ازہان کے خواب سجائے بیٹھی ہے میں بھی دیکھتی ہوں میرے ہوتے ہوئے وہ کیسے ازہان کے قریب آتی ہے اسے اس کے دل سے نہ نکال دیا تو میرا نام بھی حرا نہیں۔" سفاکیت و حقارت بھری یہ آواز بلاشبہ اس کی عزیز از جان سہیلی کی تھی اسے اپنی سماعتوں پر شک ہوا مگر آنکھوں دیکھا کانوں سنا بھلا کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔
"لیکن تم اسے ازہان کے دل سے نکالو گی کیسے؟" تجسس بھری یہ آواز بلاشک و شبہ حرا کی خالہ زاد اسماء کی تھی جسے اریبہ حرا کے توسط سے ہی جانتی تھی۔
"اور کیا کرنا ہے وہ اریبہ تو ہے ہی سدا کی پھوہڑ و بدسلیقہ ازہان ویسے ہی اسے پسند نہیں کرتا ہوگا اور رہی سہی کسر اس کی فیشن پرستی پوری کر دے گی ویسے بھی میں نے اس کی برین واشنگ کر کے اسے فیشن کے کافی قریب کر دیا ہے ازہان نے اس لیے مجھے ریجکٹ کیا تھا نہ کہ میں فیشن پرستی کی دلدادہ تھی اب دیکھنا کیسے اس کی یہ کزن پلس منگیتر میرے بنائے گئے سانچے میں ڈھلتی ہے۔" کمال مکاری سے اس نے اریبہ کے سر پر کوئی بم مارا تھا اندر سے دونوں کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور اریبہ کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا کتنا سمجھایا تھا اسے مریم نے مگر اسے حرا پر ہی بھروسہ تھا تو کیا واقعی ازہان کے مسترد کیے جانے کا بدلہ لے رہی تھی منگنی شدہ ہو کر بھی اریبہ نے خوف سے جھرجھری لی اس سے پہلے کے کوئی اسے دیکھ لیتا وہ تیزی سے اپنے رخسار پر بہتے آنسو بڑی بے دردی سے رگڑ لی وہاں سے نکلی تھی اس کے قدموں میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی پچھتاوے کی۔ اسے اچھی طرح یاد آ رہا تھا اب کہ کیسے حرا دوڑ دوڑ کے اس کے گھر آتی تھی

بشریٰ کوثر وارث علی

السلام علیکم! جی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو بن بلائے مہمان کی طرح حاضر ہوا ہے نہ جان نہ پہچان تو جی ہم اپنا مکمل تعارف کرواتے ہیں لیجیے تعارف حاضر ہے۔ میرا نام بشریٰ کوثر ہے بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 7 اکتوبر کو اس جہان فانی میں تشریف لائی ہم ماشاءاللہ سے آٹھ بہن بھائی ہیں، میرا نمبر دوسرا ہے۔ نوشہرہ ورکاں کے نزدیک گاؤں ساد و ورکاں میں رہتی ہوں۔ مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں سفید اور کالا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں بریانی پسند ہے آئس کریم تو خاص طور پر سردیوں میں پسند کرتی ہوں۔ لباس میں قمیص شلوار اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے آنچل سے رشتہ تقریباً چھ سات سال پرانا ہے۔ فیورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی اور نمیرا شریف طور ہیں۔ ایسی شاعری جو ہمارے جذبات کا اظہار کرے جو دل کے تاروں کو چھیڑ دے بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شعراء میں وصی شاہ، ساغر، پروین شاکر اور احمد فراز پسند ہیں۔ جیولری وغیرہ میں صرف ٹاپس پسند ہیں۔ گفٹ لینا اور دینا دونوں اچھے لگتے ہیں۔ خوبیاں اور خامیاں تو ہم سے وابستہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں، ویسے میرے خیال میں کوئی بھی انسان مکمل طور پہ خوبیوں کا مرقع نہیں ہوتا ہر کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو خامیاں بھی ہوں گی اور اگر اس میں خامیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی خوبی سے بھی نوازا ہوگا۔ اسی طرح مجھ میں بھی خامیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہیں خاص طور پر جب کوئی جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو غصہ بہت آتا ہے، جذباتی بہت زیادہ ہوں، مزاج کی بہت سنجیدہ ہوں، تنہائی پسند ہوں۔ مہندی بہت اچھی لگاتی ہوں تقریباً ہر کام بڑی مہارت سے کرتی ہوں، لکھنا بہت اچھا لگتا ہے، پرائیوٹ ٹیچر ہوں۔ وکیل بننے کا ارادہ ہے۔ سیر و تفریح کا بہت شوق ہے خاص طور پر لانگ ڈرائیو اور رات کا سفر۔ میں سیڈ سونگز پسند کرتی ہوں اور آخر میں تمام فرینڈز کے نام ایک چھوٹا سا پیغام پلیز کسی پر اندھا اعتبار مت کریں جب مان اعتماد ٹوٹتا ہے تو اس کی کرچیاں سیدھی دل میں چبھتی ہیں۔ کوشش کریں کہ آپ کی کسی بات سے کسی کا دل نہ دکھے اللہ حافظ۔

وہ بھی ازہان کی موجودگی میں اور پھر اچانک ہی اس نے شام میں آنا بند کردیا تھا' اس کے پیچھے اتنی بھیانک وجہ ہوگی وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

❁......❁......❁

اس کے دل پر جمی گرد کیا صاف ہوئی اسے ہر چیز واضح اور صاف شفاف نظر آنے لگی تھی' مریم کا خلوص دادی کی پیار بھری نصیحتیں جو وہ شادی کے حوالے سے اسے اکثر کرتی تھیں اور اپنا آپ محاسبہ کرنے پر اسے اپنی ہی خامیاں نظر آئیں وہ چپ چاپ تھی' کہتی بھی تو کیا کرتی بھی تو کیا پورے دو دن اس نے نہایت اذیت میں کاٹے تھے لیکن اس کے دل میں اب ایک مقصد تھا ارادہ تھا کچھ کرنے کا' آج عید قربان تھی کچھ ہی دیر میں سب عید گاہ سے نماز پڑھ کے واپس آنے والے تھے اور اس کے بعد قربانی کرنی تھی وہ خاموشی سے تیار ہو کے باہر آ گئی جہاں سب خواتین کاموں میں مصروف تھیں اس نے آہستہ سے سب کو سلام کرکے پیار اور دعائیں لیں سب مرد حضرات اب قربانی کرنے جارہے تھے جب ہی علی نے اسے پکارا۔

"آپی ایک بات تو بتائیں کہ قربانی کا سارا گوشت ہم کیا فریزر میں رکھ دیں گے جو صبح سے ماما لوگ کام میں مصروف ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ بس سب خود ہی پکا کے کھائیں گے۔" اس کی رگِ شرارت پھر پھڑکی تھی آج پہلی دفعہ اسے علی کی باتوں پر غصہ کے بجائے پیار آ رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! بالکل نہیں چچی وغیرہ تو پہلے سے مصالحے تیار کرکے رکھ رہی ہیں' تاکہ کھانا بنانے میں ٹائم کم لگے اور قربانی کا گوشت ہمیشہ تین ہی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے' رشتہ داروں میں مسکینوں میں اور باقی گھر کا ایسا نہیں ہوتا کہ سب رکھ لو۔" اس نے نہایت محبت سے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا پیچھے کھڑے ازہان کے لبوں کو ایک دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا' کچھ ہی دیر بعد ازہان آیا تھا اریبہ کے پاس وہ حیرت کا بت بنی اسے دیکھتی رہ گئی' اس کے ہاتھ میں ایک بڑا پیارا سا کارڈ اور ایک بکس تھا اس نے اریبہ کے ہاتھ میں تھمایا اور چلا گیا۔ کارڈ کے اندر ایک خط تھا جس میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ......

"گھر ہمیشہ گھرداری اور سلیقے سے بنتے ہیں جیسے دادی نے اور ماما نے بنایا۔ دوسروں کی باتوں میں آ کر لوگ ہمیشہ اپنا نقصان ہی کرتے ہیں گر کر سنبھلنے سے بہتر ہے سنبھل کر چلا جائے اب تمہیں شاید سمجھ آ گیا ہوگا اور کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکیں کہ دادی میری مرضی کے بغیر میری منگنی نہیں کرسکتی تھیں تمہاری جو حیثیت میرے حوالے سے ہے اس میں میرا اقرار شامل ہے۔

"تمہارا ازہان"

بڑی ہی دلفریب مسکراہٹ نے اریبہ کے ہونٹوں کو چھوا تھا کوئی بوجھ تھا جو سرک گیا تھا اس نے بے تابی سے بکس کھولا' اگلے ہی پل ایک جاندار قہقہہ فضا میں گونجا تھا بکس میں تازہ قربانی کیے گئے بکرے کی کلیجی تھی اوپر ایک چٹ تھی جس پر لکھا تھا۔

"مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے اور اس عید کی شروعات میں تمہارے ہاتھ کے ذائقے سے کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کارڈ اور لیٹر سنبھال کے لاکر میں رکھا اور باہر آ گئی اس کے چہرے پر حیا تھی خوشی تھی لوگ عید پر ہمیشہ اپنی عزیز از جان چیز عید پر قربان کرتے ہیں اس نے بھی اس عید پر اپنی محبت کے لیے اپنا پھوہڑپن اور کاہلی قربان کردی تھی۔ باقی کا وقت یقیناً دادی اور مریم کی ٹریننگ میں اس کا کچن میں گزرنا تھا اگر ازہان کی یہ خواہش تھی تو کچھ غلط نہیں تھا آخر اب اسے حرا کو بھی تو مات دینی تھی۔ باہر کھڑی مریم نے بڑی محبت سے اس کے چہرے پر کھلتے گلابوں کو دیکھا تھا وہ اس پر کبھی یہ واضح نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس نے ہی ازہان کو حرا کے متعلق سب بتایا ہے کہ وہ کس طرح اریبہ کو ٹریپ کررہی ہے۔ اس نے ہمیشہ کے لیے یہ راز اپنے دل میں مقید کرلیا اور مسکرادی۔

❁

نئی کونپل

کھٹی میٹھی زندگی

ثمینہ طاہر بٹ

عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی عید الاضحی

شفق' دھنک' مہتاب' گھٹائیں' تارے' نغمے' بجلی' پھول
اُس دامن میں کیا کیا کچھ ہے وہ دامن ہاتھ میں آئے تو
سُنی سُنائی بات نہیں یہ اپنے اوپر بیتی ہے
پھول نکلتے ہیں شعلوں سے' چاہت آگ لگائے تو

"تم...... تم یہاں کیا کررہے ہو؟ نکلو میرے کمرے سے...... ابھی اور اسی وقت۔" وہ جو پورے انہماک سے اس کی رائٹنگ ٹیبل پر جھکا اس کے فولڈرز اور فائلز جلدی جلدی کھنگال رہا تھا اس کی چیخ نما آواز سن کر بے ساختہ اچھل پڑا اور اسی ہڑبڑاہٹ میں اس کے ہاتھ سے فائلز پھسل کر نیچے جا گریں۔

"حنان کے بچے! تمہاری جرأت کیسے ہوئی بغیر اجازت میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی اور تم ادھر میرے کمرے میں کر کیا رہے ہو؟" وہ تیزی سے چیل کی طرح اس پر جھپٹی اور اس کے ہاتھ میں موجود باقی ماندہ فولڈرز چھین لیے۔

"ثوبی! مجھے تمہارے نوٹس چاہئیں یار! پلیز مجھے اپنے اکاؤنٹس کے نوٹس دے دو۔" اس کے غصے اور موڈ کو یکسر نظر انداز کیے وہ منت آمیز انداز میں بولا۔

"کیا...... نوٹس! مگر کیوں؟ تمہارے اپنے نوٹس کہاں ہیں؟ تم بھی تو کلاس میں موجود تھے ناں میرے ساتھ پھر کیوں چاہئیں تمہیں میرے نوٹس؟" ثوبیہ نے بے حد مشکوک انداز میں اسے گھورتے ہوئے اپنا اکاؤنٹس کے نوٹس والا فولڈر لاشعوری طور سے سینے سے لگایا۔

"وہ میرے نوٹس تو جنید کے پاس ہیں' اس لیے مجھے اب تمہارے والے چاہئیں۔" حنان نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا تو ثوبیہ کا دماغ ایک بار پھر گھوم گیا۔

"کیا...... اوہ جنید نالائق' وہ تمہارا اچھا چاٹ لگتا ہے جو آئے روز اپنے نوٹس اور بکس اسے دان کرآتے ہو اور پھر منہ اٹھا کر میرے پاس آ جاتے ہو۔ ثوبی نوٹس دینا' ثوبی بکس دینا' ثوبی لیپ ٹاپ چاہیے' اونہہ! آئے بڑے۔" جنید کا نام سنتے ہی حسبِ معمول ثوبیہ کو زبردست جھٹکا لگا تھا۔

"ثوبی! پلیز یار دے دو ناں' آخری بار پلیز۔ اب پکا وعدہ آئندہ نہیں دوں گا کسی کو بھی کچھ بھی' نہ کتابیں نہ نوٹس نہ کپڑے نہ جوتے۔ پلیز اس بار میری مدد کردو۔ کل آخری تاریخ ہے اسائنمنٹ جمع کروانے کی پلیز......" اس کی ساری کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں حنان نے بے چارگی اور مظلومیت کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا کہ اسے ماننے ہی بنی۔

"اچھا لے لو مگر کل تک مجھے ہر حال میں اپنی فائل واپس چاہیے ورنہ......" حنان کو اکاؤنٹس والی فائل پکڑاتے ہوئے اس نے تنبیہی انداز میں کہتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں ہاں' دے دوں گا واپس' بھروسہ کرو اور تھینک یو ویری مچ ثوبی! اور ہاں میرے چاچا کا نام جنید احمد نہیں طفیل عالم رضوی ہے اور حنان تو ابھی خود بچہ ہے لہٰذا اس کے

بچوں کے تشریف لانے میں ابھی ایک زمانہ پڑا ہے۔" دروازے کے پاس رک کر اس نے شرارت سے کہا اور کسی بھی متوقع حملے سے پہلے ہی باہر بھاگ گیا۔

❁……❁……❁
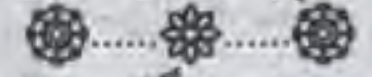
عالم ولا کے دو پورشنز تھے گو کہ باؤنڈری والز اور لان ایک ہی تھا مگر اندر عمارتیں دو تھیں۔ جن کا انٹریر بھی ایک جیسا تھا اور بیرونی آرائش بھی یکساں تھی۔ عالم رضوی کے دو بیٹے اور ایک ہی بیٹی تھی اور وہ اپنی…… اولاد کو اپنے اپنے گھر میں آباد دیکھ کر اپنے ربّ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔ کفیل عالم رضوی کے تین بچے تھے حرا' حنان اور ثناء جب کہ طفیل عالم رضوی کے دو بچے تھے سمیر اور ثوبیہ اور رہ گئیں مدحت تو ان کے دو ہی بیٹے تھے عمیر اور عمر۔ کفیل رضوی اور طفیل رضوی کا مشترکہ کاروبار تھا بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ مدحت شادی کے بعد اپنے شوہر اکرم اور سسرال کے ساتھ ابوظہبی میں سیٹل ہو چکی تھیں کہ ان کے تمام سسرالی عزیز وہاں ہی سیٹل تھے۔

سالوں پہلے دونوں پورشنز یکساں طور پر آباد ہوئے تھے کفیل رضوی اور آمنہ رضوی حرا کے ساتھ اور طفیل رضوی اور شگفتہ رضوی سمیر کے ساتھ بے حد مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ سمیر اور حرا میں سال بھر کا ہی فرق تھا اور وہ دونوں گھر بھر کی رونق تھے مزید گھر بھر کی رونقوں میں اضافہ کرنے کے لیے دو نئے مہمانوں کی آمد بھی جلد ہی متوقع تھی۔ جن کے استقبال کے لیے سب دیدہ دل فرشِ راہ کیے بیٹھے تھے اور پھر وہ مبارک لمحہ آ ہی گیا' آمنہ رضوی کی گود میں حنان کی نعمت ڈالی گئی' سب گھر والے بے حد خوش تھے۔ شگفتہ رضوی اپنی ناسازیٔ طبع کو بھلائے ننھے گل گوتھنے سے حنان کو گود میں بھرے بیٹھی تھیں۔ طفیل رضوی اور کفیل رضوی صدقے خیرات کرتے' مٹھائیاں بانٹتے پھر رہے تھے اور عالم رضوی صاحب ربّ کا شکر ادا کرتے نہ تھک رہے تھے۔ اُدھر ننھے بھتیجے کی آمد کا سن کر مدحت بھی عمیر کو لیے پاکستان آ گئی تھیں بھائیوں کی خوشی میں شامل ہونے کے لیے مگر خوشی کبھی کبھار اپنے جلو میں غم والم کے بادل بھی لیے چلی آتی ہیں۔

دو دن بعد اسی اسپتال میں شگفتہ رضوی موجود تھیں جہاں آمنہ رضوی موجود تھیں مگر پرسوں میں اور آج میں بہت بڑا فرق تھا' اتنا ہی بڑا فرق جتنا کہ شور' گہما گہمی اور سناٹوں میں ہے۔ ڈلیوری کے دوران کمپلیکیشنز کچھ اس طرح بڑھیں کہ وہ بچی کی پیدائش کے فوراً بعد انتقال کر گئیں۔ ان کی موت کی اطلاع جیسے ہی عالم ولا پہنچی ہر طرف سناٹا چھا گیا' دو دن سے جس گھر میں خوشی بھرا ماحول تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے وہیں ایک دم سے ماتم کی فضا پھیل گئی گھٹی گھٹی سسکیوں اور رونے کی آوازیں چہار اطراف پھیل گئیں۔ سمیر سے تو ماں کی گود چھنی ہی تھی' غریب ثوبیہ بھی دنیا میں آتے ہی اس کی گرماش اور محبت سے محروم ہو گئی۔ عالم رضوی صاحب کے لیے لاڈلے بیٹے کے یوں اجڑ جانے کا غم بہت ہی بڑا تھا' ابھی تو ان کے دل کے تار اپنی بیگم کی جدائی کے غم سے ہی لرزتے رہتے تھے کہ بیٹے کی محبوب بیگم بھی اسے چھوڑ اگلے جہاں سدھار گئیں۔ وہ ایک دم سے خاموش خاموش اور نڈھال نڈھال سے ہو گئے مگر پھر ننھی ثوبیہ اور سہمے ہوئے سمیر کے لیے خود کو ہمت دلا کر بمشکل سنبھلنے کی کوشش کرنے لگے۔ آمنہ رضوی اور شگفتہ رضوی کا پیار اور دوستی مثالی تھی' ان کے مابین کبھی دیورانی جٹھانی والی روایتی چپقلش نہ رہی تھی اور اب آمنہ نے ایک دم سے اپنی بہن جیسی دوست کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ نہ جانے کتنا عرصہ غم کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتی ہیں مگر ثوبیہ کی ذمہ داریاں انہیں غم کے طوفانوں سے کھینچ کھانچ کر باہر لے آئیں۔ انہوں نے حنان کے ساتھ ساتھ ثوبیہ کو بھی اپنی محبت بھری آغوش میں سمیٹ لیا پھر وقت کیسے گزرا' کسی نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بچے آمنہ رضوی کی محبت بھری گود میں پل رہے تھے۔ طفیل رضوی نے سب کے اصرار کے باوجود شگفتہ کی جگہ کسی کو بھی دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا زیادہ تر وقت بزنس میں گزرتا اور باقی کا بچ جانے والا وقت وہ ابا جان اور سمیر کے ساتھ گزارا کرتے تھے۔

❁……❁……❁
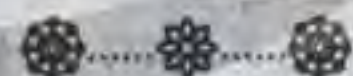
"حنان! سن رہے ہو کہ بہرے ہو گئے ہو؟" وہ لان میں بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا جب ثوبیہ اسے دور سے پکارتی اس کے سر پر آن پہنچی گو کہ وہ اسے دور سے آتا دیکھ رہا تھا مگر جان بوجھ کر انجان بنا اپنے کام میں مگن رہا' جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ چڑ گئی۔

"حنان! تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا' تم نے کہا تھا کہ کل میرے نوٹس واپس کر دو گے مگر دو دن گزرنے کے باوجود تم نے ابھی تک میری فائل واپس نہیں کی' کیوں؟" اب وہ غصے سے بھری اس کے سر پر کھڑی برس رہی تھی۔

"اور اگر میں نہ واپس کروں تو……؟" آنکھوں میں شرارت بھرے اس کے جارحانہ انداز کو خاطر میں لائے بغیر وہ بولا تو ثوبی کا رنگ مارے غصے کے سرخ ہو گیا۔

"تو…… تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ یہ…… یہ تمہارا فلاورٹ گملا ہے نا یہ ہی تمہارے سر پر دے ماروں گی' دیکھتی ہوں کیسے نہیں دیتے تم میری فائل واپس۔" وہ غصے میں سچ مچ گملا اٹھانے کو جھکی تو حنان اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"باپ رے باپ! تم تو جنگلی بلی بنتی جا رہی ہو ثوبی! ایک دم لڑاکا اور غصیلی۔ غصے میں کہیں قتل وتل ہی نہ کر ڈالنا مجھے۔ قسم سے مجھے تو تم سے خوف آنے لگا ہے۔" حنان ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا چند قدم دور ہٹ گیا اور پھر ایک دم پینترا بدلتے ہوئے بولا۔

"دیکھیں سمیر بھائی! یہ ثوبی مجھے مار رہی ہے اور لڑائی بھی کر رہی ہے۔" اب کے اس کا انداز اور لہجہ بالکل بدلا ہوا تھا' مسکین اور مظلوم سا۔ جب کہ سمیر بھائی کا نام سنتے ہی ثوبیہ کے ہاتھوں کے طوطے' کبوتر' فاختائیں سب ایک ساتھ اڑ گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تو واقعی اس سے چند قدم کے فاصلے پر سمیر کھڑا اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"سم…… سمیر بھائی…… وہ حنان میرے نوٹس نہیں دے رہا بلکہ الٹا مجھے……"

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا ثوبی! دن بہ دن تم ال ہڑ ہوتی جا رہی ہو' ایسے بات کرتے ہیں بڑوں سے اور یہ ہی سیکھنے جاتی ہو تم کالج……" سمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے بری طرح ڈانٹ دیا وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"ثوبی! یہ لو اپنے نوٹس' میں تو کل بھی گیا تھا تمہیں دینے مگر تم گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہی تھیں اور مجھے مناسب نہیں لگا کہ میں بغیر اجازت تمہارے کمرے میں جاؤں اسی لیے واپس لے آیا اور اب بھی…… میں تمہیں دینے ہی والا تھا کہ تم نے لڑنا ہی شروع کر دیا تو میں بے چارا کیا کرتا بھلا۔" پوری مکاری اور چالاکی سے اسے ڈانٹ پڑوا کر اب حنان اس کی فائل جانے کہاں سے برآمد کیے ان کے سامنے کھڑا باتیں بنا رہا تھا اور ثوبیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہ ہی فائل اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"ہونہہ! دیکھ لوں گی تمہیں بھی۔" ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے فائل کھینچ کر وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

"آجا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تُو ہی تو میری دوست ہے"

جب کہ اس کے پیچھے حنان گنگناتے ہوئے دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا۔

❁……❁……❁

حرا اپنی تعلیم مکمل کر چکی تھی اور آج کل آمنہ رضوی سے گھر داری کے طریقے سیکھ رہی تھی جب کہ حنان اور ثوبیہ دونوں B.Com پارٹ II کے اسٹوڈنٹ تھے۔ ایک ہی ساتھ کالج اور اکیڈمی جاتے تھے اور ثناء سیکنڈ ایئر کی طالبہ تھی۔ سمیر ایم بی اے کے بعد ابو اور چاچو کے ساتھ ہی بزنس جوائن کر چکا تھا۔ اس کی اور حنان کی دوستی بھی بہت تھی اور محبت بھی مثالی مگر مزاج دونوں کے یکسر جدا تھے۔ حنان جتنا شوخ چلبلا اور ہنس مکھ تھا سمیر اتنا ہی سنجیدہ ریزرو اور کم گو تھا مگر اس کے باوجود دونوں کی بہت اچھی بنتی تھی اور پھر جب عمیر اور عمر آ جاتے تو ان کی محفل رات رات بھر جمی رہتی تھی یہ ہی حال حرا' ثوبیہ اور ثنا کا تھا۔ ان تینوں کی موجودگی میں انہیں کبھی کسی چوتھے کی ضرورت محسوس ہی نہ ہوتی تھی۔ ہاں جب حرا اور ثنا کی خالہ زاد مشی اور نوشی آ جاتیں تو پھر وہ خوب ہلہ گلہ کرتیں۔

"ثوبی آپی! آپ کو پتا ہے اس بار چھٹیوں میں ہمیں بہت زیادہ مزا آنے والا ہے' ہائے میں تو ابھی سے جذباتی ہو رہی ہوں۔" ثنا نے اس کے پاس دھپ سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ جو ڈائجسٹ میں سر دیئے اپنے فیورٹ ناول کی آخری قسط پڑھنے میں گم تھی' اچھل ہی پڑی۔

"کیا…… کیا مطلب؟ کہیں جا رہے ہیں ہم چھٹیوں میں۔ خالہ جانی کی طرف یا ماموں جان کے گھر؟" ثوبی نے اس کے دمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر

ہلانے لگی۔

"اوں ہوں' نہ ماموں جان کی طرف اور نہ خالہ جانی کے ہاں بلکہ ہمارے گھر مہمان آرہے ہیں' بھلا پوچھیں تو کون آرہا ہے؟" ثنا نے حسب عادت کوئز شو شروع کیا تو ثوبیہ کے ساتھ حرا بھی جھلا گئی۔

"کیا ہے ثنا! سیدھی طرح بتاؤ کون آرہا ہے؟ ورنہ میں امی سے پوچھ لوں گی جاکر' تم اپنا کوئز شو اپنے پاس ہی رکھو۔" حرا نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا تو ثنا نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اگلے ہفتے ابوظہبی سے پھپو جانی آرہی ہیں عمر اور عمیر بھائی کے ساتھ اور کراچی سے خالہ جانی بھی تشریف لارہی ہیں مشی آپی اور نوشی کے ساتھ اب بتائیں آئے گا مزہ نہیں مزہ ان چھٹیوں میں۔" پوری تفصیل ان کے گوش گزار کرنے کے بعد ثنا نے داد طلب انداز میں ان کی طرف دیکھا تو وہ دونوں بھی خوش ہوگئیں۔

"ہاں پھر تو واقعی بہت مزہ آنے والا ہے' خوب گھومیں گے' سیر کریں گے۔ مزا آئے گا بہت۔" ثوبیہ کو انجھی سے انجانی سی خوشی ہورہی تھی' اسے اپنی پھپو سے بہت محبت تھی۔ محبت تو مدحت پھپو سے سارے بچوں کو بے حد تھی' آخر کو ان کی اکلوتی پھپو جو تھیں مگر حرا کی آنکھوں میں جانے کیوں جگنو سے بھر گئے تھے اور ہونٹوں کے کٹاؤ میں مدھم سی مسکان آن ٹھہری تھی۔

❀......❀......❀

"اللہ...... ابا جان! یہ سارے بچے ماشاء اللہ کتنے بڑے ہوگئے ہیں اور کتنے حسین و جمیل بھی۔" مدحت پھپو بار بار سب کو گلے سے لگاتیں' چومتیں اور پھر ہر بار دادا ابو سے اسی طرح کے جملے بولتیں جنہیں سن کر وہ سب محظوظ ہورہے تھے۔

اصل میں پھپو کا اس بار چکر پورے پانچ سال بعد لگا تھا' کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہ ہر سال آتے آتے رہ جاتی تھیں اور شاید اس بار بھی ایسا ہی کچھ ہوجاتا کہ ان کی سسرال میں چند قریبی فنکشنز تھے جن کی وجہ سے وہ ڈانوا ڈول ہورہی تھیں مگر بھلا ہو دادا جان کا جنہوں نے انہیں اور پھوپا جان کو آنے کا کہا اور وہ فوراً دوڑی چلی آئیں اور جلد ہی پھوپا جان کی آمد بھی متوقع تھی اور یہ ہی حال خالہ جانی کا بھی تھا۔

آمنہ رضوی کی میکے کے نام پر صرف یہ ہی ایک بہن تھیں یا پھر کوئٹہ میں مقیم ایک چچا زاد بھائی اور شگفتہ رضوی مرحومہ تو تھیں ہی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد' سوان کے انتقال کے بعد ثوبیہ اور تمیر کا بھی اگر ننھیال آباد تھا تو صرف اور صرف اسما خالہ جانی اور توقیر ماموں ہی کی وجہ سے کہ آمنہ رضوی کی طرح انہوں نے بھی کبھی بچوں میں فرق نہیں رکھا تھا وہ یکساں طور پر سب کے ماموں جان اور خالہ جانی تھے۔

اور اب پانچ سال بعد مدحت پھپو جہاں جوان خوبرو بھتیجیوں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہورہی تھیں وہیں حسین اور نازک سی بھتیجیوں کے واری صدقے جارہی تھیں اور پھر جیسے ہی مشی نوشی کی آمد ہوئی وہ لوگ اور زیادہ جذباتی ہوگئے۔ روزانہ کہیں نہ کہیں سیر سپاٹوں کے پروگرام بننے لگے ایک طرف تمام بڑے دادا ابو کے کمرے میں بیٹھے نئے پرانے قصے دہراتے نہ تھکتے تو دوسری طرف لڑکے اور لڑکیاں کبھی علیحدہ تو کبھی مشترکہ ٹولوں کی صورت باتوں اور شرارتوں میں مصروف نظر آتے۔

تمیر اور عمیر ہم مزاج تھے' تھوڑے سنجیدہ تھوڑے کم گو اور بہت زیادہ حساس اور ذمہ دار جب کہ ان کے برعکس حنان اور عمر ایک دوسرے کی کاپی لگتے تھے۔ چلبلے' شرارتی' تھوڑے بے پروا دکھنے والے مگر بہت حساس اور محبت کرنے والے زندہ دل نوجوان تھے۔ ادھر لڑکیوں میں حرا اور مشی ہم عمر بھی تھیں اور ہم مزاج بھی۔ شرمیلی' سگھڑ' ذہین اور سب سے بے حد محبت کرنے والی فرماں بردار بیٹیاں۔ ثنا اور نوشی ہم عمر تھیں اور اپنی عمر کے تقاضے کے عین مطابق اور کچھ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے معصومیت شرارت اور بے پروائی کا حسین امتزاج تھیں یہ دونوں لڑکیاں اور رہ گئی ثوبیہ تو اس کا مزاج عجب دھوپ چھاؤں جیسا تھا موڈی' معصوم' حساس اور شرارتی اس کے مزاج میں سارے ہی رنگ ایک کے بعد ایک جھلکتے تھے اور اپنے مزاج کے تمام رنگوں کے ساتھ وہ سب کو بے حد پیاری تھی۔ حنان اس کا ہم عمر بھی تھا اور اس کا سایہ بھی۔

بہت چھوٹی عمر میں جب وہ دونوں پہلی بار اسکول جارہے تھے تو دادا ابو' چاچو اور امی نے باری باری اسے علیحدہ علیحدہ سمجھایا تھا کہ گھر کے باہر ثوبی کا خیال صرف اور صرف اسے رکھنا ہے۔ اسکول میں اس کا سایہ بن کر رہنا ہے اور اسے رونے تو بالکل بھی نہیں دینا کیونکہ وہ ثوبی سے بڑا ہے اور یہ ذمہ داری بڑوں کی ہوتی ہے کہ وہ چھوٹوں کا خیال رکھیں اور اسی ذمہ داری کو نبھاتا نبھاتا وہ جانے کب کا شعوری اور لاشعوری طور پر خود بخود اس کا بیسٹ فرینڈ بنتا چلا گیا۔ جس سے وہ لڑتی بھی بے شمار تھی مگر اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی' جس کی ہر تان حنان پہ آکر ٹوٹتی اور پھر وہ اس سے چڑ بھی جاتی۔ جانے کیوں مگر یہ تو طے تھا کہ نہ تو ثوبیہ کا اس کے بغیر گزارا ہوتا اور نہ ہی حنان اسے چڑائے بغیر رہ سکتا تھا۔ ان کی یہ کھٹی میٹھی لڑائیاں ہی عالم ولا کی اصل رونق تھیں۔

❀......❀......❀
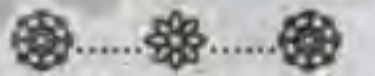
"ابا جی! آپ کو پورا یقین ہے کہ جس طرح ہم سوچ رہے ہیں بالکل ویسا ہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس طرح کرنا کیا مناسب رہے گا۔" طفیل رضوی ابا جی کی پوری بات غور سے سننے کے بعد بھی قدرے تذبذب کا شکار نظر آرہے تھے' جب کہ باقی سب کو شاید ان کے فیصلے پر کوئی اعتراض تھا ہی نہیں۔

"ہاں بیٹا! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے دنیا دیکھی ہے' میرا اندازہ غلط نہیں ہوسکتا اور پھر میں عمر کے اس حصے میں ہوں کہ اپنے بچوں کی نبض پہچانتا ہوں تم فکر نہ کرو ان شاء اللہ کچھ غلط نہیں ہوگا اور ویسے ابھی ہم بھی سے تو کوئی فیصلہ کسی پر صادر نہیں کررہے' ابھی تو میں نے تجویز دی ہے تم لوگ غور کرلو اور چاہو تو تحقیق بھی کرلو' آگے جو اللہ کو منظور۔"

"بھائی جان! میرا خیال ہے ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں' ہم اپنے طور پر پتا لگالیں گے اور پھر اس عمر میں تو جذبات خوشبو کی طرح پھیلتے ہیں اور سمجھنے والوں کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے' آپ پریشان نہ ہوں کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی ان شاء اللہ۔" مدحت پھپو نے بڑے بھائی کو بھرپور تسلی دی تو وہ بھی مطمئن ہوگئے اور یوں اس بند کمرے میں کافی روز سے منعقد کی جانے والی خفیہ کانفرنس کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے قریب قریب ہو ہی گئی اب رہ گئیں تحقیق تو اس کی ذمہ داری تینوں خواتین نے بخوشی اپنے سر لے لی کہ ایسے کاموں میں ماؤں سے بہتر بھلا اور کون ہوسکتا ہے اور پھر انہیں دادا ابو کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔

❀......❀......❀
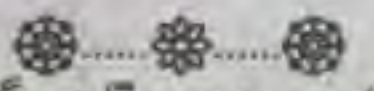
"دادا ابو! کل ہم نے شاہی قلعے کا پروگرام بنایا ہے اور اب کی بار آپ کا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ آپ کو ہمارے ساتھ پکنک پر جانا ہی ہوگا بس کہہ دیا ہے ہم نے۔" ساری ینگ پارٹی اس وقت دادا ابو کے سر ہوئی بیٹھی تھی مگر اب کی باران کا پورا پورا ارادہ سب کو ساتھ لے کر جانا کا تھا اور وہ کسی بھی طرح کمپرومائز کے موڈ میں نہیں لگ رہے تھے۔

"اچھا بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی' جہاں لے جاؤ گے چل پڑیں گے تمہارے ساتھ۔" دادا ابو نے احسان جتانے والے انداز میں کہا تو ان کی شرارت کو سمجھتے ہوئے سب ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

مشی کو تاریخ اور تاریخی عمارتوں سے بے پناہ انسیت تھی وہ جب بھی لاہور آتی یہاں کی تمام تاریخی عمارتوں اور جگہوں پر ضرور جاتی۔ کئی کئی بار کی دیکھی ہوئی جگہوں کو وہ ہر بار ایسے ذوق و شوق سے دیکھتی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ گم صم سی' کھوئی کھوئی سی یہاں سے وہاں چکراتی پھرتی۔ اس وقت بھی وہ شیش محل کی دیواروں کو ہولے ہولے چھو کر محسوس کررہی تھی' جگہ جگہ سے اکھڑے پلستر اور ٹوٹے شیشوں کی جگہ وہ تصور میں وہی پرانا شاہی دور کا شیش محل دیکھ رہی تھی۔ جگہ جگہ گرتے آئینے' دبیز قالین' خوب صورت محرابیں' مضبوط منقش دروازے اور حسین ترین شہزادیاں اور مؤدب کنیزیں۔

"کیسی قوم ہے یہ ہماری' ہم اپنے تاریخی ورثے کی قدر نہیں کرتے جو قومیں اپنے ماضی کو فراموش کردیتی ہیں' اپنے نوادرات اور رتن کی حفاظت نہیں کرپاتیں جو قومیں اپنے تاریخی ورثے کو نہیں سنبھال سکتیں ان کا حال اور مستقبل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اس وقت ہمارا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ کسی دل میں نہ درد رہا اور نہ ہی احساس۔" وہ خیالوں ہی خیالوں میں جانے کہاں پہنچی ہوئی تھی کہ اپنے نزدیک سے ابھرنے والی صدمے اور غصے کی ملی جلی کیفیت والی آواز سن کر واپس حال میں لوٹ آئی۔ تمیر اس کے قریب کھڑا ٹوٹے فرش' گندی دیواروں

اور شیشوں سے خالی چھتوں کو دیکھتا ہوا نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے قومی ورثے کی حفاظت نہیں کرتے‘ دیکھیے ابھی بھی یہاں کنسٹرکشن کا کام ہو رہا ہے۔ رینوویشن بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے اور محکمہ آثار قدیمہ والے کچھ نہ کچھ تو بہرحال کر ہی رہے ہوتے ہیں پھر اتنے مایوس کیوں ہو رہے ہیں بھلا۔“ اپنی ازلی نرمی سے کہتی وہ اس کے بالکل سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی مگر ہماری قوم کے ان سپوتوں کو کیا کہیں گی جو اپنی ناکام محبتوں کی داستانیں ان بے جان دیواروں کے سینے پر کھود جاتے ہیں‘ یہ فون نمبرز‘ یہ نام یہ تھرڈ کلاس عاشقوں کے گھٹیا پیغامات یہ...... یہ سب کیا ہیں یہ محکمہ آثار قدیمہ والوں کو نظر نہیں آتے۔ یہ جگہ جگہ لگے کوڑے کے انبار یہ ٹوٹی پھوٹی ٹائلیں اور یہ بکھرا ہوا کنسٹرکشن میٹریل جب بھی آؤ‘ جتنے سال بعد بھی آؤ‘ ویسے کا ویسے ہی نظر آتا ہے۔ بہت افسوس ہوتا ہے مشی! یہ سب دیکھ کر۔ تاریخ کے اوراق ہمیں کن ناموں سے یاد رکھیں گے معلوم نہیں‘ راجہ رنجیت سنگھ نے اگر یہاں تباہی پھیلائی تھی تو کم ہم بھی نہیں کر رہے۔ ڈر لگتا ہے مجھے مشی کہ کل کو جب ہماری آئندہ نسلیں مغلیہ آرٹ کے حسین فن پارے‘ یہ تاریخی عمارات دیکھنا چاہیں گی تو کہاں جائیں گی‘ کن کھنڈرات سے سر پھوڑیں گی‘ کون سی ویب سائٹ کھولیں گی یا صرف کتابوں میں ملے گی انہیں اپنی پرشکوہ تاریخ۔“ سمیر کا ملال کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

”دیکھیں سمیر! جس طرح تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں اور سکے کے دو پہلو‘ اسی طرح غلط اور صحیح ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے۔ ضرورت ہے اپنے خیالات کو درست نہج پر چلانے کی۔ ضرورت ہے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی اور آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ تاریخی ورثہ اور نایاب نمونے قدرت کی مہربانی سے ہمارے حصے میں آئے ہیں‘ ہم اپنی عاقبت نااندیشی کے باعث انہیں ختم کرتے جا رہے ہیں مگر ابھی بھی وقت ہے‘ میرے خیال میں ابھی بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس ورثے کو اس عظیم دولت کو دل و جان سے لگائے رکھنے کی چاہ میں ہی زندہ ہیں۔ مغربی دنیا اور دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے جو جگہیں کشش کا باعث ہیں وہ انہیں دنیا کے سامنے خوب صورتی سے پورٹریٹ کرنے کے فن میں ماہر ہیں۔“ سمیر نافہم تاثرات لیے حیرانگی کے ساتھ مشی کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے تاثرات دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

”آپ کو یقین نہیں آ رہا ناں؟ مگر میں ایسی جگہوں کے بارے میں جانتی ہوں اور آپ کو بھی دکھا سکتی ہوں آئیے میرے ساتھ!“ کہتے ہوئے وہ ان کمروں کی بھول بھلیوں میں چلنے لگی۔ سمیر اس کے ساتھ ساتھ خاموشی سے چل رہا تھا۔ کئی موڑ مڑنے اور کئی غلام گردشیں پار کرنے کے بعد وہ دونوں جس جگہ پہنچے تھے وہ اس شیش محل سے اس قدر مختلف تھی کہ سمیر کو ایک بار پھر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ واقعی صدیوں پہلے کے مغلیہ دور میں آن کھڑا ہوا ہو۔ خوب صورت چھوٹی چھوٹی لال اینٹوں سے مزین دیواریں‘ جگر جگر کرتی رنگ برنگے شیشوں سے سجی چھتیں‘ مغلیہ دور کے نادر اور نفیس ڈایزئنوں والے جھاڑ فانوس‘ فرش پر خوب صورت موٹے سرخ دبیز قالین‘ ایک طرف شاہی تخت کے انداز میں سجایا گیا اسٹیج اور سامنے دو رویہ خوب صورت اونچی نشست والی آرام دہ سرخ اور سنہری کرسیاں‘ بے حد نفیس محرابیں اور قیمتی منقش بھاری آبنوس کے دروازے۔ وہ سارے کا سارا ماحول ہی خوابناک اور پرفسوں تھا۔

”یہ ہے تصویر کا دوسرا رخ جس سے عام عوام عموماً ناآشنا ہی رہتی ہے یہ اس محل کا وہ حصہ ہے جہاں مہمان صدور‘ وزراء‘ سفارت کار اور اہم شخصیات کے اعزاز میں ظہرانے‘ عصرانے اور عشائیے دیئے جاتے ہیں۔ یہ مغلیہ آرٹ اور ہمارے قومی ورثہ کا وہ رخ جو عالمی میڈیا کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ اور اس کے بہت سے گوشے ہر تاریخی ورثہ کی حامل عمارت میں لازماً ہوتے ہیں پھر چاہے وہ شالیمار باغ ہو‘ شاہی قلعہ ہو یا مقبرہ جہانگیر ہو۔ ہم دنیا کو اپنا صرف وہ ہی چہرہ دکھاتے ہیں جسے ہم سجا سنوار کر اس قابل بنا لیتے ہیں کہ اقوام عالم کے سامنے شرمندگی سے بچ سکیں۔“ سمیر ابھی تک ٹرانس کے عالم میں اس سارے سیٹ اپ کو دیکھ رہا تھا کہ مشی کی اگلی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”اور وہ دیکھیں سمیر! وہ گارڈن جانتے ہیں اس احاطے کی گھاس کہاں سے منگوائی گئی ہے؟ سوئٹزرلینڈ سے۔ یہ لش گرین گھاس‘ یہ خوش رنگ اور خوشبودار پھول پودے

سب امپورٹڈ ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں محکمہ آثار قدیمہ والے کچھ نہ کچھ تو کر ہی رہے ہیں ناں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تو نہیں ہیں۔“ مشی کی اتنی مکمل انفارمیشن اور نالج نے سمیر کو واقعی بڑا متاثر کیا تھا۔

”ایک بات پوچھوں مشی! آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں‘ مطلب میں لاہور میں رہتا ہوں اور اتنا سب نہیں جانتا اور آپ کراچی میں رہتے ہوئے اتنی باخبر کیسے ہیں؟“ واپس آتے ہوئے سمیر نے بالآخر وہ سوال کر ہی لیا جو اس کے ذہن میں کب سے کلبلا رہا تھا۔

”سیدھی سی بات ہے سمیر! یہ میرا سبجیکٹ اور شوق بھی ہے۔ ایک زمانے میں میں بھی آپ کی طرح بے حد مایوس تھی مگر پھر شوق میں تحقیق کی تو سب علم ہوتا چلا گیا‘ ویسے بھی یونیورسٹی میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سر عبدالحق نے اس سلسلے میں میری بے حد مدد کی۔“ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باتیں کرتے اپنے اہل خانہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ یہ دیکھے بغیر کئی آنکھیں انہیں ساتھ ساتھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں اور کئی لب بے ساختہ مسکرائے تھے۔

”یار سمیر بھائی! کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ؟ آپ کی تلاش میں دادا ابو نے ہماری دوڑیں لگوا دیں‘ کم از کم بتا کر تو جاتے یار! اور پھر آپ کا سیل بھی آف تھا‘ ہم تو ڈر ہی گئے تھے۔“ حنان اور عمر انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکے اور اب باری باری اور جلدی جلدی انہیں اپنی پریشانیوں کی حکایات سنا رہے تھے۔

”سوری یار! بس پتا ہی نہیں چلا اور باتوں باتوں میں ہم کافی دور نکل گئے‘ تم لوگوں کو پریشانی ہوئی اس کے لیے معذرت اور سیل تو تمہیں علم ہی ہے کہ میں پکنک پر جاؤں فیملی کے ساتھ تو آف ہی رکھتا ہوں۔“ سمیر نے دونوں کو تسلی اور وضاحت ایک ساتھ دی تو وہ مسکرا دیئے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

”ابا جی! مجھے لگتا ہے آپ کا اندازہ بالکل درست تھا‘ دیکھیں ناں جیسے آپ نے سوچا ویسے ہی ہو رہا ہے اور اب تو مجھے بھی یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضرور کچھ نہ کچھ رنگ لائے گا ان شاء اللہ۔“ مدحت پھپھو نے دادا ابو کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

”ارے بیٹا! ابھی تو شروعات ہے آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔“ انہوں نے ڈرائی فروٹ ٹرے میں سے چھلے چلغوزے اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ سب اس وقت دادا ابو کے کمرے میں بیٹھے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں مشاورت کر رہے تھے اور ادھر وہ ساری ینگ پارٹی ایک نئے مسئلے پر بحث مباحثے میں مشغول تھے۔

”کیا ہے یار! یہ ہی تو موسم ہے ناردرن ایریا میں جانے‘ گھومنے پھرنے اور خوب انجوائے کرنے کا اور آپ لوگ ایسے بور ہو کہ سردی سے ڈر کر بستروں میں گھسے بیٹھے ہو‘ حد ہوتی ہے یار!“ حنان اور عمر ہر ممکن طور پر ان چھٹیوں کا لمحہ لمحہ انجوائے کرنے کے موڈ میں تھے مگر کیا کرتے ان جوانوں کا جو تپتے صحراؤں کے باسی ہونے کی وجہ سے لاہور کی سردی سے ہی کانپے چلے جا رہے تھے مگر دوسری طرف ووٹ زیادہ تھے۔ عمیر کا ساتھ دینے کے لیے صرف اکا دکا ہی ساتھی بچے تھے۔

”تو اور کیا ایسا زبردست موسم اور ایسی سولڈ سردی تو کئی سالوں کے بعد پڑی ہے۔ سنا ہے پچاس سالہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں ٹھنڈ کے اس بار اور آپ ہیں کہ سنو فال دیکھنے کی بجائے ان دیواروں کو دیکھنا پسند کر رہے ہیں۔ زیادتی ہے عمیر بھائی! زبردست زیادتی۔“ ثوبیہ‘ ثنا اور نوشی بھی اسے قائل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

”یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں‘ سمجھنے کی کوشش کرو ناں‘ تم لوگ پچاس سالہ ریکارڈ توڑنے والی سردی ادھر ہی رگوں میں خون جما رہی ہے‘ منفی درجہ حرارت تو لاہور کا ہو رہا ہے اس بار‘ تو تم لوگ کیوں اپنی قلفیاں جمانے کے ارادے سے وہاں جانا چاہتے ہو۔“ عمیر کا متامل اور کمزور سا احتجاج اب بھی جاری تھا مگر......

”ہاں تو بھائی! یہ بھی تو دیکھیں ناں کہ ہم سب کتنے عرصے کے بعد اکٹھے ہوئے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی جانے قسمت کب ایسا موقع فراہم کرے کہ......“

”ہیں...... ہیں ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم‘ اللہ خیر کرے ہم ہر سال ایسے ہی اکٹھے ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ۔“ عمر کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے عمیر نے دہل کر کہا تھا۔

”او بڑے بھائی! ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں‘ دیکھیں ناں جلد ہی حرا آپی اور مشی آپی آپ کی اور بھائی کی شادیاں

ہوجائیں گی پھر یہ لوگ جانے کہاں کہاں جا بسیں اور آپ کی بیگمات جانے آپ کو کہاں اڑا لے جائیں تو پھر آپ ہی بتائیں کہ میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔" عمر نے آئندہ آنے والی صورتِ حال کا نقشہ کچھ اس دلدوز انداز میں کھینچا کہ سب کے چھت پھاڑ قہقہے سے لاؤنج گونج اٹھا جب کہ یوں سب کے درمیان اپنی شادیوں کے ذکر پر حرا اور منشی شرما کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

"آجا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تُو ہی تو میری دوست ہے"

برف سے ڈھکی مال روڈ پر ان کے پیچھے پیچھے چلتے حنان نے پھر اپنا پسندیدہ گانا گنگنانا شروع کردیا تھا جس پر ثوبی نے ایک دم چڑ کر اسے گھورنا شروع کردیا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ اب اس سے زیادہ اوپر کہاں لے جاؤ گے بے چاری غریب کو اور کون سی ہواؤں میں اڑانا چاہتے ہو تم اپنی نادیدہ دوست کو۔ بتانا پسند کرو گے؟" دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی جب کہ اس کے انداز پر سب بے ساختہ رک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

آجا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تُو ہی تو میری دوست ہے"

سینے پر ہاتھ رکھے اس کے آگے جھکتے ہوئے حنان نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو سب بے ساختہ ہنس دیئے جب کہ ثوبیہ مصنوعی غصے سے پیر پٹختی پھپھو کی طرف بھاگ گئی۔

ابھی کل ہی تو وہ لوگ مدحت پھپھو پھوپا جان (جو دو دن قبل ہی پہنچے تھے) اور خالہ جانی اور خالو جان کی معیت میں مری آئے تھے اور یہاں اتنے حسین موسم اور اتنے حسین نظاروں نے انہیں روح تک سرشار کردیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح برف میں اچھل کود کرتے پھر رہے تھے۔ موسم کی شدت بھی انہیں ریسٹ ہاؤس میں ٹکنے پر مجبور نہ کرپا رہی تھیں اور اب عمیر کو بھی افسوس ہورہا تھا کہ وہ ایسے ہی آنے سے منع کرتا رہا سب کو اسے بھی یہ موسم یہ دل کش نظارے بہت اپیل کررہے تھے۔ دو ہفتے بھرپور طریقے سے گزار کر اور خوب برف باری کا مزا لے کر وہ لوگ آخرکار واپس روانہ ہوئے۔ ان کی کوسٹر اپنی منزل کی طرف تیزی سے رواں دواں تھی اور وہ لوگ باتوں اور شرارتوں میں مصروف تھے کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

"کیا ہوا لالہ! گاڑی کیوں روک دی؟" وہ سب باری باری چلانے لگے۔

"آگے راستہ بند ہے! لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے روڈ بلاک ہوگیا اب ام کچھ نہیں کرسکتا۔ راستہ کلیئر ہوگا تو گاڑی آگے چلے گا۔" ڈرائیور خان لالہ نے دانت نکوستے ہوئے انہیں اطلاع پہنچائی تو وہ سب کے سب "اوہ نو" کہتے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہوگئے۔ اب وہ نہ آگے جاسکتے تھے اور نہ ہی پیچھے کہ ان کے پیچھے بھی گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگنا شروع ہوچکی تھیں اور آگے تو پہلے سے ہی لائن لگی ہوئی تھی۔

"پھپھو جانی! ایسے ہی واپس آئے آج ایک دو روز اور رہ جاتے وہیں پر۔" نوشی نے بڑے معصوم انداز میں پھوپو سے کہا تو سب تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔

"چلو بھئی جوانوں! تم لوگ کیا لڑکیوں کی طرح نازک اندازم بنے بیٹھے ہو باہر نکلو اور جائزہ لے کر آؤ کہ کام کہاں تک پہنچا۔" پھوپا جان نے تمام لڑکوں کو ہلہ شیری دے کر کوسٹر سے اتارا تو وہ آگے پیچھے چلتے ایک دوسرے کو سنبھالتے سڑک کے کنارے پڑے برف کے ڈھیروں پر پھسلتے آگے کی طرف روانہ ہوئے۔ انہیں اس طرح بلاکڈ رستے کی طرف جاتے دیکھ کر اور بھی گاڑیوں سے کئی لوگ باہر نکل آئے اور پھر ریسکیو کی ٹیموں کے وہاں پہنچنے تک وہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت کافی حصہ کلیئر کرچکے تھے پھر جلد ہی ریسکیو والوں نے آکر روڈ کلیئر کردیا اور سب نے شکر ادا کیا اور پھر اپنی اپنی راہ ہولیے۔

❁......❁......❁
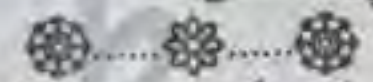
"اوئے ہیرو! کہاں کی تیاریاں ہیں شہزادے!" طفیل چاچو کے ایک دم پکارنے پر سب ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگے جو نک سک سے تیار خوشبوؤں میں بسا ڈائننگ روم کے دروازے سے اندر آرہا تھا۔ وہ سب لوگ اس وقت اس وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف تھے جب کہ حرا منشی اور ثوبیہ کی کچن سے ٹیبل تک کوئیک سروس جاری تھی وہ گرما گرم پراٹھے آملیٹ

وغیرہ لا رہی تھی اور اس وقت ثوبی ان کی پلیٹ میں پراٹھا رکھ رہی تھی کہ ان کی بات سن کر وہ بھی اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں نہیں چاچو جانی! میں نے سوچا آج سے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ آفس جایا کروں گا آخر کل کو مجھے بھی تو اسی فیملی بزنس کو جوائن کرنا ہے ناں! اچھا ہے ابھی سے جوائن کرلوں گا تو آگے چل کر مشکل نہیں ہوگی اور ویسے بھی کسی نے مجھے کہا ہے کہ میں بہت بے پروا اور غیر ذمہ دار ہوں۔ اب مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ میں بھی ذمہ داریاں اٹھا سکتا ہوں اپنی بھی اور کسی اور کی بھی۔" ترو تھے انداز میں دادا ابو کو دیکھتے ہوئے اس نے بات مکمل کی جن کے چہرے پر شریر مسکراہٹ اپنی کرنیں بکھیر رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے برخوردار! مگر یاد رہے ابھی تمہارا رزلٹ بھی نہیں آیا جب کہ عمیر ماشاءاللہ ایم بی اے کمپلیٹ کرچکا ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کاروباری معاملات میں اپنی قابلیت ثابت کرچکا ہے اور آپ کا تو ابھی خیر سے بی کام بھی مکمل نہیں ہوا اور غیر ذمہ داری اور بے پروائی ابھی آپ خود اپنے منہ سے قبول کرچکے ہیں اب بتایئے بھلا ہم کیسے آپ پر اعتبار کرلیں۔" ابو جان نے عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے بظاہر سنجیدہ انداز میں کہا تھا مگر ان کے لہجے کے پیچھے چھپی شرارت اور حنان کے تاثرات دیکھتے سب بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے اور ان کے قہقہے میں خود حنان کی ہنسی بھی شامل ہوچکی تھی۔

❁......❁......❁
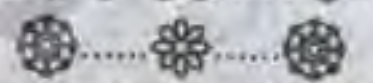
"ثوبی...... ثوبی! کہاں ہو تم؟" حنان شور مچاتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا اور اس کے اس طرح چیختے چلاتے وارد ہونے پر آمنہ رضوی گھبرا کر کچن سے نکل آئی تھیں۔

"اوہو...... کیا ہوا ہے؟ کیوں شور مچا رکھا ہے تم نے پیچھے لگ گیا ہے کوئی کیا؟" وہ سب کی سب لاؤنج میں بیٹھی اپنے دادا ابو اور تمام بڑوں کی طرف سے ان کے لیے پلان کیے گئے سرپرائز پر ڈسکس کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سامنے پھیلی چیزوں سے بھی الجھ رہی تھیں کہ حنان کے اس طرح اچھلتے کودتے سیدھے اندر گھسے چلے آنے پر جھلا ہی گئیں اور اسی جھلاہٹ میں حرا آپی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ارے آپی! نیوز ہی ایسی شاندار ہے کہ مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا۔" اس نے حرا کو ہی شانوں سے پکڑ کر گھما ڈالا۔

"حنان! ہمارا رزلٹ آگیا ہے کیا؟" ثوبیہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے متوجہ کیا تو وہ حرا کو چھوڑ اس کو چکر دلوانے لگا۔

"ہاں ثوبی! آگیا رزلٹ اور پتا ہے تم نے پورے کالج میں ٹاپ کیا ہے۔" وہ بہت خوشی سے بولا۔

"اور تم......؟" ثوبی کے اگلے سوال پر وہ اک لمحہ اٹکا اور سب کو سوالیہ انداز میں اپنی طرف دیکھتے پاکر مسکرا دیا۔

"میں بھی......" ایک لفظی سوال کا ایک لفظی جواب آیا۔

"مطلب؟" آمنہ رضوی بے تابی سے آگے بڑھیں۔

"مطلب میں نے بھی +A لیا ہے امی جان! پاس ہوگیا ہوں میں بھی ہاں مگر نمبر ثوبی سے کم آئے ہیں صرف دو نمبر کم۔" وہ ایک بار پھر ہنسا تو لاؤنج میں ایک دم شور مچ گیا۔ امی پھپھو جانی اور خالہ جانی شکرانے کے نوافل ادا کرنے چلی گئیں اور باقی سب ان کے گرد جمع ہوکر ٹریٹ کے لیے شور مچانے لگے۔

"حنان! تمہیں بُرا نہیں لگتا جب میں ہمیشہ تم سے زیادہ نمبر لے لیتی ہوں اور تم ہمیشہ دو چار نمبرز کے فرق سے پیچھے ہی رہ جاتے ہو۔" ثوبیہ نے ان کے شور و غل کو نظر انداز کرتے ہوئے حنان سے پوچھا۔

"نہیں...... بالکل بھی نہیں!" اپنی چمک دار آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔

"مگر کیوں؟" جھلاہٹ بھرا سوال موصول ہوا۔

"تُو ہی تو میری دوست ہے۔" مسلسل اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

عالم ولا کی رونقیں آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ باؤنڈری والز اور لان کے چاروں اطراف خوب صورت رنگ برنگے قمقمے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ لان کے تمام درخت اور پودے بے حد حسین انداز میں لائٹوں سے سجائے گئے تھے دونوں پورشنز کو اندر باہر سے زبردست ڈیکوریٹ کیا گیا تھا اس کے علاوہ باربی کیو کا زبردست انتظام تھا جس کی وجہ سے اشتہا انگیز خوشبوئیں سارے میں

چکراتی پھر رہی تھیں۔

عالم ولا میں آج بہت خاص دن تھا' ان کے مری کے ٹرپ کے دوران ہی دادا ابو نے تمام بڑوں کے ساتھ مل کر بالا ہی بالا ساری پلاننگ کرلی تھیں اور ان کے واپس آنے کے کچھ دن بعد ہی ان کے لیے زبردست سرپرائز تیار تھا۔ لان کے مشرقی حصے میں بہت بڑا اور بہت خوب صورت اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر مغلیہ طرزِ آرائش اور سجاوٹ نے چار چاند لگ دیئے تھے۔ وسیع و عریض لان میں جا بجا راؤنڈ ٹیبل ارینجمنٹ بھی اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ ہر طرف رنگین آنچل لہرا رہے تھے' شارٹ نوٹس کے باوجود مہمانوں کی اچھی خاصی تعداد عالم ولا میں موجود تھی۔ اسٹیج پر مولانا صاحب کے علاوہ دادا جان' بمعہ سب کے والدِ محترم موجود تھے جب کہ مولانا صاحب کے دائیں بائیں سمیر اور عمیر بہترین ڈائزین دلہا ڈریسز میں ملبوس اندرونی خوشی سے چھپتے مسکراتے چہرے لیے بیٹھے تھے۔

"جی مولانا صاحب، بسم اللہ کریں۔" دادا ابو نے مولانا صاحب سے کہا تو وہ سمیر کی طرف متوجہ ہوگئے' ان کی کارروائی شروع ہوتے ہی ہر طرف ایک مقدس اور پاکیزہ سی خاموشی چھاگئی اور پھر سمیر کے بعد عمیر بھی اسی طرح کے عمل سے گزرا اور جیسے ہی مولانا صاحب کی کارروائی مکمل ہوئی ہر طرف مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔ سمیر کا نکاح عشی کے ساتھ اور عمیر کا حرا کے ساتھ بہ رضا و رغبت پُرجوش طریقے سے انجام پاچکا تھا۔

"دادا ابو پلیز میرا بھی کچھ کریں ناں۔ آپ کو دادی جان مرحومہ کی قسم ہے میرے بارے میں بھی سوچ لیں' ابھی ابھی...... دیکھیں ناں رسمِ دنیا بھی ہے موقع بھی ہے اور دستور بھی ہے۔" زبردست تیاری کے ساتھ شاندار انداز میں سجا سنوار حنان صبح سے یہ وقت ہونے کو آیا' دادا ابو کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا وہ تو جب سے مری ٹرپ سے آئے اور ہنگامی بنیادوں پر طے کیے گئے پروگرامز کی افراتفری سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے جی جان سے تیار تھا۔

"دادا جان! کچھ سوچیں ناں پلیز...... پلیز دادا ابو!" وہ ایک بار پھر مسکین صورت بنائے ان کے سر پر سوار تھا۔

"اچھا...... اچھا کرتے ہیں کچھ تمہارا بھی برخوردار! مگر مسئلہ یہ ہے کہ تم ایک نمبر کے نکمے ہو۔ سارا وقت میری معصوم بچی کے پیچھے پڑے رہتے ہو' جب ابھی سے اسے اتنا تنگ کرتے ہو تو بعد میں کیا کرو گے' میں کیسے تمہارا بھروسہ کرلوں۔" دادا ابو اسے فل تنگ کرنے کے موڈ میں تھے' اسی لیے اسے ستائے جارہے تھے۔

"دادا ابو پلیز پرامس کرتا ہوں' آپ کی لاڈلی کو ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھوں گا' اسے کسی چیز کی بھی کمی نہیں آنے دوں گا۔ پرامس...... پکا والا پرامس!" اس کے اس طرح کہنے اور پرزور انداز میں یقین دلانے کی کوشش کرنے پر وہاں موجود تمام لوگ بے ساختہ ہنس پڑے۔

"نانا جان! مان جائیں بے چارے ماڈرن مجنوں کی درخواست' اب تو اس کی حالت واقعی پتلی ہوگئی ہے۔" دلہا بنے عمیر نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو دادا ابو بھی ہنس دیئے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد تین خوب صورت مغلیہ شہزادیوں کے روپ میں سجی سنوری دلہنوں کو ان تین دلہوں کے برابر لاکر بٹھا دیا گیا۔ مولانا صاحب کو ایک بار پھر تکلیف دی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے حنان اور ثوبیہ بھی خوب صورت بندھن میں بندھ گئے۔

آجا میں ہواؤں میں اڑا کے لے چلوں
تُو ہی تو میری دوست ہے

اس کے بالکل کان کے پاس گنگنایا تو وہ بے ساختہ شرما کر رہ گئی۔

دادا ابو اپنے پوتوں' پوتیوں اور نواسوں کو اپنے ہاتھوں نئے بندھن میں باندھنے کے بعد بے حد خوش تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے اپنے بچوں کی آنے والی زندگی اور مستقبل کے خوش گوار اور تابناک ہونے کی دعائیں نکل رہی تھیں جب کہ باقی کے تمام نفوس بھی ان قائم ہوجانے والے رشتوں سے بے حد خوش تھے کیونکہ یہ ہی سب زندگی کے رنگ ہیں اور ان ہی رنگوں سے سجی تھی ان کی یہ خوب صورت حسین اور کتنی میٹھی زندگی۔

❀

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

نگینہ زمان ...... فیصل آباد

جواب:۔ رشتوں کا آنا اور بات آگے نہ بڑھنا رکاوٹ ہونے کی نشانی ہے۔

بعد نماز عشاء سورۃ الفلق' سورۃ الناس ایک ایک تسبیح روزانہ۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

رشتے والی دعا مستقل پڑھیں۔ میں دعا کردوں گا۔

سائرہ۔ ج ...... تلہ گنگ، ضلع چکوال

جواب:۔ اثرات ہیں۔

آیتہ الکرسی' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 3،3 مرتبہ دم کرکے سویا کریں۔

والد کو راضی کریں۔

صفیہ زوجہ اجمل بٹ ...... نواب شاہ

جواب:۔ بظاہر ایسی کوئی چیز سامنے نہیں آرہی۔

اویس ...... ہری پور

جواب:۔ سورۃ قریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ پڑھا کریں۔ اپنے دونوں مسئلوں کے لیے دعا کریں۔

ثوبیہ غفور ...... گجرات

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

بعد نماز عشاء سورۃ الفلق' سورۃ الناس 21،21 مرتبہ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

نویدہ ...... کوٹلی، جمال پور

جواب:۔ (1) آپ زیادہ سوچا مت کریں۔ مسائل گھر میں کم آپ کے ذہن میں زیادہ ہیں۔

صدقہ اپنی حیثیت کے مطابق جتنی مرتبہ دینا چاہیں دے سکتی ہیں۔ (چاہے وہ پیسوں کی شکل میں ہو یا گوشت وغیرہ کی)

(۲) بھائی سورۃ قریش کا ورد رکھیں جب تک کام نہیں ہوجاتا۔

(۳) بہنیں وظیفہ جاری رکھیں۔ عشاء کی نماز کے بعد سورۃ الفلق' سورۃ الناس 1،1 تسبیح روزانہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

رضیہ بی بی ...... بادامی باغ، لاہور

جواب:۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ پڑھ کر پانی پر دم کرلیا کریں گھر کے تمام افراد کو پلائیں اور گاڑی پر بھی چھڑکیں۔

بیٹے کے لیے:۔ فجر کی نماز کے بعد سورۃ

شمس 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔
سورۃ عصر 21 مرتبہ سرہانے کھڑے ہو کر پڑھیں۔ دم بھی کریں۔ نیت ہو کام پر دھیان دے لگ کر کام کرے۔

شمائلہ ...... ضلع جہلم

جواب:۔ مسئلہ کسی حد تک حل ہوا ہے مکمل نہیں۔
آپ ان سے مستقل کوئی وظیفہ معلوم کر لیں اور اسے آپ دونوں اپنے معمول میں رکھیں۔ صدقہ خیرات کرتی رہیں۔

سلیم ...... نیول کالونی

جواب:۔ بھائی کا مکمل روحانی علاج کروائیں۔ مسئلہ سخت ہے۔

S.F ...... خانیوال

جواب:۔ نماز کی تلقین کیا کریں اور ان کے لیے دعا کیا کریں۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔

شگفتہ کوثر ...... بہاولپور

جواب:۔ (۱) وظیفہ پاکی کی حالت میں کرنا ہے۔
(۲) استخارہ خود کر لیں۔

ماہیر ظفر ...... شادیوال گجرات

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد سورۃ فتح کی تلاوت کیا کریں۔

عنبرین گل ...... مظفر گڑھ

جواب:۔ بہن فجر کی نماز کے بعد سورۃ یسین 1 مرتبہ اور عشاء کی نماز کے بعد سورۃ عبس 1 مرتبہ پڑھا کرے۔ اپنے مسئلے کے لیے دعا بھی کیا کرے۔
آپ دونوں رشتے والی دعا جاری رکھیں۔ ساتھ ہی عشاء کی نماز کے بعد سورۃ الفلق سورۃ الناس ایک ایک تسبیح روزانہ کیا کریں۔ نیت رکھیں جو رکاوٹ بندش ہے وہ ختم ہو۔

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے نومبر ۲۰۱۳ء

نام ...... والدہ کا نام ...... گھر کا مکمل پتا ......

......

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ......

بیاضِ دل

میمونہ رومان

سباس گل ...... رحیم یار خان
زندگی شام سے پہلے ہی اگر تھک جائے
خواب جو آنکھوں میں پہنچتے ہیں کدھر جائیں گے

نوشین اقبال نوشی ...... گاؤں بدر مرجان
محبتوں کو عجیب حیرتوں سے تکتا ہے
کہ جیسے خواب نہ دیکھا آدمی نے کبھی
ہم ایسے شہر میں آشفتہ سر کہاں ہوں گے
نہیں نہ چین سے رکھا ہو زندگی نے کبھی

دلکش مریم ...... چنیوٹ
محبت کاٹ سکتی ہے دلوں کے فاصلے لیکن
تیری میری انا کا بت جگہ سے ہل نہیں سکتا

ثمرین کنول ...... کراچی
تم تو شاعر ہو قتیل اور وہ اک عام سا شخص
اس نے چاہا بھی تمہیں اور جتایا بھی نہیں

زارا شاہ ...... حیدرآباد
اخلاص و محبت، مروت سب رسمی باتیں ہیں
ہر شخص خودی کی مستی میں بس اپنی خاطر جیتا

نجمہ شاہد ...... سیالکوٹ
خنجر بدست اٹھیں گے جب خستگانِ شب
خوش منظری میں کرب کے منظر بھی آئیں گے
دھونی رما کے بیٹھ تو محسن سر بسو
گلیوں سے خود کل کے قلندر بھی آئیں گے

آسیہ علی ...... ساہیوال
رم جھم رم جھم بوندوں میں جب پیڑ بھی دھل جائیں گے
نکھرا نکھرا ابھرا ابھرا لگے گا پیکر بارش کا

عروسہ شہوار رفیع ...... کالا گوجراں جہلم
اہل دل خوب سمجھتے ہیں ہمارا رتبہ
یوں تو کچھ بھی نہیں اک طالب دیدار ہیں ہم
رونق بزم جہاں عشق جگر سوز سے ہے
اور اس قافلۂ عشق کے سالار ہیں ہم

عظمیٰ فرید خان ...... ڈی آئی خان
دن ڈھل گیا تو آئے وہ ملنے کے واسطے
یارب! ہماری عید ہوئی بھی تو شام کو

پروین افضل شاہین ...... بہاولنگر
مجرم ہو با رسوخ تو قانون کچھ نہیں
یہ کس نے نقش کر دیا میزان عدل پر

لبنیٰ ساجد ...... صفدرآباد
چاند پر جا کر مکین ہوئی میری نظر
تیری نظر کے انتظار شوق میں

ایم یاہی عباس راجپوت ...... خانیوال
وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون مرے درد سنبھالے محسن

شاہانہ شاہد ...... شاہ فیصل کالونی کراچی
محرومیوں کو زیست کا حاصل سمجھ لیا
بگڑے ہوئے نصیب سے ٹکرا کر کیا کریں

ماریہ ریاض ...... رجوعہ
چلتی تیز ہوائیں نہ گرتے پھل بہاروں سے
ہم پردیسی ہوتے نہ بچھڑتے یاروں سے

آنسہ شبیر ...... ڈوگہ گجرات
دولت کے ترازو میں تولو تو فقیر ہیں ہم
درد دل میں ہم سا نواب کوئی نہیں

زین الدین صدیقی ...... کراچی
میں نے کب درد کے زخموں سے شکایت کی ہے
ہاں میرا جرم ہے کہ میں نے محبت کی ہے
اس کو بھول جانے کی غلطی بھی نہیں کر سکتا
ٹوٹ کر کی ہے تو صرف اسی سے محبت کی ہے

فیاض اسحاق ...... سلانوالی
اس کو دیکھا تو آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
دریا اگرچہ خشک تھا مگر پانی تہوں میں تھا

ناصر جدا طے ہوئے ہم سے غم جاناں کے مرحلے
اس بے وفا کا گھر بھی میری راہوں میں تھا
بشریٰ نوید باجوہ...... اوکاڑہ

میرا وہ دل جہاں ترے پیار کا بسیرا تھا
اب وہاں صرف درد کا ہی ڈیرا ہے
خواب سجائے تھے جو آنکھوں میں نوید
ان آنکھوں میں اب ساون کا موسم آن ٹھہرا ہے
ماریہ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن کراچی

جھوٹ کہتے ہیں لوگ کہ محبت سب کچھ چھین لیتی ہے
میں نے تو محبت کر کے غموں کا خزانہ پالیا
ثمینہ کوثر...... ڈوگہ گجرات

خوشبوؤں سے ہواؤں سے ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو زندگی کو سجادیتے ہیں
بچھڑ جائیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
عروسہ علی...... ٹانڈہ

کوئی تو ہے میرے اندر مجھے سنبھالے ہوئے
کہ بے قرار سا ہو کر بھی برقرار ہوں میں
ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

آسان تو نہیں ہوتا اپنی ہستی سے گزر جانا
اترا جو دریا سمندر میں تو بہت رویا
وہ اک شخص جو نہ رویا تھا کبھی تپتی راہوں میں
دیوار کے سائے میں بیٹھا تو بہت رویا
امبرین کوثر...... ملتان

شام فراق نہ اب پوچھ آئی اور آ کے ٹل گئی
دل تھا کہ پھر بہل گیا جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی
عائشہ سلیم...... فیصل آباد

میں تجھے ڈھونڈتے یادوں کی کھلی سڑکوں پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں
مبشرہ سحر...... قادر آباد عبدالحکیم

یہ ورق ورق تیری داستان
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں
تجھے زندگی کی کتاب
فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

نہ کبھی ہماری محبت کی آزمائش کر سکو
جاں سے زیادہ کیا فرمائش کر سکو
چاہتے ہیں تم کو اتنا جتنا سمندر میں ہے
کیا سمندر کے پانی کی پیمائش کر سکو
کشور غفار اوڈ...... عبدالحکیم

وفا کی جنگ مت لڑنا یونہی بے کار جاتی ہے
زمانہ جیت جاتا ہے محبت ہار جاتی ہے
ہمارا تذکرہ چھوڑو ہم ایسے لوگ ہیں جن کو
زمانہ کچھ نہیں کہتا وفا ہی مار جاتی ہے
ریحانہ یاسمین جانی...... میانوالی

وفا کی بستی کے لوگ محترم
اجڑے اجڑے یہ کہہ رہے تھے
کہ جہاں محبتوں میں کھوٹ دیکھو
وفا میں تم بھی کھڑے نہ رہو
طوبیٰ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن کراچی

آج زندگی میں عجیب قصہ سنا ہم نے اذان
کسی غریب نے زندگی سے تنگ آ کر محبت کرلی
فائزہ ناز...... کورنگی کراچی

نہ تصویر ہے تمہاری جو دیدار کیا جائے
نہ تم ہو پاس جو پیار کیا جائے
یہ کیسا درد دیا ہے تم نے
نہ کچھ کہا جائے نہ تم بن رہا جائے
اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن کراچی

اب اپنی یاد کی خوشبو بھی ہم سے چھینو گے کیا
کتاب دل میں یہ سوکھے گلاب تو رہنے دو
نزہت جبین ضیاء...... کراچی

اس کی بے رخی نے چھین لی ہیں میری شرارتیں
اور لوگ کہتے ہیں کہ تم بہت سنجیدہ ہو گئے ہو

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

گلاوٹ کا قیمہ

اجزاء:۔

قیمہ (بغیر ہڈی کا)	مشین کا آدھا کلو
پیاز (درمیانے سائز کی)	ایک عدد
بناسپتی گھی	تین کھانے کے چمچے
گرم مسالا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
پپیتا	دو انچ کا ٹکڑا (پسا ہوا)
دہی	دو کھانے کے چمچے
کوئلہ	ایک ٹکڑا (گرم کیا ہوا)
ایک روٹی کا ٹکڑا	(چند بوندیں کوکنگ آئل کی ڈال دیں)

ترکیب:۔

سب سے پہلے قیمہ دھو کر اس میں پپیتا، ادرک اور لہسن، گرم مسالا ملا کر بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں گھی گرم کریں اور اس میں پیاز براؤن کریں جب پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں قیمہ ڈال دیں اور ہلکے ہاتھوں سے بھون کر پانچ منٹ کے لیے ڈھک دیں پھر اس میں دہی، لال مرچ، نمک ڈال کر ڈھک دیں اور آنچ ہلکی رکھیں، کوئلہ گرم کرلیں، قیمہ کے بیچ میں روٹی کا ٹکڑا رکھ کر اس پر کوئلہ رکھ دیں اور کوکنگ آئل ٹپکا کر ڈھکن بند کر دیں اور دو منٹ بعد چولہا بند کر دیں۔ اب اسے گرما گرم چپاتیوں یا پوریوں اور رائتے کے ساتھ نوش فرمائیے۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

گوشت درباری

اجزاء:۔

ران کا گوشت	ایک کلو
بڑی الائچی (دانے نکال لیں)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	تین کھانے کے چمچے
گھی	تین کھانے کے چمچے
لہسن کے جوئے (چھیل لیں)	تین سے چار عدد
پیاز (بڑی)	ایک عدد (باریک کاٹ لیں)
ادرک (باریک پیس لیں)	ایک انچ کا ٹکڑا
گرم پانی	تین سے چار کپ
ٹماٹر پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ثابت سیاہ مرچ	دس عدد
تیز پات	ایک عدد
لونگ	چار عدد
ہری مرچ	دو عدد (لمبائی میں آدھی کاٹ لیں)
رائی	ایک کھانے کا چمچہ
خشخاش	دو کھانے کے چمچے
ثابت خشک لال مرچ	چار عدد
دار چینی	دو انچ کا ٹکڑا

ترکیب:۔

گوشت پر سے اضافی چکنائی اتار لیں اور دو انچ کی بوٹیاں بنا لیں۔ رائی، تل، خشخاش، ثابت سیاہ مرچ، ثابت خشک لال مرچ، تیز پات، دار چینی، لونگ ملا کر گرائنڈ کرلیں اور سرکہ ملا کر مسالا پیسٹ تیار کرلیں اور اس پیسٹ کو گوشت پر اچھی طرح لگا کر میری نیٹ کرنے کے لیے چار سے چھ گھنٹے یا فریج میں رات بھر کے لیے رکھ دیں۔ لہسن میں نمک ملا کر پیس لیں اور ملائم پیسٹ بنا لیں۔ گھی کو ہلکی آنچ پر گرم کریں، پیاز اور ادرک ملا کر آنچ درمیانی کر دیں اور پیاز کے نرم ہونے تک فرائی کریں۔ ادرک کا پیسٹ شامل کر دیں اور مزید دو سے تین منٹ چمچہ چلاتے ہوئے فرائی کریں۔ گوشت ملا دیں اور پیاز کے مکسچر میں اس وقت تک پکائیں کہ گوشت کی تمام بوٹیاں براؤن ہو جائیں۔ پانی ملا دیں اور ابال لیں۔ آنچ کم کر کے ٹماٹر پیسٹ، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ملا دیں اور آنچ درمیانی کر کے چمچہ مسلسل چلاتے ہوئے تین سے چار منٹ تک پکائیں۔ پتیلی کو چولہے پر سے اتار لیں۔ مزے دار گوشت درباری تیار ہے، گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

الوشہ طارق...... کراچی

مسالے دار کلیجی

ضروری اشیاء:۔

کلیجی (دھولیں اور صاف کرکے خشک کرلیں) آدھا کلو
لیموں کا رس آدھا کپ
سرکہ تین کھانے کے چمچے
دہی ایک کپ
نمک حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر ایک چوتھائی کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹر (باریک چوپ کرلیں) دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ تین چائے کے چمچے
پیاز (باریک چوپ کرلیں) دو عدد
سرسوں کا تیل حسب ضرورت
ہری مرچیں (چوپ کرلیں) چار عدد

ترکیب:۔

کلیجی کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں لیموں کا رس، سرکہ، نمک اور ایک چوتھائی چائے کا چمچہ ہلدی پاؤڈر ڈال کر بیس سے پچیس منٹ کے لیے ایک طرف رکھ دیں اور اس کو چھلنی میں ڈال کر سارا پانی نتھار دیں۔ پتیلی میں ہلکی آنچ پر سرسوں کا تیل خوب اچھی طرح گرم کریں۔ دہی، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہری مرچیں اور نمک ڈال کر بھونیں اس کے بعد کلیجی ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں آخر میں گرم مسالا پاؤڈر ڈالیں۔ مسالے دار کلیجی تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال کر باریک کٹی ادرک، لیموں، ٹماٹر اور سلاد کے پتے سے گارنش کرکے سرو کریں۔

امبر فاطمہ......کراچی

سندھی بریانی

اشیاء:۔

باسمتی چاول (صاف کرکے بھگو دیں) ایک کلو
بکرے کا گوشت ایک کلو
آلو ڈیڑھ کلو (بڑے ٹکڑے کاٹ لیں)
ٹماٹر (چوپ کرلیں) چار عدد
پیاز چار عدد (سلائس کاٹ لیں)
دہی ایک کپ
نمک حسب ذائقہ
زرد رنگ ڈیڑھ چائے کا چمچہ
دودھ ڈیڑھ کپ
تیل ڈیڑھ کپ
سرخ مرچ پاؤڈر ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر دو کھانے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ دو کھانے کے چمچے
آلو بخارے 100 گرام (دھو کر بھگو لیں)
پودینہ ایک گٹھی
ہری مرچیں آٹھ عدد
لیموں (قتلے کاٹ لیں) چار عدد
تیز پات دو عدد
دار چینی دو ٹکڑے
لونگ چار عدد
بڑی الائچی چار عدد
چھوٹی الائچی چھ عدد
ثابت سیاہ مرچیں دس عدد
زیرہ ڈیڑھ چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

پتیلی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر سنہری ہونے تک تلیں اس کے بعد آدھی پیاز نکال کر الگ رکھ لیں اور پتیلی میں بکرے کا گوشت، دہی، سرخ مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ادرک لہسن پیسٹ، گرم مسالا پاؤڈر اور نمک ڈال کر گوشت گلنے تک ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت آدھا گل جائے تو اس میں ٹماٹر، آلو، ہری مرچیں اور آلو بخارے ڈال کر تیل الگ ہونے تک بھون لیں۔

ایک پتیلی میں نمک ملے پانی میں چاول، تیز پات، دار چینی، لونگ، بڑی الائچی، چھوٹی الائچی، ثابت سیاہ مرچیں، زیرہ اور تھوڑے پودینے کے پتے ڈال کر ایک کنی رہنے تک ابال لیں اس کے بعد چھان کر چاول الگ کرلیں۔ ایک دوسرے بڑے پتیلے میں پہلے ابلے ہوئے چاولوں کی تہہ لگا کر تیار کیا ہوا گوشت کا سالن ڈال کر باقی بچے ہوئے چاولوں کی تہہ لگا دیں آخر میں دودھ میں زرد رنگ گھول کر ڈالیں۔ پودینہ، لیموں کے قتلے اور تلی ہوئی پیاز ڈال کر دم پر لگا دیں، مزے دار سندھی بریانی تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال کر سلاد اور رائتہ کے ساتھ سرو کریں۔

ثمرین کنول......کراچی

اچاری قیمہ دیگی پلاؤ

اشیاء:۔

قیمہ (بکرے کا) ایک کلو
باسمتی چاول ایک کلو
اچار ڈیڑھ کپ
پیاز دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں تین سے پانچ عدد
ہری مرچیں تین سے پانچ عدد
کڑھی پتے تین سے چار عدد
گرم مسالا پاؤڈر ایک کھانے کا چمچہ
تیز پات ایک عدد
لیموں (باریک گول لچھے کاٹ لیں) ایک عدد
لونگ پانچ عدد
ثابت سیاہ مرچیں پانچ عدد
پانی چار کپ
نمک حسب ذائقہ
دہی ایک کپ
ییلو فوڈ کلر چند قطرے
ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر دو عدد (باریک کاٹ لیں)
تیل حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک سوس پین میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر چمچہ چلائیں۔ براؤن ہونے پر اس میں قیمہ ڈالیں اور قیمے کی رنگت براؤن ہونے پر اس میں دہی، ٹماٹر، اچار، ہری مرچیں، لہسن ادرک پیسٹ، کڑھی پتے، نمک، گرم مسالا پاؤڈر ڈال دیں اور بھونیں جب تیل الگ ہو جائے اور گوشت گل جائے تو پانی ڈالیں اور ابال آجائے تو اس میں چاول اور ییلو فوڈ کلر ڈال کر چمچہ چلائیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو ہلکی آنچ پر رکھ دیں، مزے دار اچاری دیگی پلاؤ تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر لیموں سے گارنش کریں اور رائتہ کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

رابعہ......ملتان

گرین مسالا ران

اشیاء:۔

بکرے کی ران ایک عدد
ادرک ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوئے چار سے چھ عدد
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) دو کھانے کے چمچے
پودینہ (چوپ کیا ہوا) دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں چار عدد
زیرہ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
دہی ڈیڑھ کپ
کچا پپیتا پیسٹ دو چائے کے چمچے
نمک حسب ذائقہ
تیل حسب ضرورت

ترکیب:۔

ران کو اچھی طرح صاف کرکے گہرے کٹ لگالیں، اب اس پر نمک اور پپیتا پیسٹ لگا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ گرائنڈر میں ادرک، لہسن، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچیں، زیرہ اور نمک ملا کر گرائنڈ کرکے ہرا مسالا تیار کرلیں۔ دہی میں پسا ہوا ہرا مسالا اور گرم مسالا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور یہ آمیزہ ہاتھوں کی مدد سے پوری ران پر اچھی طرح لگائیں اور دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پتیلی میں چھ کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے مسالا لگی ران اس میں ڈال کر بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں، اس کے بعد پلٹ دیں اور بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں، سرخ ہونے پر اور گوشت گل جانے کے بعد نکال لیں۔ گرین مسالا ران تیار ہے، سلاد اور ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

رمشا نور...... کراچی

تندوری ران

اشیاء:۔

بکرے کی ران	ایک عدد
لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے
باربی پیسٹ	چار چائے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
کوئلہ	ایک درمیانہ ٹکڑا

ترکیب:۔

ران کو اچھی طرح صاف کر کے گہرے کٹ لگا کر اس پر نمک، لال مرچ پاؤڈر اور سرکہ مکس کر کے ملیں اور آدھے گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ اب اس پر باربی کیو سوس، لہسن پیسٹ اور سیاہ مرچ پاؤڈر لگا کر مزید دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پتیلی میں تھوڑا سا تیل درمیانی آنچ پر گرم کریں اور میرینیٹ کی ہوئی ران اس میں ڈال کر بیس سے پچیس منٹ ہلکی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔ جب گولڈن ہو جائے تو چولہا بند کر دیں۔ کوئلہ دہکا کر دم لگا دیں۔ منفرد تندوری ران تیار ہے، تندوری نان کے ساتھ تناول فرمائیں۔

صائمہ شیخ...... لاہور

اسٹفڈ مٹن لیگ روسٹ

اشیاء:۔

بکرے کی ران	ایک عدد
لہسن کے جوئے (کوٹ لیں)	آٹھ عدد
اوریگینو (خشک)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تھائم (خشک)	ایک چائے کا چمچہ
پیپریکا پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
آٹا	ایک چائے کا چمچہ
پانی فیلنگ کے لیے	چار سے چھ کپ
تیل	چار سے پانچ کھانے کے چمچے
مکھن	دو چائے کے چمچے
پیاز (چوپ کر لیں)	دو عدد
پستہ	100 گرام
کشمش	50 گرام
کاجو	50 گرام
خوبانی	50 گرام
شملہ مرچیں (بیج نکال کر چوپ کر لیں)	دو عدد
چاول (ابلے ہوئے)	دو کپ
بادام (بھون کر ہوائیاں کاٹ لیں)	ایک سو گرام
سویا سوس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

فیلنگ تیار کرنے کے لیے ایک سوس پین میں تیل اور مکھن گرم کر کے اس میں پیاز کی آدھی مقدار، کاجو، خوبانی، پستہ، کشمش، شملہ مرچیں اور بادام ڈال کر تلیں، چمچہ چلاتی رہیں، جب اچھی طرح براؤن ہو جائے تو آنچ سے اتار لیں۔ اب چاول اور سویا سوس ملا کر اچھی طرح مکس کریں، ران کے گوشت کو درمیان سے اس طرح چاک کریں کہ اس میں فیلنگ بھری جا سکے۔ اب اس پر نمک، اوریگنو اور لہسن خوب اچھی طرح لگا کر اس میں چاول والا آمیزہ بھر دیں اور احتیاط سے باندھ دیں۔ تھائم، پیپریکا، نمک اور آٹا مکس کر کے ران کے اوپر اچھی طرح ملیں، روسٹنگ پین میں پانی بھر کر اس پر ایک ریک رکھ کر اس پر ران رکھیں اور سائیڈ میں باقی بچی ہوئی پیاز رکھ کر 160c پر دو گھنٹے کے لیے روسٹ کریں۔ ران سے نکلنے والے رس کو اس پر لگاتی جائیں۔ اس کے بعد فوائل میں ہلکا سا لپیٹ لیں اور مزید ایک گھنٹے کے لیے اوون میں رکھیں اور اگر ضرورت ہو تو پانی کا استعمال کریں۔ گرم اوون میں دس منٹ کے لیے رکھ دیں، مزے دار اسٹفڈ مٹن لیگ روسٹ تیار ہے، گرم گرم سرو کریں۔

بتول زیدی...... اسلام آباد

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

☆ عرق گلاب جلد کی ان بیماریوں میں نہایت مفید ہے۔

(ERYTHRO,ICTHYOSIS, PSORIASIS,ATOPIC, ECZEMA)

☆ جھائیوں سے نجات حاصل کرنے اور جلد کی رنگت میں نکھار پیدا کرنے کے لئے عموماً بازاری کریمیں استعمال کی جاتی ہیں مگر جلدی امراض کے ڈاکٹر عرق گلاب کو ترجیح دیتے ہیں نیز ڈاکٹروں کا یہ مشورہ بھی ہوتا ہے کہ چہرے کی خشکی اور جھریوں سے بچنے اور رنگت گوری کرنے کے لئے عرق گلاب میں گلیسرین ملا کر استعمال کی جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد ہوں گے۔

☆ گھریلو خواتین جن کے ہاتھوں کی انگلیاں کپڑے اور برتن دھونے والے صابن، سرف اور ورم سے کھردری ہو کر پھٹ جاتی ہیں اور ان میں زخم بن جاتے ہیں، ایسی خواتین گلیسرین اور عرق گلاب روزانہ تین چار بار استعمال کیا کریں تو اس موذی مرض سے بچا جا سکتا ہے۔

☆ بعض مرد و خواتین کی ایڑھیاں پھٹ جاتی ہیں اگر وہ عرق گلاب اور گلیسرین کا مکسچر لگائیں تو ان کی یہ بیماری ختم ہو جائے گی۔

عرق گلاب، زیتون اور شہد کے ساتھ مل کر جلد اور معدہ کی حفاظت کے متعدد امور انجام دیتا ہے۔ خصوصاً صرف عرق گلاب کے پینے سے قبض دور ہو جاتی ہے اور یہ انتڑیوں کو جراثیم سے پاک و صاف کرتا ہے، گویا عرق گلاب حسن اور صحت کا ایسا مظہر ہے جس کے اندر قدرت نے انسانوں کے لئے شفا رکھی ہے۔ عرق گلاب جلدی امراض کے علاوہ انسان کے ہر عضو کے لئے کارآمد دوا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید طب نے عرق گلاب کو آنکھوں کا نور کہا ہے اور آج ماحولیاتی آلودگی کے زمانہ میں اس کا استعمال ناگزیر قرار دیا ہے۔

بینائی ختم ہونے سے زندگی بے کیف ہو جاتی ہے انسان نہ اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے نہ دوستوں کے چہرے دیکھ کر اپنی خوشیاں اکٹھی کر سکتا ہے۔ وہ فطرت کی رعنائیاں دیکھنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ عینک اگرچہ کمزور بینائی کا سہارا بنتی ہے مگر وہ کب تک سہارا بن سکتی ہے۔ عینک سے بصارت طاقتور نہیں ہوتی بلکہ کمزور سے کمزور ہوتی جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ قدرت کی عنایت کردہ بصارت کی حفاظت کی جائے اور اپنی آنکھوں کو بیمار نہ ہونے دیا جائے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم اپنی بصارت خود زائل کرتے ہیں۔ ہم آنکھوں کی حفاظت صحیح طریقے سے نہیں کرتے اور نتیجتاً یہ عطیۂ خداوندی ہم سے چھین لیا جاتا ہے۔ آنکھیں انسان کے جسم کا حساس ترین اور اہم ترین عضو ہیں اس لئے دوسرے اعضاء کی طرح انہیں بھی صاف اور خالص خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم خوراک متوازن رکھیں، نیند پوری لیں اور آنکھوں کو گرد و غبار اور زہریلے دھوئیں سے بچانے کے لئے ہمیشہ صاف ستھرے پانی سے دھویا کریں۔

ڈاکٹر صاحبان کا تو یہ کہنا ہے کہ آنکھوں کی حفاظت کے لئے جہاں ان کو صاف ستھرے پانی سے دھونا ضروری ہے وہاں ان کی مکمل صفائی کے لئے ادویات کا استعمال بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر اس بات سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ گرد و غبار اور دھوئیں کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے آنکھوں میں عرق گلاب کے چند قطرے ڈال لینے سے بھی آنکھوں کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے جبکہ اطباء کہتے ہیں کہ عرق گلاب آنکھوں کو صاف ستھرا رکھ کر جراثیم سے محفوظ کر دیتا ہے۔ آشوب چشم جیسے خوفناک مرض سے نجات حاصل کرنے کے لئے عرق گلاب کے چند قطرے ایک سستی اور مؤثر دوا ثابت ہوتے ہیں۔ عرق گلاب آنکھوں کا ایک ایسا محافظ ثابت ہوا ہے جس سے نہ صرف بصارت تیز ہوتی ہے بلکہ آنکھوں میں طلسماتی چمک بھی پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں کا گدلا پن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

دور ہوجاتا ہے۔ لیزر اور کمپیوٹر کے سامنے کام کرنے والے روزانہ عرق گلاب کے چند قطرے آنکھوں میں ڈال لیا کریں تو اُن کی آنکھیں لیزر کے اثرات سے بچ سکتی ہیں۔

عرق گلاب دل اور دماغ کے لئے ایک مقوی اور راحت آمیز دوا ہے۔ یہ کمزور دل اور دماغ کو توانا اور چست کردیتا ہے ہمارے ہاں ڈیپریشن اور اعصابی دباؤ کی وجہ سے اکثر لوگ سکون آور ادویات کا استعمال کررہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے معمولات زندگی بدل کررہ گئے ہیں۔ یہ لوگ فطرت سے اس قدر دور ہوچکے ہیں کہ ان کی زندگیاں بے سکونی کا شکار ہوکر رہ گئی ہیں۔ انہیں سکون اور راحت کے لئے مہنگی ادویات کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کے استعمال سے وقتی طور پر سکون کی نیند پوری کرلیتے ہیں مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب یہ ادویات اُن کے ساتھ کمبل کی طرح چمٹ جاتی ہیں اور وہ مختلف عوارض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ زندگی کی گہما گہمی کا شکار لوگ عرق گلاب، شہد اور اسپغول کو اپنی خوراک کا حصہ بنالیں تو انہیں ان تمام عوارض سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ مصنوعی انداز میں جینا چھوڑ دیں گے اور اُن کے لئے جینا سہل ہوجائے گا مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ان فائدہ مند قدرتی ادویات کو چھوڑ کر انگریزی اور مضر صحت ادویات کا استعمال کرنے لگتے ہیں حالانکہ عرق گلاب، شہد اور اسپغول ان ادویات سے زیادہ اثر دکھاتے ہیں اگر یہ لوگ انہیں اپنی خوراک کا حصہ بنالیں تو کبھی بیمار نہ ہوں گے۔ (حوالہ: صحت کا انسائیکلوپیڈیا)۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

دواؤں کا غلط استعمال

جھائیوں کا اہم سبب دوائیوں کا غلط یا زیادہ استعمال بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر خود سے کوئی دوا نہ استعمال کی جائے۔ اکثر اوقات فولاد کی کمی سے بھی جھائیاں نمودار ہوجاتی ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر کے مشورے سے آئرن کے کیپسول کا استعمال بہت مفید ہے۔ جھائیوں کے علاج میں وٹامن سی بہت مفید ہے۔ لیموں میں وٹامن سی بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس لئے ایسی سبزیوں کا استعمال کریں جن میں آئرن وٹامن سی موجود ہوتا کہ آپ اپنی جلد کی حفاظت کرسکیں کیونکہ اگر ایک بار چہرے پر جھائیاں نمودار ہوجائیں تو پھر یہ بہت ہی مشکل سے جاتی ہیں اس لئے بہتر ہے کہ پہلے سے ہی جلد کی حفاظت کی جائے تاکہ یہ نمودار ہی نہ ہوسکیں۔

ہاتھ پاؤں کے نکھار کے لیے!

رات کو سوتے وقت کچے دودھ کی بالائی میں تھوڑا سا لیموں کا رس اور چند قطرے گلیسرین ملا کر اسے ہاتھوں اور پاؤں پر کچھ دیر کیلئے مالش کریں کچھ روز بعد ان کا رنگ نکھر جائے گا اور جلد نرم ملائم اور خوبصورت ہوجائے گی۔

چہرے کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے!

ملتانی مٹی میں تھوڑا سا عرق گلاب ملا کر پیسٹ بنالیں اور اسے چہرے پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد نیم گرم پانی سے دھولیں یہ عمل ہفتے میں ایک بار ضرور کریں۔

پسی ہوئی ہلدی میں تھوڑا سا بیسن اور دودھ ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد دھولیں۔ ہفتے میں دو بار یہ عمل کرنے سے داغ دھبے کافی حد تک دور جائیں گے۔

ہاتھ پاؤں کے لئے

عرق گلاب، عرق بادام اور گلیسرین کا مکسچر ہاتھوں اور پاؤں پر لگانے سے ہاتھوں کی خشکی ختم ہوگی اور پاؤں خوبصورت اور نرم و ملائم ہوجائیں گے۔

بازو گورے کرنے کے لیے!

آپ جَو کے آٹے میں دودھ ملا کر بازو پر لگائیں اور خشک ہونے پر رگڑ کر اتار دیں۔

(طیبہ عبید..... کراچی)

عالم اسلام کے نام

ہمیشہ غیر کے ہاتھوں عزت نیلام کرتے ہو
بھلا کر اپنے خالق کو یہ کیسا کام کرتے ہو
تمہیں جھکنا کیوں آیا ہے تمہیں مٹنا کیوں آیا ہے
بھلا کر اپنی غیرت کو خودی نیلام کرتے ہو
خدا کو فخر تھا تم پر بہت اعلیٰ بنایا ہے
مگر اب غیر کے ہاتھوں خود ہی کو رام کرتے ہو
سحر تیرا مقدر تھی ہر سو نور پھیلا تھا
بجھا کر اپنی شمع کو مقدر شام کرتے ہو
نبی کو ناز تھا تم پر تم ہی ہو وارث یزداں
جگر میرا تڑپتا ہے بُرے جب کام کرتے ہو
تمہی تو بس محافظ تھے سدا دامن مریم کے
تمہاری بہنیں لٹتی ہیں تو کیوں آرام کرتے ہو
تمہارے پاس رکھا ہے یہ قانون قرآن لوگو
نکالو تم غلافوں سے اسے کیوں جام کرتے ہو
ذرا دیار میں دیکھو اندھیرا چار سو ہر دم
ہے ہر سو قتل انسانی کہاں قیام کرتے ہو
جو بیٹی تم نے بیچی تھی ہے اب قیدی وہ دشمن کی
ذرا پوچھو ضمیروں سے کیوں گھٹیا کام کرتے ہو
خدارا کھول لو آنکھیں، جفا اپنی بچالو تم
تم ہی متحدہ تھے ہر دم یہ کیوں اقسام کرتے ہو
تمہی اتحاد میں ہر سو بکھر جاؤ زمانے میں
مثالیں دے گی یہ دنیا تم ایسے کام کرتے ہو
تیرا پیغام اے شازی سدا پہنچے جہاں بھر میں
اگر سچائی من میں ہے، رفعائے عام کرتے ہو

شازیہ خان..... مظفر گڑھ

مزاحیہ نظم

میں نے کہا حضور آپ عید پر تشریف لائیے
بولے وہ مسکرا کے ہمیں بقر عید پر بکرا کھلائیے
میں نے کہا بکروں کے بہت دام ہیں جناب
اس کو خریدنے کو اماؤنٹ بہت زیادہ چاہیے
دیکھا ہمیں انہوں نے پھر غصہ سے یوں کہا
پھر عشق بھی کسی غریب سے جا کر لڑائیے

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

غزل

جانے کس حال میں ہے اور کہاں کیسا ہے
میں تو یہ بھول گئی میرا مکاں کیسا ہے
خواب دیکھا تھا کہیں آگ لگی ہے جیسے
اب میں حیران ہوں کمرے میں دھواں کیسا ہے
کوچ تو کر چلے سردی میں پرندے سارے
کوئی بتلائے کہ اب شور یہاں کیسا ہے
بے قراری سے مرے پاس وہ آیا لیکن
اس نے پوچھا تو بس یہ کہ فلاں کیسا ہے
اپنے گھر میں اسے تنہائی کی وحشت تھی بہت
اب جہاں جاکے رہا ہے تو وہاں کیسا ہے
پیاس ہونٹوں سے مری روح تلک آپہنچی
اور آنکھوں سے یہ دریا سا رواں کیسا ہے

(سیما غزل)

غزل

آگہی کے عذاب ہوتے ہیں
جاگتی آنکھوں میں خواب ہوتے ہیں
جن میں شامل کہیں بھروسہ نہیں
پیار ایسے سراب ہوتے ہیں
بات لہجے کی صرف ہے ورنہ
لفظ سارے گلاب ہوتے ہیں
رنجشوں کے نصاب میں اکثر
بدگمانی کے باب ہوتے ہیں
دل کے آنگن میں ہو بہاریں اگر
سوکھے پتے میراب ہوتے ہیں
جن سے روشن ہو زندگی کے چراغ

لوگ وہ ماہتاب ہوتے ہیں
گر سوالوں میں شرط ہو سچ کی
پھر تو مشکل جواب ہوتے ہیں
ہاں، مگر، لیکن، اب اگر، کیسے؟
پیار میں بس ایجاب ہوتے ہیں
دل کا احوال کیا سنائیں وہاں
اب بھی ہر سو جناب ہوتے ہیں
فاخرہ گل...... اٹلی

عبرت

چہرے بدلے
سپنے بدلے
آس کا پنچھی پر لگا کر
وقت کے ساتھ ہی اڑتا جائے
سادہ دل پر تھوڑے بے حس
ہم مظلوم مسکین رعایا
موہوم سی آس لگا کر
خوابوں کی دنیا سجا کر
کل کی آس پر جیتے جائیں
خواب ادھورے
آنکھوں میں دم توڑتے جائیں
اور......
حکمران......
کالی سیاہ خوش فہمی کی پٹی
بے بس رعایا کی آنکھوں پر باندھے
تگنی کا ناچ نچاتے جائیں
جھوٹے دعوؤں سے بہلاتے جائیں
اور......
دور کہیں......
قدرت بے حسی، بے بسی
کے ناچ پر ہنستی جائے
اور وقت......
عبرت کی جانب رواں دواں سرکتا جائے
سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

اور اک

میں نے سمجھا تھا
تیری محبت بھری باتیں
تیرا دھیما نرم لہجہ
آنکھوں میں پھیلی روشنی
میری محبت کی دین ہے
لیکن اب معلوم ہوا
کہ یہ سارے رنگ تو
کسی اور کی محبت کی بدولت ہیں
ورنہ میری محبت کا وہ جذبہ
جو تیرے دل میں بھی بیدار ہوا تھا
وہ جذبہ محبت تو کب کا ماند پڑ چکا ہے
نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

گرانی مار دیتی ہے

کئی غربت کے ماروں کو گرانی مار دیتی ہے
ہمیشہ بے سہاروں کو گرانی مار دیتی ہے
غذا کے نرخ اب تو چھو رہے ہیں آسمانوں کو
مرے مفلوک یاروں کو گرانی مار دیتی ہے
جواں مایوس ہو کر ڈگریوں کو راکھ کرتے ہیں
یہاں بے روزگاروں کو گرانی مار دیتی ہے
کئی نسلوں سے مقروض ہیں جاگیرداروں کے
کسانوں قرض داروں کو گرانی مار دیتی ہے
یہ کیوں فاقہ کشی کی رسم ہے خوشحال دھرتی پر
بتا کیوں خاکساروں کو گرانی مار دیتی ہے
سدا دیکھے غذاؤں کے ذخیرے شیش محلوں میں
کہاں ان تاجداروں کو گرانی مار دیتی ہے
بھرے بازار راہی لاڈلے نیلام ہوتے ہیں
یہاں جب غم کے ماروں کو گرانی یار دیتی ہے
برکت راہی...... ڈگری

نظم

عید کی مبارک کا
تم نے پیام بھیجا ہے
کیا تمہیں نہیں معلوم
زندگی کی بساط پر
موت کے ہاتھوں سے
ایسی مات کھائی ہے
کہ اب فقط ہمارے پاس
درد ہے تنہائی ہے
اس طرح کے عالم میں
دوریوں کے موسم میں
اب کیا کوئی عید تو
اب کیا کوئی مبارک باد!
ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

غزل

غم شام، درد سحر جوں کا توں تھا
محبت کا تیری اثر جوں کا توں تھا
جلانے کی کوشش میں شامل تھی دنیا
مگر چاہتوں کا وہ گھر جوں کا توں تھا
شہر سے جو لوٹا تو آنکھوں نے دیکھا
وہ صدیوں پرانا نگر جوں کا توں تھا
یوں محسوس ہوتا تھا منزل قریب تھی
جو آنکھیں کھلیں تو سفر جوں کا توں تھا
نبھانے کی قسمیں تو کھاتا رہا وہ
مگر دل میں رانا کے ڈر جوں کا توں تھا
قدیر رانا...... راولپنڈی

نظم

سنا ہے میں نے لوگوں سے
محبت روشنی کا استعارہ ہے
مگر......
میرے ہاتھوں میں نہ کوئی جگنو نہ کوئی ستارہ ہے
آنکھوں میں خواب نہ آنچل میں محبت کے
رنگ بندھے ہیں
نہ ہے شبنمی سا لہجہ کوئی
نہ کوئی ہمنوا، ہم نفس ساتھی
ہاں مجھے تو بس اب
درد ہی درد راس ہے اب!
بشریٰ باجوہ...... اوکاڑہ

نظم

تیرے قرب کی خواہش مجھ میں جاگ رہی ہے
ننھی منی پیاری خواہش
جیسے تتلی
نرم و نازک پنکھوں والی
نیلے پیلے، بنفشی، سبز، سنہری، کالے، سرخ، عنابی
اوڑھے رنگوں والی
اک خواہش کی خاطر دوجی خواہش مجھ میں پیدا ہوئی ہے
خواہش کی تکمیل کی خواہش
اس تتلی کے پانے کو کچھ جہد کروں میں
لیکن کیسے کروں میں؟
کل شب تم نے ہی تو کہا تھا
ہر اک حساس سے عاری
کاظم بوڑھی روح لگتے ہو
ہاں شاید تم سچ کہتی ہو
لیکن میرے اندر خواہش چیخ رہی ہے
اس تتلی کے پانے کو کچھ جہد کرو تم
لیکن کیسے کروں میں؟
کیسے تتلی کے پیچھے بھاگوں؟

میں بوڑھا ہوں
یہ جذبہ بے نام سا جذبہ وہم ہے میرا
تم سچی ہو
ہاں
یہ جذبہ ہے جھوٹا جذبہ!

ایم اے کاظم...... سیالکوٹ

ہار

اسے کہنا اے قاصد
اب کوئی شکوہ نہ کرے
تیری چاہ میں ہم کسی
ہارے ہوئے جواری کی طرح
آج خود کو بھی ہار بیٹھے ہیں!

سارہ یہ چوہدری...... ڈوگہ

نظم

میری چاہتوں کو نیا موسم راس آئے
خدا کرے
گلاب رُتوں کے عکس سارے جب
ان جھیل سی آنکھوں میں اترتے ہیں
اپنا آپ بہت اچھا لگتا ہے
اس کا ہو کے خود کو دیکھنا اچھا لگتا ہے
سرد صبحوں میں اُداس دھندلی راتوں میں
وہ اکثر یاد آتا ہے اس سے دوری کا احساس
کبھی بڑھتا ہے کبھی گھٹتا ہے
کیسے اسے بتاؤں کیسے اسے پیغام بھیجوں
کہ وہ تو ذرا سی رنجش میں
ناتے سارے جذبے سارے بھلائے بیٹھا ہے
مجھے اپنے ربّ پر ہے یقین
وہ اک دن مجھے ملے گا ضرور
اپنے سب جذبوں کو دان کرے گا
خوشیوں کے ستارے آسمان پر جگمگائیں گے
دو دھڑکتے دل ایک ہو جائیں گے
کہ
میری چاہتوں کو نیا موسم راس آئے
خدا کرے!

شکیلہ انجم طارق...... لاہور

نظم

اب کیا ارادہ ہے
موسم بہار آنے کو ہے
اب تو لوٹ آؤ تم
کوئی تم کو پیار کرتا ہے
کتابوں میں نصابوں میں
کسی نہ کسی حوالے سے
کوئی تو ہے جو تم کو یاد کرتا ہے
میں سوچتی ہوں کہ جب تم لوٹ آؤ گے
بتاؤں گی کیا بھلا تم کو
کہوں گی کیا بھلا تم کو
کہ
مجھے امید دو کوئی
جہاں سے بات ہو کوئی
دل پریشان سا رہتا ہے
میرے دل کا موسم
ویران سا رہتا ہے
جہاں سے بات چل نکلے کوئی
میری مشکل کا حل نکلے کوئی
لہجہ کیسا ہو
کیسے تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑی سی کرن دو کوئی
کہ امید صبح روشن ہے
تمہارے لوٹ آنے سے
کہو اب کیا ارادہ ہے
موسم بہار آنے کو ہے!

عاصمہ اقبال...... عارف والا

خواہش

اس سال بس اتنی سی خواہش ہے
کہ
عید کی صبح
پہلا چہرہ جو میری نظریں دیکھیں
وہ ہو تمہارا......!

دلکش مریم...... چنیوٹ

محافظ

ٹوٹ کر زمین میں
جذب ہو جاؤں گی
بکھر کر ہوا میں
معلق ہو جاؤں گی
مجھے میری انا میں قید رہنے دو
وگرنہ
کرچی کرچی بن کر بکھری جاؤں گی
کہ
اک انا ہی تو ہے میری
"محافظ"
کہ
اس کے بنا تو
فنا ہو جاؤں گی!

کوثر ناز...... حیدر آباد

مجھے آزاد کردو

مجھے آزاد کردو تم
درد کی ہر زنجیر سے
محبت کی ہر تدبیر سے
میرے ہر درد کا صلہ دے دو
مجھے خود سے یوں جدا کردو
بے چینیوں کو رام کردو
کچھ نہ سہی تو بدنام کردو
سنو! میرا اک کام کردو
مجھے اب آزاد کردو تم

مشعال اسلام بے...... جھنگ

غزل

یہ درد میرے دل سے نکل کیوں نہیں جاتا
یاربّ میرے من کو سکون کیوں نہیں آتا
جب ازل سے جدائی بھی مقدر میں ہے ٹھہری
وہ شخص میرے دل سے اتر کیوں نہیں جاتا
ہر روز ہی اک درد کی فصیل کھڑی ہے
اک بار بھی یہ غم مجھے نگل کیوں نہیں جاتا
مصائب سے نالاں ہر فرد ہے پریشاں
اس شہر میں کوئی بھی مسیحا کیوں نہیں آتا
میں تنہا بھی حساس ہوں اس درد کو لے کر
یہ دکھ ہر دل میں اتر کیوں نہیں جاتا

عابدہ نیئن...... ملتان

تیرا جدا ہونا

خواب پوش آنکھوں میں
آنسوؤں کا بھر جانا
حسرتوں کے ساحل پر
تتلیوں کا مر جانا
حبس کی ہواؤں میں
خوشبوؤں کا ڈر جانا
دل کے گرم صحرا میں
حشر ہی بپا ہونا
درد لا دوا ہونا
کیا بہت ضروری ہے
اب ترا جدا ہونا؟

(ارشد ملک)

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

سویٹ فرینڈ راحیلہ کے نام

کیسی ہو؟ میں نے سوچا آنچل کے ذریعے تمہیں سرپرائز دوں، شادی مبارک ہو۔ اللہ کرے اصغر بھائی تمہارے ساتھ بہت اچھے ہوں، لگتے تو نہیں ہیں لیکن میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔

شمائلہ قیوم..... شیخانوالہ

خاص دوستوں کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی طلیبہ نذیر آپ کا پیغام اپنے نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اس ماہ آرمی میں لیفٹیننٹ رینک کے لیے میرا ٹیسٹ ہے سب آنچل فرینڈز دعا کریں کہ میں کامیاب ہوجاؤں۔ اقصیٰ کنزیٰ، شگفتہ خان آپ کے لیے بھی نیک تمنائیں پلیز...... پلیز اپنی دعاؤں میں مظلوم مسلمانوں اور ارض پاک کو ضرور یاد رکھیں اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

عظمیٰ شاہین رفیق...... فیصل آباد

آنچل کے جگمگاتے ستاروں کے نام

فصیحہ آصف، سباس گل، نزہت جبین ضیاء، راحت وفا، سیدہ نزہت، نادیہ فاطمہ رضوی، ضوی عالیہ حرا قریشی، شبنم، پروین افضل شاہین آپ سب کو بے حد سلام اور دعا خوش رہیں۔

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

صائمی اور پلوشہ گل کے نام

صائمی 14 اکتوبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے ایسے ہزاروں دن تمہاری زندگی میں آئیں تم ہمیشہ کامیاب اور خوش رہو تمہیں ہر وہ خوشی ملے جس کی تم آرزو کرو، میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں اور ہاں تمہیں انجینئرنگ کی ڈگری بھی ملنے والی ہے اس کے لیے بھی مبارک باد۔ ٹریٹ تو مجھے پتا ہے کہ اب مجھے نہیں ملنی پھر بھی جاب کے لیے بیسٹ وشز۔ پلوشہ گل میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔

ہادیہ اظفر بخاری...... لاہور

عاصمہ اقبال کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل قارئین کیسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ آپ سب ٹھیک ہوں گی اور عاصمہ اقبال جی میری نئی بننے والی پیاری سی فرینڈ کیسی ہیں آپ اور اب آپ کی والدہ کی طبیعت کیسی ہے؟ عاصمہ جی مجھے بہت خوشی ہوئی آپ نے میری دوستی کو قبول کیا، ہمیشہ مجھے آپ پُرخلوص پائیں گی اور ہماری دوستی اب سے پکی ہوئی اور عاصمہ جی آپ یہ ضرور بتانا آپ عارف والا کے کس ایریا میں رہتی ہو اوکے فرینڈ اللہ حافظ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

رابعہ رحمان...... عارف والا

پیاری فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آپ سب کا کیا حال ہے؟ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو اور دوسروں کو بھی ہنساؤ۔ ڈیئر ام ثمامہ، شاہ زندگی اور اریبہ شاہ میں آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں پلیز مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا شکریہ۔

اقراء ارشد...... شاہ کلندر

سویٹ دلوں والے گروپ کے نام

سلام سب دوستوں کو سب سے پہلے تو قرۃ العین اور صائمہ عنبرین، زاہدہ پروین ویلکم سویٹ دلوں میں یار دوستی پوچھ کر نہیں ہوتی یہ خود ہوجاتی ہے تو آپ سب بہت پہلے سے ہی دوستوں کی لسٹ میں شامل ہو۔ شمع مسکان اگست میں آپ کا برتھ ڈے تھا سوری کان پکڑ لیے وش نہ کرسکی لیکن سالگرہ کی بہت مبارک باد اور ننھی رائٹر بننے پر مزید مبارک باد، ہمیشہ خوش رہو۔ حمیرا عروش کیسی ہو خدا کی پناہ میں ہمیشہ رہو فرش میں بھولی نہیں تم بھی بھول نہ جانا ورنہ کانوں والی بات یاد ہے نا۔ ماہ رخ جانو میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں بس دل سے دل کا رابطہ رکھیے گا، مدیحہ نورین، عائشہ پرویز، نورین شاہد مسکان، حیا، صباء نواز، فاخرہ، کول، انیس انجم، نبیلہ نازش، سونی علی، عائشہ، شمشاد خدا آپ سب کو دنیا کے ہر مسئلے ومشکل سے دور رکھے آمین۔

شاہ زندگی...... راولپنڈی

فائزہ اینڈ آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فائزہ کیسی ہو؟ امید ہے خیریت سے ہوگی میری شادی 15 اپریل کو ہوگئی تھی اور تمہارا موبائل نمبر مجھ سے ڈیلیٹ ہوگیا تھا سو تم سے رابطہ نہ کرپائی، کئی بار توبہ سے گزری ہوں ہر بار تمہیں بہت مس کیا، مجھے تم سے بے حد ضروری کام ہے ہوسکے تو مجھ سے رابطہ کرو پلیز۔ مجھے یقین ہے تم آج بھی آنچل ضرور پڑھتی ہو میرا پیغام پڑھو تو جلد مجھ سے رابطہ کرو۔ جی تو پیارے آنچل قارئین آپ سب کیسے ہیں امید کرتی ہوں سب ٹھیک ہوں گے۔ یار تم میں کسی کو بھی یاد نہیں آئی ویری بیڈ خیر جتنے بھی نئے قارئین آئے ہیں آنچل میں ان سب کو خوش آمدید میری ایک ریکویسٹ ہے تمام قارئین سے پلیز میری اچھی زندگی کے لیے دعا کیجیے گا، میں جن مشکلات میں ہوں اللہ تعالیٰ مجھے ان مشکلات ومصائب کا سامنا کرنے کی توفیق اور حوصلہ دے اور میری زندگی خوش گوار گزرے آمین۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش وخرم رکھے آمین۔

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

پیاری قرۃ العین، صائمہ عنبرین (دارین کلاں کے نام)

عینی، عنبر آپ کو میری طرف سے پیار اور ڈھیر ساری دعائیں، یقین کریں میں سوچ ہی رہی تھی کہ آنچل اسٹاف وآنچل فرینڈز مجھے بھول چکے ہیں مگر جب اپنا نام دوست کا پیغام آئے میں پڑھا تو میرا یہ خیال میری یہ سوچ دھری کی دھری رہ گئی اور مجھ پر انکشاف ہوا کہ آنچل کی چھاؤں میں دو لڑکی فرینڈز بھی ہیں جو مجھے یاد رکھے ہوئے ہیں نہ صرف یاد بلکہ برملا اظہار بھی کردیا اب میری خوشی دیدنی ہے گزشتہ چند ماہ سے مصروف تھی اور مصروفیت تھی میری شادی اب میں عروسہ شہوار سے عروسہ شہوار رفیع ہوگئی ہوں۔ میرے نزدیک دوستی کے لیے وقت اور عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی، دوستی تو سدا بہار رہتی ہے ہاں اگر کوئی مخلص دوست مل جائے تو زندگی کھل اٹھتی ہے آپ مجھے اپنی دوست، ہمدرد، غمگسار اور مخلص بہن بھی سمجھ سکتی ہیں آپ کی ہر پکار پر پیار بھرا جواب ملے گا۔ آپ نے یاد کیا میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں، دعا ہے آپ دونوں کی جوڑی بنی رہے اور ہمیشہ مخلص اور سچی فرینڈز کا ساتھ رہے آمین۔ اللہ سے دعا ہے ہر دم عینی اور عنبرین کو ہنستا مسکراتا رکھے آمین اللہ حافظ۔

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں، جہلم

ایان لودھی، ارسلان لودھی، صائمہ آفتاب کے نام

ڈیئرسٹ ایان، ارسلان! کیسے ہو آج کل بارشوں کا موسم ہے اور میری آنکھوں میں بھی ہر وقت ساون کی جھڑی لگی رہتی ہے نور آباد میں تم سب کے سنگ جو یادگار بارشیں گزریں وہ ایک ایک کرکے خیال کے پردے سے گزرتی ہے تو دل غم سے بھر جاتا ہے۔ سوئمنگ پول میں نہانا، چھت پر جاکر سموسے کھانا، مما کا پکوڑے اور حلوہ بنانا، بابا کا جلیبیاں لے کر آنا، تم دونوں کو کاغذ کی ڈھیروں کشتیاں بنابنا کر دینا سب یاد تو ہوگا تمہیں۔ مما بابا اور تم دونوں کے بغیر ایک اور عید آئی اور بہت سارے آنسو، یادیں اور انتظار دے کر بے یاروں لوٹ گئی ایان پتا ہے لوگ کہتے ہیں خون کے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے محبتیں دور جانے سے ختم نہیں ہوتیں لیکن جانو کبھی کبھی انتظار اتنا طویل ہوجاتا ہے کہ آس اور سانس کی ڈور ضرور ٹوٹ جاتی ہے۔ پیارے ارسلان محبتیں نہ ملنے سے ختم نہیں ہوتیں تم آج بھی میرے لیے میرے پہلے بیٹے ہی ہو اس لیے پانچ اکتوبر کو تمہاری سالگرہ پر ہم سب کی طرف سے بہت ساری پیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ثمامہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے جانے تم اپنی ہنی پھپھو کو یاد کرتے ہو یا نہیں۔ میں نہیں جانتی نصیب کے صفحے پر ابھی کتنے آنسو کتنی دعائیں اور کتنا انتظار لکھا ہے مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں تم مما اور بابا کل بھی ہمارا سرمایہ حیات تھے اور آج بھی ہو۔ لاکھ رنجشیں، دوریاں اور مجبوریاں سہی مگر دعاؤں اور پیار کا رستہ کوئی رکاوٹ نہیں روک سکتی۔ اپنا اور مما کا بہت خیال رکھنا اور انہیں کہنا جن سے دل کے رشتے ہوتے ہیں ان سے ناراض ہونا تو ٹھیک ہے مگر بدگمان نہیں ہوا کرتے غلط فہمیوں کی بنیاد پر اتنی کڑی سزا نہیں دیتے کہ انسان اسے نہ سہہ سکے۔ دادی بہت تڑپتی ہیں تم سب کے لیے کبھی بس یہی سوچ کر ملنے آجاتا وہ بابا اور تمہاری کے بابا کی ماں ہیں۔ ہم سب کی طرف سے ڈھیروں دعائیں کہ اللہ پاک تمہیں ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور تم دونوں کی زندگی، صحت، سلامتی، ترقی، نیکی، خوشی، کامیابی اور ایمان میں برکت دے آمین اور تمہاری مما کو تم دونوں کی اتنی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے کہ وہ اپنا ہر غم بھول جائیں اور اس کا سایہ تاقیامت تم دونوں پر قائم ودائم رکھے۔ تمہاری اور بابا کو ڈھیروں پیار۔

ام ثمامہ...... جھڈو، سندھ

قابل احترام مس جانی کے نام

السلام علیکم! مس جانی آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور آپ زندگی کی تمام خوشیاں پائیں آمین۔

محبت کی عزت کی کبھی پہچان یاد تو مجھے بھی خبر کردینا
کہ تم سے دور رہ کر تمہارے نام کی خوشبو
میری ہر سانس کا اس رشتہ بند حالی ہے
محبت ٹوٹ بھی جائے محبت روٹھ بھی جائے
محبت مٹ نہیں سکتی دلوں کے ٹھہر جانے سے
جدائی کے زمانے سے محبت چھپ تو سکتی ہے محبت مر نہیں سکتی
ہمیں تو ساتھ چلنا تھا بہت سے سفر کرنا تھا
پھر خاموش کیوں ہو تم
تمہیں احساس ہے جاناں؟
محبت کی ذات میں یہی ایک دلکشی ہے تو
جو گہری چاند رات کی خاموشی تمہاری یاد کے سائے
میری اندر لے آتی ہے
سو میں اس دلکشی کے سحر میں گم ہو
مجھے آواز دے دو تم تمہاری منتظر ہوں میں

فاطمہ ماریہ...... فیصل آباد

ٹیچرز، کزنز اینڈ سویٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو آپ سب یقیناً فٹ فاٹ ہوں گے جب تک اکتوبر کا آنچل آئے گا تب تک تو ہمارا رزلٹ آچکا ہوگا، فاطمہ، عاصمہ، سلمیٰ، نرگس اینڈ پوری کلاس کو مبارک یقیناً سب کے سب کا رزلٹ بہت اچھا آئے گا۔ فاطمہ تم پلیز یہ ایک سال بھی ہمارے ساتھ رہ لو یار! عارفہ اکتوبر کا شمارہ 26 کو مل جائے گا تو 27 ستمبر کو سویٹ سسٹر تمہاری سالگرہ ہے تمہیں بہت بہت مبارک ہو 14 اکتوبر کو کیوٹ سے طلال کی سالگرہ ہے جب وہ بڑا ہوگا تب ان شاء اللہ تم نے اسے بتانا ہے کہ آنٹی نے اسے پہلی سالگرہ آنچل کے ذریعے وش کی تھی اور سدرہ ڈیئر تمہیں میں کیسے بھول سکتی ہوں چودہ کو تمہاری بھی سالگرہ ہے بہت بہت مبارک باد قبول ہو یار! 18 اکتوبر کو ہماری پیاری ٹیچر افشین کاظمی کی سالگرہ ہے ٹیچر آپ تو ہمیں بھول گئیں سسرال میں جو بزی ہوگئی پر ہم آپ کو نہیں بھولے دیکھ لیں آپ کو جنم دن بہت مبارک ہو ہمیشہ خوش رہیں اور انا اب یار کہاں گم ہو؟ اتنی بے وفا تو

تم نے تھیں۔ ایاسین کالج کے پورے اسٹاف کو مبارک ہو اس بار بھی کالج کی بورڈ میں پوزیشن آئی ہے بہت مبارک ہو۔

عروسہ علی...... مانسہرہ

آنچل اسٹاف اور فرینڈز کے نام

السلام علیکم! تمام قارئین آنچل اور اسٹاف کو سلام سب سے پہلے میری تمام فرینڈز کو سلام۔ اپنی شلی ام مریم اور بشریٰ نوید باجوہ (اوکاڑہ) کو۔ تھینکس آلاٹ بشریٰ آپ کا بے حد شکریہ۔ اب تو ہم پکی دوستیں ہوگئیں نا اور سیکنڈ ام مریم آپ کا بے حد شکریہ اعتبار کرنے کا دوستی کرنے کا۔ تھینکس آلاٹ ام مریم بلکہ آپ کا نام ام مریم نہیں گڑیا ہے اب دوستی تو ٹوٹی نہیں ہے نا آپ نے اور نہ بشریٰ نے او کے اور طیبہ نذیر وہ سیکنڈ لاسٹ میسج میرا تھا اگست میں نورین شاہد نادیہ لیسین ریحانہ راجپوت سیدی کنزی زین اقصیٰ سنیاں ثمرن حیا عباس شاہ زندگی سب کو سلام۔

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

تمام دوستوں اور مریم (پاکیزہ) کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ سب سے پہلے تو تمام قارئین کو عید مبارک اور سالگرہ مبارک ان کو جن کی اکتوبر میں ہے۔ عثمان بھائی وجیہہ اور باجی آپ سب کو سالگرہ مبارک بھئی میری بھی سالگرہ ہے۔ 16 اکتوبر کو مجھے بھی وش کردو کوئی چلیں خیر میں خود ہی وش کردیتی ہوں۔ مریم اب تم بھی وش کرہی دو مجھے تمہاری طرف سے پیغام کا انتظار رہے گا اور صرف فون کال یا میسج سے کام نہیں چلے گا تمہیں میرے گھر آنا ہوگا (کبھی یا نہیں)۔ آنچل کے توسط کوئی دوستی کرنا چاہے تو میں منتظر رہوں گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ پاک آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے خدا حافظ۔

خنساء عبدالمالک...... راولپنڈی

7 اسٹار گروپ اور آنچل کے نام

السلام علیکم! طیبہ نذیر میری برتھ ڈے یاد رکھنے کا بے حد شکریہ (حالانکہ دوستی میں نو تھینک یو اینڈ نو سوری کا کلیہ ہوتا ہے) جب کہ میرا نظریہ تھوڑا مختلف ہے خیر اس بات کو رہنے دو۔ طیبہ تم نے جس طرح خود وش کیا اور شمائلہ آنٹی سے کروایا رئیلی دوست میں بہت متاثر ہوئی۔ تمہارا یہ انداز دل میں گھر کرگیا اور میرے دل میں تمہاری وقعت اور بڑھ گئی حالانکہ باقی کسی بھی فرینڈ کو میرا برتھ ڈے یاد نہ رہا (افسوس ہے بے وفا لڑکیوں) عظمیٰ فرید! یار آپ کو عظمیٰ کنڈی سے عظمیٰ فرید کی تبدیلی بہت بہت مبارک ہو آپ نے ہمیں فوزیہ دانی بلایا جب کہ اپنا ٹائٹل تو (کامیابی کی ملکہ) ہے۔ غرور نہیں کررہی یہ میرے نام کا معانی ہے ذیل گروپ کا نام پسند کرنے کا شکریہ مادام! سارہ چوہدری آپ نے کہا کہ آپ ہم سے دوستی کرنا چاہتی ہیں تو سوچنا پڑے گا (ہاہاہا)۔ یہ بھی بھلا کوئی سوچنے والی بات ہے مائنڈ نہ کرنا مذاق کررہی ہوں یار آپ میری دوست ہو اور رہو گی ان شاء اللہ اور ہاں یاد آیا طیبہ نذیر کیوٹ فرینڈ آپ نے جس لیٹر کے بارے میں پوچھا تھا وہ سارہ چوہدری کا تھا مجھے یقین ہے جناب۔ باربی ڈول (ریحانہ راجپوت) آپ کو میری سالگرہ کا پتا نہیں تھا کیا؟ میں تم سے بالکل بات نہیں کروں گی ہاں نہیں تو...... مریم خالد (تم بہت اچھی ہو) ام فروا (بے وفا نہیں ہو اتنا مجھے یقین ہے) سلمیٰ (لو جی آپ کا نام بھی لکھ ڈالا) آخر میں 7 اسٹار کی وضاحت کردوں ذرا میرے 7 اسٹار میں یہ سات ستارے ہیں (طیبہ نذیر ریحانہ راجپوت فوزیہ سلطانہ حمیرا عروج عظمیٰ فرید سارہ چوہدری نیناں شاہ (پکی بے وفا) شامل ہیں او کے جی اجازت دو طیبہ کو ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

آنچل کی پری کے نام

السلام علیکم! آج میں آنچل کے ذریعے اس کی اس پری سے مخاطب ہوں جو اب ہمارے درمیان نہیں ہے آہ! کس طرح بیان کروں اس لمحے کی اذیت؟ جب میری کزن اور دوست شانزہ نے فون پر روتے ہوئے کہا ہما بولی (شبنم) فوت ہوگئی ہے ہم سب پیار سے اسے بوبی بلاتے تھے 20 اگست 2013ء بروز منگل کا وہ دن اپنے اندر کیسی اداسیاں سمیٹ کر لا رہا ہے ہم نہیں جانتے تھے' کیا...... کیوں...... کیسے کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ محض بیس برس کی عمر میں شبنم بھری جوانی میں ہم سب کو روتا چھوڑ کر ایک ایسے دیس چلی جائے گی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اللہ بوبی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔ ہماری جب بھی ملاقات ہوتی تو زیر بحث آنچل کی کہانیاں ہوتی تھیں اسے "جھیل کنارہ کنکر" بہت پسند تھی اور کہتی تھی آپی! یہ ناول بہت اچھا ہے آہ! پتا نہیں اس کا اینڈ کیا ہوگا لیکن ناول سے پہلے ہی اس کی زندگی کا اینڈ ہوگیا ہے آج بوبی تم ہمارے درمیان نہیں ہو لیکن تمہاری یادیں باتیں شرارتیں ہر وقت ہمارے ساتھ رہ کر تمہاری موجودگی کا احساس دلاتی رہتی رہیں۔ تم ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہو گی اللہ شبنم کے والدین اور بہن بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ صدمہ بہت بڑا ہے سہنا اس سے بھی زیادہ مشکل۔ میری تمام آنچل کی پریوں سے ریکویسٹ ہے کہ تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر شبنم کی روح کو ایصال ثواب کردیں۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

سمیرا ادھم حمیرا ادھم...... احمد پور شرقیہ

عافیہ چوہدری اور سب اپنوں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز عافیہ جانی واپس آجاؤ نہ آئی رئیلی مس یو جانی۔ میں ہیر شاہ لاڈو ملک ہم سب بہت یاد کرتے ہیں تمہیں۔ انتظار ہے تمہاری واپسی کا۔ خدا پاک تمہاری تمام مشکلات و پریشانیاں دور فرمائے اور ڈھیر ساری خوشیاں عطا کرے آمین۔ روا شاہ تمہاری پوئٹری بہت نائس ہوتی ہے تمہاری طرح (تم بھی لکھو نہ آنچل میں) لاڈو ملک تم میری سب سے پیاری دوست ہو میں تمہیں ایسے ہی ستاتی رہتی ہوں تم دل پر مت لیا کرو۔ اللہ سائیں تمہیں صحت مند وتندرست رکھے آمین (اریبہ شاہ)۔ ہیر شاہ تم ہنستی کم ہو پر جب بھی ہنستی ہو بہت کیوٹ لگتی ہو۔ اداسی تم پر بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہمیشہ خوش رہو تم سب کے ساتھ آمین عیدل اتنے اچھے گفٹ کی مجھے توقع نہیں تھی۔ گفٹ بہت اچھا تھا تھینکس ڈیئر خدا پاک تمہیں تمہاری منزل تک پہنچائے آمین۔ کرن شاہ مہک ملک شمی خان ماہ رخ سیال ریحانہ راجپوت ایس انمول نادیہ فاطمہ نازیہ کنول نازی سباس گل فریحہ شبیر فروا طاہر حیا علی راز بھائی سمیرا شریف سب فرینڈز کو دل کی گہرائیوں سے محبت بھرا سلام اور دعائیں۔ سعدیہ امل آپ بھی واپس آجاؤ نہ...... سب کے لیے دعا گو اور طالب دعا آپ سب کی اپنی۔

صائمہ طاہر سومرو...... حیدرآباد سندھ

عطیہ رانی کے نام

السلام علیکم! میری کیوٹ سی فرینڈ کیسی ہو تم؟ سوچا آنچل کے ذریعے تمہیں سالگرہ کی مبارک باد دے دوں کیونکہ خاص لوگوں کے لیے کوئی خاص انداز ہی ہونا چاہیے 18 اکتوبر کو تمہاری سالگرہ ہے تمہیں بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے آئندہ سال تمہارے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لائے اتنی خوشیاں جن میں کھو کے تم ماضی کا ہر دکھ درد بھول جاؤ کامیابیاں تمہارے قدم چومیں تمہاری ہر جائز خواہش پوری ہو نیلے آکاش تلے دنیا کی ہر خوشی تمہاری منتظر ہو اور ان خوشیوں سے بھرا رہے آمین۔ سالگرہ ایک بار پھر مبارک ہو کیسا لگا میرا سرپرائز بتانا ضرور۔

ثمینہ کوثر...... ڈوگہ گجرات

پری چوہدری ہیر شاہ صائمہ طاہر سومرو کے نام

السلام علیکم! آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز لاڈو کا محبت بھرا سلام۔ صائمہ طاہر سومرو آپ کی 23 اگست کو منگنی تھی بہت مبارک ہو یار۔ ہمیشہ خوش رہو آمین۔ عافی جان تم کہاں غائب ہو پلیز رابطہ کرو ہم تم بن بہت اداس ہیں۔ آنچل نے مجھے تم سے ملوایا اس بار بھی تمہیں پانے کے لیے میرا محسن میری مدد کرے گا (ہے نا آنچل۔) پری تم بھی جلد از جلد اپنی خیریت بتاؤ پلیز ہم سب ٹینس ہیں ہیر اور عاشی بھی بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔ کرن شاہ میری پیاری بہن ہمیشہ خوش رہو بہت نائس ہو تم۔ اریبہ جانی تمہارے لیے کیا کہوں میری بدقسمتی ہے کہ تمہارے لیے لکھا گیا لیٹر شائع نہیں ہوسکا (آئی لو یو جانی)۔ آنچل کا شکریہ کہ اس نے مجھے جگنوؤں سی روشن آنکھوں والی ہیر پری اور عاشی دی امیہ بھی۔ امن شاہ کیسی ہو میری جان! بہت سویٹ ہوتی جارہی ہو میری طرح (ہاہاہا)۔ ماں کو بہت سلام عائشہ بلوچ شاہ جاناں مہک انزہ اور تمام آنچل فرینڈز کو سلام ہمیشہ خوش رہیں آمین۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے دوستو۔

لاڈو ملک...... دیپال پور

سویٹ گروپ کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف وقارئین کو میرا پُر خلوص سلام اور خلوص دل سے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اللہ رب العزت آپ سب کو اپنے حفظ وامان میں خوش وخرم اور بخیر وعافیت رکھے آمین ثم آمین۔ کیسی ہو آپ سب پریوں! کیفہ سکندر 4 اکتوبر زوبی 12 اکتوبر خالہ عادل 22 اکتوبر ایمان فاطمہ 28 اکتوبر نازیہ کنول نازی 23 اکتوبر سب کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو جی۔ صبیحہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر دو خوب صورت گڑیا بھیجی ہیں دانیہ اور ذوافیہ بہت بہت مبارک ہو صبیحہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سب کو صحت وتندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے دنیا جہاں کی خوشیاں عطا فرمائے اور دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی اور کامیابی عطا کرے آمین۔ ساتھ ہی ساتھ مسکان (قصور) طیبہ نذیر (شادیوال) نائلہ خان (ملتان) آپی میں آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ سب جواب ضرور دینا عیدالاضحی سب کو بہت بہت مبارک ہو او کے فرینڈز اللہ تعالیٰ آنچل کو زیادہ سے زیادہ ترقی عطا فرمائے خدا حافظ۔

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال گجرات

تمام قارئین کے نام

السلام علیکم! اس امید کے ساتھ میں سب سے مخاطب ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے کیونکہ امید ہی انسان کو زندہ رکھنے کا سبب ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب کو اپنی امان میں رکھے۔ تمام اہل وطن کو عیدالاضحی مبارک ہو اور عابد ایوب اور جائشہ عتیق کو عید کے ساتھ ساتھ سالگرہ بھی مبارک ہو اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت اچھی زندگی اور صحت سے نوازے اور ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کو بھی جن کا جنم دن اکتوبر میں ہے آمین اللہ حافظ۔

ہما ایوب شیخ...... عارف والا

نازیہ کنول نازی جی کے نام

ڈیئر نازی آپی السلام علیکم! آپی میں چشتیاں سے آپ کی ایک فین آپ سے مخاطب ہوں "جھیل کنارا کنکر" کی کامیابی پر آپ کو میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد آپ کی یہ کاوش میں مدتوں یاد رکھوں گی۔ اللہ پاک آپ کو قدم قدم پر کامیابیوں سے نوازے آمین۔

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

مسکان کے نام

السلام علیکم! مسکان جی آپ کا تعارف پڑھ کر اور آپ کی امی کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ یہ آپ کی بہت بڑی آزمائش ہے اور یقین جانیے اللہ آپ کو اس کا اجر ضرور دے گا دوستی سے مت ڈریے یہ تو بڑا پیارا رشتہ ہے ہاں مگر کچھ لوگ اسے محض ٹائم پاس سمجھتے ہیں مگر جو ایسا کرتے ہیں یہ انہی کا معاملہ ہے آپ دوستی کرتی جائیں دوستی زندگی میں نہ ہو تو زندگی بہت بور گزرتی ہے ایک بات بتاؤں آپ کا نام مسکان مجھے بہت اچھا لگتا ہے اگر برا نہ مانیں تو بتایئے گا کہ آپ کو کیسا لگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور تمام

دکھوں کو آپ سے دور رکھے اس کے علاوہ کوئی اچھی دوست آپ کو مل جائے اور آپ کو دوستی سے کوئی گلہ نہ رہے آمین۔

زوبیہ شاہین...... مانگا

نازیہ کنول نازی کے نام

سب سے پہلے تو آپ اپنی سالگرہ کی مبارک باد قبول کرو جو کہ ہر سال 23 اکتوبر کو ہوتی ہے اس کے بعد یہ بتاؤ کہ پیا دیس کب سدھار رہی ہو کیونکہ تقریباً چھ ماہ پہلے آپ نے میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ اپنی شادی کے لیے آپ سے لوہے کے انگنز خریدوں گی تب سے انہوں نے تمہاری شادی کے لیے لوہے کے انگنز الگ کر کے رکھے ہوئے ہیں جن پر زنگ لگنا شروع ہو گیا ہے پلیز پلیز جلد سے جلد ایک سے دو ہو جائیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

پرانی اور نئی فرینڈز کے نام

سب سے پہلے تمام قارئین کو محبتوں بھرا اسلام اور سدرہ شاہین جی (خانیوال) جانتی ہیں آپ پہلی آنچل قاری ہیں جنہوں نے مجھ سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا یقین مانیے بہت خوشی ہوئی کہ میری بھی کوئی آنچل فرینڈ ہو سکتی ہے۔ ابھی اسی خوشی میں گم تھی کہ ام رباب (جھنگ) نے بھی دوستی کی پیش کش کر دی تو جی اندھے کو کیا چاہیئں دو آنکھیں...... پر یہ کیا جی اس بار (تیسری آنکھ) یعنی انیلہ ملک (شورکوٹ) نے بھی دوستی کرنے کا پیغام بھیجا تو انیلہ، ام رباب اور سدرہ جی میں خلوص دل سے آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں بلکہ یہ میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ دوستی پکی اور ہمیشہ والی ہونی چاہیے بھول مت جائیے گا آنچل کے ذریعے یاد رکھیے گا اور اب ایک پیغام اپنی پرانی فرینڈز کے لیے جو شاید مجھے بھول گئی ہیں ثمینہ، سبین، پروین، شبانہ کہاں گم ہو گئی ہو تم سب۔ میں آپ کو اور سب فرینڈز کو بہت یاد کرتی ہوں عنبرین تم کیوں غصے سے مجھے گھور رہی ہو آپ کو بھی یاد کرتی ہوں اور شکر ہے کہ آپ رابطہ میں رہتی ہو تمام دوستوں کو عید مبارک (عیدالاضحی) سدا خوش رہو آمین تم سب کی فرینڈ۔

صدف سلیمان...... شورکوٹ

عمران، فوزیہ، عرفان کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو عمران؟ تمہیں شادی بہت مبارک ہو تمہاری زندگی اپنی ہم سفر کے ساتھ بہت اچھی اور پُرسکون شاد و آباد گزرے آمین۔ میری نیک تمنائیں اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور فوزیہ تمہیں بھی تمہاری شادی بہت مبارک ہو۔ خدا تمہاری یہ نئی زندگی خوشیوں سے بھر دے آمین اور بھائی آپ خوش رہا کریں بھابی کی کمی تو محسوس ہوتی ہے لیکن یہی دستور زندگی ہے اور عرفان تم بھی اپنا خیال رکھا کرو یقیناً اس موقع پر تم سب کو اپنی ماں بہت یاد آئی ہو گی کیونکہ ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا خدا بھابی کو جنت نصیب کرے آمین۔ تمہاری پھپھو!

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

تمام بی ایڈ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تو میں اپنی میم فرحانہ انجم، میم ثمینہ، میم شاہ کو تہہ دل سے سلام اور دعا کہتی ہوں آپ سب کے ساتھ مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا بہت انجوائے کیا۔ تمام ہی فرینڈز بہت اچھی تھیں، سب سے پہلے تو رومانہ (مانو) مریم تم دونوں تو بہت ہی اچھی ہو۔ ایمن، سائرہ، میمونہ، بشریٰ، ارم، مصباح، سائرہ افضل، وجیہہ، حنا، تجسم، سائرہ، شبانہ تم سب بھی بہت اچھی تھیں۔ مس یو ڈول اور دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھنا اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔

ندا اعجاز...... گوجر خان

پیاری آنچل فرینڈز اور اساتذہ کرام کے نام

سلام مسنون! کیسی ہیں میری پیاری پیاری پریاں؟ سوری دوستو مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں اپنے مشن کی تکمیل کی خواہش کے تحت کہ ملاقاتیں کم کم ہوتی ہیں پھر بھی جن بہنوں نے یاد رکھا ان کا بے حد شکریہ۔ سباس گل، نادیہ، یٰسین، ام ثمامہ، صبا نواز بھٹی، میری جان حجاب (کہاں گم ہو یار پلیز جواب دو) نادیہ کامران، عظمیٰ ایوب، عاصمہ بٹ، نازیہ کنول نازی، شمع مسکان، فریحہ شبیر، طیبہ نذیر، پروین افضل شاہین، مہر اور علاؤ گل سب کیسی ہو اور جو نام رہ گئے ہیں سب کو محبتوں بھرا سلام اور ہاں دوستو! میری کتاب "تیرے بعد" منظر عام پر آ چکی ہے۔ اپنے اساتذہ کرام ڈاکٹر اظہر حسین اعوان، ڈاکٹر عامر شہزاد (سر تسی گریٹ او)۔ تمیر اعجاز صاحب، عاقب مرزا صاحب آپ سب بہت بہت خوش رہیں میری زندگی بدلنے کا شکریہ۔

سیدہ حیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

سرسید ماڈل اسکول برنالی کے اسٹوڈنٹس کے نام

السلام علیکم! سرسید ماڈل اسکول برنالی کے 9th اور 10th کے اسٹوڈنٹس کو 83% مارکس لینے پر بہت زیادہ مبارک ہو۔ 9th کے اسٹوڈنٹس جنہوں نے 535 میں سے 400 سے زیادہ مارکس لیے ان سب کو دلی گہرائیوں سے مبارک باد ہو اسکول کے قائدین کی محنت رنگ لائی ہے ٹیچرز منیبہ، افزاء، صوبیہ، اقراء، سر شہباز، سر بلال اور محترم پرنسپل صاحب محترمہ راج صاحبہ کو بھی مبارک ہو۔ مس منیبہ اپنی شرارتوں اور بے تکے محاوروں سے باز آ جاؤ (ہاہاہا)۔ دعاؤں میں یاد رکھنا سب او کے رب راکھا۔

خدیجہ نورین...... برنالی

تمام آنچل قارئین سے اپیل

السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے میری آپ سے اپیل ہے کہ میرے لیے خصوصی دعا کیجیے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں میں گزشتہ کئی سالوں سے معذوری کی زندگی گزار رہی ہوں۔

آمنہ ریاض...... فیصل آباد

یادگار لمحے

جویریہ سالک

حدیث

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا مجھے یوم الاضحیٰ (قربانی کے دن) کو عید کا حکم دیا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔"

(ابوداؤد والنسائی)

غم

اگر یہ بات مان لی جائے کہ غم شخصیت ساز ہے اور غم اسی کی عطا ہے جس نے خوشی دی تھی تو انسان کی زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ لوگ حالات اور ترقی سے خوشی حاصل کرتے ہیں حالانکہ خوشی کا تعلق حالات سے نہیں خوشی تو ایک حالت کا نام ہے اپنی حالت، اپنا احساس، اپنا اندازِ فکر دراصل اپنے احساس کی اصلاح ہو جائے تو غم اور خوشی کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔

واصف علی واصف

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

بجلی کا بل

روشنی کی ہے سزا بجلی کا بل
یا مقدر کا لکھا، بجلی کا بل
تُو جو چکرا کر گرے تو خیر ہے
پر محبت سے اٹھا بجلی کا بل
وقت سے پہلے ہی قربانی ہوئی
اپنے بکرے پر گرا بجلی کا بل
اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے دفعتاً
جونہی ہاتھوں میں لیا بجلی کا بل
ڈس کنکشن کا بھی نوٹس ساتھ ہے
کس قدر ہے بے وفا بجلی کا بل
خون دشمن کا نہ لے تُو اپنے سر
بس اسے جا کر دکھا بجلی کا بل
تھا مریضِ دل بے چارا چل بسا
دیکھتا ہی رہ گیا بجلی کا بل
کی شکایت میں نے بجلی کی
دیکھتے ہی جل گیا بجلی کا بل
روشنی کو لوگ ترسیں گے یہاں
اب اندھیرے لائے گا بجلی کا بل
جاں کے لالے پڑ گئے تہذیب خان
اس قدر مہنگا پڑا بجلی کا بل

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

افسانچہ

تمہارے لوٹ آنے سے میرے چہرے پر عجب ہی رنگ کھلتے ہیں، تمہارے لوٹ آنے کا انتظار بہت عرصہ سے رہتا ہے ہر برس ہی تم آتے ہو اور پھر جاتے جاتے دکھوں کے سایوں اور اندھیروں میں مجھے دھکیل جاتے ہو تمہارے بن گزرتا ہر اک پل قیامت ہی ٹھہرتا ہے۔ تمہارا گورا سپید رنگ، الھڑ مٹیار جیسی چال، جھانجھر جوں جوں میں دیکھتی ہوں اور سوچتی ہوں آنکھوں سے اشک رواں سا جاری ہو جاتا ہے۔ سنا ہے اب پھر تم آؤ گے تمہارے آنے سے قبل ہی میرا ہر پل تمہاری آمد کی تیاری کی نذر ہے ہزاروں باتیں، وسوسے دل میں پنہاں ہیں جنہیں تم سے براہ راست کہنا ہے "میرے پیارے بکرے" سنا ہے کل ابو تمہیں لے آئیں گے سو باقی باتیں تمہاری آمد تک ادھار۔

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

سیاستدان بیوی

☆ "سنئے! میں کب سے آپ کو بریفنگ دے رہی ہوں آپ توجہ ہی نہیں دے رہے۔"

☆ "میرا خیال ہے چھٹیاں گزارنے سنگاپور چلتے ہیں جب کہ آپ کا خیال نادرن ایریاز کا ہے یوں کرتے ہیں بچوں سے ووٹ مانگتے ہیں جسے زیادہ ووٹ ملے اس کی پسندیدہ جگہ چلے جائیں گے...... سمپل۔"

☆ میرے ہاتھ کے کھانوں میں کیا برائی ہوتی ہے جو

آپ کہہ رہے ہیں کہ آئندہ کھانا میں نہ بناؤں اس گھر میں تو جمہوریت نام کو نہیں۔"

☆ "دیکھیں آپ مثبت اپوزیشن کا کردار ادا نہیں کررہے ہر وقت تنقید ہر وقت تنقید...... آپ اپنا امیج خراب کررہے ہیں۔

☆ سنیں! میں امی کے گھر کا پانچ روزہ دورہ کرنے جارہی ہوں خدا حافظ۔"

ثانیہ عبدالغفور...... للیانی، سرگودھا

کیا آپ جانتے ہیں؟

❖ پارسی اپنے مردوں کو نہ دفناتے ہیں نہ جلاتے ہیں بلکہ ایک خاص عمارت میں گدھوں کے کھانے کے لیے چھوڑ آتے ہیں اس خاص عمارت کو "دخنہ" کہتے ہیں۔

❖ مسلمانوں کے علاوہ یہودی بھی سور کا گوشت نہیں کھاتے۔

❖ جھینگا مچھلی کے خون کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔

❖ بلی کو بدہضمی ہو تو وہ گھاس بھی کھاتی ہے۔

❖ فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کے دانت پیدائش کے وقت موجود تھے۔

عظمیٰ فرید خان...... ڈی آئی خان

گوہر نایاب

❖ اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کے مترادف ہے۔

❖ اگر تم ایک عظیم انسان بننا چاہتے ہو تو قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرو۔

❖ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اساتذہ کی قدر کرو۔

❖ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو اپنے بندے کے ہر گناہ پر پردہ ڈالتا رہتا ہے جب کہ ہم انسان ایک دوسرے کے گناہوں کو دنیا کی تاریکی ہی میں ظاہر کردیتے ہیں۔

سدرہ زبیر...... نامعلوم

دوستی

❖ دوستی موسم نہیں جو اپنی مدت پوری کرے اور رخصت ہوجائے۔

❖ دوستی ساون نہیں ٹوٹ کے برسے چلا جائے

❖ دوستی آگ نہیں جو سلگے بھڑکے اور بجھ جائے۔

❖ دوستی آفتاب نہیں جو چمکے اور ڈوب جائے۔

❖ دوستی پھول نہیں جو کھلے اور مرجھائے۔

❖ دوستی سانس کا ایک ایسا رشتہ ہے جو چلے تو سب کچھ جو ٹوٹے تو کچھ بھی نہیں۔

امبرین کوثر...... ملتان خورد

اچھی باتیں

❖ جب اعتماد کا کومل پرندہ مٹھیوں سے پھسل کر بے سمت اڑتا ہے تو اپنے خالی ہاتھ دیکھ کر آنسو تو بہتے ہیں وگرنہ ان آنسوؤں کے اندر ہی اندر گرنے سے کسی ایک کا زیاں ہوتا ہے۔

❖ مجھے پھول اور ماں میں کسی قسم کا فرق نظر نہیں آتا ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی خوب صورت ترین ماں ہے۔

ربیعہ اسا ور بٹ...... فیصل آباد

ہاری ہوئی بازی مات نہیں

یہ بات انسانی سمجھ سے بالاتر ہے کہ انسان جان ہار جائے اور مقصد جیت لے پھر بھی اکثر ہارنے والوں نے منزلوں کو جیتا ہم دیکھتے ہیں کہ میدان کربلا میں جنگ ہار گئی اور مقصد جیت لیا گیا امام (علیہ السلام) قربان ہوئے اور اسلام زندہ ہوا۔ جان دینا بڑے راز کی بات ہے لیکن اس میں بہت غور وفکر کی ضرورت ہے۔ قربانی اور خودکشی میں بڑا فرق ہوتا ہے خودکشی کرنے والے برباد ہوجاتے ہیں اور قربانی دینے والے شادائی منزل میں پہنچادیے جاتے ہیں، قربانی سے حاصل ہونے والی منزلیں ایک عجب لطف رکھتی ہیں۔ منزلوں پر پہنچنے والے بہت بڑے انتظامات کے قائل نہیں ہوتے وہ ایک جذبے کے ماتحت سفر کرتے ہیں۔

منیبہ نواز...... جسور شریف

باتیں واصف علی واصف کی

✦ ایک انسان کو زندگی میں بااعتماد ہونے کے لیے یہ حقیقت ہی کافی ہے کہ اس سے پہلے نہ تو کوئی اس جیسا انسان دنیا میں آیا نہ اس کے بعد ہی کوئی اس جیسا آئے گا یہ عظیم انفرادیت ہی بہت بڑا نصیب ہے۔

✦ سب سے پیارا انسان وہ ہوتا ہے جس کو پہلی ہی بار دیکھنے سے دل یہ کہے میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔

✦ آسمان پر نگاہ ضرور رکھو لیکن یہ نہ بھولو کہ پاؤں زمین پر ہی رکھے جاتے ہیں۔

✦ دو انسانوں کے مابین ایسے الفاظ جو سننے والا سمجھے کہ سچ ہے اور کہنے والا جانتا ہو کہ جھوٹ ہے خوشامد کہلاتے ہیں۔

✦ انسان جتنی محنت خامی چھپانے میں صرف کرتا ہے اتنی محنت اور کرے تو وہ خامی دور کی جاسکتی ہے۔

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال، گجرات

غزل

جدائی سے وہ میرا ابھی نہیں میں اس کا بھی نہیں
دونوں انسان ہیں خدا وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
وہ مجھے اور میں اسے الزام دیتے ہیں
مگر غلط اپنی جگہ وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
محبت تو ہم دونوں کرتے ہیں دل سے
محبت کا گناہ گار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
عمر بھر ساتھ اگر ہم جی لیں تو کیا ہوگا
پر ہاتھوں کی لکیروں میں وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
اس کے علاوہ میں کیا مانگوں خدا سے مانی
اور کسی چیز کا طلب گار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں

عبدالرحمن...... اکبر روڈ، کراچی

ایک بات

کوئی بھی انسان بے وفا یا دھوکے باز نہیں ہوتا بلکہ ہمیں دھوکہ دوسروں سے وابستہ کی گئی ضرورت سے زیادہ توقعات دیتی ہیں۔ ہوسکتا وہ انسان اس وقت مجبوری میں ہو اور آپ اسے آزما بیٹھیں اور وہ آزمائش پر پورا نہ اتر سکے وہ تو مجبور ہوگا مگر دل آپ کا چکنا چور ہوگا بے خبری میں ہی۔

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

میاں مٹھو

ایک صاحب نے طوطا پال رکھا تھا لاکھ جتن کرنے کے باوجود بھی وہ باتیں نہیں کرتا تھا۔ اسے اس کے دوست نے کہا "اسے مرچیں کھلاؤ"۔

ان صاحب نے طوطے کو مرچیں کھلانی شروع کردی مگر طوطا پھر بھی نہیں بولا۔ عید کے دن ان صاحب نے طوطے سے پوچھا۔ "میاں مٹھو! چوری کھانی ہے۔"

میاں مٹھو نے جل کر کہا۔ "کم بخت مارے! مرچیں ختم ہوگئی ہیں کیا؟ تمہیں چوری نصیب ہوتی ہے جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔"

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

یادیں

✦ یہی بس مشکل ہے بھول جانا انسان کے بس میں نہیں جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے۔ بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے انسان ظالم کو معاف کرسکتا ہے لیکن اس کے ظلم کو نہیں بھول سکتا، بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔

✦ موسم گزر جاتا ہے مگر یاد نہیں گزرتی، مرحوم زمانوں کی یاد مرحوم نہیں ہوتی۔ پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ پرانے غم نئے غم میں شامل نظر آتے ہیں۔

✦ پرانی یادیں زندگی کے ساتھ چلتی ہے تہہ در تہہ یاد انسان کے اندر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں جاتی ہے۔

(واصف علی واصف کی کتاب "دل دریا سمندر" سے اقتباس)

صدف مختار...... بوسال مصور

غروب ہوتا ہے تمہیں بھی

✦ کبھی کبھی انسان کسی اپنے کو دکھ دے کر سکون محسوس کرتا ہے ایسا وہ بدلے کی آگ میں کرتا ہے لیکن اس کا یہ عمل بعض اوقات دکھ سہنے والے کو اپنے پروردگار سے قریب تر کردیتا ہے اور اسے جہنم سے قریب کرنے میں اس کے بدلے کا ہاتھ شامل ہوجاتا ہے۔ آنکھیں بند کرلینے سے جس طرح دنیا کی رنگینیاں کہیں اوجھل سی ہوجاتی ہیں،

بالکل اسی طرح مرنے کے بعد حساب اس دنیاوی اندھیرے سے بھی بدتر دکھائی دے گا۔ کل کی چاہ ہم انسانوں کے آج کو تو تاریکی کی طرف دھکیل ہی رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ سفر آخرت کے دیئے بھی بجھاتی جارہی ہے۔ دنیا کی رنگینیاں فریب ہیں‘ آخرت اور قبر کو روشن کرنے والے عمل کریں جن کا اجر مرنے کے بعد ملے گا۔

+ سورج اپنے مقررہ وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے‘ انسان بھی اسی طرح ایک دن غروب کی جانب سفر کرتا ہے‘ فرق صرف اتنا ہے سورج پھر سے اگلی صبح طلوع ہوتا ہے جب کہ انسان قیامت کے روز حاضر کیا جائے گا‘ سورج جو نظام کائنات میں اہم فریضہ سرانجام دیتا ہے غروب ہوتے وقت اس کا پیغام یہی ہوتا ہے ”غروب ہونا ہے تمہیں بھی ایک دن۔“

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ

لفظ لفظ موتی

+ علم کی محنت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

+ جو درخت پھل نہیں دیتا وہ کم از کم سایہ ضرور دیتا ہے۔

+ وقت ایسا تر ازو ہے‘ جس کے ایک حصے میں زندگی اور دوسرے میں موت ہے۔

+ ہنر انسان کا سب سے بڑا دوست ہے۔

+ وقت کے لامحدود سمندر میں‘ کتابیں روشنی کا مینار ہیں۔

+ جاہل کی عاجزی عالم کے غرور سے بہتر ہے۔

+ انسان کا انسان سے بڑا رشتہ دکھ بانٹنے کا ہے۔

+ سب سے بے وقوف وہ آدمی ہے جو اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرائے۔

طیبہ افضل...... نامعلوم

معلومات دنیا

◉ بلجیئم واحد ملک ہے جہاں ننگے پاؤں چلنا جرم ہے۔

◉ پارسی ایک ایسا مذہب ہے‘ جس میں مردے کو چھونا حرام ہے وہ لوگ اسے اپنے ایسے خصوصی قبرستان میں ڈال دیتے ہیں جہاں گدھ اور چیلیں مردے کا گوشت کھا جاتی ہیں۔

◉ ایک ایسی کتاب ہے‘ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک لفظ لکھنے سے 125 آدمی مارے گئے اور اس کا ایک باب لکھنے سے 12 لاکھ افراد کی جانیں گئیں وہ کتاب ہے ہٹلر کی کتاب ”میری سوانح عمری“۔

◉ کتا ایک ایسا جانور ہے‘ جس کی زبان پر پسینہ آتا ہے۔

◉ دنیا کی سب سے بڑی کتاب برٹش میوزیم (لندن) میں ہے یہ کتاب چارلس دوئم کے عہد میں لکھی گئی اس کے اوراق کی لمبائی تقریباً 6 فٹ اور چوڑائی سوا تین فٹ ہے اس کی جلد آٹھ بکریوں کی کھال سے تیار کی گئی ہے۔

◉ مراکش کا ایک ایسا حکمران تھا جو 888 بچوں کا باپ تھا‘ اس کا نام شاہ مولائے اسماعیل تھا اس کے دور حکومت میں ایک ایسی رجمنٹ تھی جس میں 540 سپاہی تھی اور یہ تمام اس کے اپنے بیٹے تھے۔

◉ دنیا میں سب سے لمبا درخت امریکہ میں پایا جاتا ہے جس کی اونچائی 673 فٹ ہے اور گہرائی 101 فٹ ہے اگر اس درخت کو کاٹ کر دیا سلائی بنائی جائے تو دنیا کے ہر شخص کو ایک ڈبیا مل سکتی ہے۔

◉ سعودی عرب وہ واحد ملک ہے جس کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔

◉ برونائی ایک ایسا ملک ہے جہاں عورت مرد کی نسبت زیادہ رہائش پذیر ہیں۔

◉ دنیا کا سب سے خوب صورت پرندہ مرغ فردوس ہے۔

◉ انسانی جسم سے 6 چمچ نمک ایک پیالہ چینی اور دس گیلن پانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

◉ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مہندی کے پھول اور ریحان کی خوشبو پسند تھی۔

◉ امریکی صدر ابراہم لنکن ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔

راشدہ تیجا...... ملتان

❁

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے اس پاک پروردگار کے نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ ماہ اکتوبر کا شمارہ (عیدالاضحیٰ نمبر) آپ کے ہاتھوں میں ہے تمام اہل وطن و امت مسلمہ کو عید قربان بہت بہت مبارک ہو۔ ان ناساعد حالات میں عید قربان کی خوشیاں کیسی؟ طوفان مہنگائی نے ہر طبقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے پھر بھی صاحب استطاعت لوگوں کے لیے اس عید کی خوشیاں وہی ہیں تمام قارئین سے گزارش ہے کہ یتیم‘ مسکین و نچر اعلیٰ و تمام ضرورت مندوں کو عید قربان کی خوشیوں میں ضرور یاد رکھیں۔ اللہ پاک ہم سب کو تخیر و عافیت قربانی کی نعمتوں سے نوازے اور ہماری عبادات قبول فرمائے آمین۔

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بلو موجان۔ آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو پُرخلوص سلام آج بہت عرصہ بعد پھر تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں ستمبر کا آنچل 26 تاریخ کو ملا کیا ٹائٹل اچھا لگا۔ حمد و نعت اور داش کدہ سے مستفید ہونے کے بعد سب سے پہلے بشریٰ باجوہ کا افسانہ پڑھا پیاری بشریٰ بہت زبردست لکھا تم نے بہت بہت مبارک ہو۔ افسانوں میں ”شہر محبت“ صبا جاوید ”تجھ سنگ عید“ فصیحہ آصف کا بہت اچھے لگے۔ قسط وار ناولز میں ”جھیل کنارا کنکر“ نازیہ کنول نازی ہمیشہ کی طرح زبردست لکھ رہی ہیں۔ اقراء صغیر احمد اور سمیرا شریف طور بہترین انداز میں کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں ویری ویل ڈن۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ ام مریم کی تو کیا ہی بات ہے کمال کا لکھتی ہو یار آئی ریئلی لائک اٹ۔ لاریب اور سکندر کے کردار میرے فیورٹ ہیں عالیہ حرا نے بھی بہت اچھا لکھا۔ مستقل سلسلے تمام ہی زبردست تھے نظم غزل میں عاصمہ اقبال ظریف احسن‘ صائمہ نوشین‘ سمیرا غزل نے اچھا لکھا اس کے علاوہ جناب ہماری اپنی نظم ”تجسس اور تشنگی“ بھی پسند آئی (ہاہاہا)۔ یادگار لمحے میں صبا سنبل کی نظم اچھی تھی اس کے علاوہ رمشاء عظمت اور عائشہ پرویز نے متاثر کیا اس دفعہ عنبر گل کی کمی محسوس ہوئی۔ باقی پورا آنچل نائس تھا۔ اچھا جی اب اجازت چاہوں گی سب فرینڈز کو سلام اپنا خیال رکھیے گا سب اور مجھے دعاؤں اور دلوں میں یاد رکھیے گا سانسوں نے وفا کی تو پھر سے آپ کے دلوں پر دستک دینے حاضر ہو جاؤں گی اللہ حافظ۔

عروسہ شہوار رفیع...... جہلم۔ ماہ ستمبر کا بہشتی رنگ سے سجا ہوا نئے کی مہک سے مہکتا آنچل ملا سب سے پہلے مکمل ناول ”جھیل کنارا کنکر“ پڑھی ہاں جی تو آخری قسط پڑھ کر ہی سکے گی۔ عالیہ حرا کا مکمل ناول پڑھا وہ بھی اینڈ ول ہیپی ہو گیا۔ سلسلہ وار ناول ”بھیگی پلکوں پر“ اقراء صغیر احمد اور ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا شریف طور کی اگلی اقساط کا شدت سے انتظار ہے۔ ”روشن اندھیرے“ سمیرا حمید کا واقعی میں روشن تارا ثابت ہوا سچ ہے علم اور عمل‘ تعلیم اور کام ہی وہ چیزیں ہیں جو تبدیلی انجام دیتی ہیں انقلاب کی جانب لے جاتی ہیں اور جو قوم جو فرد اپنا محاسبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے وہ کامیابی سے ہمکنار رہتا ہے۔ کاش کہ ہم سب بھی اپنی اپنی اصلاح کر کے خود کو تباہی سے محفوظ کر لیں۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ ام مریم نے بھی انتظار کی سولی پر لٹکا دیا خیر چلیں یہ بھی منظور ہے۔ اب بات کرتے ہیں افسانوں کی تو جناب ”راحت وفا“ کا افسانہ دل جیت گیا۔ ”تم پر ناز اں ہے وطن“ بشریٰ باجوہ بھی کیا بات ہے کم نہیں ویل ڈن۔ فصیحہ آصف خان کا افسانہ نگاری کی جانب اٹھتا قدم پسندیدہ رہا۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ مستقل سلسلے بھی اچھے تھے مشتاق احمد قریشی کا داش کدہ تو ہمیشہ مجھے اپنی جانب مائل کیے رکھتا ہے تمام اسٹاف و آنچل فرینڈز کو سلام دعا اللہ حافظ۔

صدف مختار‘ رمشاء عظمت...... بوسال مصور۔ السلام علیکم! آنچل 28 اگست کو ملا ٹائٹل گرل بس سو سو ہی لگا البتہ پیچھے کا منظر ہمیں مسحور کر گیا بہت پسند آیا۔ ”ہمارا آنچل“ میں صرف اور صرف دجیہہ خان کا تعارف پسند آیا (اصل میں فطرت ایسی ہے کہ کوئی ایک ہی چیز پسند آتی ہے) بہنوں کی عدالت معذرت کے ساتھ بے جا طوالت کی بنا پر اپنی دلچسپی برقرار نہیں رکھ پا رہا۔ ”بھیگی پلکوں پر“ تو مسٹر اقراء آپ کو تکلیف ہوگی مگر پلیز اسے ختم کیجیے ہم اکتا چکے ہیں۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ ام مریم قسط جاندار رہی مگر سب کا ذکر کرتے ہوئے بھی ڈاکو بھلا نہیں دیں لاریب کا کردار بڑی اپائیت لیے ہوئے ہے اور پلیز سندس کو اتنا زیادہ مت آزمائیں آخر میں بھی تو اس نے بھی وہاں ہی رہنا ہے تو کیا فائدہ بہرکیف امید ہے اچھا اینڈ کریں گی مس ام مریم۔ ”جھیل کنارا کنکر“ پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتی کہ پڑھی ہی نہیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ سمیرا شریف بہت ہی انداز لگا کیا لیا زکا ان کے پیچھے جانا اچانک سے حمدہ ولاک کرنا پھر ان کو ہراساں کرنا بھائی کا اچانک سے فون کر دینا مصطفیٰ لوگوں کا وہاں پر آنا پھر لیا زکا فائرنگ کرنا مگر سب کا محفوظ رہنا سمجھ نہیں آتا بحمدہ میں بھی ہوائی فائر ہو جاتے ہیں معذرت کے ساتھ تنقید بھی ہمارا حق ہے۔ افسانوں میں ”گڈو باجی“ (راحت وفا) اور ”تم پر ناز اں ہے وطن“ (بشریٰ باجوہ) بازی لے گئیں۔ مستقل سلسلوں میں سب سے پہلے بیاض دل پڑھا عاصمہ بٹ‘ اقراء وسیم کے اشعار دل کو بھائے۔ عظمیٰ شاہین کی نظم سب سے زیادہ پسند آئی ویل ڈن۔ یادگار لمحے میں عائشہ پرویز کی تحریر نے بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ عائشہ نور کی حقیقی عزت بھی پسند آئی آئینہ میں فرزانہ سرور فرح کی ”سب پسند آیا“ کی گردان اچھی نہیں لگی فریحہ شبیر کا تبصرہ پسند آیا (بس جی تبصرہ اتنا ہی کافی ہے)۔ اس مرتبہ حقیقتاً سامعہ پرویز ملک کی کمی محسوس ہوئی سامعہ جی کیا آپ اپنا نیا مجموعہ کلام ہمیں بھیج سکتی ہیں؟ رمشاء عظمت‘ میمونہ ریاض (معصوم سی دوست) اور پیاری خالہ ادیبہ صدف کو عیدالاضحیٰ مبارک فی امان اللہ۔

فضہ شبیر...... وہاڑی۔ پیاری آپی شہلا اور تمام پڑھنے لکھنے والوں کو ڈھیر اخلوص بھرا السلام علیکم امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اب آتی ہوں آنچل کی طرف آنچل کے بھی سلسلے اچھے ہیں نازیہ کنول سے گزارش ہے کہ اب حور عین اور ہانیہ کو اور دکھوں سے بچائیں اور زائر ملک کے دل کی آواز اب تو ثانیہ کو سنوا ہی دیں۔ سمیرا حمید کے ”روشن اندھیرے“ بہت زبردست رہی اور اقراء صغیر سے التجا ہے کہ شیری کو کہیں بھیج دیں اور پلیز پلیز طغرل اور پری کو ایک کر دیں۔ رخ کو اس کے گناہوں کی سزا بہت مل چکی اب اسے رہا کر دیں۔ فصیحہ آصف نے بھی بہت معصوم سی تحریر لکھ کر دل خوش کر دیا عالیہ حرا نے حقیقت کے قریب تر لکھا بہت اچھا لگا۔ سمیرا شریف طور آپ سے انتہائی گزارش ہے کہ شہوار کا دماغ اب تو ٹھکانے لگا دیں اور انایا تو اظہار محبت کرے یا پھر ایسی پاگلوں والی حرکتیں چھوڑ دے

کی ڈش پسند آئی۔ غزلیں نظمیں میں فوزیہ احسان رانا، صائمہ انوش محلہ، شمشاد کی شاعری پسند آئی۔ باقی آنچل سارا اچھا تھا دعاؤں میں یاد رکھیے گا فی امان اللہ۔

کشور غفار اوڈ...... عبد الحکیم۔ اسلام علیکم شہلا آپی اور تمام آنچل اسٹاف کو میرا پُرخلوص سلام امید ہے تمام قارئین اور رائٹرز سب اللہ کے کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے جیسے ہی ستمبر کا آنچل ہمارے ہاتھ میں آیا ہم نے سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھی بہت خوب سمیرا آپی آپ نے ایاز کے ساتھ بہت اچھا کیا ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا ویسے سمیرا آپی یانا کو کیا ہوتا جا رہا ہے بہت موڈی ہوتی جارہی ہے ذرا ذرا سی بات پر ہائپر ہو جاتی ہے اور نازیہ آپی حورعین اتنی خودغرض ہوگی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی جب مطلب نکل گیا تو اپنے گھر چلی گئی۔ حورعین کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ثانیہ کا دماغ تو اس بار اچھی طرح ٹھکانے لگا دے گا اور اقرا آپی آپ کے ناول کی اگر ایک قسط میں سکون کا سانس لیتے ہیں تو دوسری قسط میں سانس اٹک جاتی ہے ویسے آپی اب پری اور طغرل کی شادی ہو جانی چاہیے غلط فہمیاں بعد میں دور ہوتی رہیں گی اور ماہ رخ کا ماضی بھی اب ختم کر دیں اور ناولٹ افسانے اور مکمل ناول سب اچھے تھے انٹرویو بھی اچھے تھے باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے آخر میں آنچل کے لیے بہت سی دعائیں۔

علینہ مغل...... تمام ریڈرز رائٹرز اور آنچل اسٹاف کو سلام۔ ہمارا آنچل میں سونیا منظور کا تعارف پسند آیا نازیہ آپی آپ نے ایبک کے ساتھ بہت بُرا کیا ہے پہلے میکال نے طلاق دے دی اور اب نہال کو بھی مار دیا۔ اب پلیز پھر سے ہانیہ اور میکال کی شادی مت کروائیے گا۔ اقرا آپ کا ناول "بھیگی پلکوں پر" جہاں سے شروع ہوا تھا ابھی تک وہیں پر کھڑا ہے۔ سمیرا آپ کا ناول سب سے اچھا جا رہا ہے تعریف کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ سمیرا حمید کے لیے صرف اتنا کہ "نیا نام بہترین کام"۔ عنبر فاطمہ کی نظم یاد سب سے بہترین لگی آپی میں کچھ لکھنا چاہتی ہوں مگر مجھے ریجیکٹ ہونے سے ڈر لگتا ہے کیونکہ اصلاح کرنے کے لیے کوئی موجود نہیں ہے۔

☆ اچھی گڑیا! انسان اصلاح سے ہی سیکھتا ہے ناکامی کے ڈر سے آگے بڑھنا نہیں چھوڑا جا سکتا آپ بھیج دیں کہانی۔

سمیرا ادھم، حمیرا ادھم...... احمد پور شرقیہ۔ اسلام علیکم سویٹ شہلا آپی! آنچل قارئین اینڈ اسٹاف! کیسے ہیں آپ سب؟ امید ہے کہ آپ سب بالکل خیریت سے ہوں گے اور چھریاں چاقو تیز کروا رہے ہوں گے ڈریے نہیں کسی کو قتل کرنے کے لیے نہیں بلکہ عید قربان کے لیے آپ سب کو عید الاضحی بہت بہت مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی قربانیوں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف حسب معمول سب سے پہلے "حمد و نعت" سے فیض یاب ہوئے قیصر آرا آنٹی سے سرگوشیوں کے بعد فٹافٹ دوڑ لگائی "جھیل کنارا کنکر" میں کہ دیکھیں آخری قسط میں کیا ہوگا لیکن یہ کیا؟ باقی آئندہ ماہ...... لیکن اسٹوری ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی اس کہانی کے ذریعے ہمارے ذہن کی بہت سی گرہیں کھلیں حورعین پر اس بار بہت غصہ آیا لیکن خیر نازیہ آپی اچھا ہی کریں گی ویل ڈن آپی! پھر آئے جی "بھیگی پلکوں پر" کی طرف واہ واہ کیا کہنے اقرا آپی کے کیا خوب صورت اور سبک انداز میں کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ پری پر طغرل کے احساسات کا اثر ہونے ہی لگا ہے کیونکہ پتھر پر بھی مسلسل پانی پڑتا رہے تو سوراخ ہو ہی جاتا ہے یہ تو پھر ایک انسان ہے ماہ رخ کی آزادی کے دن بھی آنے والے ہیں میرے خیال میں اعوان ہی اس کو اس زندان سے نکالے گا ایم آئی رائٹ؟ دوڑے دوڑے چلے گئے "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف پڑھ کر مزا آ گیا۔ اب مصطفیٰ اور شہوار کا نکاح جلدی سے کر دیں اور پلیز روشی اور احسن کا بھی اب بینڈ بج جانا چاہیے بہت انتظار کر لیا اب پلیز شہوار کا بائیوڈیٹا کھول ہی دیں آنٹی لگتا ہے ایبک کے ماموں اور تابندہ کے مابین کوئی تعلق ہوگا۔ کیپ اٹ اپ آپی ویل ڈن "مجھے ہے حکم اذاں" ام مریم جی نے بہت اچھا لکھا ہے افسانوں میں راحت وفا کا "گندو باجی" بہت اچھی کاوش تھی۔ ہماری رائٹر عفت سحر طاہر کہاں گم ہیں ہم ان کی تحریر آنچل میں دیکھنا چاہتے ہیں سعدیہ آل کاشف تو آنچل کا راستہ ہی بھول چکی ہیں۔ آخر میں آنچل کے لیے بہت ساری دعائیں اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آنچل کو سنوارنے والوں کو اللہ تعالیٰ صحت، زندگی اور خوشیاں عطا کرے آمین۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

شازیہ اسلم طور...... خانیوال۔ مہربانوں کی مہربان قدر دانوں کی قدر دان میں تھوڑی شیطان یہ ہے میرا پیارا پاکستان ہوں میں بن بلائی مہمان آپ سب کو میرا دل سے سلام۔ شہلا آپی مجھے گھور رہی ہیں ویسے آپی آپ لگ بہت خوب صورت رہی ہیں ارے سینڈل مت اتاریں میں آنچل ہی کی طرف آ رہی تھی ستمبر کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے آنچل کا سرورق دیکھا لڑکی بس ٹھیک تھی سرگوشیاں حمد و نعت کے بعد در جواب آں پڑھا تو دل گارڈن گارڈن ہو گیا دانش کدہ کو پڑھ کے اسلامی معلومات میں اضافہ ہوا ہمارا آنچل میں سب لڑکیاں اچھی نظر آ رہی ہیں ویسے یہ آج کل کی لڑکیاں کچھ زیادہ ہی موڈی نہیں ہوتی جا رہی ہیں۔ پھر میں نازیہ آپی کے پاس آئی نازی آپی میں آپ کو اپنے خیالوں کی دنیا میں اکثر دیکھتی رہتی ہوں کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ "ٹوٹا ہوا تارا" اس مرتبہ پڑھنے میں اتنا مزا نہیں آیا۔ "بھیگی پلکوں پر" بھی بس نارمل قسط تھی۔ "مجھے ہے حکم اذاں" بھی بس نارمل قسط تھی مکمل ناول میں سمیرا حمید نے اچھا لکھا فصیحہ آصف نے بھی بہت اچھا لکھا۔ باقی بہنوں نے بھی اچھا لکھا۔ بیاض دل میں فصیحہ آصف، فریدہ فری، عظمیٰ ہما نے اچھا لکھا "ڈش مقابلہ" میں چکن چائنیز کباب مزے کے تھے "یادگار لمحے" میں سب نے اچھا لکھا تھا۔ "ہم سے پوچھیے" میں عائشہ پرویز کے سوال مزے کے تھے کیا کہا آپ نے...... بہت برداشت کر لیا اب اور نہیں چلو ناراض تو نہ ہو میں جا رہی ہوں اللہ حافظ۔

وجیہہ خان...... بہاولپور۔ اسلام علیکم شہلا آنٹی مدیرہ آنٹی تمام ریڈرز اور تمام اسٹاف کو عید الاضحی مبارک۔ اس ماہ کا آنچل ہمیشہ کی طرح 25 اگست کو ملا۔ ٹائٹل گرل کا پھولوں کا زیور کچھ کچھ پسند آیا۔ آنچل کھولا اور سب سے پہلے سمیرا آپی کے "ٹوٹا ہوا تارا" کا حال دریافت کیا۔ شکر کہ ایاز کے پسٹل کی گولی سے کوئی شہید نہیں ہوا اب ایاز کے ساتھ ساتھ اس کی لاڈلی بہن کو بھی اچھا سبق سکھائیے گا نا پلیز ولید تمھیں پسند ہے کم از کم روشی کو تو دو کیونکہ ولید تمہیں کہیں اور الو تو سمجھ رہا ہے اور ایاز کی حرکت سے کم از کم یہ تو فائدہ ہوا کہ شہوار اور مصطفیٰ ایک ہو جائیں گے پچھلی دفعہ نازیہ آپی نے کہا تھا آخری قسط اگلے ماہ اسی خوشی میں جلدی جلدی پوری قسط پڑھی مگر نیچے آخری قسط اگلے ماہ لکھا ماننا پڑے گا۔ خیر آپی آخری قسط جب بھی ہو ہیپی اینڈنگ ہونا چاہیے۔ نازی آپی پلیز ہانیہ کی شادی پھر سے میکال کے ساتھ مت کروائیے گا وہ اس لائق ہی نہیں کہ اسے ہانیہ کا ساتھ ملے نہال کی ڈیتھ کا سین پڑھتے ہوئے آنکھیں بھیگ گئیں حورعین پر بے حد غصہ آیا۔ اس نے واقعی سلفش بے ہو گیا ہے کم از کم زبیر معیز ہمیر، عمیر اور دادی کا تو خیال کرنا چاہیے تھا اور عبید نے جو اس کی اتنی مدد کی اسے اس کا بھی خیال نہیں آیا۔ حورعین تم تو اتنی نائس تھیں یہ تمھیں آخر کیا ہو گیا۔ اقرا آنٹی پری اور طغرل کا بھی حادثاتی طور پر نکاح وغیرہ کروا دیں باقی جھگڑے وہ خود سلجھاتے رہیں گے۔ ماہ رخ

اب اعوان کی مدد سے ہی اس چنگل سے نکلے گی۔ کاش اعوان اب بھی اسے اپنا لے نمائزہ کو واقعی سچائی نہیں بتانی چاہیے تھی کاش فاخرہ صاف دل سے قبول کر لے اور اس عادلہ کا بھی دماغ درست ہونا چاہیے۔ ام مریم جی آپ نے لاما بے چاری کو کیوں پھنسا دیا۔ ایمان اور لاریب کے کیے کی سزا اس معصوم کو مل رہی ہے چاہیے تھی ایمان کو اب عقل آ گئی ناکہ گھر سے بھاگنے والی لڑکیاں ایک دن شوہر کے دل سے بھی اتر جاتی ہیں۔ شرجیل کو بھی کچھ شرم کرنی چاہیے اگر بیوی کو حق نہیں دلوا سکتا تو اسے اتنی پٹیاں کیوں پڑھائیں۔ سندانی ایک نمبر کی بے وقوف اور اسٹوپڈ لڑکی ہے عباس کو اس کی انا کے بے عزتی کر کے اس کا دماغ درست کر دینا چاہیے بلاوجہ اس بے چارے کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ عالیہ حرا کا "میرا نقش گر" نے ہمارے معاشرے کا ہی روپ دکھایا۔ سمیرا حمید کی "روشن اندھیرے" اچھی کہانی تھی۔ والدین کتنی بڑی نعمت ہیں بخوبی اندازہ ہوا۔ راحت وفا کا "گندو باجی" بہت الگ اور عجیب سی کہانی تھی ایسا بھی ہو سکتا ہے یہ تو سوچا تک نہ تھا۔ فصیحہ آصف کا افسانہ بہت چل اور نائس تھا میری سویٹ فصیحہ خان۔ صبا جاوید کا افسانہ "شہر محبت" پورے آنچل کی جان تھا فرسٹ سین پڑھ کر تو ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ بشریٰ باجوہ کا افسانہ تھوڑا اسیڈ تھا لیکن بہت اچھا بھی۔ ہمارے جانبازوں کی وجہ سے ہی تو ہمارا ملک قائم ہے اللہ ہمیشہ ان کی مدد کرے آمین۔ شمائلہ آپی "ہم سے پوچھیے" میں بڑا احسان بڑے جوش و خروش سے سب کے جوابات دینے میں مصروف نظر آئیں لہٰذا اسلام عائشہ ہو گئی۔ "یادگار لمحے" واقعی یاد رہنے والے تھے سب نے بہت اچھا لکھا۔ نغمہ ہاشمی کی تنقید پڑھنے میں مزا آیا۔ فضا انجم، ذرا تھوڑی تعریفیں بھی کر دیتیں باقی سب کا تبصرہ بھی بہت اچھا تھا۔ ہمارا آنچل میں سونیا منظور سے مل کر بے حد خوشی ہوئی آمنہ اور ثمرین آپ دونوں بھی بہت نائس ہو، آپ کا تعارف دیکھ کر بھی خوشی ہوئی۔ ویل اچھا آنچل زبردست تھا پڑھ کر بے حد مزا آیا اور اب اگلے ماہ کے آنچل کا بے صبری سے انتظار ہے۔ تمام قارئین اور اسٹاف اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیں پھر حاضر ہوں گے ٹیک کیئر آل!

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف۔ اسلام علیکم! کیسی ہو شہلا آنٹی! امید ہے کہ فٹ فاٹ ہوں گی اس بار بھی آنچل خلاف روایت 26 تاریخ کو ملا جب کہ ادھر ہمارا انتظار کر کر کے بُرا حال تھا۔ نازیہ کنول نازی آپی میں آپ سے ناراض ہوں بھئی آپ نے اچھا نہیں کیا آپ نہال کے ساتھ کچھ بھی کر دیتیں مگر اسے زندہ تو رہنے دیتیں۔ "جھیل کنارا کنکر" بلاشبہ ایک شاہکار ناول ہے جو میرے خیال سے قارئین کے ذہنوں میں تا دیر رہے گا۔ حورعین میں اور عافیہ صدیقی میں مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ نازیہ آپی آپ کے ناول کا خاص طور پر حورعین والا پلاٹ میرے ذہن کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ سو میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو اس عظیم نیکی کا بھرپور اجر عطا فرمائے آمین۔ اب بات ہو جائے "بھیگی پلکوں پر" اقرا آپی اس پری کو آپ سیدھا کر لو نہیں تو میرے ہاتھوں سے پٹ جائے گی (سچ میں اب تو پری اوور کرنے لگی ہے کہانی کو حالانکہ پری میرا فیورٹ کردار ہے) کہانی پر آپ کی گرفت کمزور ہے۔ "دوست کا پیغام آئے" ڈیئر سٹ طیبہ نذیر تمہاری محبت میرے لیے انمول تحفہ ہے پلیز طیبہ! ابھی بھی مجھ سے ناراض نہ ہونا کیونکہ مجھے کسی کو منانا نہیں آتا۔ عظمیٰ فرید! شادی مبارک ہو مگر میری سالگرہ بھول گئی تھیں یقیناً او کے نو پرابلم اینڈ ٹیک کیئر اللہ حافظ۔

رانیہ، دانیہ اینڈ پریشے...... چلت بیلی خان۔ اسلام علیکم ڈیئر شہلا آپی اینڈ تمام ریڈرز اسٹاف ہماری طرف سے مہکتا اور خوشبو بھرا سلام آپی کیا حال چال ہے؟ ہم راولپنڈی کے ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتی ہیں جہاں آنچل کا ملنا نہایت مشکل ہے لیکن میں کامیاب ہو ہی جاتی ہوں۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف آنچل بہت ہی پیارا ڈائجسٹ ہے اور اس کی کہانیاں تو ہمیشہ معیاری ہوتی ہیں اور ریڈرز کو خوش کر دیتی ہیں۔ میرا فیورٹ سلسلہ وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" ہے اور مصطفیٰ اور شہوار کا کردار مجھے بہت پسند ہے۔ ویل ڈن سمیرا جی اینڈ کیپ اٹ اپ۔ باقی تمام سلسلے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ اللہ آنچل کو مزید ترقی اور پھلنے پھولنے کی طاقت عطا فرمائے آمین۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سلویہ چوہدری...... ڈوگہ، گجرات۔ شروع رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو نیتوں سے خوب واقف ہے اور دلوں کے حال بخوبی جانتا ہے۔ آنچل 27 کو ملا سرورق بیسٹ تھا سرگوشیاں پڑھیں یارب رحم فرما ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں۔ تعارف پڑھے سب کے اچھے تھے ثمرین آپ ہم سے دوستی کرو گی؟ ہم نے ہر جگہ اپنا نام ڈھونڈا مگر ملا ہی نہیں شہلا جی پھر سے دشمنی...... اس بار تو ہم نے تبصرہ نہیں کرنا تھا ایک تو ہم ناراض تھے ایک ہم مصروف ہو گئے ہیں مگر ہم اسپیشلی تبصرہ لکھ رہے ہیں بشریٰ نوید باجوہ کے لیے ان کا افسانہ ہم کو بہت اچھا لگا مگر دکھی کر گیا مگر واقعی ہم کو کیپٹن طلحہ پر ناز ہو گیا۔ ام مریم کا ناول تو بس جی کیا لکھیں ام مریم جیسا ہے سفر رہا...... ابھی باقی رسالہ ہم نے پڑھا نہیں ہے اگلے ماہ تک کے لیے فی امان اللہ حافظ۔

عروسہ علی...... ٹانڈہ۔ سویٹ شہلا آپی ریڈرز اینڈ محترم اسٹاف اینڈ تمام پاکستانیوں کو محبتوں بھرا اسلام قبول ہو آپی پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اپنی پیاری محبتوں بھری محفل میں جگہ ضرور عنایت کیجیے گا۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف ستمبر کا آنچل 29 کو ملا حمد و نعت پڑھنے کے بعد فوراً دوڑ لگائی "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف سمیرا آپی یہ پڑھ کر دل پرسکون ہو گیا کہ ایاز کی گولی کسی کو نہیں لگی ایاز کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ عادلہ کو تکبر وغیرہ کی سزا ضرور ملنی چاہیے اس ناول میں ان والدین کے لیے سبق موجود ہے جو اپنی اولاد کی بے جا حمایت کرتے ہیں۔ یانا خود ہے کچھ بتی ولیے... پر ولید کو سمجھنا تو چاہیے کہ کس وجہ سے اس کا موڈ پل میں تولہ پل میں ماشہ ہوتا ہے۔ نازیہ کنول نازی کا "جھیل کنارا کنکر" نے بہت رلایا جتنی دعائیں ہانیہ نے مانگیں اس سے کہیں زیادہ میں نے نہال کی زندگی کے لیے مانگیں پر نازیہ آپی نے ہمیں رلانے کا قصد جو کیا تھا اور حورعین کا رویہ مجھ سے بالاتر ہے یا تو وہ خود سب سے بھاگ رہی ہے یا دوسروں کی خاطر فکر رہی ہے۔ "بھیگی پلکوں پر" بھی اچھی جارہی ہے۔ ام مریم کا "مجھے ہے حکم اذاں" زبردست ویل ڈن مریم اور پلیز زندنی اور اماسہ کے ساتھ برا مت کیجیے گا۔ "میرے نقش گر" عالیہ حرا کا مکمل ناول ونڈر فل رہا اس کے علاوہ تمام افسانے بہت بہت شاندار تھے سمیرا آپی کے جوابات پڑھ کر ان میں اپنی جھلک نظر آئی باقی پورا آنچل زبردست تھا دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

☆ اچھی گڑیا! پہلی بار شرکت کرنے پر خوش آمدید ہمیں امید ہے آپ آئندہ بھی تبصرہ کرتی رہیں گی۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام اہل وطن کو اپنی رحمتوں کی آغوش میں رکھے اور عید قربان کو ہمارے لیے رحمت بنائے اور ہماری عبادات و حج قبول فرمائے آمین۔

ہم سے پوچھئے

شائلہ کاشف

حفصہ عطاری...... راولپنڈی

س: محسوس نہ ہو رہی ہو محفل میں کمی ہماری
یہ سوچ کر ہم آ گئے ہیں دوبارہ

ج: اچھا تو کیا ہم کو محسوس کرنی تھی......

س: آپی اگر ہمارا کوئی پیارا ہم سے روٹھ جائے تو ہم اسے منا لیتے ہیں اگر زندگی روٹھ جائے تو؟

ج: اتنی سی عمر میں ایسی باتیں نہ کرو۔

س: اگر زندگی رہی تو پھر آؤں گی ان شاء اللہ آپی اس چٹی منی کو میٹھی سی دعاؤں کے ساتھ اجازت دیں؟

ج: سدا خوش رہو اور جلدی بڑی ہو جاؤ۔ آمین

نورین شفیع...... ملتان

س: السلام علیکم! آنو جانی کیسی ہیں آپ؟

ج: وعلیکم السلام! ہم ٹھیک ہیں...... تم اپنی سناؤ۔

س: ظالم سماج میرے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ میں رسالے کیوں پڑھتی ہوں بتائیں کیا کروں؟

ج: ظالم سماج کو بھی رسالے پڑھنے کی عادت ڈلوادو وہ بھی اپنے خرچے پر پھر تنگ نہیں کرے گا۔

س: آپ نے مجھے یاد کیا؟

ج: اچھا آپ کو یاد بھی کرنا تھا آپ نے بتایا ہی نہیں تھا ورنہ......

س: اچھا جی اجازت چاہوں گی میری اللہ سے دعا ہے وہ سب کو ہدایت عطا فرمائے؟

ج: آمین...... اور آپ کو۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: ساون میں اندھے کو ہرا ہرا ہی کیوں سوجھتا ہے لال پیلا یا کالا کیوں نہیں؟

ج: تم بتاؤ تمہیں کیا سوجھتا ہے۔

س: شیر اور بکری کب ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں؟

ج: بالکل لیکن الگ الگ۔

س: بچت کرنے کا کوئی نایاب طریقہ بتائیں؟

ج: ایزی لوڈ کرانا بند کر دو۔

س: دل دیوانہ بن سجنا کے مانے نہ کیوں بھلا؟

ج: دل تو پاگل ہے...... دیوانہ ہے ناں۔

س: دل کا درد کب سر کے درد میں تبدیل ہو جاتا ہے؟

ج: جب والدہ کا ڈنڈا سر پر پڑتا ہے۔

س: ان کی ہر وقت تیوریاں کیوں چڑھی رہتی ہیں؟

ج: آئینہ دیکھو سمجھ جاؤ گی۔

ثانیہ عبدالغفور...... للیانی، سرگودھا

س: السلام علیکم اپیا جی! یقیناً آپ کے مزاج صاحب ٹھیک ہوں گے؟

ج: ہمارے تو ٹھیک ہیں مگر آپ کے......؟

س: اپیا! ناک پر بیٹھ کر کان پکڑنے والی بات بہت ڈسٹرب کرتی ہے، کیا کروں؟

ج: اب ناک پر بیٹھے تو زور سے ہاتھ مار کے اڑا دینا۔

س: اپیا جانی! مجھے سردیوں میں سردی اور گرمیوں میں گرمی بہت لگتی ہے، کیا کروں؟

ج: کچھ نہ کرو بس تم سردیوں میں سردی کو اور گرمیوں کو گرمی کو پیاری ہو جایا کروں۔

ماریہ ریاض...... رجوعہ

س: آپی جب وہ غصے میں مجھے گھورتے ہیں تو مجھے وہ ہوتا ہے بھلا کیا؟

ج: وہی ملیریا ناں؟

س: لوگ بجلی آنے پر شکر کرتے ہیں میں جانے پر، بتائیں کیوں؟

ج: لوگ کسی حال میں خوش نہیں رہ سکتے یہی حال تمہارا ہے۔

س: آپی اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

ج: خوش رہو...... آمین۔

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

س: اس جہان فانی میں کسی کو عشق لے ڈوبا تو کسی کو مال و دولت اور ایک ہم ہیں کہ......؟

ج: شائلہ کاشف کو لے ڈوبیں۔

س: میرے ویران کمرے کی کھلی کھڑکی سے جب......؟

ج: جب تم جھانکو تو تمہارے پڑوسی ڈر جائیں۔

کشمالہ اقبال...... احمد پور سیال

س: اپیا جی پہلی مرتبہ شریک محفل ہوں، کیسا لگا؟

ج: ویسے ہی جیسے پیٹرول کے ریٹ اچانک کم ہونے پر لوگ محسوس کرتے ہیں۔

س: آپی آپ سے ملاقات کیسے ممکن ہے؟

ج: "یہ ملاقات نہیں تو اور کیا ہے؟

س: دولت لوگوں کو اندھا کیوں کر دیتی ہے؟

ج: کیوں تمہیں اندھا کر دیا کیا؟

مدیحہ نورین...... برنالی

س: آپی قربانی کے گوشت میں میرا بھی حصہ رکھیے گا۔

ج: ہاں ضرور، آپ کی قربانی میں آپ کا ہی حصہ ہوگا کیسی اور کا نہیں۔

س: کامیاب مرد کے پیچھے اگر عورت کا ہاتھ ہے تو ناکام مرد کے پیچھے......؟

ج: عورت کا 99% ہاتھ ہے۔

س: تنہائی اور جدائی میں کیا فرق ہے؟

ج: وہی جو آئس کریم اور کافی میں ہے۔

س: جو گرجتے ہیں وہ برستے کیوں نہیں؟

ج: کراچی کے بادل جو ٹھہرے۔

س: عورت ہی کیوں ہر فیصلے کو تقدیر کا لکھا سمجھ لیتی ہے؟

ج: آج کل کی عورتیں کہاں کچھ مانتی ہیں، منوا کے ہی دم لیتی ہیں۔

حافظ سمیرا...... 157 این بی

س: السلام علیکم! آپی آپ کی محفل میں تھوڑی سی جگہ چاہیے، ملے گی ناں؟

ج: جگہ تو بنانے سے بنتی ہے۔

س: آپی لوگ خوب صورت چہروں کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں، سورج سے کیوں نہیں؟

ج: غلط، اکثر لوگ خوب صورت جوڑیوں کو چاند اور سورج سے ہی تشبیہ دیتے ہیں۔

س: پنچھی اور پردیسی میں کیا قدر مشترک ہے؟

ج: بے وفائی۔

س: آپی! میرا رزلٹ آنے والا ہے پلیز کوئی اچھی سی دعا کریں؟

ج: سدا کامیاب رہو۔ آمین

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال، گجرات

س: آپی کیا میں آ سکتی ہوں یا نہیں؟

ج: اب اندر آ کے اجازت مانگنا کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

س: آپی جی زیادہ تر لڑکیوں کا دل کس بات پر ٹوٹتا ہے؟

ج: میک اپ کے ہائی ریٹس پر۔

س: آپی جی کوئی اچھی سی دعا میرے لیے؟

ج: سدا خوش رہو اپنے خرچے پر۔ آمین

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ

س: شائلہ جی آپ کی حاضر جوابی آپ کو سیاست کی طرف مائل کیوں نہیں کرتی اگر میں ایسے جواب دیتی تو......؟

ج: تو آپ اگلی وزارت داخلہ ہوتیں۔

س: آپ کے کالم میں سوالات کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟

ج: جتنی آپ کی عقل۔

س: پروین افضل شاہین صاحبہ کو گزر چکی اور آنے والی عید مبارک۔ میں خود سے کہہ رہی ہوں کیونکہ آپ ٹیکس کا بورڈ سامنے کر کے ڈرا دیتی ہیں کیونکہ ٹیکس واقعی

ہر بات پر لاگو ہو گئے ہیں۔
ج: اب تو جوابات پر بھی ٹیکس لگانا پڑے گا۔
س: شادی شدہ مرد نظریں جھکا کر اور غیر شادی شدہ اٹھا کر چلتے ہیں' عورتوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
ج: وہی جو آپ کی ہے۔
س: شادی سے پہلے پاکستان جبکہ شادی کے بعد غیر ممالک میں سفر کرنے والے حضرات بیوی کی لمبی شاپنگ سے جلدی گھبرا کر دوسرے ملک چلے جاتے ہیں' بیویوں کی شاپنگ کو ادھورا چھوڑ کر؟
ج: آ ہم...... اب تو مہنگائی کے طوفان میں لوگ بیویوں کو ہی چھوڑ...... سمجھ گئیں نا؟

پرنسس امیمہ رباح...... ڈی جی خان

س: السلام علیکم! کیسی ہو آنی...... میں یاد تو ہوں نا؟
ج: وعلیکم السلام! جی بالکل آپ وہی ہے نا جو......
س: آنی اگر کسی کو چپ رہنے کی عادت ہو تو کیا ضروری ہے اسے مغرور کہا جائے؟
ج: ضروری نہیں ہو سکتا ہے اس نے ہینڈز فری لگائی ہو اس لیے چپ ہو۔
س: آنچل کے پرانے قاری کیوں غائب ہیں آج کل؟
ج: پیا دیس جو سدھار کر پیا جی کو پیارے ہو گئے ہیں۔
س: کچھ لوگ بارش کو رومینٹک کہتے ہیں اور کچھ بارش میں اداس ہوتے ہیں' کیا وجہ؟
ج: اپنا اپنا فلسفہ بارش ہے اب ہم کیا کہیں۔
س: آنی سچا پیار ایک بار ہوتا ہے یا بار بار بھی ہوتا ہے اور جو بار بار ہوتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟
ج: وہ فلرٹ ہوتا ہے۔

اقصیٰ زرگر' سنیاں زرگر...... جوڑہ

س: ارے بیٹھنے کی جگہ...... وہ رہی جگہ؟
ج: بھئی جب جگہ دکھ گئی ہے تو بیٹھ بھی جاؤ بس۔
س: دنیا گول ہے تو ہمارے گھر گول کیوں نہیں ہوتے؟
ج: کیوں تم نے جغرافیہ لکھنا ہے کیا؟

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: پہلی عید پر وہ ہمارے گھر آ کر شرما کیوں رہے تھے؟
ج: آپ نے کوئی بکری پال رکھی ہو گی جب ہی آپ کا بکرا اسے دیکھ دیکھ کے شرما رہا ہو گا۔
س: انہوں نے مجھے کہا عید کا دن ہے بھلا میں نے انہیں کیا جواب دیا تھا؟
ج: راز کو راز ہی رہنے دو بس ورنہ......

بشریٰ جٹ...... گجرات

س: السلام علیکم اینڈ ہائے آپی جانی؟
ج: وعلیکم السلام...... کہیں درد ہے کی؟
س: اس ملک کا مستقبل آپ کے خیال میں کیا ہو گا؟
ج: وہی جو آپ کا خیال ہے ایک دم۔
س: کیا نوجوان اس ملک کا مستقبل بدلیں گے یا نہیں؟
ج: بالکل بدلیں گے اگر وہ خود کو بدل لیں تب۔
س: اس ملک کے لیے یہ مصرعہ کیسا ہے' امیدوں کے دیے جلائے رکھنا۔
ج: امیدوں کے اور خوش فہمیوں کے دیے جلائے رکھنا۔
س: دوسروں کو تنگ کرنے میں مزہ کیوں آتا ہے؟
س: کیوں تمہیں مزہ آتا ہے کیا؟

آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

طاہر محمود اٹک سے لکھتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی ت برباد کر چکا ہوں مکمل حال لکھ رہا ہوں کوئی ناسب علاج بتائیں۔
محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
ماریہ چوہدری آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔
محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پیا کریں۔
سعدیہ اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں جو دن بدن بڑھ رہے ہیں۔
محترمہ آپ OLIUMJACC 3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور APHRODITE کا استعمال جاری رکھیں۔
اسماء ناز سمندری سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر پل کی وجہ سے گڑھے نما نشانات ہیں اس کا علاج بتائیں۔
محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پئیں۔
عدنان جھنگ سے لکھتے ہیں کہ ہیئر گروور کی قیمت اور منگانے کا طریقہ کیا ہے۔
محترم آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔
ایمان بٹ لودھراں سے لکھتی ہیں کہ میری طبیعت کبھی ٹھیک نہیں رہتی بہت سے علاج کیے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
محترمہ آپ کا معائنہ کیے بغیر علاج نہیں ہو سکتا۔ آپ مقامی ہومیو ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔
ثمینہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے اور داغ ہیں گرافائٹس سے فرق نہیں پڑا اور میری امی کو قبض کا مسئلہ ہے۔
محترمہ آپ KALIBROM 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-IM کے پانچ قطرے ہر پندرہ دن بعد لیں۔ HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں آپ کو 6,5 بوتل استعمال کرنا ہوں گی والدہ کو NUXVOM 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ دیں۔
رابعہ نورین فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ چہرے پر جھائیاں ہیں ہونٹوں کے اوپر بال ہیں ماہانہ نظام خراب ہے۔
محترمہ آپ میرے کلینک سے APHRODITE منگالیں۔ چہرے سے بال مستقل ختم ہو جائیں گے قدرتی نقص کا کوئی علاج نہیں ہے۔
محمد شاہ جہاں حسن فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میری بہن کو سانس کی تکلیف تھی جو آپ کی تجویز کردہ دوا سے صحت یاب ہو گئی ہے۔ اب میرے مسئلہ کا حل شائع کیے بغیر بتائیں۔
محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
صبا نوشہرہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے قد چھوٹا ہے کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ میرا قد تھوڑا بڑھ جائے۔
محترمہ آپ CALCPHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن پیا کریں تین ماہ یہ دوا دیں کافی ہے۔
مونا کوٹ ادو سے لکھتی ہیں کہ مجھے شوق

میرے بال بہت لمبے گھنے ہو جائیں کیا میں ہیئر گروور استعمال کرسکتی ہوں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں اپنا پتا مکمل لکھیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

ن ظ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 36 سال ہے ایڑیوں میں درد ہوتا ہے اور کولیسٹرول بڑھ گیا ہے۔ میں اپنی عمر سے دگنی لگتی ہوں۔ بازوؤں کا گوشت اور بریسٹ بھی لٹک گئے ہیں میری بچی کے بال بہت کمزور ہیں ہاتھ لگانے سے ہی جھڑنے لگتے ہیں تیسرا مسئلہ میرے بھائی کا ہے وہ گنجے ہیں ان کے بال نہیں آتے۔

محترمہ آپ CYCLAMEN 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں بیٹی اور بھائی کے لیے میرے کلینک سے HAIR GROWER منگوالیں مبلغ 1200 روپے کا منی آرڈر ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل نام پتا اور مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER لکھ دیں آپ کو دوا گھر پہنچ جائیں گی جس کے استعمال سے بچی کے بال گرنا بند ہوں گے اور گنجے سر پر لمبے گھنے بال پیدا ہوں گے۔

چراغ الدین بلتستان سے لکھتے ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ثانیہ اصغر فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے نکلتے ہیں جو نشان چھوڑ جاتے ہیں بھائی کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ بریسٹ بیوٹی کس عمر تک کارآمد ہے۔

محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ بھائی کو CALCPHOS 6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ دیں اور BARYTA CARB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار دیں۔ بریسٹ بیوٹی حسن نسواں میں کمی کے لیے 20 سال سے کم عمر میں استعمال کرسکتی ہیں اور ڈھیلا پن اور جھریاں دور کرنے کے لیے عمر کی قید نہیں۔ APHRODITE دو مرتبہ بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

مدیحہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے کولہے اور پیٹ بہت بڑھ گئے ہیں گرمیوں میں پورے جسم پر دانے نکلتے ہیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور SULPHUR 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار لیں۔

آصف عثمانی جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میں بہت دبلا پتلا ہوں گال اندر کی طرف دھنسے ہوئے ہیں نہایت کمزور ہوں کسی غلط کام میں نہیں ہوں مگر صحت نہیں بنتی۔

محترم آپ FIVE PHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں۔

جمیلہ خاتون سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر اپر لپس پر بال تھے۔ APHRODITE کے استعمال سے بال تو ختم ہوگئے ہیں مگر رواں باقی ہے جو بہت باریک اور چھوٹا ہے کیا یہ بھی ختم ہوسکتا ہے دوسرا مجھے بہت زیادہ قبض کی شکایت ہے بغیر دوا کے کئی کئی دن تک اجابت نہیں ہوتی میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔

محترمہ آپ OPIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور ایفروڈائٹ کی ایک بوتل مزید استعمال کرلیں یہ رواں بھی ان شاء اللہ ختم ہوجائے گا۔

ارم جہانگیر پشاور سے لکھتی ہیں کہ مجھے رحم کے بڑھا ہونے کی تکلیف ہے لیڈی ڈاکٹر کہتی ہیں کہ رحم بڑھا ہوا ہے۔ آپریشن کرائیں میں آپریشن سے بہت ڈرتی ہوں برائے مہربانی میرا مسئلہ بھی حل کریں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں وزن اٹھانے سے پرہیز کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے

کریم بخش میانوالی سے لکھتے ہیں کہ میں آنچل اور آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ میرا پراسٹیٹ کا مسئلہ آپ کی تجویز کردہ دوا سے بغیر آپریشن درست ہوگیا۔ اب ایک اور مسئلہ لکھ رہا ہوں شائع کیے بغیر علاج لکھ دیں۔

محترم آپ KALSULF 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں ان شاء اللہ یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

تحسین فاطمہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ ٹائیفائیڈ کے بعد میرے سر کے بال گر چکے ہیں میں گنجی ہوگئی ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں میری پڑوسن نے بتایا کہ HAIR GROWER کے استعمال سے اس کے گنجے شوہر کے بال آگئے ہیں کیا ٹائیفائیڈ سے گرے ہوئے بال بھی آسکتے ہیں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل نام پتا لکھیں مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER ضرور لکھیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ 6,5 بوتلوں کے استعمال سے آپ کے بال لمبے گھنے اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

ام مبشر رحیم یار خان سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کے چہرے اور ہونٹوں پر بال ہیں چھوٹی بہن کے بھی بال ہیں ہم نے ایک ہومیو ڈاکٹر سے علاج کرایا تھا کوئی فائدہ نہیں ہوا کیا آپ کی APHRODITE کے استعمال سے یہ بال ختم ہوسکتے ہیں۔

محترمہ آپ کی دونوں بہنوں کے بال APHRODITE کے استعمال سے ختم ہوجائیں گے۔ آپ دو بوتلوں کے لیے 1800 روپے کا منی آرڈر کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل نام پتا اور مطلوبہ دوا کا نام ایفروڈائٹ ضرور لکھیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

انا کلثوم بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میرا جسم دن بدن کمزور ہوتا جارہا ہے۔ بریسٹ بھی بہت کم ہوگئے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ FIVE PHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں۔

شازیہ نور چنیوٹ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ہیئر گروور کے استعمال سے بہت فائدہ ہوا ہے مگر میں اسے خرید نہیں سکتی برائے مہربانی آپ اس کا نسخہ لکھ دیں تو میں خود بنا کر استعمال کرلوں گی۔

محترمہ ادویات بنانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے بنانے کا سامان حاصل کرنے کے لیے ہزاروں روپے کا خرچ آئے گا جو آپ کے لیے ناممکن ہوگا۔

ایم وائی خان لالہ رخ واہ کینٹ سے لکھتے ہیں کہ دائیں ٹانگ کے کولہے سے درد ہوتا ہے اور پوری ٹانگ میں پاؤں تک درد جاتا ہے اس کا علاج بتائیں اور یہ کیا مرض ہے۔

محترم آپ COLOCYNTH 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں یہ درد عرق النساء کہلاتا ہے۔

شاہ انم مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر سرخ خون والے دانے نکلتے ہیں اور میری بہن کے چہرے اور جسم پر باریک دانے نکلتے ہیں۔

محترمہ آپ BELLADONA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور بہن کو NATRUM SULF 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ دیں۔

وردہ علی گوجرہ سے لکھتی ہیں کہ پہلے بھی آپ کی تجویز کردہ دوا سے میرے مسئلے حل ہوئے ہیں اب ایک بار پھر اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں کہ میری کمر پر دانے نکلتے ہیں اور دانت میں کیڑا لگ رہا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ KREOSOTE 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مومنہ کمال گوجرہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے پیدائشی قبض ہے کمر پر دانے ہیں۔

محترمہ آپ HYDRASTIS 30 کے پانچ

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

جمال احمد لاہور سے لکھتے ہیں کہ میں نے رجسٹرڈ لفافہ میں 600 روپے رکھ کر پوسٹ کیے ہیں میرے پاس رجسٹری کی رسید موجود ہے مگر ابھی تک دوا نہیں پہنچی کیا وجہ ہے۔

محترم بارہا لکھا گیا ہے کہ رقم لفافہ میں رکھ کر نہیں بھیجیں ہمیں رجسٹرڈ لفافہ مل گیا ہے مگر اس میں کوئی رقم نہیں ہے۔ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں اپنے قریب کسی پڑھے لکھے سے معلوم کریں منی آرڈر کس طرح ہوتا ہے۔

کلثوم بی سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی بیماری کی مکمل تفصیل لکھ رہی ہوں شائع کیے بغیر دوا بتائیں۔

محترمہ آپ CALCCARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مجم الحق سکھر سے لکھتے ہیں کہ میں کراچی میں آپ سے ملا تھا آپ نے دوا لکھ دی تھی اللہ کا کرم ہے کہ میں تندرست ہوگیا اب اپنی بیگم کی مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ ان کو SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔ ان شاء اللہ شفاء بھی حاصل ہوگی۔

کنیز فاطمہ ٹنڈو آدم سے لکھتی ہیں کہ اپنا مکمل حال لکھ رہی ہوں شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ LEDUMPAL 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ڈاکٹر انعام الہیٰ لیہ سے لکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ لو پوٹینسی تجویز کرتے ہیں جبکہ آج کل کے ڈاکٹر بہت ہائی پوٹینسی استعمال کراتے ہیں۔

محترم ہائی پوٹینسی ضرورت کے وقت ڈاکٹر کی زیر نگرانی استعمال کرنا چاہیے۔ اس طرح مریضوں کو لکھ کر نہیں دی جاسکتی۔ ہائی پوٹینسی کا بے جا استعمال بھی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

مسز تیمور خان گجرات سے لکھتی ہیں کہ میں نے اپنے چاروں بچوں کو اپنا دودھ پلایا ہے جس کی وجہ سے خوب صورتی ختم ہوچکی ہے میں بہت پریشان ہوں۔

محترم آپ میرے کلینک سے BREAST BEAUTY منگالیں۔ ان شاء اللہ قدرتی خوب صورتی بحال ہوگی۔

مظفر علی ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

محمد قدیر ہزارہ سے لکھتے ہیں کہ مجھے آئے دن بخار آجاتا ہے بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

محترم آپ ECHNACEA 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

منیبہ مختار کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے خارش ہے کھجانے سے خون نکل آتا ہے میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ PETROLIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

منیر احمد ضیاء راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترم آپ CHINA 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔ صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850۔

خط لکھنے کا پتا۔ آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

وٹامنز کی اہمیت و خصوصیات

انسانی جسم کے لیے...... حیاتین و معدنیات بہت ضروری ہیں۔ زندگی اور صحت کے ساتھ غذا کے عناصر حیاتین کا گہرا تعلق ہے اس لیے ان کی کمی یا غیر موجودگی دونوں صورتحال کے باعث انسان متعدد امراض کا شکار ہوجاتا ہے اکثر امراض غذا میں وٹامن کی کمی کے باعث رونما ہوتے ہیں اس کے علاوہ بعض خاص وٹامنز کی غیر موجودگی بسا اوقات شدید نقصانات پیدا کردیتی ہے اور اس طرح امراض کے مقابلے میں انسانی جسم سے قوت مدافعت مفقود ہوجاتی ہے اس طرح کی قوت کو برقرار رکھنے اور صحیح جسمانی تعمیر کے لیے ہماری غذا میں وٹامنز کے علاوہ ایک خاص کیمیائی عنصر بھی پایا جاتا ہے جسے پروٹین کہتے ہیں۔

انسانی جسم کی تعمیر میں پروٹین کا وہی درجہ ہے جو کہ ایک مکان بنانے میں اینٹوں کا' گوشت اور خون ہماری خوراک کے پروٹین سے بنتے ہیں مثلاً ساگ' سبزی اور پھل میں پروٹین بہت کم مقدار میں ہوتی ہے۔ پروٹین مہیا کرنے والی غذاؤں میں دودھ' گوشت' مچھلی' انڈہ' جو کا دلیہ' آلو بے چھنے آٹے کی روٹی' سویا بین' مٹر اور مختلف دالیں اور پھلیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دودھ' دہی' گیہوں' مٹر اور دالوں میں پروٹین زیادہ ہوتے ہیں مگر گوشت' مچھلی' انڈے' دال ماش اور سویا بین میں بہت زیادہ مقدار میں موجود ہیں۔

وٹامن اے (حیاتین اے)

وٹامن اے غذا کا پہلا جزو اعظم ہے روزانہ غذا میں اس کی مناسب مقدار کی موجودگی صحت انسانی پر غیر معمولی اثرات پیدا کرتی ہے' جس سے جسم تندرست چہرہ تروتازہ اور بارونق رہتا ہے جلد چکنی' آنکھیں روشن' منہ' دانت مضبوط' ناک ہڈیوں اور جسم کی لعابی جھلی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس میں قوتِ مدافعت ہوتی ہے بچوں کی غذا میں وٹامن اے کا بے حد دخل ہے۔ یہ بچوں کی بالیدگی اور نمود کے لیے ضروری ہوتا ہے' یہ مکھن' سبز اور زیر زمین پیدا ہونے والی سبزیوں میں موجود ہوتی ہے۔ وٹامن اے پھلوں میں سنگترہ' مالٹا' لیموں' اناناس اور آم میں کافی مقدار میں ملتا ہے۔ کارڈلیور آئل وٹامن اے کا مخزن ہے۔ اس سے وٹامن اے نہایت عمدہ اور اصلی حالت میں دستیاب ہوسکتا ہے اس لیے ضرورت پر اس کا استعمال مفید ہے۔

وٹامن بی

وٹامن بی کا بھی تندرستی سے گہرا تعلق ہے یہ جسم کے اعصاب' نروس سسٹم اور دل و دماغ کے لیے بہت ضروری ہے یہ اعضاء کو مضبوط کرتا ہے۔ قوتِ ہاضمہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور بھوک بڑھاتا ہے دورانِ خون کا نظام درست رکھتا ہے اور دل کے افعال کو درست کرتا ہے۔ وٹامن بی میں شامل اجزا ترکاریاں' سبزیاں' دودھ' دہی' چھاچھ' پنیر' بادام' پستہ' کلیجی' گوشت اور انڈے کی زردی میں وٹامن بی بکثرت ہوتا ہے۔ وٹامن بی پھلوں' ساگ اور سبزیوں میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

وٹامن سی (حیاتین سی)

طبی نقطہ نظر سے غذا میں وٹامن سی کی موجودگی آنکھوں' دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ خون کی کمزوری اور جسم کی لاغری کو رفع کرتی ہے اس کے علاوہ جلدی بیماریاں' فشار خون وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہڈیوں کی مضبوطی' نشوونما کی معاون اور بینائی کی محافظ ہے۔ غذا میں اس کی کمی یا غیر موجودگی بہت سے امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ ہڈیوں کے جملہ امراض' دانتوں کی خرابی اور بیماریوں کا بھی باعث ہوتی ہے یہ سب بیماریاں وٹامن سی کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں' ترکاریاں اور پھل وٹامن سی کا مخزن ہیں مگر یہ یاد رکھیں باسی' گلے سڑے اور خشک پھلوں' ترکاریوں اور

سبزیوں کے وٹامن بالکل ضائع ہوجاتے ہیں اکثر زیادہ دھونے سے یا بھوننے سے اور کھلا رکھنے سے بھی وٹامنز ضائع ہوجاتے ہیں۔ کچی اشیاء کھانے میں زیادہ استعمال کریں مثلاً سلاد گاجر، مولی، شلجم، ٹماٹر، پیاز، کھیرا، ککڑی وغیرہ۔ ہر قسم کے ساگ، پتے والی سبزیاں خصوصاً پالک، گاجر، چقندر، پیاز، کریلا، گوبھی، شلجم، لوبیا، مولی، آملہ، ٹماٹر اور تمام تر دتازہ اور موسمی پھل مثلاً سنگترہ، نارنگی، سیب، انگور، لیموں، پپیتا، آم، انناس میں وٹامن سی بہت زیادہ ہوتا ہے اس کے علاوہ گوشت اور دودھ میں وٹامن سی بہت کم ہوتا ہے۔

وٹامن ڈی (حیاتین د)

وٹامن ڈی کا عمل بھی کسی حد تک وٹامن اے کے مانند ہے یہ جسمانی نشوونما ہڈیوں کی ساخت اور پرورش کے لیے ضروری ہے دانتوں کو مضبوط اور چمک دار بنانے کے لیے بہترین ہے۔ غذا میں اس کے نہ ہونے سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ مچھلی کا تیل کارڈلیور آئل اس کا قدرتی معدن ومخزن ہے کھانے پینے کی اشیاء میں دودھ، مکھن، گھی، پنیر اور انڈے کی زردی میں وٹامن ڈی کے اجزا بہت پائے جاتے ہیں جو کہ شیر خوار اور نوعمر بچوں کی پرورش کے لیے بے حد اہم ہے۔ تھکان اور عضلاتی کمزوری کے لیے بے حد مفید ہے پولیو وغیرہ اس کی موجودگی یا کمی کے باعث بچوں کو لاحق ہوتا ہے۔ سوکھے کی بیماری اور ہڈی کا ٹیڑھا پن بہت لاغر اور کمزور ہونا اس کے نہ ہونے سے ہڈیاں نرم اور بدوضع ہوجاتی ہیں اور نشوونما بھی رک جاتی ہے۔ یہ شیر خوار بچوں کو ضرورت سے زیادہ نہیں دیا جاسکتا دودھ کی مصنوعات مکھن، انڈوں اور چربی میں موجود ہوتی ہے اس کے علاوہ زیتون اور سرسوں کے روغن کو کچھ دیر دھوپ میں رکھ دیا جائے تو وٹامن ڈی کے اجزا بڑی حد تک پیدا ہوجائیں گے پھر اجزا کو سورج کی روشنی میں جسم پر اسی تیل یا گھی کی مالش کردیں تو جسم میں وٹامن پیدا ہوکر جسم کو طاقت بخشتی ہے وٹامن ڈی بعض روغنی غذاؤں سے حاصل ہونے کے علاوہ سورج کی شعاعوں کے اثر سے بھی انسان کی جلد میں خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔

وٹامن ای (حیاتین ای)

وٹامن ای کا استعمال افزائش نسل کے لیے ضروری ہے مرد و عورت دونوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس سے جسم مضبوط اور وزن میں ترقی ہوتی ہے غذا میں اس کا باقاعدہ استعمال بہت سی اندرونی شکایتوں کو رفع کرتا ہے۔ وٹامن ای کی مقدار متواتر غذا میں مہیا ہو تو جسم میں فولاد اور چونے کے اجزا جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ وٹامن ای میں شامل اجزا گیہوں، باجرہ، جو، چنا اور مختلف دالوں اور انڈے کی زردی، مچھلی، گوشت، گردے، دہی، کاہو، پالک کا ساگ، گاجر، مچھلی کا تیل، تلوں کا تیل وغیرہ میں وٹامن ای کے اجزا عمدہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔

وٹامن ایچ (حیاتین ایچ)

یہ گندم اور دودھ میں موجود ہوتا ہے اس کے علاوہ وٹامنز کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں مگر ان کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں اگر غذا میں مذکورہ وٹامنز کا خیال رکھا جائے تو جس خوراک سے بدن کو حسب ضرورت مذکورہ وٹامنز حاصل ہوتے ہیں ان سے دوسرے وٹامنز بھی بدن کو مہیا ہوجاتے ہیں۔

ثمرین کنول...... کراچی